رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۱ جنوری سنہ ۱۹۴۲ء

معارف

مجلس دارالمصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت: پانچ روپیہ سالانہ

دفتر دارالمصنفین اعظم گڈھ

سلسلۂ تاریخ اسلام

اردو میں اسلامی تاریخ پر کوئی ایسی جامع کتاب نہیں تھی جس میں تیرہ سو سال کی تمام اہم اور قابل ذکر حکومتو کی سیاسی علمی اور تمدنی تاریخ ہو اس لئے دارالمصنفین نے تاریخ اسلام کا ایک پورا سلسلہ خاص اہتمام سے مرتب کرایا جس کے بعض حصے چھپ گئے ہیں اور بعض زیر طبع ہیں، اور اکثر زیر تالیف و تکمیل ہیں، جو بتدریج جیسے جیسے حالات سازگار ہوں گے شائع ہوتے رہیں گے،

تاریخ اسلام حصۂ اوّل (عہد رسالت و خلافت راشدہ) اس میں آغاز اسلام سے لیکر خلافت راشدہ کے اختتام تک کی مفصل مذہبی، سیاسی و تمدنی اور علمی تاریخ ہے (زیر طبع)
ضخامت: ۲۸۰ صفحے، قیمت: ستے

تاریخ اسلام حصۂ دوم (بنو امیہ) اس میں اموی حکومت کی صد سالہ سیاسی و علمی و تمدنی تاریخ کی تفصیل ہے،
ضخامت ۳۴۴ صفحے، قیمت: ستے

تاریخ اسلام حصۂ سوم (تاریخ بنی عباس جلد اوّل) اس میں خلیفہ ابو العباس سفاح سنہ ۱۳۲ھ سے خلیفہ ابو اسحٰق متقی للہ سنہ ۳۳۳ھ تک دو صدیوں کی بہت مفصل سیاسی تاریخ ہے، ضخامت ۵۰۴ صفحے، قیمت: للعہ

تاریخ اسلام حصۂ چہارم (تاریخ بنی عباس جلد دوم) اس میں خلیفہ مستکفی باللہ کے عہد سنہ ۳۳۳ھ سے آخری خلیفہ مستعصم باللہ سنہ ۶۵۶ھ تک خلافت عباسیہ کے زوال و خاتمہ کی سیاسی تاریخ ہے،
ضخامت ۴۳۲ صفحے، قیمت: صہ
(مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی)

تاریخ دولت عثمانیہ حصۂ اوّل، اس میں عثمان اوّل سے مصطفےٰ رابع تک سلطنت عثمانیہ کے چھ سو برس کے کارناموں کی تفصیل ہے، ضخامت: ۵۰۰ صفحے
قیمت: ستے

تاریخ دولت عثمانیہ حصۂ دوم، سلطنت عثمانیہ کے عروج و زوال کی تاریخ اور اس کے نظامی اور تمدنی کارناموں کی تفصیل از محمود ثانی سنہ ۱۲۲۳ھ ۱۸۰۸ء تا جنگ عظیم سنہ ۱۳۳۷ھ ۱۹۱۹ء
ضخامت: ۴۶۸ صفحے، قیمت: صہ
مرتبہ مولوی محمد عزیر صاحب ایم اے علیگ سابق رفیق دار المصنفین اعظم گڈہ،

تاریخ صقلیہ جلد اوّل، اس میں صقلیہ کے جغرافی حالات سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملوں کی ابتدا، حکومت کا قیام، اور عہد بعہد کی ترقیوں اور عروج کی پوری اور مفصل داستان ہے،
۴۶۰ صفحے، قیمت: للعہ

تاریخ صقلیہ حصۂ دوم، یہ سسلی کے تمدنی و علمی ترقیوں کا مرقع ہے جس میں عہد بعہد کے مفسرین، محدثین، فقہا ادبا و شعرا کے مفصل حالات اور ان کی تصنیفات کا ذکر ہے،
۵۰۰ صفحے، قیمت: للعہ
مرتبہ: مولانا ریاست علی ندوی،

مسعود علی ندوی منیجر دار المصنفین اعظم گڈہ

جلد ۵۹ ماہ صفر المظفر ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۴۷ء عدد ۱

مضامین

مقالات

استفسار وجواب

باب التقریظ والانتقاد

اعلان

یکم جنوری ۱۹۴۷ء سے مستقل تاجروں کے لئے کمیشن سیرت پر ۲۵ فیصدی اور دوسری مطبوعات پر ۲۰ فیصدی کردیا گیا ہے، اب اس کے متعلق خط وکتابت بے سود ہوگی،

"منیجر دار المصنفین"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

صوبۂ بہار مین ۸۶ فی صدی اکثریت والے لوگون نے ۱۴ فیصدی مسلمانون پر جس "بہادری" اور "دلیری" سے ستم ڈھائے ہین، وہ تاریخ کے صفحات بن چکے، اور اب اُن کے متعلق زمانہ کا مورخ اپنا فیصلہ لکھے گا، اس تباہی و بربادی کے بعد سب سے بڑا سوال اب یہان کے مسلمانون کے مستقبل کا ہے، بہار کے مختلف حصون سے ہمارے یہان یاس انگیز استفسارات آئے ہوئے ہین، اور ہم نے وہان اپنی آنکھون سے بھی دیکھا کہ اچھے اچھے مضبوط لوگون کے قدم اکھڑ چکے ہین، وہ اپنے پشتہا پشت کے آبائی وطن سے ایسے بیزار ہین کہ اُن مین اس کی طرف کوئی کشش باقی نہین رہی، وہ اس مُوطن سے ہمیشہ کے لئے اپنا مُنہ موڑ لینے پر آمادہ ہین جس کی سرزمین پر ایمان کی شعاعین پھیلی ہوئی ہین جس کی فضا مین تکبیر کی صدائین گونجتی ہین، جہان جا بجا اولیا، و صالحین کے مآثر و مقابر، اور بزرگون کی تعمیر کی ہوئی مسجدون کے مینار بلند ہین، اور انہی آبادیون کے قبرستانون مین اُن کے آباؤ اجداد و دیگر اسلاف محو استراحت ہین،

*

اُن اسلاف نے کتنی جانفشانیون سے اس علاقہ کو فتح کر کے اپنا گھر بنایا تھا، کیا وہ اس آسانی سے چھوڑ دیا جائے؟ حق کی راہ مین مرنا اور مارنا تو مسلمانون کی زندگی کا شیوہ رہا ہے، مصائب سے خوف و ہراس مسلمان کی شان نہین، اس بدحواسی اور ابتری کے ساتھ ترکِ وطن کرنا میرے خیال مین مسلمانون کو برباد کر دے گا، اور اُن کی مزید اقتصادی تباہی کا باعث ہوگا، اس لئے اس مسئلہ پر بڑی سنجیدگی سے غور کرنا ہے،

ہجرت کی عمومی تحریک تو اُس وقت صحیح کہی جاسکتی ہے جب دو مساوی درجہ حکومتین آبادی کے تبادلہ پر تیار ہو جائین، یا اگر تبادلہ منظور نہ ہو، تو مسلم حکومت یا حکومتین یکسر سب مسلمانون کو اس صوبہ سے اپنے صوبہ یا صوبون مین جگہ دینے اور دوسری سہولتین مہیا کرنے پر آمادہ ہو جائین، ہندوستان اور اس کے موجودہ صوبون مین حکومت کا آیندہ نظام کیا ہوتا ہے، یہ ابھی پردہ غیب مین ہے، اس لئے اس منزل مین ہجرت کی حوصلہ افزائی کرنا

بڑی ہی ذمہ داری کی بات ہوگی، جو لوگ حالات کا مقابلہ نہ کر سکنے کی وجہ سے اس صوبہ سے ترک وطن کرکے جا چکے ہیں، انھون نے اپنے پیچھے رہنے والون کو نہین دیکھا کہ اس صوبہ کے مسلمان پہلے سے زیادہ اقلیت مین ہوگئے، یا ہوجائین گے، مسلمانون کو جو کچھ کرنا ہے وہ وحدت کلمہ کے ساتھ کرنا ہے، اگر بہار کو آباد رکھنا ہے، تو سب رہین گے، اگر چھوڑ کر نکلنا ہے تو سب نکلین گے، اگر ہجرت اور ترک وطن ہی کی نوبت آئی، اور آیندہ اس صوبہ مین مسلم کی جان کی حفاظت کا اعتماد کے لائق کوئی نظام نہ بن سکا، تو پھر وہان کے معابد و آثار دین حائل نہین ہو سکتے، مسلم کی جان اور اس کا ایمان سب سے زیادہ بیش قیمت ہے، سوال صرف مسلمانون کی اجتماعی حفاظت کا ہے، اس کی عدم موجودگی مین جب اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پاک گھر خانۂ کعبہ کو بت پرستون کے قبضہ مین چھوڑ کر تشریف لیجا سکتے ہین، تو صوبہ بہار کے مسلمان وہان کی مسجدون اور بزرگون کے مزارون کی حفاظت پر مجبور نہین ہین،

لیکن بحمد اللہ اس صوبہ مین اتنے مسلمانون کی آبادی موجود ہے کہ اگر وہ اپنے انتشار کو دور کرلین، اپنی آبادیون کو ایک مرکزی ادارہ سے مربوط کرلین تو وہ بفضلہ تعالیٰ دشمنون کا مقابلہ اپنی قوت اور بل بوتے پر کر سکتے ہین، انھین صرف فرمان الٰہی وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (انفال ع ۸) پر نظر رکھنی، اور اس کی روشنی مین اپنی اجتماعی زندگی کی شیرازہ بندی کرلینی ہے، تاکہ وہ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ کے مصداق بنین،

صوبہ بہار کے مسلمان ان دنون جس منزل مین ہین، ان کے مستقبل کی راہ عمل کے لئے سورۂ انفال کی مذکورہ بالا آیات کریمہ سے انھین بہترین رہنمائی مل سکتی ہے، ہندوستان مین اکثریت و اقلیت کا مسئلہ برطانوی حکومت کے آغاز سے عالم وجود مین آیا ہے، تاریخ گواہ ہے کہ مسلمان جہان رہے موجودہ زمانہ کی اصطلاح مین وہ اقلیت مین رہے مگر ان کا قیام اللہ تعالیٰ کے فضل، اپنی خود اعتمادی اور قوت بازو پر تھا، وہ غیر کے سہارے جیتے نہ تھے، ان کی زندگی کسی دوسرے کی اطمینان دہی پر موقوف نہ تھی، انھون نے اپنے اقلیت مین ہونے کے باوجود حکمرانی کی، اور جہان رہے وہان انھون نے اپنے عقیدہ کی پختگی، اپنی سیرت و کردار کی مضبوطی، اپنے اخلاق کی بلندی، اور خصوصاً اپنی قوت ایمانی اور اپنے ہمسایون کے ساتھ حسن عمل سے اُن کو اپنا گرویدہ بنایا، اور اکثریت کے افراد کو اپنے مین ایسا جذب کیا کہ ہزارون سے بڑھ کر لاکھون اور کرورون کی تعداد مین ہوگئے،

یہی روش آج بھی اُن کے لئے محمود کہی جا سکتی ہے، لیکن مسلم اقامت گاہون مین مسلمانون کا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اپنی قوت و طاقت کے بھروسہ پر اطمینان کی زندگی بسر کرنا اس کی اولین شرط ہے، ضرورت ہے کہ

بہار مین اندرونی دیہی آبادیون کے مسلمان زمیندار اپنی زمینداریان ختم کرین، بڑے قصبون، آبادیون اور ان کے آس پاس مین رہنے والے مسلمان زمیندار اپنی خود کاشتہ اراضی مین دیہی حلقون کے مسلمانون کو بمعاوضہ زمینین دیکر بسائین، اور اپنے سرمایہ سے ان علاقون مین صنعتی کارخانے کھولین، اور اپنے اور نو آباد مسلمانون کے لئے معیشت کا سامان کرین، یہ اور اس قسم کی مختلف تجویزین صوبہ کے مسلمان مفکرین سوچ سکتے ہین، اور بہار کے مسلمانون مین اس وقت جو عام انتشار اور خوف و ہراس پھیلا ہوا ہے، اس کو دور کر سکتے ہین،

بہرحال یہ ساری تجویزین صوبہ بہار کے مسلمانون کی آیندہ زندگی سے وابستہ ہین، اور ظاہر ہے کہ ان کے بروے کار آنے مین کچھ دیر لگے گی، پھر مستقبل مین سیاسیات کے مسائل کس نہج پر طے ہوتے ہین، اس پر بھی نگاہ رکھنی ہے کہ اسی کی روشنی مین اس صوبہ کے مسلمانون کی قسمتون کا آخری فیصلہ ہونا ہے، سردست ضرورت ہے کہ وہ بڑے قصبون اور آبادیون مین مضبوطی سے اپنے قدم جمائے رہین، ہجرت کی فوری تحریک کو اس وقت تک کے لئے روک دین جب تک ان کے لئے بہار کی سکونت کی ہر ممکن تدبیر ناکام نہ ہو جائے، البتہ وہ لوگ جو اپنے لئے سردست بہار کے بڑے قصبون مین بھی کوئی معاشی سہولت حاصل نہ ہونے یا کسی اور سبب سے قیام نہ رکھ سکین وہ عارضی طور پر کسی دوسرے محفوظ مقام پر چلے جائین، مگر اس صوبہ سے اپنے وطن کا تمام تر تعلق برقرار رکھین، کہ لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا،

صوبہ بہار کے دیہی حلقون کے ان ستم زدہ مسلمانون کی ایک دوسری مظلومیت بھی ذکر کئے جانے کے لائق ہے، کہ وہ جس دین پر قائم رہ جانے کے لئے اپنے گھر بار کو چھوڑ کر پردیس مین نکلے ہین اور مختلف مامنون مین پناہ گزین ہین، وہان ہم نے بڑی حسرت سے دیکھا کہ ان مین کی بڑی تعداد اپنے اس دین کے ابتدائی عقائد و مسائل سے بھی آشنا نہین ہے، ملک کے مختلف گوشون مین حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی مرحوم کی تحریک سے وابستہ مخلصین کی جماعت اپنے طریق پر دین کی خدمت مین مصروف ہے، کیا اچھا ہو اگر وہ کچھ دنون کے لئے ملک کے دوسرے گوشون کو چھوڑ کر ان مظلومون تک پہنچین، اس وقت ان مین کام کرنے کی آسانیان حاصل ہین، وہ بڑی بڑی تعدادون مین یکجا ہو گئے ہین، گاؤن گاؤن جانے کی ضرورت نہین ہوگی، پھر مصائب و آلام سے ان کے دل خشیت و انابت سے معمور ہین، وہ دین کی باتون کو بڑی شیفتگی اور شگفتگی سے قبول کرین گے، صالح زمین موجود ہے، صرف چند باہمت و دیندار مخلصین کی ضرورت ہے کہ وہ دین کی خدمت انجام دینے کے لئے اللہ کا نام لے کر اٹھ کھڑے ہون، انشاء اللہ وہ توفیق الٰہی سے کامران ہون گے،

مقالات

مجدّدِ ملّت
اور
قومیات و سیاسیات حاضرہ

از مولانا شاہ عبد الباری صاحب ندوی

(۳)

تحریک خلافت کے بحران مین خود حضرت علیہ الرحمۃ کی نسبت ایسے ہی حدود ناشناس اخبارون اور لوگون نے لعن وطعن، سب وشتم، کذب وافترا، اور تخویف وتہدید کا کوئی دقیقہ اٹھا نہین رکھا تھا، جان تک کی دھمکیان آتی تھین، مگر دیکھو کہ مجدد دین کی دینی حدود شناسی نے صرف علماً نہین عملاً بھی اُن کے ساتھ کیا معاملہ کیا فرماتے ہین کہ

"یہان تک نوبت آگئی کہ علاوہ لعن وطعن اور طرح طرح کے بہتان والزامات کی دھمکی کے خطوط آتے تھے کہ یا تو شریک ہو جاؤ ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے، حضرت مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ نے غایت شفقت ومحبت کی بنا پر ایک خاص معتمد کی زبانی کہلا بھیجا کہ وقت خطرہ کا ہے، اگر بظاہر تھوڑی سی شرکت کر لو تو گنجایش ہے"،

مگر جو جامع المجددین جامع وکامل دین کی تجدید کے لئے آیا تھا، وہ محض جان کے خوف سے اپنی تجدیدی بصیرت کے خلاف کوئی قدم کیسے اٹھا سکتا تھا، اور جواب اس کے سوا کیا ہو سکتا تھا، کہ

"یہ آپ کی محبت وشفقت ہے، سب سے بڑا خطرہ جان کا ہے سو اُس کے لئے مین اپنے نفس کو تیار پاتا ہون لیکن اس پر آمادہ نہین ہون کہ بلا تحقیق شرکت کر لون، اور نہ اس پر قدرت ہے کہ بظاہر تو شرکت

کرون، اور باطن مین الگ رہون، اس کو منافقت سمجھتا ہون۔"

فرمائیے کتنے ہین جو سیاسیات حاضرہ مین اس منافقت سے پرہیز فرماتے ہون بلکہ یہ منافقت تو جدید سیاست مین عین مہارت ہے! ایک مقام سے خط آیا کہ آپ کی (حضرت علیہ الرحمۃ) خاموشی (تحریک خلافت کے باب مین) آپ کے چراغ زندگی کو خاموش کردے گی" فرماتے ہین کہ مین نے اس خط کو ردی کی ٹوکری مین ڈالدیا اور ہود علیہ السلام کا یہ قول یاد آیا :-

"فَكِيدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنظِرُونِ إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُم

مجھے بحمد اللہ ان واقعات سے بہت نفع ہوا، مخلوق سے نظر بالکل اُٹھ گئی"۔ (الافاضات الیومیہ حصہ اول ص ۲۹)

کہنا یہ ہے کہ دشمنون کی دشمنی کے اس بحران مین بھی دین کے مجدد و محافظ کی زبان و قلم سے عملاً کوئی ایک کلمہ بھی ایسا سنا گیا یا عمداً کوئی ایک جنبش بھی ایسی دیکھی گئی جو صراط مستقیم یا جادۂ شریعت سے ذرا متجاوز ہو، علم و عمل سب حدود کے اندر اور تجدید دین کے شایان شان نفس مسئلہ کی تحقیق مین تو حدود شناسی یہ کہ نہ کسی کی حمایت یا عداوت کے جوش و غلو مین ایک ظنی مسئلہ کو قطعی قرار دے دیا نہ اس میں اختلاف کی گنجایش ہوتے ہوئے مخالفون کے کفر و فسق یا جہل و ضلالت کا فتوی صادر فرمایا، بلکہ فرماتے ہین کہ

• "یہ تعاون و اتحاد شرعاً فی نفسہ نہ واجب ہے نہ حرام، ایک مُباح امر ہے، یہان تک تو کوئی اختلاف نہین، اب آگے بعض (یعنی خلافت کمیٹی والون) کی نظر تو حکومت کے ساتھ عدم تعاون اور ہندوؤن کے ساتھ اتحاد کے مصالح و منافع پر پڑی جن کا حاصل کرنا اُن کے خیال مین ضروری تھا اس لئے انھون نے ان دونون باتون کو واجب و جائز کہا اور بعض کی نظر اس عدم تعاون اور اتحاد کے بیسے موجودہ و آئندہ دینی مفاسد و مضار پر پڑی جن سے اجتناب ضروری تھا، انھون نے ان دونون باتون کو ممنوع کہا، اور احقر کی بھی یہی رائے ہے، بس یہ حقیقت ہے اس اختلاف کی جس سے معلوم ہوا کہ اس کی دونون شقین قطعی نہین بلکہ ظنی و اجتہادی ہین جن مین اختلاف کی گنجایش ہے گو کوئی

چھوٹے درجہ کا طالب علم ہی کسی بڑے عالم سے اختلاف کرے،

کاش حضرت مجدد وقت کا یہ مجددانہ محاکمہ آج بھی ہمارے علماء اور عوام سب کے پیش نظر ہوتا تو لیگ، کانگریس اور جمعیۃ وغیرہ کے عوام و خواص علماء و جہلاء میں آپس میں یہ تھوک فضیحت، رسوائی و ذلت اور ایک دوسرے کی توہین و تذلیل سب و شتم کی گرم بازاری کیوں ہوتی، اور آج ہی کیا یہ بات تو قومیات و سیاسیات جیسے ظنی مسائل میں ہمیشہ ہی پیش نظر رکھنے کی ہے، مگر کیا کہا جائے، اور کیسے کہا جائے کہ مسلمانوں نے اپنے دینی اصول و تعلیمات کو خیر باد کہکر اپنی دنیا بھی کس درجہ ذلیل و برباد کر لی، ! ورنہ حضرت مجدد وقت نے جو اس وقت سبق دیا تھا، وہی آج اور ہر وقت یاد رکھنے والا ہے، کہ

"بس اس (قسم) کے اختلاف سے کسی فریق کو دوسرے فریق پر لعن طعن، سب و شتم یا اس کو گمراہ و جاہل کہنا یا کافر و فاسق ٹھہرانا یا قولاً و عملاً کسی طرح اس کے ساتھ جبر و تشدد یا ظلم و ایذا کی روش اختیار کرنا، یا کسی بزرگ کا اس کو مخالف دیکھ کے بے ادب مشہور کرکے بدنام کرنا جائز نہیں"

(سوانح جلد سوم ص ۱۶۳)

پھر یہ بزرگ (حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ) بھی آخر کیسے بزرگ و عالم اور محقق ہی تھے، اور گو تحریک خلافت میں من حیث عالم و مقتدائے دین ہی کے سب سے آگے تھے، مگر نفس مسئلہ کو کیا قطعی یا حق کو صرف اپنے ہی رائے و تحقیق میں منحصر تصور فرماتے تھے، اس کے اندازہ کے لئے صرف اتنا جان لینا کافی ہو گا، کہ کسی موقع پر ایک مولوی صاحب نے حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف شان کوئی کلمہ زبان سے نکالا تو فرمایا کہ

"تمہیں کس طرح معلوم ہوا کہ جو میرا خیال ہے، وہی صحیح اور حق ہے، اور مولانا تھانوی کا خیال سراسر غلط ہے"،

اتنا ہی نہیں بلکہ ان مولوی صاحب کو حکم دیا کہ

"تم نے جس جس جگہ مولانا تھانوی کی نسبت کچھ کہا ہے، وہاں وہاں اُن کی مدح اور تعریف کرو تاکہ اُس کا تدارک ہو جائے۔"

سُبحان اللّٰہ علماء ربانین کی شان ہی الگ ہے، (سوانح ص ۱۹۰)

اسی طرح گو حضرت علیہ الرحمۃ کو اپنی تحقیق کی بنا پر ترک موالات وغیرہ کے نام سے جو طریقے تحریک خلافت مین اختیار کئے گئے تھے، اُن سے جیسا کچھ اختلاف تھا کون نہیں جانتا، مگر جب مولانا شبیر احمد صاحب دیوبندی نے خود حضرت ہی سے دریافت کیا کہ "ان مسائل مین جب اختلاف ہے، تو مجکو کیا کرنا چاہئے" تو جواب یہ عطا فرمایا گیا کہ "حضرت (شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ) ہم سب کے بڑے ہین، مجھ پر اُن کو ترجیح دینا چاہئے" (سوانح ص ۱۰۳) واقعی اگر نفس و نفسانیت درمیان مین نہ ہو، تو تحقیقی و اجتہادی اختلاف کبھی مخالفت و عداوت کی صورت کیسے اختیار کرسکتا ہے،

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تو حضرت علیہ الرحمہ کے بزرگ اور استاد ہی تھے، لیکن اپنے معاندین اور سب و شتم کرنے والون کے ساتھ بھی حضرت نے کیا جائز و "مظلومانہ جبر بالسوء" تک کو جائز رکھا، بس فرمایا تو یہ فرمایا کہ "کہہ لو بھائی جو تمہارا جی چاہے، اللہ سے معاملہ ہے، تو وہ تو دیکھ رہے ہین، تمہارے بُرا بھلا کہنے سے ہوتا کیا ہے، اور میرا ضرر ہی کیا، بلکہ نفع کی توقع ہے، کہ کچھ نیکیان مل جائین، الحمد للہ مجھے ان قصون مین کسی سے بغض نہین ہوا، البتہ شکایت ضرور ہوئی، وہ بھی دوستون سے، مین نے سب کو دل سے معاف کردیا، جو کچھ کہہ چکے وہ اور جو آیندہ کہہ وہ بھی، میری وجہ سے اگر کسی مسلمان کو عذاب ہوا تو میرا کیا بھلا ہوگا، اور معافی مین تو امید ہے، کہ حق تعالیٰ میرے اوپر رحم فرماوین" (افاضات الیومیہ حصہ اول ص ۲۹)

سبحان اللہ اگر کسی مسلمان مین سچا دین موجود ہے تو وہ دنیا کی بڑی سے بڑی مصیبت مین خود اپنی راحت اور اپنے پرائے دوست دشمن سب کے لئے کتنی بڑی نعمت و دولت ہے، آج کل کی طرح رد و قدح، قیل و قال، اعتراض و جواب کو بھی ایک آدھ بار کے اتمام حجت سے زائد کبھی پسند نہین فرمایا، فرماتے ہین کہ

"مدت دراز سے مجھ پر عنایت فرماؤن کی طرف سے بیجا اعتراضات کی بوچھار ہے، جس مین اکثر کا سبب تعصب اور تحزب ہے، جس کے جواب کی طرف احقر نے کبھی التفات نہین کیا (جس کی وجہ کیسی صحیح اور سچی یہ بھی تھی کہ) "آج کل جواب دینا قاطع اعتراض نہین، بلکہ اور مطول کلام ہو جاتا ہے' تو وقت بھی ضائع ہوا، اور غایت بھی نہین حاصل ہوئی"، (سوانح حصہ سوم ص ۱۵۵)

اس زمانہ مین جن چیزون کو قومیات وسیاسیات کہا جاتا ہے، اگرچہ ان کا خمیر ہی تمام تر طرح طرح کے مفاسد سے تیار ہوا ہے، تاہم تحریکِ خلافت کے دوران مین حضرت مجدد وقت نے اپنے انتہائی معاندین ومخالفین کے معاملہ مین بھی جو علم وعمل کی حدود شناسی ورہنمائی کا جو نمونہ چھوڑا ہے، اگر اسی کا لحاظ رہے تو کم از کم ہم آپس کی اُس شرمناک توہین مین اور ایک دوسرے کی ایذا رسانی وآبرو ریزی کی رسوائی، اور جگ ہنسائی سے محفوظ رہ سکتے ہین، جو ہماری قومی وسیاسی زندگی کا گویا شعار بن گیا ہے، کہ کوئی اختلاف مخالفت وعداوت بنے بغیر نہین رہتا، نہ علم مین اختلاف رائے کے حدود کا خیال، نہ عمل مین اختلاف طریق کا تحمل!

باقی جہانتک ان قومیات وسیاسیات کے نفس مقاصد اور وسائل کا تعلق ہے، تو اسلامی نقطۂ نظر سے نہ وہ مقاصد ہی مطلوب ہین، اور نہ مجدد وقت کی نگاہ مین اُن کے حصول کے رائج الوقت وسائل ہی جائز ہین، ہماری قومی وسیاسی جدوجہد کے مقاصد و وسائل سب غیرون کی تقلید مین، اور غیرون ہی کی طرح مال وجاہ اور حکومت کی بے قید وبند ترقی اور حصول بن گئے ہین، یعنی وہی **علو فی الارض** کا ارادہ، حالانکہ اسلام کی تعلیمات پر کون سطحی نظر رکھنے والا بھی اس سے انکار کر سکتا ہے، کہ مسلمان کی زندگی کا مقصود نہ قارون بننا ہے، نہ **فرعون**، اس کا مرنا جینا تو صرف دین کی ترقی یا اللہ کی رضاجوئی کے لئے ہے، قومی وسیاسی **علو فی الارض** کے لئے نہین، بلکہ کلمۂ حق کے اعلاء کے لئے مال وجاہ اور حکومت کے حصول کی اجازت بھی صرف انہی حدود تک اور انہی وسائل سے ہے، جو مرضی حق نے کلمۂ حق کی سربلندی اور دین کی ترقی کے لئے مقرر کر دیئے ہین، "باقی آج کل ترقی کے بارے مین یورپ کی جو تقلید

کی جا رہی ہے، اس کی نسبت ارشاد ہے کہ

"یہ کھانا تقلید ہے کیونکہ ان کی ترقی کا حاصل یہ ہے کہ کسی شے کے لئے کوئی حد نہیں، اُن کے یہاں تجاوز عن الحدود کا نام ترقی ہے، مگر اس کو کوئی عاقل ترقی نہیں کہہ سکتا، اور اسلام تو تقیید ہے نہیں کہہ سکتا، اسلام میں ہر شے کی ایک حد ہے،... یورپ کی ترقی حقیقت میں ترقی نہیں، بلکہ جہل و حماقت ہے جس سے عافیت کے بجائے انسان آفت میں گرفتار ہوجاتا ہے، یہ ترقی نہیں بلکہ ترقی کا ہیضہ ہے، وبال جان ہے، کیونکہ جس شخص کی ترقی کی کوئی حد نہیں، وہ کسی حد پر مطمئن نہیں"[1]

جس کو عافیت و اطمینان کی کچھ قدر ہے، اور قدر اصل میں اسی کو ہوسکتی ہے، جو جاہ و مال کی مادی ترقی یا خالص دنیا طلبی سے ماورا کوئی اور اعلیٰ مقصد حیات سامنے رکھتا ہو جس کے حصول کے لئے وہ لازماً فرحت و عافیت کا طالب ہوگا، اور مادی و دنیوی حاجات پر از خود بقدر ضرورت اور حدود کے اندر قانع رہے گا، ورنہ ترقی کے اس ہیضہ اور وبال سے نجات پانے کی کیا صورت ہے، جس کا اس عالمگیر و عالم سوز جنگ نے سارے عالم کو مزہ چکھا رکھا ہے، اور مزہ یہ ہے کہ پھر بھی نہ یورپ کی آنکھیں کھلیں، نہ اُس کے اندھے نقالوں کی، بلکہ مال و جاہ اور حکومت و سلطنت ہر راستہ سے مادی حرص و ہوس کا جنون تیز سے تیز تر ہوگیا ہے، اور صاف ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ کی سُنت اللہ اُن کی ہلاکت کا ترقی کے اسی ہیضہ اور حرص و ہوس کے اسی جنون کی راہ سے فیصلہ فرما چکی ہے!

زیادہ حیرت و حسرت اسلام کا نام لینے والوں پر ہے، کہ جو کتاب و سُنت کی عینک رکھتے ہیں، اور جو اس دور بین و خورد بین اور عینک کی اعانت سے ساری دنیا کی امامت و رہنمائی کے لئے اُمت مبعوثہ بنائے گئے تھے، وہ بھی آگے ہونے کے بجائے ان اندھوں کے پیچھے ہوتے ہیں، اور مال و جاہ اور حکومت و سلطنت کی ایسی حرص و ہوس کو ترقی کے پُر فریب نام سے معراج کمال سمجھنے لگے ہیں، جس کی بقول حضرت مجدد وقت

[1] وعظ مسمی الحدود والقیود۔

اسلام نے جڑ کاٹ دی ہے،

"موجودہ ترقی کا حاصل حرص ہے اور شریعت نے حرص کی جڑ کاٹ دی ہے، صحابۂ کرام نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ تھے کبھی ایسے خیالات کو دل میں جگہ نہیں دی، اور نہ حضور ہی نے کبھی اس کی تعلیم فرمائی، نہ سیرت میں کوئی ایسا واقعہ ہے، ان سب کی ترقی تو دین کی ترقی تھی، اگرچہ ساتھ ہی دنیا کی بھی وہ ترقی ملی، جو آج لوگوں کو خواب میں بھی نصیب نہیں،

لیکن مقصود صرف دین کی ترقی تھی، چنانچہ اُن کی اس شان کو خود خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

الَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ

یعنی یہ وہ لوگ ہیں، کہ اگر ہم ان کو زمین پر قبضہ دیں، تو یہ نماز ادا کرتے رہا کریں، زکوٰۃ دیتے رہیں، اور بھلائیوں کا حکم اور بُرائیوں سے روک ٹوک کرتے رہا کریں،

یہ ہے ترقی کے بعد اُن (سچے اور پکے مسلمانوں) کے خیالات کا نقشہ! اب ذرا آج کل جن چیزوں کو ترقی کہا جاتا ہے، اسلام کی نظر میں اُن کی تفصیل و تحقیق مجدد اسلام کی نظر سے ملاحظہ ہو:-

جس ترقی کو لوگ ترقی کہتے ہیں، اس کے تین حصے ہیں، مال، عزت اور حکومت، آج کل دوسری قوموں کے سامانِ عیش دیکھ کر مسلمانوں کی رال ٹپکتی ہے، مگر یہ نہیں جانتے کہ بھلائی اور سلامتی اسی میں ہے کہ اُن کو دنیا زیادہ نہ ملے، ورنہ رات دن دنیا ہی کی فکر میں رہتے اور آخرت سے غافل ہو جاتے،"

"صحابۂ کرام سے بڑھ کر کون نیک نیت ہوگا، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار خود صحابہ سے فرمایا کہ تمھاری کیا حالت ہوگی، جب کہ میرے بعد سلطنتیں اور شہر فتح ہوں گے، اور تمھارے پاس زیادتی کے ساتھ مال و سامان، غلام اور نوکر ہوں گے، صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے

عرض کیا یا رسول اللہ اُس وقت ہم عبادت کرنے کے واسطے فارغ ہو جائیں گے، اور مشقت سے بچ جائیں گے، حضور نے فرمایا کہ تمھاری یہی حالت اچھی ہے، جو آج کل ہے''

"جب صحابہ کے لئے حضور نے دنیا کو زیادہ پسند نہیں فرمایا تو اور دن کے لئے کب پسند فرماویں گے، اس لئے مسلمانوں کو دوسری قوموں کا مال دیکھ کر رال نہ ٹپکانا چاہئے، اولٰئک عجلت لھم طیبٰتھم فی حیوٰتھم الدنیا، یہ تو وہ لوگ ہیں جن کو ان کی نعمتیں (جو کچھ بھی تھوڑی بہت ملنا تھیں) دنیا ہی کی عارضی زندگی میں دے کر (ختم کر دی گئیں) اور آخرت میں ان کافروں کے لئے عذاب ہی عذاب ہے، اور مسلمانوں کے لئے تو دائمی راحت جنت میں ہے' دنیا میں تو ان کو بس اتنی ترقی چاہئے کہ پیٹ بھر کر روٹی مل جائے، ستر ڈھانکنے بھر کا کپڑا، اور رہنے کو مختصر سا مکان، اور آج الحمد للہ بہت مسلمانوں کو حاصل ہے، صحابہ کو حضور کے زمانے میں اتنا بھی حاصل نہ تھا تو ہم تو اُن کے مقابلہ میں گویا بادشاہ ہیں۔

"ارشادِ نبوی ہے کہ

من اصبح معافاً فی جسدہ آمنا — یعنی جو شخص اس حالت میں صبح کرے، کہ
فی سربہ عندہ قوت یومہ — بدن میں صحت ہو، دل میں بے فکری ہو
فکانما خیرت لہ الدنیا — اور ایک دن کا کھانا اُس کے پاس ہو تو گویا
بحذافیرھا، — اُس کو تمام دنیا مل گئی،

آج کل کے ترقی پسند مسلمان تنزل کے اس وعظ کو خدا ہی جانتا ہے، کہ کس پیچ و تاب کے ساتھ سُن رہے ہوں گے، اگر اس رنگ کو ذرا آزما دیکھیں تو معلوم ہوگا، کہ دل کس طرح زندگی کے پیچ و تاب اور کڑھن سے پاک ہوگیا، کچھ نہیں تو آزما ہی کے دیکھ لیا جائے،

سالہا تو سنگ بودی دلخراش — آزمون را یک زمانے خاک باش

باقی مال کو خود قرآن میں جو کہیں کہیں خیر یا بھلائی سے تعبیر فرمایا گیا ہے تو ارشاد ہے کہ

"اس کی بھلائی ہونے کی شرطیں اور حدود ہیں جن کی رعایت نہیں کی جاتی، اس لئے ہر مالی ترقی کو بھلائی کی ترقی نہیں کہہ سکتے، اور جس درجہ میں مالی بھلائی ہے، اُس درجہ ترقی کو ہم بھی نہیں روکتے، جائز بلکہ فرض کہتے ہیں حضور کا ارشاد ہے کہ کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ حلال مال کمانا اور فرضوں کے بعد فرض ہے"

اسی طرح عزت وجاہ کی ترقی کی نسبت ارشاد ہے، کہ وہ بھی حدود کے اندر نہ صرف مطلوب ہے بلکہ انحصار کے ساتھ [illegible] ورسول کے بعد صرف مومنین ہی کا حق یعنی وہی صحیح واعلیٰ عزت جو اللہ ورسول کے ساتھ تعلق اور ایمانی شرائط وحدود کے تحت حاصل ہو، چنانچہ خود

"حق تعالیٰ فرماتے ہیں، وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ کہ عزت تو بس (حقیقی و کامل) اللہ ہی کے لئے ہے، اور اُس کے رسول کے لئے اور مسلمانوں کے لئے بھلا جس شخص کا اس آیت پر ایمان ہو وہ عزت حاصل کرنے سے کیسے روکے گا،

"اصل یہ ہے کہ عقلی طور پر انسان کو دو چیزوں کی ضرورت ہے، نفع کا حاصل کرنا، اور ضرر سے بچنا، آدمی جو کچھ بھی کرتا ہے یا تو نفع حاصل کرنے یا ضرر سے بچنے کے لئے، دوسری بات یہ سمجھئے کہ ضروری چیزوں کے طریقے بھی ضروری ہوتے ہیں، تو اُس کا طریقہ مال اور عزت کا حاصل کرنا ہے مال فائدہ حاصل کرنے کے لئے اور عزت ضرر سے بچنے کے لئے، مثلاً ایک معزز آدمی اپنی جگہ اطمینان سے بیٹھا ہے ذلیل وکمینہ آدمی کی طرح نہ تو کوئی اُس کو بیگار میں پکڑ سکتا ہے، اور نہ ذلیل کر سکتا ہے"

"اس سے معلوم ہوا کہ عزت و مال دونوں حاصل کرنے کے قابل ہیں، مگر وہی کہ طریقہ سے ہوں شریعت کی حد میں رہ کر ہوں، باقی جو لوگ مال وجاہ کی بُرائی کرتے ہیں، اُن کا مطلب اِن کی محبت سے منع کرنا ہے، محبت بھی وہ کہ جو حق تعالیٰ کی محبت سے بڑھی ہوئی ہو کہ مال وعزت

کی ہوس مین حق تعالیٰ کے حکمون کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا جائے،

خود ارشاد ہے :-

قُلْ اِنْ کَانَ آبَاءُکُمْ وَاَبْنَاءُکُمْ	فرما دیجئے کہ اگر تمھارے باپ بیٹے، بھائی بیویان
وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ	کنبہ اور وہ مال جن کو تم نے کمایا ہے، اور تجارت
وَاَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَۃٌ	جس کے رُکجانے سے تم ڈرتے ہو، اور گھر جن کو
تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسَاکِنُ تَرْضَوْنَهَا	تم پسند کرتے ہو، یہ چیزین اگر تمھارے نزدیک
اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ	اللہ اور اُس کے رسول اور اُس کی راہ مین
جِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ	جہاد سے زیادہ محبوب ہین، تو پھر تم اللہ تعالیٰ
اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ،	کے حکم (یعنی اس کی قدرتی سزا اور عذاب)
	کا انتظار کرو۔"

بس مسلمان کے لئے مال و دولت عزت و حکومت سب کی طلب و حصول کے حدود شرائط کا کلی اصول اور بے خطا کسوٹی یہی ہے، کہ جب اور جس درجہ مین بھی یہ چیزین انفرادی یا اجتماعی راہ سے اس او حق مین حائل اُن کی محبت خدا و رسول کی محبت و فرمانبرداری پر غالب یا شریعت کی اطاعت مین مزاحم ہون وہی اسلام کی نگاہ مین ملعون و مذموم دنیا طلبی ہے، یہی حال حکومت و سلطنت کا ہے کہ

"شریعت مین خود حکومت مقصود ہی نہین، بلکہ مقصود ملّا پن ہی ہے، اور ملّا پن ہی کا پھیلانا حکومت و سلطنت سے بھی مقصود ہے یعنی جو ایمان سے محروم ہین، اُن کو اس کے ذریعہ سے ایمان سے مالا مال کیا جائے، یا اپنے ساتھ ملا کر (یعنی ذمی بنا کر) رکھا جائے، تاکہ وہ ایمان و شریعت کے نور کو دیکھین اور اپنی آنکھین کھولین،"

"یہ نماز روزہ یا ملّا پن ہی تو تھا جس کے پھیلانے کی خاطر حضرات صحابہ نے حکومت کو پسند

فرمایا گیا، کہ اگر ان کو سلطنت وحکومت عطا ہو، تو وہ اوس کو اقامت صلوٰۃ، ایتاء زکوٰۃ، اور بھلائیوں کے پھیلانے اور برائیوں کے روکنے میں استعمال کریں گے، (الذین ان مکنّاھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر)

"حاصل یہ کہ مال، عزت وحکومت تینوں کی ترقی سے اگر دینداری کی ترقی مقصود ہو، تو یہ سلف کی ترقی کے موافق ہو گی یعنی یہ تینوں ترقیاں شریعت کی حد میں ہوں جن سے کسی حکم شریعت کے خلاف نہ لازم آئے، تب تو یہ بھلائی کی ترقی ہے، ورنہ پھر برائی کی ترقی، اور بہت بری، اور خالص حرص ہے، جن کا نام لوگوں نے ترقی رکھ لیا ہے تاکہ یہ عیب چھپا رہے، اور پھر اس کی کبھی اصلاح بھی نہ ہو سکے"

غیروں سے مطلب نہیں لیکن اپنوں سے ضرور اتنی درخواست کا جی چاہتا ہے، کہ ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیں کہ آج کل کی قومیات وسیاسیات، مال وجاہ یا حکومت کے لئے جو بھی دوڑ دھوپ ہو، اس میں اللہ ورسول کی محبت واطاعت کا کتنا حصہ ہے، اور یہ دین کے تابع ہے، یا اس پر غالب! غالب ہی نہیں، بلکہ اس کی طلب وحرص میں کیا قدم قدم پر، بڑے چھوٹے احکام دین کو انتہائی بے دردی وبے پروائی سے پامال نہیں کیا جاتا، نماز تک کا یہ حال ہے کہ کہاں تو اسلامی حکومت وسلطنت کی عین غرض وغایت ابھی اوپر خود قرآن کی آیت سے اقامت صلوٰۃ معلوم ہو چکی ہے، اور کہاں یہ حال ہے کہ ہمارے قومی سیاسی جلسوں اور جلوسوں بلکہ خود اللہ اکبر اور اسلام زندہ باد کے نعروں کے دوران میں غفلت ہی نہیں، اس بیباکی وجسارت کے ساتھ اضاعت صلوٰۃ ہوتی ہے، کہ نمازوں کے وقت پر وقت آتے اور چلے جاتے ہیں، پاس ہی مساجد میں موذن حی علی الصلاۃ حی علی الصلاۃ پکار رہے ہیں، کہ آؤ نماز کے لئے، آؤ نماز کے لئے، مگر ہم ہیں کہ کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی نہ لیڈروں کے اور نہ پبلک کے، نہ عوام کے نہ خواص کے! اگر ہمارے یہ قومی وسیاسی جلسے اور جلوس واقعی اسلامی ہوتے، "اللہ اکبر" کے نعروں میں اگر

واقعی اللہ کے سب سے بڑے ہونے کا کچھ ادراک ہوتا، اور ہمارا اسلام اگر صرف زندہ باد کے نعروں میں نہیں، بلکہ خود ہمارے دلوں میں کچھ زندہ ہوتا، تو کیا حی علی الصلوٰۃ کے نعرہ کے بعد بھی جلسہ کا پنڈال اسی طرح بے حس و حرکت مجمع سے کھچا کھچ بھرا رہ سکتا، اور جلوس اسی طرح بے فکری سے راستوں پر گذرتے چلے جا سکتے تھے، گویا حی علی الصلوٰۃ کی پکار کا مطلب یہ ہے کہ (معاذ اللہ) بھاگو نماز سے بھاگو نماز سے! یہ منظر دیکھکر بعض دفعہ دل کانپ اٹھتا ہے، کہ خدا ہی اپنے غضب سے محفوظ رکھے، پھر ایسی حالت میں مسلمانوں یعنی اسلام کے احکام و تعلیمات کے آگے سر رکھدینے کے مدعیوں کی قومی و سیاسی ترقی، ترقی کی پکار کا جو کچھ مطلب اور جو کچھ نتیجہ ہے، وہ دونوں ظاہر اور آنکھوں کے سامنے ہیں! زبان پر ہر وقت اسلام اسلام کا نام اور دعوی کے ساتھ عملاً اسلام کے احکام و تعلیمات کو قدم قدم پر اس طرح ٹھکرانا کیا نصرت و حق کے بجائے قہر و غضب کو دعوت دینا نہیں!

مسلمان خوب یاد رکھیں کہ خدا و رسول کے دامن کو اس طرح جھٹک کر پھر لیگ کانگریس جمعیۃ العلماء کسی کے دامن میں بھی اُن کے لیے پناہ نہیں، دین تو دین غیروں کی کورانہ نقالی میں اُن کے ساتھ جس دنیا کے پیچھے دوڑے جا رہے ہیں، اُس کی ترقی بھی ہرگز ہرگز نصیب نہیں ہو سکتی، نہ مال کی نہ عزت کی، نہ سلطنت کی، بلکہ آنکھیں ہوں تو روز بروز افلاس و نکبت، محکومی و ذلت ہی کی ترقی ہے، اور یہ حال کچھ تنہا ہندوستان کا نہیں، بلکہ عرب و عراق، ترکی و افغانستان وغیرہ جہاں برائے نام مسلمانوں کی حکومت ہے وہاں بھی غیروں کی نقالی اور اسلام سے روگردانی کا حشر اس ترقی......کے سوا کچھ نہیں،

اس حقیقت پر حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ نے مواعظ و ملفوظات وغیرہ میں مختلف طریقوں سے بکثرت تنبیہ فرمائی ہے، اوپر الافاضات الیومیہ کے مجموعہ ملفوظات حصہ سوم (ص ۲۹۰ تا ص ۲۹۵) سے جو اقتباسات نقل کئے ہیں، اور جو مختلف مواعظ سے ماخذ کرکے اسلام و ترقی کے عنوان سے جمع کر دیئے گئے ہیں، اُن کا پہلا عنوان یہی ہے، کہ "غیر قوموں کی تقلید مسلمانوں کو مفید نہیں" ارشاد ہے کہ

"میں یہ نہیں کہتا کہ جو تدبیرین یورپ اور غیر اقوام نے اختیار کی ہیں، ان کا دنیوی کامیابی میں کوئی اثر نہیں، ہاں یہ ضرور کہوں گا کہ مسلمانوں کو ان تدبیروں سے فائدہ نہیں حاصل ہو سکتا کیونکہ مسلمانوں کے لئے ان تدبیروں کے اثر کرنے میں ایک رکاوٹ ہے، اور وہ رکاوٹ اُن کا خدا کی نافرمانی اور گناہ کرنا ہے، اور یہ رکاوٹ کافروں کے لئے نہیں ہے، کیونکہ ان پر جزئی اعمال کی ذمہ داری ہی نہیں، اُن پر تو پہلے ایمان لانے کی ذمہ داری ہے، اور ایمان نہ لانے اور کفر کرنے ہی پر ایسا سخت عذاب ہوگا، کہ جس سے بڑھکر کوئی عذاب نہیں، باقی عملوں کی نہ اُن سے پوچھ ہوگی، نہ سزا ملے گی،"

"اور مسلمانوں سے الحمد للہ کہ کفر چھٹا ہوا ہے، اُن سے تو عملوں پر پوچھ ہوگی، اور جب ایسے طریقے اختیار کرتے ہیں، جو خدا کے حکم کے خلاف ہیں، تو اُن کو کامیابی نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ اُن تدبیروں سے اثر کو دور کر دیتے ہیں تاکہ اس کی مخالفت کی سزا دنیا ہی میں بھگت لیں، ہر قوم کی ترقی و کامیابی کا طریقہ الگ ہے، یہ ضرور نہیں کہ جو طریقہ ایک قوم کو فائدہ دے، وہی سب کو فائدہ دے، اور اگر ہم مان بھی لیں کہ یہ تدبیرین ہمیں بھی فائدہ دیں گی، تب بھی خداوندی احکام کی پیروی فرض ہے، اور ان تدبیروں کا اختیار کرنا ہرگز روا نہ ہوگا، اور وہ فائدہ ہی کہاں ہوا کہ جس میں خدائے تعالیٰ کا غضب نازل ہو، اس لئے مسلمانوں میں ان تدبیروں سے ترقی نہیں ہو سکتی بلکہ اور تنزل ہوگا، اور ہوتا جا رہا ہے،"

راقم ہذا کی فہم میں تو غیروں کا فائدہ اور دنیوی ترقی بھی بس ظاہری ظاہر ہے، ورنہ در اصل اس فریب ترقی ہی کی راہ سے ... دنیا میں بھی ان کو ان کی بغاوت کی سزا دے رہی ہے، ساتھ ہی اُن کے نقالوں کو بھی اور اس دور جنگ کے بعد بھی اس بے لگام ترقی کا ... جو نظر نہیں آ رہا ہے، تو حقیر کا یمان ہے کہ یہ جنگ نہیں قہر و عذاب ہے[1]

---

[1] اگر نمونہ قہر و عذاب یا پیش خیمہ قہر و عذاب کہا جائے، تو بہتر ہوگا، اصل قہر عذاب تو وہ ہے جس کی زد میں

جس کا سلسلہ ان مقہورین و معذبین کو ختم کر ہی کے ختم ہوگا، اسی پر فریب دنیوی ترقی کی نسبت تو ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ترقی ہی کی راہ سے عذاب دے کر کافروں کو اُن کی کافرانہ موت کے انجام تک پہنچا دیا جاتا ہے:

فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ؛

پس خدارا مسلمانو! تم تو اس سراب ترقی کا فریب نہ کھاؤ، نہ تمھاری یہ ترقی ہے، اور نہ دین سے بیگانہ ہو کر تم دنیا کی کوئی ترقی کر سکتے ہو، ایک وعظ مسمّیٰ "بالاخوۃ" میں اتحاد و اتفاق کی شرعی و عقلی تحقیق فرمائی گئی ہے، اس کے سلسلہ میں ترقی کی نقالانہ حقیقت بالا کی نسبت ارشاد ہے، کہ

"اس وقت ہماری حالت یہ ہو رہی ہے کہ ترقی و اتحاد بھی کرتے ہیں، تو اس طریقہ پر جس پر کفار نے ترقی کی ہے، حضور کے طریقہ پر نہ ہماری ترقی ہے، نہ اتحاد، حالانکہ ہم کو کفار کی چیزوں کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی بھی ممانعت ہے، لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا .... فِيهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ،

آگے اپنی طرف سے ترقی کا طریقہ بتلاتے ہیں کہ وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ، اس آیت میں نماز کی پابندی اور تقوی کا حکم ہے، اور اس کو کفار کی ترقی کے مقابلہ میں بیان کرنا اس کی دلیل ہے، کہ اسلامی ترقی کا کیا طریقہ ہے، (صفحہ ۲۴)

یعنی وہی کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کیا جائے، اس کے احکام اوامر و نواہی کا اتباع کیا جائے، جس کا قرآنی اصطلاح میں نام تقوی ہے، اور یہ تعلق و تقوی نماز ہی سے پیدا ہوتا اور نماز ہی سے قائم رہتا ہے،

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰) صرف مجرمین یا اکابر مجرمین ہی آئیں، نہ کہ وہ تکوینی آفات و مصائب جن کی لپیٹ میں سب متقی، کافر و مومن ہی آجائیں، (عبدالماجد)

اسی لئے کفار کی ترقی کے مقابلہ میں اسلامی ترقی کے سب سے پہلے نماز ہی کی پابندی نہ صرف کرنے بلکہ کرانے کی طرف متوجہ فرمایا گیا کہ واْمر اهلك بالصّلوٰة،

"البتہ یہ مطلب نہیں کہ دنیا کے سارے کام چھوڑ دو اور نماز روزہ ہی کے ہو رہو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ دنیا کو اصل مقصود نہ سمجھو"

بس یہی ساری غلطیوں کی جڑ ہے، کہ آج کل کی ترقی میں دنیا کو اصل مقصود بنا لیا گیا ہے، اور اسلامی ترقی میں دنیا بالکلیۃ دین کے تابع ہے، البتہ دین کی ضرورت سے دنیا میں مشغول ہونا عین دین ہے جس کی تمثیل میں ارشاد ہے کہ

"اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کھانے کی ضرورت سے کنڈے جمع کئے جاتے ہیں، اور جب کوئی پوچھتا ہے کہ یہ کھانا کتنے میں تیار ہوا، تو اس کی فہرست میں کنڈے اور لکڑی بھی شمار ہوتی ہیں" اسی طرح جب دین کے لئے دنیا کماؤ گے، تو وہ محض دنیا نہ رہے گی، اب اس کا لقب نعم المال ہوگا، جس کا لقب پہلے (الدنیا جیفۃ) تھا، کہ دنیا گندی و حرام ہے، بس کسب دنیا ضرورۃً مذموم نہیں، ہاں مقصوداً مذموم ہے، جیسے کوئی شخص کنڈوں ہی کو مقصود سمجھے، اور انہی کو کھانے لگے تو وہ احمق ہے، اور ان کو روٹی کے توے کے نیچے جلادے تو بڑا عاقل ہے، مطلب یہ ہے کہ اصل مقصود تو دین کو سمجھو، پھر دنیا تابع ہو کر خود ہی آجائے گی، اور اس وقت وہ دنیا نہ ہوگی، بلکہ وہ بھی دین ہو جائے گی" (صفحہ ۲۳)

اس کے بعد ارشاد ہے کہ تاریخی طور سے بھی مسلمانوں کو دیکھنا چاہئے، کہ اُن کی ترقی کیونکر ہوئی :-

"یہ مت دیکھو کہ کفار کی ترقی کیونکر ہوئی، کیونکہ ہر قوم کا باطنی مزاج الگ ہے، یہ ضرور نہیں، کہ جو طریقہ ایک قوم کو مفید ہو وہ سب کو مفید ہو، بلکہ یہ بھی ضرور نہیں کہ جو صورت ایک

قوم کے کسی فرد کو مفید ہو، وہ سب افراد کو مفید ہو، چنانچہ تجربہ ہے کہ کسی کو تجارت سے ترقی ہوتی ہے، کسی کو ملازمت سے کسی کو زراعت یا حرفت سے"

"صاحبو! لطیف المزاج کو وہ چیزیں نافع نہیں ہوتیں جو ایک گنوار کو نافع ہوتی ہیں، ایک طبیب نے کسی گاؤں میں دیکھا کہ ایک گنوار نے چنے کی موٹی موٹی روٹیاں سات آٹھ کھائیں اور ان کے اوپر ایک ...... بھرا ہوا چھاچھ کا پی گیا، حکیم صاحب نے کہا اب تیری خیر نہیں، چھاچھ کو درمیان میں پینا چاہئے تھا، تو گنوار نے اوپر سے چار پانچ روٹیاں اور منگا کر صاف کر دیں، اور حکیم صاحب سے کہا کہ بس تو چھاچھ بیچ میں ہوگئی، حکیم صاحب نے کہا کہ بھائی تو چاہے بیچ میں کر یا اوپر تجھے کچھ نقصان نہ ہوگا، بھلا کوئی شہری بھی ایسا کر سکتا ہے، پھر ترقی کے باب میں آپ ایک ہی طریقہ سب کے لئے کیونکر مفید سمجھتے ہیں، یہاں یہ شبہ زائل ہوگیا، کہ اگر ان اسباب میں ترقی کی خاصیت نہیں، تو کفار کو ان سے نفع کیوں ہوتا ہے، جواب یہ ہے کہ تم اسلام کے بعد لطیف المزاج ہوگئے ہو، تمہارا مزاج شاہانہ ہوگیا ہے، تم کو وہ صورت مفید نہ ہوگی، جو گنواروں کو مفید ہے"

حضرت اہل اللہ کی مثالیں کیسی دلنشین ہوتی ہیں، اور کیوں نہ ہوں، آخر حضرات انبیاء بلکہ خود اللہ تعالیٰ کی ضرب الامثال کا پرتو ہوتی ہیں، ایک اور مثال سے اس حقیقت کو واضح فرمایا گیا ہے، کہ دنیا میں بظاہر حق تعالیٰ کا کافروں اور نافرمانوں کے ساتھ ترقی کا معاملہ کیوں ہے، وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی مثال .... ہے،

جیسے سر کی ٹوپی کہ جہاں اس میں ذرا سی ناپاکی لگی فوراً اتار کر پھینک دیجاتی ہے، اور جوتے میں اگر ناپاکی لگ جائے تو اس کو پھینکتے نہیں، اسی طرح حق تعالیٰ تم کو ناپاکی اور گندگی میں ملوث دیکھنا نہیں چاہتے، اگر تم ملوث ہوگے تو فوراً دھوبی کے پٹرے پر کوٹے پیٹے جاؤگے، اور کفار چاہے جتنا ملوث ہو جائیں گوارا کیا جائے گا،

راقم ہذا کو تو اکثر یہ خیال ہوتا ہے کہ مسلمانون نے دراصل اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و وفاداری کا میثاق و معاہدہ کر رکھا ہے، اس لئے قدرۃً اُن کی نافرمانی و غداری زیادہ مستوجب غضب و عتاب ہوتی ہے، رعایا اور غیر رعایا اور رعایا مین بھی عام رعایا اور ان عہدہ دارون کی بغاوت بادشاہ کی نگاہ مین کیسے مساوی ہوسکتی ہے جن کے سپرد سلطنت کا کاروبار کیا گیا ہے اور جو اسی کو ایمانداری سے انجام دہی کے لئے وفاداری کا حلف اٹھا چکے ہین، ان کی تو بادشاہ کی طرف سے اعانت و نصرت اسی وقت تک اور اسی درجہ مین ہوگی جس وقت تک اور جس درجہ مین یہ اپنے عہد و پیمان کو استوار اور اپنی وفاداری کو برقرار رکھین گے، یہی مسلمانون کی ترقی اور تنزلی کا تاریخی سبق و تجربہ ہے،

پس اگر تم ترقی کرنا چاہتے ہو تو دیکھو کہ پہلے مسلمانون کو ترقی کیونکر ہوتی تھی جن لوگون نے حضرات صحابہؓ کی ترقی کا حال تاریخ مین دیکھا ہے، وہ خوب جانتے ہین، کہ ان حضرات کو صرف اتباع دین کی وجہ سے ترقی ہوئی، وہ دین مین پختہ تھے، اُن کے معاملات و معاشرات اور اخلاق سب بالکل اسلامی تھے، اس لئے ایک طرف تو دوسری قومون کو خود بخود اسلام کی طرف کشش ہوتی تھی، اور صحابہ کی حالت دیکھ کر جوق جوق اسلام مین داخل ہوتی تھین، دوسری طرف اگر کسی نے مقابلہ کیا، تو چونکہ انھون نے خدا تعالیٰ کو راضی کر رکھا تھا، اس لئے خدا تعالیٰ ان کی مدد کرتا تھا، یہی تو وجہ ہے، کہ باوجود بے سروسامانی اور قلت تعداد و تیاری بڑی بڑی سلطنتون کو اُن سے آنکھ ملانے کی ہمت نہ ہوئی، (ص ۲۴)

صاحبو! تم دین پر چلو دنیا خود . . . . ساتھ ساتھ آجائے گی، ہمارے حضرت حاجی (امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے تھے کہ دنیا اور دین کی ایسی مثال ہے کہ جیسے پرندہ اور سایہ، تم پرندہ کو پکڑ لو، سایہ ساتھ ساتھ آجائے گا، اور اگر سایہ کو پکڑو گے: تو نہ وہ ہاتھ آئے گا، اور نہ یہ۔“ (صفحہ ۲۷)

ع یزدان بکمند آور اے ہمتِ مردانہ

تم ایک مرتبہ ہمت کرکے بس خدا کو پکڑ لو، پھر ساری خدائی تمھاری ہے، اور چونکہ دین میں کوئی تکلیف مالا یطاق نہیں، اتنی بھی نہیں، بلکہ اس کی عشرِ عشیر بھی نہیں جتنی کہ دنیا طلبی میں ہوتی ہے اس لئے دین طلبی یا خدا کو پکڑنا بہت آسان ہے، تم اگر محکوم ہو تو حکومت الٰہیہ قائم کرنے کی بھی تکلیف نہیں بلکہ محکوم رہ کر بھی خود اپنے اوپر جس قدر اور جس درجہ میں حکومتِ الٰہیہ قائم کرنے یعنی احکام شریعت کی اطاعت کی استطاعت ہے، وہ مقدم ہے، اور جس دن تم یہ استطاعت خود اپنے اور اپنے اتباع یا اہل و عیال کے اوپر حکومتِ الٰہیہ قائم کر لوگے، تو وہی تمھاری حقیقی سلف گورنمنٹ اور ہوم رول ہوگا، اور اس دن کے بعد پھر واللہ ثم واللہ کسی غیر اللہ کی مجال نہیں کہ محض اپنی مشین گنوں یا ایٹم بموں سے تم پر اپنا حکم چلا سکے، مگر تم نے تو عرب و عجم ہر جگہ غیروں سے بھی بڑھ کر مال و جاہ اور حکومت و سلطنت ہی کو بالذات مقصود و مطلوب بنا رکھا ہے، اور غیر مسلم جان و مال کی جتنی قربانی قوم و وطن کے...... کاذبہ و آلہ باطلہ کے لئے کرتے ہیں، اس کے پاسنگ بھی تم...... حق اور دین حق کے لئے نہیں کرتے، تو پھر سایہ کے پیچھے دوڑنے سے شکار کیسے ہاتھ آسکتا ہے،

بہر کیف حضرت جامع المجددین علیہ الرحمہ کی قومیات اور سیاسیات کے باب میں بھی اصل تجدید کا حاصل یہی۔ ہے، کہ اُن چیزوں میں بھی ہماری منزلِ مقصود اور اس کا راستہ سب دین اور صرف دین ہے، نہ ہماری مقصود آج کل کی بے دینی کی آزادی و خود مختاری حکومت و جمہوریت مساوات و اشتراکیت ہے اور نہ ہمارا۔ جلسے اور جلوس، ہڑتال اور احتجاج، نہ اپنی طرف سے قید و بند اور پولیس کے ڈنڈوں یا فوج کی مشین گنوں کو دعوت دینا اور نہ ستیہ گرہ اور مرن برت کی خودکشی، یہ مقاصد و تدابیر سب سراسر غیروں کی تقلید و نقالی ہیں، ہمارے کامل دین نے الحمد للہ منزلِ مقصود وسائل و تدابیر کے باب میں بھی ہم کو غیروں کی پیروی و رہنمائی کا محتاج نہیں چھوڑا، سب کے ضوابط و اصول عطا فرمائے ہیں،"

جن کی روشنی و رہنمائی میں جزئی و وقتی استنباطات کے ذریعہ ہم ہر نو پیدا صورت حال کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔
ایک ملفوظ میں ارشاد ہے کہ

مسلمانوں کی شان کے بالکل خلاف ہے کہ وہ دوسری قوموں کی روش اختیار کریں، یا ان کی تدابیر ترقی کو اپنا ذریعۂ ترقی بنائیں، یا ان سے کسی قسم کی امداد کے خواہاں ہوں، بڑے غیرت کی بات ہے، ان کو تو حق تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا چاہئے، مشروع تدابیر اختیار کرنی چاہئے، سلف کے کارناموں کو پیش نظر رکھنا چاہئے، اسی میں ان کی خیر و فلاح ہے، جو سبق مسلمانوں کو دیا گیا ہے، اس میں قوت بھی ہے، شجاعت بھی ہے، سب کچھ ہے، اس میں ہم کو بتلایا گیا کہ غلبہ سامان سے نہیں ہوتا، بلکہ قوت قلب سے ہوتا ہے، اور (مسلمانوں کو) قوت قلب میسر ہوتی ہے خدا کے ساتھ تعلق بڑھانے سے، اور خدا کے ساتھ تعلق بڑھتا ہے خدائی احکام کی اتباع اور خدا کی بتلائی ہوئی تدابیر پر عمل کرنے سے، مگر مسلمانوں کے دلوں میں اسے کیسے اتاروں،

ایک مومن کامل کی طرح اس پر اس درجہ کامل ایمان و وثوق ہے کہ آگے فرماتے ہیں کہ
"خدا کی ذات پر بھروسہ کرکے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ بالاتفاق سب مسلمان احکام حق پر عمل پیرا ہوجائیں، اور حق تعالیٰ کے راضی کرنے کی کوشش میں لگ جائیں، تو چند روز میں انشاء اللہ کایا پلٹ جائے"

اس سے بھی بڑھ کر یہ ارشاد ہے کہ اگر بہ نیت اتباع ایسا نہ کریں تو ایک تدبیر ہی کا درجہ سمجھ کر دیکھیں، آخر اور بھی تو تدابیر کر رہے ہو ایک یہ بھی سہی، تمھارا مقصود تو مقاصد میں کامیابی ہے (خواہ کسی راہ سے ہو) تو جب تمھاری ساختہ پرداختہ (بلکہ دراصل غیروں کی آموختہ) تدابیر میں اب تک کامیابی نہیں ہوئی، تو اللہ اور رسول کی بتلائی ہوئی تدا-

کو تدابیر ہی کی نیت سے کرکے دیکھ لو، کہ کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے، اگر کامیابی نہ ہوگی تو چھوڑ دینا، لیکن کرکے دیکھو تو، کرنے سے پھانسی کیوں لگتی ہے، مرے کیوں جاتے ہو، کوئی پکڑ کر تھوڑا ہی تم کو بٹھلائے گا، بہت دنوں تک بتوں کی پرستش کرکے تجربہ کرلیا، اب ذرا خدا کو بھی پوجکر دیکھ لو،

ایک شخص مدت سے بت کے سامنے بیٹھا صنم صنم پکار رہا تھا، ایک روز بھولے سے صمد منہ سے نکل گیا، فوراً آواز آئی، لبیک یا عبدی لبیک، یعنی کیا کہتا ہے میرے بندے: میں موجود ہوں، اُس نے جوش میں آکر بُت کو ایک لات رسید کی، کہ کمبخت عمر کا ایک بڑا حصہ تم کو پکارنے میں گذر گیا، ایک دن بھی جواب نہ دیا، آج سچے خدا کا نام بھولے سے زبان سے نکل گیا، فوراً جواب ملا، سو وہ تو بڑی رحیم وکریم ذات ہے جس کو تم بھلا رہے ہو، اور جس سے تعلق کم کر رہے ہو،

بس کوئی انگریزوں کی بغل میں جا گھستا ہے، کہ اُن کے پاس ہماری فلاح وبہبود کے اسباب ہیں اور اس مقلدانہ حماقت میں اُن کی سی بولی چالی، اُن کا سا لباس، اُن کی سی معاشرت تک اختیار کرلیتا ہے، کوئی ہندوؤں کی بغل میں جا گھستا ہے، کہ اُن کے ساتھ اتحاد میں ہماری فلاح وبہبود ہے، اور ان کے ساتھ شریک ہوکر احکام اسلام تک کو پامال کرنے کو تیار ہوجاتے ہیں، حتی کہ ایمان تک اُن کی نذر کردیا، مگر رہے کورے کے کورے، نہ انگریزوں سے کچھ ملا، اور نہ ہندوؤں سے،

(الافاضات الیومیہ حصہ پنجم ص ۲۴۴ و ۲۴۵)

اور اب انگریزوں اور ہندوؤں (وفد وزارت یا وائسرائے اور کانگریس) دونوں سے مایوس ہوکر مسلم لیگ کو روس کی بغل میں گھسنے کی سوجھ رہی ہے؟

انسانون کی ساختہ پرداختہ اور غیرون کی آموختہ آج کل کی قومی وسیاسی تحریکات کی تدابیر پر
ذیل ملفوظ میں حضرت علیہ الرحمۃ نے اپنے خیالات کا کسی قدر تفصیل سے اظہار فرمایا ہے، خلاصہ ان
ہے کہ مسلمانون کے لئے شریعت کی منصوص راہ وتدبیر یا تو قتال وجہاد ہے اور جب تک اس کے اسباب
ائط منصوصہ فراہم نہ ہون، اس وقت تک صبر وسکون کے ساتھ ایمان وعمل صالح میں استقامت
کی کوشش وتیاری جاری رہے، جو کفر سے مقابلہ یا اسلامی جہاد کے لئے سبب ہے، ہم و اقدام جیسا
باقی کسی جابر وقاہر حکومت وسلطنت کا آئین شکنی (سول نافرمانی) یا اقدام عمل (ڈائرکٹ ایکشن) وغیرہ
ذریعہ مقابلہ کرکے یا ہمسایہ قوم کے ساتھ خانہ جنگی میں مبتلا کرکے مسلمانون کی جان ومال کو گنوانا (جیسا
ابھی کلکتہ میں عبرتناک وعبرتناک تجربہ ہوا) یہ نہ اسلامی جہاد وقتال ہے، اور نہ اس میں صبر
یا رجوع الی اللہ کے ساتھ اس دینی اصلاح حال کے لئے امن واطمینان نصیب جو مسلمانون
کی اصلی تدبیر ہے، یہ رائج الوقت تدابیر حضرت مجدد وقت کے نزدیک جائز کیا سرے
حرام اور خودکشی کی صورتین ہین، مومن کی جان ومال اس کی ملک نہین، وہ اس کا صرف
ن ہے، اس کا مرنا جینا سب خدا کے لئے اور خدا کے حکم سے ہے جب تک اس کا علم واطمینان
کہ جس مقصد کے لئے، اور جس راہ سے وہ جان ومال دے رہا ہے، وہ خدا کی راہ اور خدا کی
ن ہے، اس وقت تک بدن کا ایک رویان بھی دینا جائز نہین، احقر اسلامی سیاست وجہاد اپنے
عثمانیہ کے لکچرون میں ہمیشہ بلا شرم وحجاب کہا گیا کہ "محض ملک وقوم کی آزادی خرید نے یا جمہوریت
اشتراکیت کے قیام کے لئے اپنے جسم کا ایک رویان پیش کرنا بھی معصیت جانتا ہون، ہان خدا ورسول
رضی وحکم کے آگے مومن کی جان ومال سب بے قیمت ہین"

ذیل میں ملفوظ مذکور کے ضروری اقتباسات درج ہین، یہ ملفوظ کشمیر کے متعلق ایک مولوی
کے کچھ سوالات کے جوابات کی صورت میں ہے، پہلا سوال یہ ہے کہ مسلمانون کے جو جتھے کشمیر جا رہے ہین

ان کا مقصود لڑنا نہیں صرف حکومت پر اثر ڈالنا ہے، یہ صورت شرعاً کیسی ہے ؟ جواب میں ارشاد ہے کہ

"یہ شرعی لڑائی تو ہے نہیں اب دو ہی صورتیں ہیں یا قتال پر قدرت ہے یا عجز، اگر قدرت ہے تو قتال ورنہ صبر، درمیان میں اور کوئی چیز نہیں، اور نہ یہ درمیانی صورتیں سمجھ میں آتی ہیں، اور نہ آج کل کی درمیانی صورتیں اسلامی صورتیں ہیں، سب دوسری قوموں کی تقلید ہیں،

لیکن اگر بغیر لڑے ہوئے اس صورت کو اختیار کرکے کامیابی ہو جائے، تو اس کے اختیار کرنے میں شرعاً کیا حرج ہے، اس کے جواب میں فرمایا کہ

یہ تھوڑا حرج ہے کہ نص کے خلاف ہوا ۔۔۔ اب اس صورت کا نصوص کلیہ میں داخل ہونا ثابت کر دیں، تو میں بھی مان لوں گا، خدانخواستہ ضد یا ہٹ تھوڑا ہی ہے، باقی نصوص کے مقابلہ میں اجتہاد و قیاس کوئی چیز نہیں اور نہ ہم کو اس قسم کے تصرف کا حق ہے،

سوال آیت جہاد میں "مِنْ قُوَّةٍ" نکرہ ہے، اور اس وقت جیل جانے کی قدرت ہو،

جواب :- قدرت سے یہ قدرت مراد نہیں، بلکہ جس قدرت میں خصم کو کوئی ضرر ہو اور اپنا ضرر یقینی نہ ہو،

سوال :- جیل جانے میں تو کوئی ضرر نہیں معلوم ہوتا، اور خصم کا ضرر ہے یعنی اغاظت پھر کیا حرج ہے،

جواب :- اگر قدرت اضرار یہی ہے تو اس کی بھی قدرت ہے، کہ دشمن کے منہ پر تھوک دیں، یا ڈھیلا ماریں، مگر اس میں اپنا ضرر ہے، اس لئے ایسا نہیں کرتے، حاصل یہی کہ قدرت سے مراد وہی قدرت ہے، جس میں دشمن کا ضرر ہو،

اور اپنا ضرر یقینی نہ ہو، خوب سمجھ لیجئے کہ قدرت کی دو قسمیں ہیں، ایک یہ کہ جو کام ہم کرنا چاہتے ہیں، اس پر سب کو قدرت ہے، لیکن اس کے کر لینے کے بعد جن خطرات کا سامنا ہوگا ان کے دفع پر قدرت نہیں، دوسرے یہ کہ فعل پر بھی قدرت ہے، اور اس کے کر لینے کے بعد جو خطرات پیش آئیں گے، اُن کی مدافعت پر بھی قدرت ہو، پہلی صورت لغوی استطاعت ہے، اور دوسری شرعی استطاعت، اور مدافعت کی فرضیت کے لئے پہلی نہیں، بلکہ دوسری یعنی شرعی استطاعت شرط ہے جس کو اس حدیث نے صاف کر دیا کہ من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ وان لم یستطع فبقلبہ ہے،

ظاہر ہے استطاعت باللسان ہر وقت حاصل ہے، پھر اس کے انتفاء کی تقدیر کب محقق ہوگی، یعنی اگر کسی فعل کی فرضیت کے لئے محض اس فعل پر قادر ہونا کافی ہو، اور اس سے جو خطرات پیش آنے والے ہوں، اُن کے دفاع پر قدرت ہونا شرط نہ ہو، تو زبان سے انکار کرنا ہر وقت فرض ہونا چاہئے، کیونکہ زبان کا چلا دینا ہر وقت ہی قدرت میں ہے، پھر وہ کونسی صورت ہوگی جس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر زبان سے بھی مٹانے کی قدرت نہ ہو تو دل سے مٹا دے، اس سے ثابت ہوا کہ استطاعت سے مراد یہ ہے کہ اس فعل پر قدرت کے ساتھ اس میں ایسا خطرہ نہ ہو جس کی مقاومت و مقابلہ میں غالب عادتہً ناممکن ہو، ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس دفاع کے بعد اس سے زیادہ شر میں نہ مبتلا ہو جائیں،

مجھ کو جیل جانا، پٹنا، یا بھوک ہڑتال وغیرہ کرنا خودکشی کے مرادف ہے، اور خودکشی سے اگر کسی کو فائدہ پہونچے، تب بھی تو جائز نہیں، یعنی اگر یہ معلوم ہو جائے کہ خودکشی سے کفار پر اثر ہوگا، تو کیا خودکشی جائز ہو جائے گی، اور جیل میں جانا اور بھوک ہڑتال کرنا کیا خودکشی کے مرادف نہیں،

اس پر سوال ہوا کہ ضرر تو قتال میں بھی ہے، ایسا اثر ضرر کہ جان جاتی ہے، اس کا جواب یہ ہے، کہ چونکہ قتال مقصود و منصوص ہے، اس نے اس کے ضرر کا اعتبار نہیں، اور یہ نئی تدابیر اور طریقۂ کار غیر منصوص ہیں، اس لئے اس کے ضرر کو دیکھا جائے گا، اور دونوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ اصل مقصود یہ ہے کہ فتنہ نہو، قتال فتنہ نہیں کیونکہ قتال میں طبیعت یکسو ہوجاتی ہے، اور ان امور میں تشتت وپراگندگی اور اضاعت وقت ہے،

"اصل یہ ہے کہ لوگ فقہ کو نہیں دیکھتے، پروگرام بناتے وقت اور فقہ کو بھی محض رائے سے دیکھنا کافی نہیں، اور نہ مفید ہے، بلکہ نصوص، اور ذوق کے ساتھ دیکھنا مفید ہے، نہایت ہی دقیق فن ہے، اس واسطے میں ہمیشہ احتیاط کے پہلو کو ترجیح دیتا ہوں"

اور جو مجدد وقت تجدید دین ہی کے لئے مبعوث ہوا ہے، اس سے بڑھکر وقت کی چیزوں کے متعلق صحیح ذوق و فراست ایمانی کا دعویٰ کون کرسکتا ہے اور احتیاط کے پہلو کو ہر معاملہ میں اور ہر قدم پر مرعی رکھنا یہ تو حضرت جامع المجددین علیہ الرحمۃ کا وہ حصہ ہے، جس میں زیادہ کا تصور بھی دشوار ہے، اس کے بعد سائل کی طرف سے ایک سوال یہ ہوا، کہ من قتل دون عرضہ ومالہ فھو شھید سے جان دینا جائز نکلتا ہے، تو بھوک ہڑتال وغیرہ کی گنجایش معلوم ہوتی ہے"؟ اس کے جواب میں ارشاد ہوا کہ

" قتل سے مراد خودکشی نہیں، بلکہ قتال ہے یعنی اس نیت سے جنگ کرو، اور لڑو کہ جان، ایمان اور مال بچ جائے، پھر اس قتال میں اگر جان چلی جائے، تو وہ شہادت ہے، قتل ہونا خود مقصود نہیں، بلکہ قتال سے اگر لازم آجائے تو اس کا جواز نکلتا ہے، غرض مقصود قتل نہیں قتال ہے، وہ بھی جب اس کی سب شرطیں پائی جائیں، اور موانع مرتفع ہوں جس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے، اور خود قتل کا مقصود ہونا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے، کہ قرآن مجید میں

یُقتلون (بصیغۂ مجہول) ہر جگہ یَقتلون (بصیغۂ معروف) کے بعد ہے جس سے معلوم ہو کہ
یقتلون (بصیغۂ مجہول) خود مقصود نہیں، بلکہ یُقتاوُن (بصیغۂ معروف) سے کبھی
لازم آجاتا ہے"

یہ ہے تفقہ فی الدین اور فہم نصوص کا مجددانہ ذوق اب پھر سائل نے یہ سوال اٹھایا کہ "پوری قدرت تو نہیں، مگر جو کچھ بھی ہے اس کا استعمال کس طرح کریں، کچھ تو کرنا ہی چاہئے" اس کا جواب ملاحظہ ہو کہ

"یہ بھی آپ ہی بتا سکتے ہیں کہ کیا کرنا چاہئے، میری سمجھ میں تو اس سے زیادہ نہیں آتا، کہ ان کو تبلیغ کرو، دین سکھاؤ، اس کے بعد فرماؤ یعنی باضابطہ جہاد) میں پوچھتا ہوں کہ ہجرت کے بعد جو مسلمان مکہ میں تھے، ان کی جانیں تک جاتی تھیں، اس وقت اہل مدینہ نے ایک بھی جتھانہ بھیجا اور جب تک آیت قتال نازل نہ ہوئی، صبر کے سوا کوئی حرکت اس آئینی جنگ کی جاری نہ ہوئی بس جنگ کرو تو اسلامی کرو، آئین بائین کہاں کی خرافات نکالی"

پھر چند سوالات کے بعد ایک سوال یہ ہوا کہ "منصوص تدابیر کے مقابل میں ان تدابیر کو منع تو نہیں کیا گیا ان کی نسبت نہ نہی وارد ہے، نہ حکم، تو اس صورت میں ان کو مسکوت عنہ کہا جائے گا، ممنوع ہونے کی کیا وجہ ہے" اس کا جواب خصوصاً قابل توجہ ہے،

"جن چیزوں کی حاجت خیر القرون میں نہ ہوئی اور خیر القرون کے بعد پیش آئیں، اور نصوص ان کے خلاف موجود ہوں، تو وہ مسکوت عنہا ہو سکتی ہیں لیکن ان چیزوں کی حاجت تو ہمیشہ ہی پیش آتی رہی، پھر بھی نصوص میں صرف جہاد یا صبر ہی کا حکم ہے، تو اس اعتبار سے یہ مسکوت عنہ نہیں بلکہ منہی عنہ ہوا، کہ باوجود ضرورت کے متقدمین نے اس کو ترک کیا تو اجماع ہوا اس کے ترک پر اس لئے ممنوع ہوگا"

علاوہ ان سب باتوں کے ایک اور باریک بات ہے، جس کو سمجھ لینے کی ضرورت ہے، کہ ہر کام کے لئے حدود کی ضرورت ہے، جس کی ان تحریکات میں بھی ضرورت ہے، سو اُن کا تحفظ کون کرے گا یا کرائے گا، ایک لڑکا زمانۂ خلافت میں ہجرت کر گیا، اس کی ماں روتے روتے اندھی ہوگئی، تو اس کو کون دیکھے گا، کہ کس کو جانا (یا ایسی تدابیر میں پڑنا شرعاً) چاہئے، اور کس کو نہیں چاہئے، لہٰذا اگر تدابیر جدیدہ جائز بھی ہوں، تب بھی اس کی ضرورت ہے، کہ کوئی امیر (ماہر و متبع شریعت) ہو تاکہ حدود کی رعایت خود بھی کرے، اور دوسروں سے بھی کرائے، بلا ایسے امیر کے کچھ نہیں ہو سکتا"

اسی سلسلہ میں امیر کے متعلق تحریک خلافت کے زمانہ کا ایک بڑا دلچسپ اپنا مکالمہ ایک بڑے پُر جوش ذہین و فہیم شریک تحریک کے ساتھ بیان فرمایا، جو سننے اور سمجھنے کے لائق ہے، ان پُرجوش نوجوان کو دعویٰ تھا، کہ حضرت کو پانچ منٹ میں قائل کر کے تحریک خلافت میں شریک کر لیں گے، چنانچہ آتے ہی انھوں نے کہا کہ بلا تمہید عرض کرتا ہوں، کہ آپ اس تحریک میں شریک کیوں نہیں؟ حضرت نے فرمایا، کہ

"میں بھی بلا تمہید عرض کرتا ہوں کہ جو کام اس وقت اٹھا ہے، اس میں ضرورت ہے اتفاق کی، حدوثاً بھی اور بقاءً بھی، اول تو مجھکو حدوث اتفاق ہی میں کلام ہے لیکن علی سبیل التنزل مان بھی لیا جائے، تو بقاء کا کون ذمہ دار ہے، بقاء کے لئے صرف ارادہ کافی نہیں، قہر و قوت کی ضرورت ہے، اور وہ قوت امیرالمومنین ہے، اور اس وقت مسلمانوں کا کوئی امیرالمومنین نہیں، جو اُن کی قوت کو ایک مرکز پر جمع رکھ سکے، جو روح ہے اس کام کی ...... کہنے لگے، ہم آپ ہی کو امیرالمومنین بناتے ہیں، میں نے کہا کہ میں تیار ہوں، مگر کچھ شرائط ہیں، اول یہ کہ ہندوستان کے تمام مسلمان اپنا تمام مال و جائداد میرے نام ہبہ کر دیں، میں بھیک مانگنے والا امیرالمومنین نہیں بنوں گا"

ایسے کام چند دن سے نہیں چلا کرتے ہیں اور جن کے چلے ہیں، اُن کے مال اُن کی جان اُن کی

آبرو اُن کے بی بی بچے ۔۔۔۔۔ سب خدا کی راہ میں اپنے کو قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے اور اصل مقصد میں سب متحد تھے، خلوص سے اُن کے قلوب پُر تھے، اُن کی ہمسری کا کیا کوئی دعویٰ کر سکتا ہے، اور اس کا کوئی وقت مقرر نہیں کہ کب تک یہ ضرورت رہے ۔۔۔۔ اگر کوئی ضرورت خرچ کی فوری پیش آگئی، اور چلے ہے نہیں، اب اگر رقم وقت و موقع پر نہ پہنچی تو سوائے ناکامی کے اور کیا نتیجہ نکل سکتا ہے، مثلاً ضرورت آج ہے اور آپ کھڑے ہوئے چندہ کر تو کیا ضرور ہے کہ فوراً کامیابی ہو جائے تو ایک یقینی ضرورت کو احتمالی بات پر معلق کرنا کونسی عقلمندی ہے اور کام سے پہلے اس کا انتظام کیا جائے،

"اس سرمایہ سے جو میرے نام بھیجا ہوگا، سامان جمع کر دوں گا، ساتھ ہی سب کو حسب حیثیت نذر ق انشاء اللہ تعالیٰ خرچ دوں گا، اور یہ بھی اطمینان دلاتا ہوں کہ بعد فراغ و کامیابی سب کی جائداد وغیرہ جنسہ واپس کر دوں گا"

دوسری شرط یہ ہے کہ ہندوستان کے تمام مشاہیر علما، اور لیڈروں کے دستخط کراؤ کر وہ مجھ کو امیر المومنین تسلیم کر لیں، اگر ایک نے بھی اختلاف کیا تو میں امیر المومنین نہیں ہو سکتا، ہاں اگر تسلیم کے بعد پھر کوئی خلاف یا اختلاف کرے، تو امیر کو حق ہے کہ اپنی قوت سے ایسے لوگوں کو دبائے، اور ٹھیک کرے،

"اب سنیئے امیر المومنین ہونے کے بعد سب سے اوّل یہ حکم دوں گا کہ دس سال کے لئے سب خاموش، ہر قسم کی تحریک اور ہر قسم کا شور و غل بند، اور اس دس سال میں انتظام کروں گا مسلمانوں کے مسلمان بنانے کا اور ان کی اصلاح کا، پھر اس مکمل انتظام کے بعد جو مناسب ہوگا حکم دوں گا، اور اگر محض کاغذی امیر المومنین بنانا چاہتے ہو، تو نتیجہ یہ ہوگا، کہ آج امیر المومنین ہوں گا، اور کل کو اسیر الکافرین، آج سردار ہوں گا اور کل کو سرِ دار ہوں گا،

"یہ تقریریں تھیں کہ اُن کی سب ذہانت ختم ہو گئی، اور یہی مقصود تھا کہ اُن کو اپنے خیالی منصوبوں کی حقیقت معلوم ہو جائے ورنہ کون امیر المومنین بنتا ہے، اور کون بناتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہر کام اصول سے ہو سکتا ہے، بے اصول تو گھر کا انتظام بھی نہیں ہوتا ملک کا کیا خاک ہو گا............ اصول کے ماتحت کام کرو، جوش سے نہیں ہوش سے کام لو، جوش کا انجام خراب نکلے گا، حدود شرعیہ کی حفاظت رکھو لیکن ان باتوں کو لوگ اپنے مقاصد میں روڑا اٹکانا سمجھتے ہیں، حالانکہ اگر احکام اسلام کو پامال کر کے کوئی کام ہوا بھی تو وہ دین کا کام بہرحال نہ ہو گا،........ تحریک خلافت کے زمانہ میں صاف الفاظ میں کہا جاتا تھا کہ یہ مسائل کا نہیں کام کا وقت ہے۔ ایک مولوی صاحب جو ان تحریکات میں نہایت جوش اور سرگرمی سے کام کر رہے تھے، مجھ سے خود بیان کیا کہ ہم کو اس تحریک میں وہ کام کرنے پڑے ہیں کہ اگر علماء کو معلوم ہو جائیں تو کفر کا فتویٰ دیدیں، یہ تو حالت ہے اور دعویٰ دین کی خدمت کا ہے"

ایک موقع پر ایک صاحب نے کہا کہ پہلے آپ کے بزرگ بھی تو کھڑے ہوتے تھے یعنی حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ، حضرت نے کیا خوب فرمایا کہ

"مجھ کو یہ بھی خبر ہے کہ کھڑے ہوتے تھے، اور یہ بھی خبر ہے کہ بیٹھ بھی گئے تھے، اور پھر آخر تک بیٹھے ہی رہے، اب بتلا دو کہ اپنے بزرگوں کے متبع ہم ہوئے کہ آپ، اس لئے کہ آپ منسوخ پر عمل کر رہے ہیں، اور ہمارا عمل ناسخ پر ہے، پھر کچھ نہ بولے، خدا معلوم کیا سمجھ رکھا ہے، حالانکہ جن وجوہ واسباب کی بنا پر ان حضرات نے بیٹھ جانے کو ترجیح دی تھی، وہی اسباب اب بھی موجود ہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ ابتری و کمزوری نظر آ رہی ہے"

حضرت کی نظر تو ہر طرف جاتی ہے، آگے فرماتے ہیں کہ

"اور عوام کے بھروسہ پر جب کہ اُن میں دین بھی پورا نہ ہو کسی ایسے کام میں ہاتھ ڈالنا

نہایت خطرناک ہے...... خصوصاً اس حالت میں مضر ہونے میں تو کوئی کلام ہی نہیں جب کہ دوسروں کے کندھوں پر چند وقتی چلائی جا رہی ہو، صاف کہتے ہیں کہ بدون برادران وطن کی شرکت کے ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ ایسی قوت کے بھروسہ پر جس سے کسی وقت بھی اسلامی خیر خواہی و ہمدردی کی امید نہیں، کام کرنا کہاں تک عقلمندی کہلائی جا سکتی ہے، نہ شرعاً نہ عقلاً، ہزارہا واقعات شب وروز مشاہدہ ہو رہے ہیں، کہ وہ کسی طرح اور کسی وقت اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے؛

اصل چیز یہ ہے کہ مسلمانوں میں یہ پیدا ہو، اُن کی قوت ایک مرکز پر جمع ہو، اُن کا کوئی امیر ہو، اس کا کہیں نام و نشان نہیں، بس بھیڑ کی چال ہے، کہ جس طرف ایک چلی، سب اسی طرف چل دیتی ہیں، میں بقسم کہتا ہوں اور خدا کی ذات پر بھروسہ کر کے کہتا ہوں کہ اگر مسلمان مضبوطی کے ساتھ دین کے پابند ہو جائیں، آپس کے مناقشات ختم کر دیں، اپنی قوت کو ایک مرکز پر جمع کر لیں، اور جس کو اپنا خیر خواہ سمجھ کر، بڑا (امیر) بنائیں، اس کے مشوروں پر عمل کریں، سر مو اعراض نہ کریں تو پھر اُن کو نہ کسی کی شرکت کی ضرورت، نہ کسی سے ڈرنے کی، نہ اُن کا کوئی کچھ بگاڑ سکتا ہے، ہر کام طریقہ اور اصول سے ہوتا ہے،

"ہماری تو ہستی کیا، صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) جن کی مقبولیت اور فراست اور عقل تمام دنیا کو تسلیم ہے، انھوں نے بھی ساری عمر یہ کام کئے، مگر اصول اور حدود کو ہاتھوں سے نہیں چھوڑا، یہ تو ہر شخص کی زبان پر ہے، کہ اُن کو کامیابیاں ہوئیں، اُن کی نصرت ہوئی، وہ تمام عالم پر بے سروسامانی کی حالت میں غالب آئے، مگر اسی کے ساتھ یہ بھی تو دیکھنا چاہئے کہ اُن کا طریقۂ کار کیا تھا، ان کا اس جد وجہد سے مقصود کیا تھا، اُن کی نیت کیا تھی، اُن کے اعمال کیسے تھے، وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ کیسا کرتے تھے، وہ احکام اسلام پر

کس درجہ عامل تھے، اُن کے قلوب میں اسلام اور احکام اسلام کی کس قدر عظمت و محبت تھی، ثمرات پر تو نظر ہے لیکن اسباب ثمرات پر بھی تو نظر ہونا چاہئے، کھوٹے کھرے کا فرق بسہولت معلوم ہو جائے گا، اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ہم اُن کامیابیوں اور نصرتوں کے مستحق ہیں یا نہیں، محض دعوے اور زبانی باتیں ہانکنے سے کہیں کام چلا کرتا ہے،

ایسی زبانی باتوں اور بے اصول کاموں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ موپلوں کی قوم کو برباد کرادیا، ان لیڈروں اور ان کے ہم خیال مولویوں نے لکچر دیئے، عربی النسل تھے، جوش پیدا ہو گیا، بھڑک اُٹھے، پھر جو اُن کا حشر ہوا سب کو معلوم ہے، پھر ایک لیڈر بھی وہاں نظر نہ آیا، نہ کسی نے اُن کی امداد کی، چاہتے ہیں کہ ہم تو صدارت کی کرسی پر بیٹھے رہیں، اور لوگ اپنی جانیں دیتے رہیں، یہ انجام ہوتا ہے بے اصول کاموں کا"

شریعت کے حدود اور اصول سے نکل کر مسلمانوں کو کبھی کامیابی نصیب نہیں ہو سکتی، اس کا کیسے کامل یقین و ایمان کے ساتھ برملا اعلان فرمایا ہے کہ

کرو اصول کے خلاف نہ کرو حدود شرعیہ کا تحفظ کرو، ایڑی چوٹی کا زور، واللہ ثم واللہ ثم واللہ ایک انچ بھی تو آگے نہیں جا سکتے، مسلمانوں کی فلاح وبہبود تدابیر منصوصہ ہی میں ہے،" بالکل ایسی بات ہے جیسے بعض ماثور دعا کو چھوڑ کر، اور طریق دعا اختیار کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ اگر یہ طریقہ مقبول اور خدا و رسول کا پسندیدہ ہوتا تو وہ بھی تعلیم کر دیا جاتا، جب نہیں کیا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ نیا طریقہ مقبول و پسندیدہ ہی نہیں، اور غیر مقبول میں خیر و برکت کہاں چہ جائیکہ اس شخص (گاندھی) کی تعلیمات و تجویزات جو توحید و رسالت کا منکر، اسلام اور مسلمانوں کا دشمن، اور رئیس المشرکین والکافرین ہو"

تحریک خلافت کے زمانہ میں ہجرت کا رزولیوشن پاس کر دیا، ہزاروں مسلمانوں کو بے خانماں

کرادیا، پھر ملازمتیں ترک کرنے کی تعلیم دی گئی، مسلمانوں نے نوکریاں چھوڑیں اور ہندوؤں نے اُن کی جگہ کو پُر کیا، بہت سے اب تک جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں، بعض کے خطوط آتے ہیں کہ اُس وقت حماقت ہوگئی، اب تک بے روزگاری سے سخت پریشانی ہے"،

یہ اس کی مثال ہے، جس کی طرف حضرت نے اوپر قدرت کی لغوی و شرعی تقسیم میں اشارہ فرمایا کہ شرع میں وہ قدرت معتبر ہے کہ مقدور کے کر گذرنے کے بعد جو ضرر لاحق ہونے والا ہے، اس کے مقابلہ کی بھی ہمت و قدرت ہو، آگے ارشاد ہے کہ

"یہ ہیں بے اصول کاموں کے انجام، اگر کوئی اصول ہوتا، یا کوئی مرکز ہوتا تو اُن لوگوں کو کیوں پریشانی ہوتی اور کیوں ہزل ہوتے، غرض قدم قدم پر ناکامی و ذلت گلوگیر رہی، مگر پھر بھی آنکھیں نہیں کھلتی ہیں، جو سوجھتی ہے نئی سوجھتی ہے، یہ سب مشرک کی تعلیم پر عمل کرنے کے ثمرات ہیں، اگر مسلمان تنہا اصول کے ماتحت حدود شرعیہ کا تحفظ کرتے ہوئے کسی کو اپنا بڑا بنا کر کام کریں، اپنی مالی و جانی قوت کو ایک مرکز پر جمع کرلیں، پھر کسی کو اختلاف نہ ہوگا، مسلمانوں کے جو شرعی مقاصد یا اپنی دینی و دنیوی بہبودی کے مطالبات ہیں، مجھ کو اُن سے اختلاف نہیں اور نہ کوئی مسلمان اختلاف کرسکتا ہے،

مجھکو جو اختلاف ہے وہ طریق کار سے حدود شرعیہ کا قطعاً تحفظ نہیں، سردار یا امیر کوئی نہیں، اختلاف و خلاف کی یہ حالت کہ پارٹی بندیاں ہورہی ہیں، علماء ایک طرف کو چلے جارہے ہیں، لیڈر ایک طرف چلے جارہے ہیں، عوام کی یہ حالت کہ جس نے مرضی کے موافق فتویٰ دیدیا، یا کوئی عالم یا لیڈر ان کے ساتھ ہولیا، تو اس میں تو سب کمالات ہیں، اس کو عرش پر پہنچا دیں گے، اگر کسی نے اُن کی مرضی کے خلاف کوئی بات کی، تو تحت الثریٰ میں بھی اس کو جگہ ملنا مشکل ہے"

ہندوؤں اور کانگریس سے حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ کو جس درجہ بے اعتباری اور

اُن کے ساتھ مل کر کام کرنے سے جس درجہ اختلاف ہے، اس کا اندازہ فرمائیے فرماتے ہیں :-

"کانگریس کی شرکت جو خالص مذہبی یا سیاسی ہندوؤں کی تحریک ہے جس کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنا ہے، اور مسلمانوں کو ہندوستان سے نکال دینا (یا پھر ہندو بنا لینا) اس کا خاص منصبی فرض ہے، یہ سب بالشویک خیالات کے لوگ ہیں، (اور اب ان خیالات کے لوگوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے، ناقل) اور بالشویک نے جیسا کچھ اسلام اور مسلمانوں کو تباہ و برباد کیا، دینی مدارس و مساجد کو خراب کیا، وہ ساری دنیا کو معلوم ہے"۔

"بات یہ ہے کہ جب سرے سے اُن کا کوئی دین ہی نہیں، بلکہ اپنے **لادینی** ان کا عین دین ہے، تو اُن کو کسی کے بھی دین کے احترام کی کیا وجہ ہو سکتی ہے، اگر کسی سیاسی و تدبیری مصلحت سے کسی وقت کچھ رعایت بھی کی، تو جب اس کے خلاف موقع و مصلحت ہو گی تو جو بھی چاہیں گے، اپنی طاقت کے زعم میں کر گذریں گے، ہندوستان اور کانگرس میں بھی جس طرح روز بروز اشتراکیت و اشتمالیت کے رجحانات اور ان کی جماعت ترقی کر رہی ہے، یقیناً اس کے دیکھتے ہوئے یہاں بھی دین و مذہب کو عزیز رکھنے والے ان خطرات سے کیسے چشم پوشی کر سکتے ہیں، باقی اس سے قبل اگر صرف آزادی یا سوراج ہی کی طاقت ہندوؤں اور کانگرس کے ہاتھ میں آگئی، اس کی نسبت حضرت کی خانہ جنگی کی پیشینگوئی تھی، اس کے آثار آج کتنے قریب[1] ہیں، فرماتے ہیں کہ

"یہ سوراج سوراج ہانکتے پھرتے ہیں، اگر اس میں خدانخواستہ کامیابی ہو گئی تو ہندوستان ایک خونی مرکز بن جائے گا، برادرانِ وطن اپنی رکیک حرکتوں سے باز نہ آئیں گے، مسلمانوں میں اشتعال و جوش ہو گا، روزانہ قتال و جدال رہے گا، ... حاصل یہ کہ مسلمانوں کا کانگریس میں شرکت کرنا،

---

[1] لکھتے وقت قریب تھے، اور چھپنے سے پہلے ہی کلکتہ اور بمبی وغیرہ کے واقعات نے اس پیشینگوئی کو آنکھوں کے سامنے کر دیا،

ہندوؤں کے ساتھ مل کر یا اُن کو ملا کر کام کرنا یہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے نہایت خطرناک بات ہے، وہ مسلمانوں کے مذہبی شعائر کو ہندوستان میں باقی چھوڑنا نہیں چاہتے، آئے دن کے واقعات اس کے شاہد ہیں، کانپور و کشمیر وغیرہ کے واقعات آنکھوں کے سامنے ہیں،

دفاتر وغیرہ اور چھوٹی چھوٹی ملازمتوں تک کے معاملہ میں اُن کی رکیک حرکات اور تنگ دلیوں کا جو حال ہے، وہ سابقہ پڑنے والے مسلمان ہی خوب جانتے ہیں، آخر حضرت سے بھی لوگ ان حالات کو بیان کرتے تھے، فرماتے ہیں کہ

"ایک صاحب مجھ سے کہتے تھے جو دفتر میں ملازم ہیں، کہ ہندوؤں کی بدولت ہر محکمہ و دفتر میں مسلمانوں کو جن مشکلات کا سامنا ہے وہ بیچارے لیڈروں یا اُن کے ہم خیال مولویوں کو کیا معلوم جن پر پڑ رہی ہے وہی خوب جانتے ہیں، غرض یہ مسلمانوں کی جان و مال و ایمان سب کے دشمن ہیں"

بہر حال مسلمانوں کی اصلی راہ تو یہی اپنے دین کو مضبوط کرنا، خدا کو راضی کرنا اور جو کچھ بھی کرنا خالص رضائے حق کی نیت اور شریعت کے اصول و حدود کی حفاظت کیساتھ، اس کے بغیر سوراج یا ملکی آزادی کا اُن کے حق میں مفید ہونا دینی و دنیوی دونوں اعتبار سے یقیناً مشتبہ ہے لیکن اس کی فکر نہ کانگرسی مسلمانوں نے کی، نہ لیگی مسلمانوں کو ہے، اور نہ بادب عرض ہے کہ اس کی فکر جمعیۃ العلما کو ہے، دوسری طرف یہ بھی یقینی ہے کہ حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو ہوش میں آنے کی بہت مہلت دی، اور اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی غفلت کے لئے واقعات کو مزید انتظار کی اجازت نہ ملے گی، مگر جب بھی اُن کو ہوش آئے، اُن کی دنیا و آخرت دونوں کی نجات خدا ہی کی طرف بھاگنے سے ہو سکتی ہے،

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جو اپنی اجتہادی رائے کی بنا پر تحریک خلافت میں سب سے آگے اور ہندوؤں کے ساتھ اور کانگرس میں شرکت کے روادار تھے، مگر دین اور دینی شعائر کی حفاظت کے معاملہ میں یہ نارواداری تھی، کہ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، کہ حضرت دیوبندی (شیخ الہند) رحمۃ اللہ علیہ کو جو آٹھ

بنایا جاتا ہے، تو کیا اُن کے یہ مقاصد تھے، !

"استغفر اللہ حضرت کی حیات میں حضرت کو دہلی کے ایک جلسۂ شوریٰ میں مدعو کیا گیا تھا، لیکن حضرت بعض عذروں کی بنا پر تشریف نہ لیجا سکے، اور مولوی صاحب کے ہاتھ خط بھیجا، اور یہ ہدایت فرمائی کہ جو مسئلہ مذہبی پیش آئے، اس میں اپنا خیال صاف صاف بدون کسی خوف و مداہنت کے ظاہر کردو اس وقت قربانی گاؤ کے بند کرنے پر زور دیا جارہا تھا، حضرت نے فرمایا کہ (یہ تقاصہ شریعت کے بالکل خلاف ہے، ہم مذہبی احکام میں ادنیٰ تصرف اور ذرا سی ترمیم کو بھی برداشت نہیں کرسکتے، خواہ لوگ ہمارا ساتھ چھوڑ دیں، ہم سے جو خدمت اسلام کی بن پڑے گی، کرتے رہیں گے"

اسی سلسلہ میں سلطان صلاح الدین کا ایک عجیب واقعہ نقل فرمایا ہے کہ

"مولانا (دیوبندی) تو بڑی چیز ہیں، سلاطین اسلام باوجودیکہ دنیا دار کہلاتے ہیں، مگر اُن میں بھی جس کے دل میں اسلام اور احکام اسلام کی عظمت اور احترام تھا، اُنھوں نے شریعت مقدسہ کے خلاف کرنا گوارا نہیں کیا، اس کی بھی پروا نہیں کی، کہ سلطنت رہے گی یا جائے گی،

سلطان صلاح الدین نے جس وقت ملک شام فتح کیا، تو وزراء نے عرض کیا کہ یہ نصرانیوں کا ملک ہے، نیا مفتوح ہے اس ملک کے لوگ نہایت سرکش و سخت ہیں، اور اسلامی سیاسات نرم ہیں، اس لئے ضرورت ہی کہ علاوہ احکام اسلام کے اگر کچھ اور قوانین بھی ان پر قابو رکھنے کے لئے نافذ کر دیئے جائیں، تو زیادہ مناسب ہوگا، اس پر سلطان نے جو جواب دیا، وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے،

کہا کہ کیا تمھارا یہ خیال ہے کہ میں نے جو ملک فتح کیا ہے، وہ حکومت و سلطنت کرنے کے لئے؟ میں نے محض اللہ کو خوش کرنے کے لئے یہ سب کوششیں کی ہیں، احکام اسلام ہی کو نافذ کروں گا، ملک رہے یا جائے، ایک حکم بھی خلاف اسلام نہ کروں گا، علماء اور لیڈر اس واقعہ سے سبق حاصل کریں، ان حضرات کی کامیابی کے راز یہ تھے، اور یہاں یہ حال ہو کہ ملک ملنے سے پہلے ہی شریعت مقدسہ کی قطع و برید

شروع کر دی، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ"

یہ الافاضات الیومیہ حصہ اول ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ کے قریباً ۲۳ صفحات (از ص ۹۲ تا ۱۱۴) کے ایک طویل مکالمہ و ملفوظ کی سرمدی تلخیص تھی، جس سے آج کل کی قومیات و سیاسیات سے متعلق حضرت جامع المجدد دین علیہ الرحمۃ کی تجدید و تحقیق کا بڑی حد تک اندازہ کیا جا سکتا ہے، اور جس کا حاصل یہ ہے کہ ان قومی یا سیاسی تحریکات کا نہ تو مقصود ہی دین ہے، اور نہ اُن کے طریقے ہی دینی ہیں، جو کچھ ہے، سب غیروں کا دیکھا دیکھی اور مشرکوں کی تعلیم کی بڑی کھلی نقالی ہے، اس لئے مسلمانوں کے لئے بحیثیت مسلمان نہ ان میں شرکت کے کوئی معنی ہیں، اور نہ یہ شرکت شرعاً جائز ہے، اور نہ ان طریقوں سے مسلمانوں کی دینی یا دنیوی کامیابی ممکن ہے۔ یہ تو اس باب میں تجدید کا سلبی یا منفی پہلو تھا، مثبت و ایجابی پہلو یہ ہے کہ مسلمانوں کی دینی دنیوی کامیابی کا انحصار اس پر ہے، کہ اُن کا نہ صرف مقصود ہی بالکلیۃ دین اور رضائے حق ہو، بلکہ اس مقصود کے حصول کی تدابیر بھی بالکلیہ شریعت کے مقرر فرمودہ اصول و حدود کے تابع ہوں، نیز یہ کہ مسلمان سے مطالبہ بالذات "ایمان و عمل صالح" کا ہے، اور قومی و سیاسی ترقی یا حکومت و سلطنت اس کا ظل ہے، اور ظل کے پیچھے دوڑنے کی کیا ضرورت، وہ تو اصل کے ساتھ آپ ہی لگا رہتا ہے، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا اٹل وعدہ ہے کہ

"وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ"

یا حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے رنگ میں یوں کہو کہ حکومت و سلطنت مقصود نہیں موعود ہے"

راقم الحروف کو ایک مدت تک مولانا مودودی کی تحریک قیام حکومت الٰہیہ سے متعلق بہت خلجان رہا، ایک طرف تو اُن کا یہ دعوی اپنی جگہ بالکل درست تھا، کہ حکومت و سیاست کے جتنے موجودہ و رائج الوقت نظریات و نظامات ہیں، وہ خواہ بعض باتوں میں کچھ سطحی و ظاہری مماثلت ہو، لیکن اصولاً و حقیقۃً اسلامی حکومت و سیاست کے نقطۂ نظر کی بالکلیہ نفی و ضد ہے، کیونکہ یہ سارے نظریات و

نظامات حکومت کسی نہ کسی صورت میں انسان پر انسان ہی کی حاکمیت کے حق کو قائم رکھتے ہیں جس کی اسلام سرے سے نفی کرتا ہے[1]، اور انسان پر صرف احکم الحاکمین کے حکم و حاکمیت کو جائز رکھتا ہے، لہذا ان نظریات و نظامات کے ساتھ مسلمانوں کا تعاون بھی کسی طرح جائز نہیں[2]، لیکن دوسری طرف مولانائے موصوف نے حکومتِ الٰہیہ کے براہ راست قیام کی دعوت جو اس طرح دینا شروع فرما دی کہ گویا وہ مقصود بالذات ہے، اور اس کے قیام کے بغیر گویا مسلمان مسلمان ہی نہیں رہ سکتے، اور اُس کے لئے ایک جماعت تک بنا ڈالی، یہ راہ عمل کسی طرح حلق سے نہیں اُترتی تھی،

جس کا بڑا سبب یہ تھا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی سیرت اور سوانح میں اس کی کوئی سند نہیں ملتی تھی، کہ انھوں نے اپنی بعثت کا مقصود یا اپنا کلمۂ دعوت براہ راست حکومتِ الٰہیہ کو قرار دیا ہو[3]، بلکہ حدیث میں تو یہاں تک ہے کہ بعض انبیاء قیامت میں ایسے ہوں گے کہ جن کا ایک بھی متبع و امتی نہ ہوگا اور بعض کا صرف ایک ہی ہوگا، ظاہر ہے کہ اُس سے نہ تو ایسے انبیاء علیہم السلام کے کمالِ نبوت میں کوئی کمی رہی، اور نہ اُس ایک اُمتی کے کمال ایمان میں، پھر یہ اوّل دن ہی سے براہ راست رائج و قائم الوقت حکومت کو اعلانِ جنگ دینا، اور اُس کے مدِ مقابل خود اپنے لئے حکومت و حاکمیت کا دعویٰ کر دینا تھا، جس کی بدولت ابتدا ہی سے گویا خود اپنی ہی طرف سے بعثت کے اصل مقصود یعنی توحید الٰہ (یا قوم اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ) کی راہ میں پہاڑ کھڑا کر دینا اور در اصل طرح طرح کے فتنہ و فساد کو دعوت دینا ہوتا، کیونکہ پہلے ہی دن سے یہ سمجھ میں آنا عملاً ناممکن ہے، کہ ہماری حکومت کو چھینکر اپنی نہیں بلکہ خدا کی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں،

---

[1] یہ دعویٰ ہی مطلق صورت میں نہ نصوص شریعت کے مطابق ہے نہ عقل و تجربہ کے، اسلام نے مخلوق سے نفی تو صرف معبودیت، الوہیت، ربوبیت کی کی، نہ کہ مطلق حاکمیت کی عبد الماجد [2] یہ دعویٰ بھی نظر ثانی کا بہت زیادہ محتاج ہے عبد الماجد [3] بلکہ اس کے برعکس بعض انبیاء نے تو نظاماتِ باطل سے تعاون کیا ہے، عبد الماجد

باقی یون توخود توحید کی دعوت کو قبول کر لینے کا لازمی نتیجہ ہی یہ ہے کہ انسان انفرادی یا اجتماعی طور پر
ساور جس درجہ مین ممکن ہوگا اپنے اوپر سے اپنے جیسے انسانون کے حکم وحاکمیت کے جوے کو اتار پھینکے گا[1]
حکومت وحاکمیت کا نام لئے بغیر ہی جس دن توحید الٰہی یا لاالٰہ الا اللہ کی اصل دعوت کے گرد اولاً ایمان و
صالح سے اور ثانیاً وقت اور حالات کے مقتضیٰ کے بقدر ضرورت جنگ ومقابلہ کے ظاہری اسباب
سلح کوئی جماعت پیدا ہوجائے گی، تو ظاہری حکومت کے سامان بھی نفس حکومت وسلطنت کے لئے نہین
اسی دعوت توحید کی خدمت واعانت کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ فراہم ہوجائین گے، جیسا کہ خود اسلام
تاریخ اسی طریق عمل کی شاہد وعلم ہے، اور پھر اس طریقہ سے وجود مین آنے والی حکومت وسلطنت کا
عروج وزوال بھی اس جماعت کے ایمان وعمل صالح کے بقا اور ترقی وتنزل ہی کے ہم قدم ہوگا،
یہ باتین الحمد للہ سب سمجھ مین آتی تھین لیکن کوئی صاف وصریح نص سامنے نہ ہونے سے کچھ نہ کچھ
یان ضرور تھا، اور شرح صدر حاصل نہ تھا، اسی دوران مین غالباً اثنائے تلاوت مین اس آیت پر اللہ تعالیٰ
نے متوجہ فرمایا کہ

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ ... وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی
ارْتَضٰی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِیْ وَلَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا

بس سارا خلجان کافور ہوگیا، اور ایسا معلوم ہوا کہ یہ آیت اسی وقت اور اسی نادان کے اطمینان
لب کے لئے نازل ہوئی ہے، غرض مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا اصل کام اور مقصود بالذات سلطنت و
کومت، یا آج کل کی اصطلاح مین آزادی وخود مختاری کی فکر مین پڑنا نہین، بلکہ خود اپنے ایمان کو درست کرنا
ور اعمال صالحہ کو اختیار کرنا یعنی اپنی انفرادی واجتماعی زندگی کے تمام شعبون مین موجودہ قدرت واستطاعت
کی حد تک پہلے مسلمانون کو خود اپنے تئین اصول وفروع مین احکام الٰہی کا محکوم بنا دینا ہے، پھر انشاء اللہ

---

[1] صرف اسی حکم وحاکمیت کو جو توحید وطاعت الٰہی کی راہ مین حائل ہوگی، (عبد الماجد)

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ یا ارضی خلافت وحکومت کا قطعی وعدہ پورا ہونے کے سامان غیب سے ظاہر ہونگے

ثم الحمد للہ کہ اس کے بعد پھر خوب سمجھ مین آگیا، کہ مسلمانون کی راہ عمل نہ جلسے اور جلوس ہین، نہ ہڑتال اور احتجاج، نہ ستیہ گرہ، اور مرن برت، نہ آئینی جد وجہد، اور نہ غیر آئینی مقابلہ، نہ رسائل واخبارات، نہ جماعت سازی اور نیتا بازی، ان کا صاف سیدھا ہموار، و استوار راستہ بس ایمان وعمل صالح ہے، اور جب اس راستے سے ہم خلافت ارضی کے صالح ہوجائین گے، تو اس کا وعدہ بھی قطعاً پورا ہو کر رہے گا، بلکہ ابھی تو جبتک ہمارا مقصود بھی غیرون کی طرح نفس حکومت ہی ہے، حکومت نہ عطا ہونا ہی عین حکمت ورحمت ہے، ورنہ بجاے اس کے کہ ہم اس حکومت کو دین کے لئے استعمال کرین (جیسا کہ خود اس آیت ہی کے آخر مین مذکور ہے کہ وہ ہر طرح سے بے خوف و مامون ہو کر اصل مقصود یعنی میری بندگی مین لگ جائین، اور شرک کی آلایش سے اس طرح نکل جائین، کہ کسی شے کو بھی میرا شریک نہ بنائین) اسلئے قوی اندیشہ ہے، کہ ہم دنیا مین زیادہ غرق اور دین سے غافل ہو کر رہا سہا خدا ورسول کا جو کچھ نام زبان پر رہ گیا ہے، اس کو بھی خدانخواستہ چھوڑ بیٹھین، !

بھلا اس باب مین ایسی صاف وصریح نص سے حضرت مجدد وقت کی نظر کیسے محجوب رہ سکتی تھی، سو اب اسی مسلمانون کی ترقی کی بحث کے سلسلے مین خود حضرت کے ہان بھی اسی آیت کے استعمال کو دیکھ کر راقم الحروف کے اطمینان قلب پر مجدد وقت کی مہر توثیق لگ گئی، چنانچہ اس آیت کو نقل فرما کر فرماتے ہین کہ

"اس صاف ارشاد پر بھی نظر نہین، کس قدر صاف طریقہ سے ان عملون (یعنی اعمال صالحہ) کا خاصہ بیان فرمایا، اور پھر ترقی کا وعدہ بھی فرمایا ہے، جس کے خلاف ہونے کا احتمال بھی نہین، کیا اس سے بڑھ کر کوئی تدبیر ترقی کی ہو سکتی ہے، (اور سب سے بڑی ترقی آج کل حصول حکومت ہی کو سمجھا جاتا ہے، ناقل) جس کے ناکام ہونے کا بھی وہم نہ ہو، جس مین سو فی صدی کامیابی، ہی

کامیابی ہے، خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے، اس کے خلاف نہیں ہوگا، اس لئے اس تدبیر میں کامیابی بالکل یقینی ہے۔ (الافاضات الیومیہ حصہ دوم ص ۲۹)

لیکن موجودہ قومیات وسیاسیات کے اکھاڑے میں کود کر خدا تعالیٰ کے اس حتمی وعدہ اور صدقی کامیابی والی تدبیر پر تو کیا نظر رہ سکتی، الٹے ہمارے اچھوا چھوں تک کی غفلت ہی نہیں، بلکہ جرأت و جسارت بعض دفعہ اس حد کو پہنچ جاتی ہے کہ رہے سہے ایمان کا بھی خدا ہی حافظ! ایک وعظ (تعظیم العلم) میں اس کی حضرت نے بڑی ہی عبرتناک مثال بیان فرمائی ہے جس کے بعد اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ اس حال میں قومی وسیاسی ترقی تو مسلمانوں کو کیا نصیب ہوگی، بس اللہ تعالیٰ اپنے غضب سے محفوظ رکھیں فرماتے ہیں کہ

"بعض علماء سے آج کل کہا گیا کہ عوام بعض امور میں شریعت کی حد سے بہت دور نکل گئے ہیں، اس کی روک تھام ہونی چاہئے۔ تو فرماتے ہیں کہ میاں جوش وخروش میں ایسا بھی ہو جاتا ہے، کچھ پروا نہیں اس وقت تو کام ہونے دو، پھر بعد میں مسائل کو بھی دیکھ لیا جائے گا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، ایسا جو آسمان نہیں پھٹ جاتا، زمین نہیں شق ہو جاتی، جب ایک عالم کی زبان سے ایسے بیہودہ کلمات نکلتے ہیں۔ (ص ۵۵)

اصل یہ ہے کہ وہ زیادہ بے باک تھے، زبان تک پر ایسے بیہودہ کلمات آگئے، ورنہ عام حال ان قومیات وسیاسیات میں پڑنے والوں کا یہی دیکھا، کہ ایسا معلوم ہوتا ہے، دل خدا کے خوف اور دین کی عظمت سے بالکل خالی ہو گئے ہیں، (نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیّئات اعمالنا) آگے پھر اسی وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ والی اصل اسلامی و دینی تدبیر پر توجہ دلاتے ہوئے ارشاد ہے کہ

"بس ساری تدبیروں کی جڑ یہ ہے کہ ایک کو راضی کر لو، سب کام بن جائیں گے، ذرا اس تدبیر کو اختیار کر کے تو دیکھو، اسی میں وعدہ ہے، مال وجاہ، عزت وشوکت سب کے حاصل ہونے کا،

(کیونکہ) اس آیت میں استخلاف فی الارض کا وعدہ ایمان و اعمال صالحہ ہی پر مرتب فرمایا گیا ہے؛ لیکن مومن و کافر کی اس دنیاوی حکومت میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہے، کافر کا مقصود تو اس حکومت سے خود حکومت اور دنیا ہی ہے، بخلاف اس کے

"مومن کے استخلاف فی الارض کی غایت بھی دین ہی فرمائی ہے، کہ یعبدوننی ولا یشرکون بی شیئاً، یعنی یہ استخلاف فی الارض اس لئے ہے تاکہ وہ امن و اطمینان کے ساتھ میری عبادت و بندگی بجالائیں، اور کسی چیز کو بھی میرا شریک و سہیم نہ ٹھہرائیں) اس سے صاف معلوم ہوا کہ استخلاف فی الارض مقصود بالذات نہیں، بلکہ مقصود بالذات ایمان، اعمال صالحہ، و اتباع احکام ہے، اور سلطنت عطا فرمانے کا وعدہ اسی کے استحکام و حفاظت کے لئے ہے"

تو بھلا یہ خلافت ارضی ایسے لوگوں کو اور ایسی راہوں اور تدبیروں سے کیسے حاصل ہو سکتی ہے، جن میں قدم قدم پر احکام الٰہی کی پیروی کے بجائے ان کی پامالی ہوتی ہو، اور جن کے اختیار کرنے والے مسلّم و متفق علیہ احکام و فرائض تک کی پروا نہیں کرتے، اوپر مسلمان مولویوں کا حال سنا تھا آگے مسلمان مسٹروں کے حال و نمونہ کا ایک ملفوظ سے اندازہ فرمائیے،

"اسی (تحریک خلافت) کے زمانے میں ایک علی گڑھ کا طالب علم آیا، جو عصر کے وقت آیا، مگر نماز نہیں پڑھی، اس نے مجھ سے ترک موالات ہی کے متعلق کچھ پوچھنا چاہا، میں نے کہا کہ پہلے اپنی تو خبر لو، انگریزوں سے ترک موالات اس لئے کیا تھا کہ ترکوں سے لڑے، مگر نماز جو نہیں پڑھی تو خدا سے ترک موالات کیوں کیا، شاید اس لئے کہ اس نے انگریزوں کو غلبہ کیوں دیا؟"

(الافاضات حصہ اول ص ۳۹)

یہ بھی حضرت مجدد وقت علیہ الرحمہ کی عملی تجدید و اصلاح ہی کا رنگ تھا کہ "پہلے اپنی خبر لو" (قوا انفسکم و اھلیکم نارا) کے لئے ٹوک دیا، ورنہ عام قومی و سیاسی علماء کا تو یہ رنگ دیکھا کہ دن رات قیامت

سیاسیات میں کام کرنے والے اُن کے سامنے نمازیں کھاتے رہیں، مگر نرمی یا سختی سے کچھ تفہیم و تنبیہ کیا معنی تغیرِ قلب تک کا کوئی اظہار نہیں ہوتا، نمازی و بے نمازی سب سے یکساں بشاشت کے ساتھ مجالست و مکالمت و مشاربت و مواکلت سب ہی کچھ جاری رہتی ہے، البتہ لیگ یا کانگریس کو ووٹ دینے نہ دینے پر گرماگرم گفتگو اور ناگواری سب ہی کچھ ظاہر ہوتی ہے!

نماز جیسی دین کی جڑ اور بنیاد کا تو ذکر ہی کیا حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ کے نزدیک تو اعمال یا فروعِ ایمان میں کوتاہی کرنے والوں کے ساتھ دوستی و بشاشت کا برتاؤ اقتضائے ایمان کے خلاف ہے۔

تواصی بالصبر کے وعظ میں فرماتے ہیں کہ

"ایسے شخص سے آپ کا دل کیونکر ملتا ہے، جو فروعِ ایمان میں ناقص ہے، اس سے بے تکلف دوستی کس طرح کی جاتی ہے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، کہ جو کوئی تم میں سے امر منکر کو دیکھے تو اس کو ہاتھ سے مٹائے، یا زبان سے یا دل سے، پھر یہ کیا غضب ہے، کہ ہم لوگ امر منکر کو دیکھ کر نہ ہاتھ سے روکتے ہیں، نہ زبان سے نہ دل سے نفرت کی جاتی ہے، بلکہ اعمال میں کوتاہی کرنے والوں کے ساتھ وہی دوستی وہی بشاشت"

غرض قومیات و سیاسیات میں حضرت جامع المجددین علیہ الرحمہ کی تجدید و اصلاح کا لبِّ لباب یہ ہے کہ مسلمانوں کی قومی و سیاسی ترقی و کامیابی کا بھی پہلا قدم اللہ و رسول سے موالات ہے، نہ کہ ہندوؤں سے موالات یا انگریزوں سے ترکِ موالات!

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی   کیں رہ کہ تو میروی بترکستان است

ارشاد ہے کہ

"جن مصالح (حکومت و سیاست وغیرہا) کی وجہ سے احکامِ الٰہیہ کو پامال کر رہے ہو وہ مصالح بھی خود ان احکام ہی کی اتباع پر موقوف ہیں، یاد رکھو مسلمانوں کو ہرگز اس طرح فلاح نہیں ہو سکتی کہ

وہ احکام الٰہیہ کو مصالح کے تابع بنا دیں، اور دنیوی اغراض کو قبلہ و کعبہ بنالیں، باقی کفار کی حالت دیکھ کر تم کو دھوکا نہ کھانا چاہئے، کہ وہ خدا کو ناراض کرکے بھی ترقی کر رہے ہیں، (جس کی وجوہ اوپر معلوم ہو چکیں)

اور پھر ایمان کی شان تو یہ ہے کہ اگر خدا کو ناراض کرکے سلطنت و حکومت سب کچھ مل جائے تب بھی مومن ایسی سلطنت پر لات مار کر "پاخانہ اٹھانا" پسند کرے گا، جیسا پہلے یہ ارشاد مذکور ہو چکا کہ "خدا کی قسم اگر ہم کو پاخانہ اٹھانا پڑے اور خدا ہم سے راضی ہو تو وہی ہمارے لئے سلطنت ہے، اگر خدا راضی نہ ہو تو لعنت ہے ایسی سلطنت پر جو خدا کو ناراض کرکے حاصل کی جائے" (تعلیم التعلم ص ۷۱)

ان اقتباسات بالا سے آج کل کی قومیات و سیاسیات کے باب میں حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ کی جو تجدید و تحقیق ہے، وہ قدرے تفصیل کے ساتھ واضح ہو گئی، نیز اسی سلسلہ میں اجمال کے ساتھ اصلاح کی حقیقی و عملی تجویز کی طرف بھی اشارہ فرمادیا گیا ہے کہ کم از کم دس سال کے لئے یہ نام و نہاد قومی و سیاسی تحریکات بالکل بند کرکے ساری جد و جہد اور قوت و طاقت مسلمانوں کو مسلمان بنانے میں صرف کی جائے، یعنی موجودہ غیر اسلامی ماحول و حکومت میں بھی، زیادہ سے زیادہ شریعت کے جتنے انفرادی و اجتماعی احکام کا اتباع ممکن ہے، مسلمانوں کو ان کا ہر ممکن تدبیر سے متبع بنایا جائے، اور یہ صرف عقائد و عبادات ہی کے احکام نہ ہوں، بلکہ عقائد و عبادات، معاملات و معاشرت اور اخلاق، غرض ظاہر و باطن ہر اعتبار سے اصلاح اور کامل اسلام مدنظر ہو، کام صرف کمیت و تکثیر سے نہیں چلا کرتا، کیف و کمال زیادہ ضروری ہے، اور الحمد للہ کہ ہر طرف سے لادینی کی فضا اور ناموافق حالات کے محیط ہونے کے باوجود آج بھی شریعت کے احکام و تعلیمات کے بیشتر بلکہ کہنا چاہئے کہ ننانوے فی صد حصہ پر عمل ہمارے اختیار و استطاعت میں ہے، جیسا کہ اصلاحِ انقلاب وغیرہ پر حضرت جامع المجددین کے جامع اصلاحی و تجدیدی کارناموں پر گفتگو کے سلسلہ میں بار بار عرض کیا جا چکا، باقی اگر اس راہ میں کچھ تھوڑی بہت محنت و مشقت یا مل جائے

مقرر پیش آئے، تو کیا جب ہم دنیا کی فانی عزت وراحت کے ادنیٰ ادنیٰ مقاصد کی طلب میں اور دنیا کے مجازی حاکموں کی رضا وخوشنودی کے حصول میں اپنے سارے وجود و وقت کے ساتھ غرق ہیں، اور اس راہ میں طرح طرح کی جسم وجان کی مشقتیں اٹھاتے ہیں، تو پھر آخرت کی غیر فانی وابدی فلاح وراحت اور خدا ورسول کی رضا وخوشنودی کی خاطر اگر ہم اتنی بلکہ اس سے بھی بدرجہا کم ہمت نہیں رکھتے، تو اپنے ہی گریبان میں سر ڈال کر سوچنا چاہئے، کہ کس منہ سے اپنے کو مسلمان کہتے ہیں، کیونکہ مسلمان کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں، جو اپنے نفس اور ساری دنیا کے مقابلہ میں خدا ورسول کی، طاعت ورضاجوئی کا عہد باندھ چکا ہے، اس کے بعد ہم سے اگر ہمارا سب کچھ مانگ لیا جاتا تو بھی کچھ نہ تھا، لیکن دین کی تیسیر وسہولت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی حد ہے، کہ فرمایا جاتا ہے، کہ "بس کچھ تھوڑا سا تمہارا جان ومال وغیرہ کا امتحان ہوگا" (لَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ الخ)

پھر حضرت مجددِ وقت علیہ الرحمۃ کی تجدیدی نگاہ میں اس وقت کے حالات اور بالخصوص دین کے باب میں ہماری کمزوری وکم ہمتی پر نظر رکھکر اس تھوڑے سے امتحان کا درجہ بھی یہی ہے، کہ حکومت کافرہ تک سے نہ بالکلیہ کسی "ترک موالات" کو ضروری قرار دیا، نہ نوکریاں ترک کرنے کو، نہ عدالتیں چھوڑنے کو، نہ جیل جانے کو، نہ گولیاں کھانے کو،[1] البتہ نوکریوں میں کم از کم اتنی احتیاط کی ہدایت ہے، کہ اگر کوئی اور صورت معاش کی نہیں تو تعلیمات وغیرہ کی ویسی نوکریاں کرو، جن میں عدالتی عہدوں وغیرہ کی طرح شریعت کے احکام کی صراحۃً مخالفت نہ کرنا پڑے، بلکہ اگر اتفاق سے کسی ایسی ملازمت میں بھی مبتلا ہو، اور کم ہمتی سے اس کا اندیشہ ہو کہ اس کو ترک کر کے اور زیادہ مفاسد میں پڑ جاؤ گے، مثلاً معاشی تنگی کا تحمل نہیں، اس کی پریشانیوں میں پڑ کر اللہ تعالیٰ سے شکوہ شکایت پیدا ہو، نماز روزہ کے فرائض سے تبدل ہونے کا ڈر ہو، (کاد الفقر یکون کفراً) تو ایسی صورت میں جب تک کوئی دوسرا ذریعہ پیدا نہ ہو

---

[1] یہ سب بجائے خود بالکل درست ہی لیکن ان الحکم الا للہ کی مودودی تشریح وتفسیر کے بالکل منافی (عبد اللہ احمد)

وہ احکام الٰہیہ کو مصالح کے تابع بنا دیں، اور دنیوی اغراض کو قبلہ و کعبہ بنالیں، باقی کفار کی حالت دیکھ کر تم کو دھوکا نہ کھانا چاہئے، کہ وہ خدا کو ناراض کرکے بھی ترقی کر رہے ہیں، (جس کی وجوہ اوپر معلوم ہوچکیں)

اور پھر ایمان کی شان تو یہ ہے کہ اگر خدا کو ناراض کرکے سلطنت و حکومت سب کچھ مل جائے تب بھی مومن ایسی سلطنت پر لات مار کر "پاخانہ اٹھانا" پسند کرے گا، جیسا پہلے یہ ارشاد مذکور ہوچکا کہ "خدا کی قسم اگر ہم کو پاخانہ اٹھانا پڑے اور خدا ہم سے راضی ہو تو وہی ہمارے لئے سلطنت ہے، اگر خدا راضی نہ ہو تو لعنت ہے ایسی سلطنت پر جو خدا کو ناراض کرکے حاصل کی جائے" (تنظیم المسلمین ص ۱۶)

ان اقتباسات بالا سے آج کل کی قومیات و سیاسیات کے باب میں حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ کی جو تجدید و تحقیق ہے، وہ قدرے تفصیل کے ساتھ واضح ہوگئی، نیز اسی سلسلہ میں اجمال کے ساتھ اصلاح کی حقیقی و عملی تجویز کی طرف بھی اشارہ فرمادیا گیا ہے کہ کم از کم دس سال کے لئے یہ نام ونہاد قومی و سیاسی تحریکات بالکل بند کرکے ساری جد وجہد اور قوت و طاقت مسلمانوں کو مسلمان بنانے میں صرف کی جائے، یعنی موجودہ غیر اسلامی ماحول و حکومت میں بھی، زیادہ سے زیادہ شریعت کے جتنے انفرادی و اجتماعی احکام کا اتباع ممکن ہے، مسلمانوں کو ان کا ہر ممکن تدبیر سے متبع بنایا جائے، اور یہ صرف عقائد و عبادات ہی کے احکام نہ ہوں، بلکہ عقائد و عبادات، معاملات و معاشرت اور اخلاق، غرض ظاہر و باطن ہر اعتبار سے اصلاح اور کامل اسلام مدنظر ہو، کام صرف کمیت و تکثیر سے نہیں چلا کرتا، کیف و کمال زیادہ ضروری ہے، اور الحمد للہ کہ ہر طرف سے لادینی کی فضا اور ناموافق حالات کے محیط ہونے کے باوجود آج بھی شریعت کے احکام و تعلیمات کے بیشتر بلکہ کہنا چاہئے کہ ننانوے فی صد حصہ پر عمل ہمارے اختیار و استطاعت میں ہے، جیسا کہ اصلاحِ انقلاب وغیرہ پر حضرت جامع المجددین کے جامع اصلاحی و تجدیدی کارناموں پر گفتگو کے سلسلہ میں بار بار عرض کیا جاچکا، باقی اگر اس راہ میں کچھ تھوڑی بہت محنت و مشقت یا الٰہ جاء

عزیز ہیں آئے، تو کیا جب ہم دنیا کی فانی عزت وراحت کے ادنیٰ ادنیٰ مقاصد کی طلب مین اور دنیا کے مجازی حاکمون کی رضا وخوشنودی کے حصول مین اپنے سارے وجود ووقت کے ساتھ غرق ہین، اور اس راہ مین طرح طرح کی جسم وجان کی مشقتین اُٹھاتے ہین، تو پھر آخرت کی غیر فانی وابدی فلاح وراحت اور خدا ورسول کی رضا وخوشنودی کی خاطر اگر ہم اتنی بلکہ اس سے بھی بدرجہا کم ہمت نہین رکھتے، تو اپنے ہی گریبان مین سر ڈال کر سوچنا چاہئے، کہ کس منہ سے اپنے کو مسلمان کہتے ہین، اکیونکہ مسلمان کے معنی اس کے سوا کچھ نہین، جو اپنے نفس اور ساری دنیا کے مقابلہ مین خدا ورسول کی طاعت ورضا جوئی کا عہد باندھ چکا ہے، اس کے بعد ہم سے اگر ہمارا سب کچھ مانگ لیا جاتا تو بھی کچھ نہ تھا، لیکن دین کی تیسیر سہولت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی حد ہے، کہ فرمایا جاتا ہے، کہ "بس کچھ تھوڑا سا تھارا جان ومال وغیرہ کا امتحان ہوگا" (لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ الخ)

پھر حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ کی تجدیدی نگاہ مین اس وقت کے حالات اور بالخصوص دین کے باب مین ہماری کمزوری وکم ہمتی پر نظر رکھکر اس تھوڑے سے امتحان کا درجہ بھی یہی ہے، کہ حکومت کا فرہ تک سے نہ بالکلیہ کسی "ترک موالات" کو ضروری قرار دیا، نہ نوکریان ترک کرنے کو، نہ عدالتین چھوڑنے کو، نہ جیل جانے کو، نہ گولیان کھانے کو،[1] البتہ نوکریون مین کم از کم اتنی احتیاط کی ہدایت ہے، کہ اگر کوئی اور صورت معاش کی نہین تو تعلیمات وغیرہ کی ویسی نوکریان کرو، جن مین عدالتی عہدون وغیرہ کی طرح شریعت کے احکام کی صراحۃً مخالفت نہ کرنا پڑے، بلکہ اگر اتفاق سے کسی ایسی ملازمت مین بھی مبتلا ہو، اور کم ہمتی سے اس کا اندیشہ ہو کہ اس کو ترک کرکے اور زیادہ مفاسد مین پڑ جاؤ گے، مثلاً معاشی تنگی کا تحمل نہین، اس کی پریشانیون مین پڑ کر اللہ تعالیٰ سے شکوہ شکایت پیدا ہو، نماز روزہ کے فرائض سے بدل ہونے کا ڈر ہو، (کاد الفقر ان یکون کفراً) تو ایسی صورت مین جب تک کوئی دوسرا ذریعہ پیدا نہ ہو

[1] یہ سب بجائے خود بالکل درست ہے، لیکن ان الحکم الا للہ کی مودودی تشریح وتفسیر کے بالکل منافی (عبد اللہ احد)

ایسی ملازمت کو معصیت سمجھتے اور استغفار کرتے رہو، ساتھ ہی اس کی پوری کوشش کرتے رہو کہ جلد از جلد اس سے نجات ہو، خواہ اس کوشش میں زندگی بھر کامیابی نہ ہو، مگر کوشش کا حق ادا ہو، محض کوشش کا نام نہ ہو، اسی طرح اگر دیکھتے ہو کہ کوئی ایسا مالی و جانی مقصد یا ناقابل تحمل ضرر پہنچ رہا ہے، جس کے رفع کے لئے عدالتی چارہ جوئی سے چارہ نہیں تو اس میں بھی مضائقہ نہیں، فقہاء نے ایسی صورتوں میں رفع ظلم اور حصول حق کے لئے رشوت تک کی اجازت دی ہے، اتنی سہولت و رعایت پر بھی اگر دین و شریعت کی پیروی و اطاعت سے گریز ہے، تو پھر دین کا نام ہی کیوں لیتے ہو،

چون بیک زخمے گریزانی ز عشق　　　　تو بجز نامے چہ میدانی ز عشق

آج کل پڑوس میں ایک بڑے عہدہ دار مقیم ہیں، یوں بیچارے نیک ہیں، بہرحال بڑے عہدہ دار ہیں، ان کا تو ذکر ہی کیا ان کے نوکروں چاکروں سے کبھی نماز اور مسجد کے لئے کہتا ہوں جو قریب ہی ہے تو طرح طرح کے بہانے کرتے ہیں، پھر کہتا ہوں کہ اچھا اگر پانچ روپیہ مہینہ دیا کروں کہ پانچ وقت مسجد جاکر نماز پڑھ لیا کرو تو اقرار کر لیتے ہیں، کہ ہاں صاحب تب تو ضرور جائیں گے، سمجھاتا ہوں، اور کہتا ہوں کہ بھائی جب تمہارے نزدیک مہینہ بھر کی ڈیڑھ سو نمازوں کی قیمت پانچ روپیہ یا ایک وقت کی نماز کی قیمت گویا دو پیسہ بھی نہیں تو پھر سمجھ لو کہ تم کتنے اور کیسے مسلمان ہو، بیچارے غنیمت ہے شرما جاتے اور سنتے کچھ ہاں ہوں بھی کر دیتے ہیں مگر اس سے آگے کچھ نہیں،!

غرض آج کی اصطلاح میں یوں کہو کہ یہ دس سال کی "منصوبہ بندی" حضرت نے پہلے مسلمانوں کی اسی شدید دینی بے حسی و بے پرواہی کو دور کرنے کے لئے تجویز فرمائی ہے، تاکہ ان کے اندر دین کی طلب و رغبت اور زندگی کے تمام شعبوں میں احکام دین کی اطاعت کا اہتمام از سر نو زندہ ہو، جو ان کی ساری قومیات و سیاسیات کی جڑ ہے، بلکہ یہی ان کی عین قومیت و سیاست سب کچھ ہے، جب تک یہ جڑ از سر نو ہری نہیں ہوتی، نہ صرف دینی بلکہ کسی قسم کے دنیوی ترقی کے ثمرات بھی مسلمانوں کو نصیب نہیں ہو سکتے، مسلمان

کی قومی و سیاسی یا دنیوی ترقی بھی بالکلیہ دینی ترقی کے تابع ہے، اس پر حضرت کو اتنا اذعان و اصرار ہو کہ تم دنیا ہی کی ترقی کے لئے اور دوسری تدابیر کی طرح بطور ایک تدبیر ہی کے اس کو ایک دفعہ آزما تو دیکھو دنیوی ترقی کے پیچھے جان دینے والے مسلمانوں کو اس دنیا طلب دور کے مجدد ہی کی طرف سے جب اس حد تک کی اجازت ہے، کہ تم دنیا ہی کے لئے دین کو ایک مرتبہ اختیار کر دیکھو تو پھر اس سے زیادہ اتمام حجت کے لئے کیا چاہئے مطلب یہ ہے کہ ایک مرتبہ مسلمان کسی نہ کسی راہ سے دین کو پکڑ لیں پھر اس کی ذات میں تو وہ محبوبیت و کشش ہے کہ اس کا ذوق شناس ساری دنیا کی ترقی اور ہفت اقلیم کی سلطنت لے کر بھی دین کے باغ کا ایک تنکا دینا گوارا نہ کرے گا،

گر نہ باغِ دل خلائے کم بود
بر دلِ سالک ہزاران غم بود

مسلم لیگ صوبوں کی گروہ بندی کا سراب دیکھ کر دوڑ پڑی کہ بس اب دس سال میں پاکستان حاصل ہوتا ہے، لیکن اس سراب کے قریب جا کر کیا پایا، کاش یہ مسلم لیگ مسلمانوں کے الداخصام پتھروں سے سر مارنے اور اسلام کے دشمنوں پر بھروسہ کرنے اور ان سے معاملہ کرنے کے بجائے ایک مرتبہ اسلام کے خدا پر صرف دس سال ہی کے لئے بھروسہ اور اس سے معاملہ کرکے آزما دیکھتی کہ کیا ہوتا ہے[1]!

لیکن حضرت کی تجدیدی و ایمانی فراست نے اندازہ فرمالیا تھا، کہ مسلمانوں کے اندر اب کسی بڑے مرکز کے گرد خصوصاً دین کے نام سے جمع ہونے کے آثار نہیں، اور نہ ان میں اجتماعی راہ سے کام کرنے کی صلاحیت رہ گئی ہے، شاید اسی لئے اس دس سال کے خیال یا امیر کی مرکزیت کی بھی بس اس ایک آدھ اشارہ سے زیادہ کوئی تفصیل نہیں ملتی، تبلیغ جیسے خاص دینی کام کے سلسلے میں فرماتے ہیں، کہ

---

[1] یہاں یہ تصریح ضروری تھی کہ ہر حال میں اور سارے سیاسی اداروں سے مسلم لیگ ہی کی روش حضرتؒ کے مسلک سے اقرب تھی، (عبد الماجد)

"کیا کہوں کہتے ہوئے شرم آتی ہے، اپنے ہی گھر کا راز کھلتا ہے آج کل ہماری حالت یہ ہے کہ اجتماعی کام میں ہمیشہ گڑبڑ ہوتی ہے جس کام میں جتنا زیادہ اجتماع ہوگا اتنا ہی جھگڑا ہوگا" ہم نے اپنی حالت سے دوسروں کو دکھلا دیا ہے، کہ ہم میں اجتماع کے ساتھ کام کرنے کی بالکل قابلیت نہیں"۔ (تواصی بالحق ص ۲۴)

بات یہ ہے کہ آج کل ہمارے اجتماعی کاموں میں کام بہت کم مقصود ہوتا ہے، زیادہ تر نام ونمود کی خواہش، ریا اور نمایش ہی ہوتی ہے،

"کچھ ایسا مذاق پیدا ہوا ہے کہ اظہار و اشتہار اور ٹیپ ٹاپ کے بغیر کام کرنا ہی نہیں جانتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم کسی کو ایسی حالت میں دیکھو کہ اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جاتا ہو کہ یہ بہت کام کرتا ہے، اُس کو شمار میں نہ لاؤ اور جس کو اعتدال سے کام کرتا ہوا دیکھو فاد نوہ تو اس سے امید رکھو، انشاء اللہ کامیاب ہوگا، (ص ۴۳ تواصی بالحق)

یہ اعتدال اجتماعی کاموں میں بالخصوص جب ہی ممکن ہے، کہ کام کے لئے جمع ہونے والوں میں عقل وفہم کے ساتھ دین واخلاص بھی جمع ہو، جس کا آج کل ہم میں قحط اور نفس ونفسانیت کا زور ہے، اس لئے اب حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ امیروا: رت یا کسی بڑے مرکز و مرکزیت کے بجائے انفرادی طریق کار کو زیادہ پسند فرماتے تھے، یا اجتماعی صورت ہو تو وہ بھی مختصر اور آج کل کے اشتہاری ونمایشی طریقوں کے بغیر،

"بس جس سے جتنا ہو سکے اللہ کا نام لے کر شروع کر دے، نہ انجمن کی ضرورت ہے نہ سکریٹری کی بس دو چار پانچ آدمی جتنے متفق ہو سکیں کام شروع کر دیں، اور کوئی متفق نہ ہو سکے، تو تم اکیلے ہی شروع کر دو، گاؤں والوں کو کلمہ پڑھا دینا، نماز سکھلا دینا تو ایسا کام ہے کہ جو ہر مسلمان تھوڑی سی لیاقت کا بھی کر سکتا ہے، ہاں اس کی ضرورت ہے کہ کسی عالم سے مشورہ کرتے رہا کرو (ص ۴۳ تواصی بالحق)

اور ہر چند کہ ایک مرکز کا سب کو تابع ہونا بہت اچھا ہے، مگر آج کل دشواری تو یہی ہے کہ مرکز کس کو بنایا جائے ...... اس لئے کسی مرکز یا انجمن کے تابع ہو کر کام کرنا آج کل دشوار ہے بس سہل صورت یہ ہے کہ ہر ضلع کے مسلمان باہم مل کر ایک مُبلّغ اپنے لئے مقرر کر لیں، جس کی تنخواہ خود دیا کریں، اگر ضرورت کا احساس اور اس کی فکر ہو جائے تو یہ کوئی مشکل کام نہیں ...... البتہ اتنی ضرورت پھر بھی ہو گی، کہ مُبلّغ کی تجویز اور ردّ و عمل کی تحقیق کے لئے کسی ایک عالم کو شورہ کے لئے منتخب کر لو، اُسی کے مشورہ سے مبلّغ رکھو، اور اُسی کی رائے سے تبلیغ کا طریقہ اختیار کرو"

غرض حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ کے نزدیک چونکہ ہمیشہ اور خصوصاً اس وقت سب سے ضروری و مقدم کام تبلیغ ہی ہے یعنی مسلمانوں کو مسلمان بنانے کی فکر، قومی و سیاسی ترقی وغیرہ جو کچھ مطلوب ہو اس کا بھی مسلمانوں کے لئے واحد راستہ یہی ہے کہ وہ اپنے ایمان و عمل ظاہر و باطن میں پورے پورے مسلمان بن جائیں، اس لئے دعوت و تبلیغ دین کی عام و خاص انفرادی و اجتماعی تمام ممکن صورتوں کی طرف کثرت سے مواعظ وغیرہ میں متوجہ فرمایا ہے، جس کی تفصیل اوپر تعلیم و تبلیغ کے باب میں گذر چکی، اور اگر مسلمانوں کو مسلمان بنانا ہے، اور قومی و سیاسی ترقیاں جو کچھ بھی کرنا کرانا ہیں، مسلمان رہ کر کرنا کرانا ہیں، بالفاظ دیگر ہر طرح مسلمان ہی رہ کر جینا مرنا ہے، تو سب سے پہلے سارے مسلمانوں کی دینی اصلاح و تجدید کے اسی ہدایت نامہ یا پروگرام کو پکڑنا اور پھیلانا چاہئے، جو حضرت جامع المجددین نے پوری جامعیت کے ساتھ اس باب میں ہماری کامل رہنمائی کے لئے چھوڑا ہے، اور جس کو راقم الحروف نے اوپر تعلیم و تبلیغ کے عنوان کے تحت اس طرح پیش کرنے کی سعی کی کہ تمام اجزا بیک نظر سامنے آجائیں۔

(باقی)

فتاویٰ عالمگیری اور اس کے مؤلفین

از مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دارالمصنفین

(۲)

چلپی عبداللہ | عبداللہ نام چلپی غالباً لقب یا خاندانی نسبت تھی شاہجہاں کے زمانہ میں روم[۱] سے ہندوستان آئے، عربی، ترکی، فارسی وغیرہ متعدد زبانیں جانتے تھے[۲]

ان کو تصوف اور فن تصوف خصوصاً صوفیہ کی اصطلاحات وغیرہ سے پوری واقفیت تھی، تصوف و حکمت میں کئی کتابیں ان کی یادگار ہیں، فرحۃ الناظرین میں ہے،

"از علوم ظاہری و معارف باطنی بہرہ تمام داشت و بر مصطلحات طائفۂ عالیہ صوفیہ آگہی تمام حاصل نمودہ۔۔۔۔۔۔۔۔ در علوم تصوف و حکمت تالیف رائقہ و تصانیف لائقہ دارد[۲]"

ملا سعد اللہ کو جو عالمگیر کے مقربین میں تھے ان سے بڑا تعلق تھا، غالباً انہی کے ذریعہ دربار میں پہونچے اور فتاویٰ عالمگیری کے فارسی ترجمہ کے لئے مامور ہوئے اور اپنے چند شاگردوں کے ساتھ اس مبارک کام کو انجام دیا[۳]، تبصرۃ الناظرین میں ہے،

"و چلپی عبداللہ بترجمۂ آں (فتاویٰ عالمگیری) مامور بود[۴]"

عالمگیری کا مترجم کون تھا؟ | اس بارہ میں کہ فتاویٰ عالمگیری کا فارسی مترجم کون تھا؟ ارباب تذکرہ کے

---

۱ روم سے مراد ایشیائے کوچک کا علاقہ ہے، ۲ فرحۃ الناظرین ص ۔ ۳ مراۃ العالم قلمی نسخہ ص ۔
۴ قلمی نسخہ دارالمصنفین نقل از نسخۂ خدا بخش خان لائبریری، پٹنہ

بیانات مختلف ہیں، تبصرۃ الناظرین کا بیان اوپر گذر چکا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مترجم چلپی عبداللہ تھے جو ترکی سے آئے تھے فرحۃ الناظرین میں صرف اتنا ہے،

(چلپی عبداللہ) در نوشتن فتاوی شامل حال و مامور بود (ص۲۰۸)

بختاور خاں کا بیان ہے کہ فتاوی کے ترجمہ کے لئے ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کے صاحبزادے چلپی (صحیح ملا) عبداللہ مقرر ہوئے تھے، چنانچہ وہ لکھتا ہے،

"چلپی عبداللہ خلف ارشد قدوہ فضلا ے نامدار مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی با چند تلامذہ بترجم نوشتن این کتاب بفارسی مامور ہست (مراۃ العالم ص۲۷۵)

مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ فتاوی کے مترجم ملا عبداللہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے صاحبزادہ نہیں، بلکہ چلپی عبداللہ ترکی تھے،

عالمگیر کے دربار میں عبداللہ نام کے دو عالم تھے، ایک ملا عبداللہ اور دوسرے چلپی عبداللہ کے نام سے مشہور تھے، صاحب مراۃ العالم کو غالباً نام کے اشتراک سے دھوکا ہوا، اس نے چلپی عبداللہ کو ملا عبداللہ سمجھ کر مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کا لڑکا اور فتاوی کا مترجم قرار دیدیا، اور ان کے نام کے آگے چلپی کی نسبت رہنے دی، حالانکہ چلپی کی نسبت ملا عبدالحکیم کے صاحبزادے کی طرف کسی طرح صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ یہ لفظ ترکی زبان میں کوئی لقب یا خاندانی نسبت ہے، جس کی طرف وہاں کے بہت سے علما منسوب ہیں، کشف الظنون کے مصنف بھی اسی نسبت سے مشہور ہیں، ہندوستان کے کسی عالم کی طرف اس نسبت کا کیا جانا قیاس میں نہیں آتا،

ملا عبداللہ کو مترجم قرار نہ دینے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے، کہ مراۃ العالم میں عالمگیر کی حکومت کے ابتدائی دس سال یعنی ۱۰۷۸ھ تک کے واقعات درج ہیں، جب کہ ملا عبداللہ سیالکوٹی اس وقت تک دربار شاہی سے منسلک بھی نہ ہوئے تھے، بلکہ اس کے آٹھ برس بعد یعنی ۱۰۸۶ھ میں دربار سے

ان کا تعلق ہوا، اور فتاوی عالمگیری کا ترجمہ اس سے پہلے شروع ہو چکا تھا[۱]، صاحب مآثر عالمگیری ۱۰۸۲ھ کے واقعات میں لکھتا ہے،

"(مولوی عبد اللہ) ہنوز ملازمت عالی سے سرفراز نہیں ہوئے تھے، قبلۂ عالم نے حسن ابدال سے ان کے نام پیام شوق روانہ فرمایا، کہ جہاں پناہ کے لاہور پہونچنے پر فاضل مذکور اپنے وطن سے روانہ ہو کر اس شہر میں بادشاہ کی ملازمت کا شرف حاصل کریں، مولوی عبد اللہ لشکر شاہی کے ورود سے دو تین روز پیشتر ہی لاہور پہنچ گئے تھے، مولوی مذکور چند مرتبہ خدمت شاہی میں حاضر ہو کر صحبت فیض اثر سے بہرہ اندوز ہوئے، بادشاہ علم پرور نے فاضل سیالکوٹی کو خلعت خاص اور دو سو اشرفیاں مادۂ فیل عطا فرما کر ان کو وطن جانے کی اجازت مرحمت فرمائی،" (ص ۱۰۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فتاوی کے مترجم ملا عبد اللہ سیالکوٹی نہیں بلکہ چلپی عبد اللہ ترکی تھے،

سید علی اکبر سعد اللہ خانی[۲] غالباً دلی کے باشندے تھے، عقلی علوم میں انھیں کافی دستگاہ تھی، خصوصیت سے علم دانائی (فقہ) میں یکتائے روزگار تھے، فرحۃ الناظرین میں ہے،

اکثر فنون دانش ورزیدہ و برغۂ امعں و دقائق علوم آگہی داشت و سیما در فقہ (ص ۸۳)

محبوب الالباب میں ہے،

"در اکثر فنون مہارتے کامل داشت علم فقہ نیک می دانست"

سعد اللہ خاں کے خاص ہمنشینوں اور ہم جلیسوں میں تھے، ان کا زیادہ وقت سعد اللہ خاں کے پاس گذرتا، اسی تعلق سے وہ سعد اللہ خانی مشہور ہو گئے تھے، سعد اللہ کے ایک لڑکے لطیف اللہ خاں

---

[۱] خود مرآۃ العالم کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۰۸۲ھ سے پہلے فتاوی کے ترجمہ کا کام شروع ہو چکا تھا،

[۲] عالمگیر کے دربار کا بڑا مقبول امیر تھا، مآثر الامراء میں اس کا تذکرہ موجود ہے جملۃ الملک اس کا خطاب تھا،

کی تعلیم و تربیت بھی انہی کی نگرانی میں ہوئی، لطیف اللہ نے آپ کے فیض صحبت سے علوم میں اچھی خاصی استعداد پیدا کر لی تھی،

غالباً سعد اللہ خاں ہی کے واسطے سے دربار شاہی میں رسائی ہوئی، اور فتاوی کی تالیف میں شریک کئے گئے، فرحۃ الناظرین میں ہے،

"بتالیف فتاوی عالمگیری مامور شدہ بعنایت خلیفہ زمانی امتیاز داشت،" (ص۲۰۸)

مآثر عالمگیری نے سنہ ۱۰۹۰ھ کے واقعات کی ضمن میں سید علی اکبر قاضی کا ذکر کیا ہے، اگر یہ سید علی اکبر یہی مؤلف فتاوی ہیں تو صاحب مآثر کے بیان کے مطابق وہ لاہور کے قاضی بھی رہ چکے تھے، اور وہیں امیر قوام الدین ناظم لاہور کی سازش سے قتل ہوئے، ان کے قتل کا مقدمہ چلا، اس سلسلہ میں امیر قوام الدین کو لاہور کی نظامت سے برطرف کر کے عدالت شاہی میں لایا گیا، مگر ان کے صاحبزادہ نے قوام الدین کے اعزہ و اقارب کی سفارش سے قصاص معاف کر دیا، اور وہ رہا ہو گیا،[۵]

اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے ایک صاحبزادے بھی تھے،

سید نظام الدین ٹھٹھوی | شہر ٹھٹھہ (سندھ) اصلی وطن تھا، فقہ میں کافی دستگاہ تھی، اسی علم دانائی (فقہ) نے انھیں دربار شاہی میں پہونچایا، اور وہاں مختلف مناصب پر مامور رہے، اور دوسرے علماء کے ساتھ انھوں نے بھی فتاوی کی تالیف میں حصہ لیا، تذکرہ علمائے ہند کے علاوہ کسی دوسرے تذکرہ میں ان کا حال نہ مل سکا، اس کی عبارت حسب ذیل ہے،

"سید نظام الدین ٹھٹھوی در فقہ اوفق انام و در علوم اعلم کرام برآمدہ بجذبۂ طبع گرائیدہ سوی شاہجہان آباد شتافت و در تالیف فتاوی عالمگیری بسے مشکلات حل کردہ" (ص۲۴۳)

قاضی ابو الخیر ٹھٹھوی | آپ شہر ٹھٹھہ (سندھ) کے باشندے تھے، آپ کی زندگی کے اور حالات معلوم نہ ہو سکے، تذکرہ علمائے ہند میں ہے،

---

۵ مآثر عالمگیری ص۱۳۱،

"درفتاویٰ عالمگیری شریک استنباط مسائل بود"

اس سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ فتاویٰ کی تالیف میں شریک اور استنباط مسائل اور مآخذ فقہ پر پوری نظر
رکھتے تھے،

ل الدین محمد | مچھلی شہر ضلع جون پور کے باشندے تھے، آٹھ واسطوں سے آپ کا سلسلۂ نسب قاضی
ر الدین مچھلی شہری سے جو اپنے وقت کے بڑے متبحر اور مرتاض علماء میں تھے مل جاتا ہے،
آپ کو جملہ علوم میں دستگاہ تھی خصوصیت سے فقہ و حدیث میں بہت ممتاز تھے، مشاہیر جونپور
ں ہے،

"فاما در فقہ و حدیث بزمان او نظیرش نمیتوان یافت،، (ص ۱۲۱)

س و تدریس | آپ کی زندگی کا عزیز ترین مشغلہ درس و تدریس تھا، ساری عمر آپ کا فیض جاری رہا
ہزاروں تشنگانِ علم اس چشمۂ علم سے سیراب ہوئے، مشاہیر جونپور میں ہے،

"مشغلۂ درس و تدریس مادام الحیات مرعی داشت اکثری فضلائے ایام با و پیوستند
و گلہائے فیض فراواں چیدند" (ص ۱۲۱)

عالمگیر کو جب آپ کے علم و فضل کی اطلاع ملی تو بڑی نیازمندی سے بلا کر شاہی دربار کے علما
ں شامل کیا،

جب فتاویٰ عالمگیری کی تالیف کا کام شروع ہوا تو اس کے حصۂ اول کی تالیف آپ کے
رد ہوئی، مشاہیر جونپور میں ہے،

از تصنیفات و تالیفاتش فتاویٰ عالمگیریہ حصۂ اول است کہ حسب الامر سلطانی
جمع نمود،، (ص ۱۲۲)

ات | سنہ وفات کی کوئی تصریح نہیں مل سکی، آپ کے مدفن کے متعلق صاحب مشاہیر جونپور لکھتا ہے:۔

"قبرش در قصبہ مچھلی شہر جانب جنوب بر سرحد موضع اونیا پور است (ص ۱۴۲)

ملا حامد جونپوری | حامد نام، جونپور وطن تھا، عنفوان شباب ہی میں دلی چلے گئے، وہاں شاہجہانی دربار کے مشہور عالم مرزا محمد زاہد کابلی[1] کی خدمت میں پہونچے، عربی کی اکثر متداول کتابیں ان سے، اور بعض کتابیں اس عہد کے ایک دوسرے صاحب علم دانشمند خاں[2] سے پڑھیں، تکمیل تعلیم کے بعد شاہی دربار کے ان علماء کے زمرہ میں شامل ہوگئے، جن کو ڈیڑھ دو روپیہ یومیہ وظیفہ ملتا تھا،[3]

شاہجہاں کے بعد جب عالمگیر سریرآرائے حکومت ہوا تو اس نے بھی دربار کے تعلق اور منصب کو برقرار رکھا، شاہزادہ اکبر جب سن شعور کو پہنچا تو اس کی تعلیم و تربیت انھی کے سپرد ہوئی، اور فتاویٰ کی تالیف کے لئے ان کا انتخاب بھی عمل میں آیا، تذکرہ علمائے ہند میں ہے،

"در عہد عالمگیر داخل مؤلفین فتاویٰ شد، (ص ۲۲۳)

ارباب تذکرہ نے زمانۂ وفات وغیرہ کی کوئی تصریح نہیں کی ہے اور نہ فتاویٰ کے علاوہ کسی دوسری علمی یادگار کا کوئی علم ہے،[5]

شیخ رضی الدین | بھاگلپور (بہار) کے ایک شریف خاندان سے تھے، علم و فن میں تبحر کے ساتھ ساتھ فن سپہ گری میں بھی کمال رکھتے تھے،[6] دربار شاہی میں مختلف عہدوں پر مامور ہوئے، فتاویٰ عالمگیری کی

---

[1] منطق میں میر زاہد انہی کی تصنیف ہے [2] وزیر امور ممالک غیر تھے [3] فرحۃ الناظرین [4] تذکرہ علمائے ہند [5] صاحب مشاہیر جونپور نے بھی ملا حامد نام کے ایک عالم کا تذکرہ کیا ہے، مگر سنہ وغیرہ کا ذکر نہیں کیا ہے، اسکے بیان کے مطابق وہ آخر عمر میں دلی سے جونپور واپس چلے آئے اور یہیں وفات پائی، انھوں نے ایک بہت وسیع اور پختہ مسجد بنوائی تھی اسی کے قریب وہ دفن ہوئے، جونپور کا ایک محلہ بھی ان کے نام سے مشہور ہے، شاید یہ محلہ ملا ٹولہ ہو،

لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی لکھتا ہے کہ شاہ عالم کے زمانہ میں دلی گئے اور شاہزادہ اکبر کی تعلیم ان کے سپرد ہوئی اگر یہ بیان صحیح ہے اور اکبر سے مراد شاہ عالم ثانی کا لڑکا اکبر ہے تو یہ ملا حامد دوسرے تھے اور اگر اس سے مراد عالمگیر کا لڑکا اکبر ہے تو پھر یہ دونوں ایک ہی ہیں، لیکن صاحب مشاہیر نے فتاویٰ کی تالیف کا ذکر نہیں کیا ہے، بلکہ لکھا ہے "ہیچ نسخہ از تصنیفاتشان شہرتے ندارد" (ص ۹۳)

[6] ترجمہ مآثر عالمگیری (ص ۳۶۲)

کی تالیف میں بھی ان کی شرکت تھی اس کے معاوضہ میں دربار شاہی سے تین روپیہ یومیہ ان کو ملتے تھے، مآثر عالمگیری میں ہے،

"شیخ رضی الدین بھاگلپور (بہار) کے شرفا میں تھے، یہ فاضل مؤلفین فتاوی عالمگیری میں شامل تھے، اور تین روپیہ یومیہ ان کی تنخواہ مقرر تھی، (ص ۳۲)"

مولانا محمد شفیع | مولانا محمد شفیع اور ان کے خاندان کے تین اور عالموں کے حالات جو فتاوی کی تالیف میں شریک تھے زیادہ تر سید طہٰ صاحب کے مضمون "صوبہ بہار کا ایک قدیم خانوادہ" سے ماخوذ ہیں،

مولانا محمد شفیع عہد عالمگیری کے بڑے ممتاز اور باصفا عالم تھے، عالمگیر کو ان سے بڑی عقیدت تھی، اکثر شاہزادگان بھی فیض صحبت کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے، شجرۃ الاصل النورانیہ میں ہے[1]

"مولانا سے ما اشتہار عام دارند پادشاہ عالمگیر رجوع یادداشت و فرزندان وے برائے زیارت رسیدہ بودند"

آپ دادھیال کی طرف سے عثمانی اور ننھیال کی طرف سے سید تھے، جدی وطن بغداد تھا، ان کے اجداد میں حضرت خواجہ محمد غزنوی بغداد سے ترک وطن کرکے غزنی، وہاں سے سرہند پھر دہلی اس کے بعد بہار آئے اور وہیں بود و باش اختیار کر لی، ان کے خاندان کے بعض لوگ ابتک سرہند اور دہلی میں موجود ہیں،

"ہم از بعضے فرزندان خاندان خواجہ ما خواجہ محمود غزنوی کہ بطریق سیاحت و سفر و مخصوص بہ نیت زیارت حضرت مولوی معنوی مولانا محمد شفیع قدس اللہ سرہم العقدسی در علاقہ بہار رسیدہ بودند و اصل ایشاں از سرہند بود چنانچہ ہم تحقیق پیوستہ حضرت ایشاں از حضرت بغداد و بغزنی نزول فرمودند و از آنجا بسرہند و از آنجا بہ دہلی و از آنجا بحضرت بہار بہار نمودند کہ بعضے از ایشاں ہم در سرہند اقامت دارند و بعضے در دہلی"[2]

---

[1] یہ کتاب آج سے ساٹھ برس قبل کی تصنیف ہے، اس کا قلمی نسخہ اس خاندان میں محفوظ ہے، [2] شجرۃ الاصل النورانیہ

سنہ ولادت کی کوئی تصریح تذکروں میں نہیں ملتی، اور نہ یہ معلوم ہو سکا کہ ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت کہاں ہوئی، البتہ باطنی علوم و معارف کی تکمیل اپنے ماموں حضرت پیران محی الدین قلندر ری کی خدمت میں کی،

ان کے متعلق خاندان میں یہ روایت مشہور ہے کہ دربار شاہی میں معلم، اور اتالیق تھے، مگر اس کا کوئی تحریری ثبوت نہیں ملتا، آپ کو دربار شاہی کی طرف سے مولوی معنوی کا خطاب ملا تھا، چنانچہ ایک فرمان پر یہ عبارت درج ہے،

"بدستور قدیم ممنوعہ درگاہ علائق .... حضرت فضیلت و کمالات دستگاہ مولوی معنوی ملا محمد شفیع سلمہ اللہ تعالیٰ معاف شدہ"

سنہ وفات کے متعلق بھی کوئی تصریح نہیں ملتی، خاندان والے ان کے سالانہ عرس کی جو رسم ادا کرتے ہیں، اس سے اتنا پتہ چلتا ہے، کہ ان کی تاریخ وفات ۱۱ شوال ہے، ملفوظات گنج رشیدی اور سند شاہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ سو سال سے زیادہ عمر پائی اور ۱۰۸۴ھ تک زندہ رہے،

"ملا محمد شفیع ساکن اتھوا کہ عمر یک صد و یک سالہ داشتہ اند"

سند شاہی کی عبارت یہ ہے،

"رمضان سنہ ۱۲ جلوس ۱۰۸۳ھ بکرر بعرض رسید"

آپ کی اولاد میں قاضی بدیع الزمان بڑے پایہ کے عالم تھے،

جب فتاویٰ کی تالیف کا کام شروع ہوا تو عالمگیر نے مولانا محمد شفیع کی خدمات بھی حاصل کیں اور ایک روپیہ بارہ آنہ یومیہ وظیفہ مقرر کر دیا، پھر یومیہ وظیفہ کے بجائے ایک سو تیس بیگھہ اراضی پرگنہ دوکری میں دیدی، جس کی شاہی سند ان کے خاندان میں اب تک محفوظ ہے جس میں ان باتوں کی پوری تفصیل ملتی ہے، عبارت حسب ذیل ہے،

"شرح یادداشت واقعہ در سنہ بست وہشتم شہر رجب سنہ ۱۵ جلوس والا موافق سنہ ۱۰۸۳ برسالہ سیادت و نقاہت پناہ شرافت و نجابت دستگاہ سزاوار عنایت پادشاہی قابل مرحمت شاہنشاہی صدر رفیع القدر رضویخان و نوبت واقع نویسی کمترین بندگان درگاہ خلائق پناہ میرزا بیگ قلمی می گردد کہ بعرض مقدس معلی رسید کہ بموجب فرمان والا شان سعادت لسان مرقوم تاریخ ۱۰ ربیع الاول سنہ ۱۱ جلوس مبارک مبلغ یک روپیہ ... ... بطریق یومیہ ہر سال ہر دو جنس معاف از خزانہ برکات سعادت بشرط جمع فتاویٰ عالمگیری بہمراہی شیخ وجیہ الرب مرحوم در وجہ معاش شیخ محمد شفیع ولد شیخ شریعت محمد مقرر بود و تا فی الحال در حکم علی العلوم یومیہ مذکور برطرف گشتہ، مشار الیہ بحلیہ فضیلت آراستہ است، و جمع کثیر وابستہ دارد، امیدوار است کہ حکم جہان مطاع عالم مطیع صادر شد کہ موازی یک صد و سی بیگہ زمین افتادہ لائق زراعت خارج جمع از اوکری سرکار و صوبہ بہار در وجہ مدد معاش او مرحمت فرمودیم و اگر در محلے دیگر چیزے داشتہ باشد آنرا اعتبار نکنند و یومیہ مذکور را برطرف شمارند، واقع ۱۶ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۵ جلوس بموجب تصدیق یادداشت قلمی شد، شرح بخط سیادت و نقاہت پناہ شرافت و نجابت دستگاہ صدر رفیع القدر رضویخان کہ داخل واقع نمایند، شرح بخط واقع نویس مطابق واقع است، شرح بخط زبدۂ ارباب ارادت خلاصۂ اصحاب عقیدت مقرب آنحضرت الخاقانیہ منظور الانظار السلطانیہ، شجاعت و شہامت پناہ جلادت و بسالت دستگاہ شایستہ انواع عنایات ... ... سزاوار اصناف مراحم پادشاہی بخشی الملک اسد خان کہ بعرض مکرر رسانید، شرح بخط فضائل پناہ کمالات دستگاہ شیخ ... ... رمضان سنہ ۱۴ جلوس مکرر بعرض رسید، شرح بخط زبدۂ ارباب ارادت خلاصۂ اصحاب عقیدت بخشی الملک کہ فرمان عالیشان قلمی نمایند، از ربیع اوائل شرح ۱۱ یومیہ بموجب فرمان عالیشان باسم محمد شفیع

بشرط جمع فتاویٰ عالمگیری مقرر بود، بعہدہ دریں ولا از پرگنہ ڈوکری سرکار و صوبہ بہار مرحمت شد"

ملا وجیہ الرب آپ کے حالات تذکروں میں نہیں ملتے، فرمان شاہی کی اس عبارت سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ مولوی محمد شفیع کے ساتھ یہ بھی فتاویٰ کی تالیف میں شریک تھے، اور دربار کی طرف سے انکو بھی وظیفہ ملتا تھا،

"بشرط جمع فتاویٰ عالمگیری ہمراہی شیخ وجیہ الرب مرحوم در وجہ معاش شیخ محمد شفیع ولد شیخ شریف محمد مقرر بود"

مولانا محمد فائق | مولانا محمد شفیع کے صاحبزادے قاضی بدیع الزمان کے خسر اور فتاویٰ کی جمع و ترتیب میں شریک تھے، اس کے عوض میں دربار سے ۲ روپیہ وظیفہ ملتا تھا، پھر روپیہ کے بجائے زمین جاگیر میں دیدی گئی جس کی شاہی سند ان کے خاندان میں اب تک محفوظ ہے،

"شرح یادداشت واقعہ روز بست و ہشتم شہر ذیقعدہ سنہ عالمگیری والا موافق سنہ ۱۰۹۱ھ مبلغ دو دیم روپیہ بلا قصور یومیہ ہمراہ ملا محمد اکرم در وجہ مدد معاش سید محمد فائق ولد سید محمد شائق بشرط جمع فتاویٰ عالمگیری عوض یومیہ مذکور یکصد و پنجاہ بیگہ زمین افتادہ لائق زراعت از پرگنہ ڈیل سرکار و صوبہ بہار در وجہ مدد معاش او مرحمت فرمودیم"

ملا محمد اکرم | مولانا محمد فائق کے ساتھ یہ بھی فتاویٰ کی جمع و ترتیب میں شریک تھے، انکو بھی دربار شاہی سے یومیہ وظیفہ ملتا تھا

"مبلغ دو دیم روپیہ بلا قصور یومیہ ہمراہ ملا اکرم در وجہ معاش ..... بشرط جمع فتاویٰ عالمگیری"

دار الحکومت کے موروثی مفتی تھے سنہ ۱۰۹۰ھ میں اردوئے معلیٰ کے قاضی ملا عبد اللہ کے انتقال کے بعد عہدۂ قضا بھی ان کے سپرد ہوا، مآثر عالمگیری میں ہے،

"قاضی عبد اللہ نے مرض فالج میں دنیا کو خیرباد کہا، ان کے بجائے محمد اکرم جو دار الحکومت کے موروثی مفتی تھے اردوئے معلیٰ کی خدمت قضا پر حضور پر نور میں طلب فرمائے گئے" (ص ۱۸۱)

خاتمہ مسئلہ سود و قمار وغیرہ

از

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی استاذ دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی

بعد الحمد والصلوٰۃ، معارف نمبر ۶ بابت دسمبر ۱۹۴۶ء میں میرے محترم بزرگ مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی نے عنوانِ بالا کے تحت چند سطور سپرد قلم فرما کر بندۂ ناچیز کو یاد فرمایا ہے، ؎

اے یاد آمدنت باعثِ آبادیٔ ما

جواباً گذارش ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے غیر مسلم اقوام سے حاصل کی ہوئی، ان دقوم کو جو عقد ربا و قمار کے ذریعہ لی جائیں، میں اس لئے ناجائز کہہ رہا ہوں کہ اُن کی حیثیت ہندوستان میں متلصص یا اسیر (جاسوس اور قیدی) کی نہیں، بلکہ اُن کی حیثیت مصالح اور مستامن کی ہے، جس کے حق میں نفوس اہلِ حرب باتفاق معصوم ہو جاتے ہیں، اور جس کی جان معصوم ہو میرے نزدیک اس کا مال بھی معصوم ہے، اور مال معصوم کو عقد ربا و قمار کے ذریعہ لینا حرام ہے، گو باہمی رضامندی کے ساتھ ہی ہو، پس مجھے جناب والا کا یہ مقدمہ مسلم نہیں، کہ

"شریعت اسلامی ان اموال کو مسلمانوں کے لئے مُباح کر چکی ہے"

اور دوسرا مقدمہ کہ

"حکومت کا قانون بھی اس کے لینے کو جائز قرار دے رہا ہے"

تنہا بدون پہلے مقدمہ کے کافی نہیں، کیونکہ قانونِ وقت تو طوائف کی اجرتِ زنا واجرتِ غنا

کو بھی جائز قرار دیتا ہے، اور اس کے حکام اس کی ڈگریاں بھی دیتے ہیں، مگر کوئی بھی اس کو وجہ جواز قرار نہیں دے سکتا، کیونکہ قانون شریعت نے اس کی اجازت نہیں دی اور عقد ربا کا گناہ زنا و غنا سے کم نہیں، نہ اس سے حاصل کیا ہوا مال حرمت میں مالِ زنا سے کچھ کم، پس جب تک یہ مقدمہ ثابت نہ ہو، کہ مصالح و مستامن کے حق میں اموال اہلِ حرب معصوم نہیں، بلکہ مُباح ہیں، اس وقت تک اس کو متلصص یا اسیر پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، جس کے حق میں نہ نفوس اہلِ حرب معصوم ہیں، نہ اُن کے اموال، بندہ نے اپنے مضمون میں اس مقدمہ پر تفصیل کے ساتھ پوری روشنی ڈال دی ہے کہ جن لوگوں کے نفوس معصوم ہیں، اُن کے اموال بھی معصوم ہونے چاہئیں، قرآن و حدیث کی کسی دلیل سے اس تلازم کی نفی نہیں ہوتی، علامہ سرخسی کا مستامن و مصالح کے حق میں نفوس اہلِ حرب کو معصوم مان کر اموال کو غیر معصوم و مُباح قرار دینا محتاج دلیل ہے، جو اب تک میری نظر سے نہیں گذری مولانائے محترم جس وقت بھی اس کی کوئی واضح قطعی دلیل قرآن و حدیث سے پیش فرما دیں گے، اسی وقت ساری نزاع ختم ہو جائے گی، اور اگر وہ یہی فرما دیں کہ اُن کے فتوی کا مدار صرف فقہ حنفی کے ایک قول پر ہے، دلائل قرآن و حدیث پر نہیں، تب بھی مجھے کوئی اختلاف نہ ہوگا، گو میرے نزدیک اس باب میں فقہ حنفی کا یہ قول قوی نہیں، بلکہ امام ابو یوسف کا قول قوی ہے، جو ظاہر قرآن و حدیث کے موافق اور جمہور اُمت کے قول سے مؤید ہے، ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا،

نزہتہ الارواح کا مکمل نسخہ

از

جناب حکیم خلیل الرحمٰن صاحب رضوی، سیالکوٹ

معارف نمبر ۴ جلد ۵۰ مین مولوی عبدالحمید خان صاحب ریڈر شعبۂ فارسی جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کا ایک تبصرہ کتاب نزہتہ الارواح پر شائع ہوا تھا، پھر معارف نمبر ۶ جلد ۵۰ مین زادالمسافرین اور نزہتہ الارواح پر جناب سید مقبول احمد صاحب صمدنی نے بعنوان دو نایاب کتابین کے عنوان سے مزید گفتگو کی ہے، اتفاق کی بات ان دونون ارباب ذوق کے پیش نظر کتاب مذکور کے نامکمل نسخے تھے چنانچہ اوّل الذکر فرماتے ہین،

"کتاب دبیز بادامی کاغذ پر ہے تقطیع متوسط اور خط معمولی ہے، آخر سے چند صفحات غائب ہین"

پھر ثانی الذکر جناب سید صاحب کا ارشاد ہے:-

میرے لئے رنج دہ بات سب سے زیادہ یہ ہے کہ اس کے اوراق آخر مین غائب ہین حتیٰ کہ مصنف کا لکھا ہوا خاتمہ جو خان علام نے نقل فرمایا ہے، وہ بھی اس نسخہ مین باقی نہین، اس نسخہ کے نصف بست و هشتم کے دو صفحے پورے کرکے لکھا ہے "چون شیخ بقصد رسید الیٰ قولہ ماندگار (باقی مفقود) ہے"

میرے پاس نزہتہ الارواح کا مکمل نسخہ موجود ہے، اور وہ قلمی کے بجائے مطبوعہ ہے، یہ نسخہ مطبع عزیزی مین طبع ہوا ہے، سنہ طبع مکتوب نہین، کاغذ زرد ہے، خط نہ بہت صاف اور نہ زیادہ خراب، حاشیہ مین مغلق الفاظ اور عربی اشعار کا ترجمہ درج ہے، کتاب مین ۸۲ فصلین ہین، جو ۶۰ صفحات مین ہین، اور اختتام کتاب

کی عبارت وہی ہے جو مولوی عبدالحمید خاں صاحب نے نمونہ بالا معارف میں نقل کی ہے،

ابتداء وہی خطبہ حمد وصلوٰۃ پر مشتمل ہے، اور

قال سیدنا ومولانا الشیخ الاجل الی توفیقہ ذکر الحق و... بن حسین

بن عالم ابی الحسن الحسینی، الخ

کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ خطبہ الحاقی ہے، شاید ان کے کسی شاگرد نے لکھا ہو،

خطبہ کے بعد یہ نظم ہے،

بتوفیقش چو دیدم روشن آواز — سخن را ہم بنامش کردم آغاز
بگو اے مرغ زیرک حمد مولیٰ — کہ ہست از ہر ثنا این منت اولیٰ

جناب سید مقبول احمد صمدنی صاحب نے لکھا ہے کہ فصل بست و ششم تک نسخہ صحیح نہیں ہے، میں نے اُن کی منقولہ عبارت کا مقابلہ کتاب سے کیا ہے، تو منقولہ عبارت فصل بست و ششم کے ڈیڑھ صفحہ کے بعد مجھے ملی جس کے آگے یوں ہے،

"گفت اے کرامت یار ماندگان را دستگیر واے لطف از دست رفتگان، الخ"

اگر جناب سید مقبول احمد صاحب صمدنی اگر اپنا پتہ بھیجیں تو بقیہ صفحات ان کو بھیج دوں گا،

سیرت عائشہ رض

اُم المومنین حضرت عائشہ رض کے حالات زندگی اور اُن کے مناقب و فضائل و اخلاق اور ان کے علمی کارنامے، اور اُن کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر اُن کے احسانات اسلام کے متعلق ان کی نکتہ سنجیاں، اور معترضین کے جوابات،

قیمت ..."، ضخامت ۴۲۹ صفحے، طبع سوم باضافہ حواشی،

"منیجر"

استفسار و جواب

پٹھان اور مغل کی وجہ تسمیہ

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی	صدق میں ایک سوال نامہ آیا ہوا ہے۔
مدیر، صدق، دریاباد ضلع بارہ بنکی	مجھے عرصہ سے مغل اور پٹھان کی تحقیق کی ضرورت تھی

بعضون کا خیال ہے کہ جن مسلمانون نے ہندوستان کو فتح کیا، اُن کو فتح خان یا فتحان کہتے تھے یہی رفتہ رفتہ پٹھان ہو گیا، بہرحال سوال یہ ہے کہ ان دونون قومون کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ اور ان کا سلسلۂ نسب کیا ہے، ؟ "جواب ان کا خواہ معارف ہی مین نکلے، خواہ صدق کے لئے الگ آجائے، بہرحال مجھے اطلاع جلد مل جائے تو بہتر ہے"۔

معارف: گرامی نامہ سے سرفراز ہوا، مدت کے بعد جناب والا نے یاد فرمایا، یاد فرمائی کے لئے شکر گذار ہون،

لفظ "پٹھان" کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف اقوال منقول ہین جن مین سے بعض کا بے حقیقت ہونا ظاہر ہے، جیسے فرشتہ کا بیان کہ چونکہ افغان پٹنہ مین آکر آباد ہوئے تھے، اس لئے وہ "پٹھان" کہے گئے، حالانکہ پٹھانون کے متعلق معلوم ہے، کہ وہ پہلے شمالی مغربی ہند کے میدان پنجاب و سندھ مین آکر آباد ہوئے تھے، شمالی مشرقی میدان مین وہ اس کے بہت دنون کے بعد آئے تھے، اسی طرح مرسلہ سوال نامہ مین پٹھان کی وجہ تسمیہ فتح خان یا فتحان جو بیان کی گئی ہے اس کو بھی اسی قسم کی ایک بے اصل روایت سمجھنا چاہئے،

پٹھانوں کو افغان بھی کہا جاتا ہے، اور اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ پٹھان دراصل وہی ہیں، جو افغانستان سے آئے ہیں، اس لئے افغان اور پٹھان، دونوں ہم معنی لفظ قرار پاتے ہیں، اور اسی لئے ہندوستان میں پٹھانوں کی حکومت کو افغانی حکومت سے موسوم کیا جاتا ہے، لیکن بعض لوگوں نے ان دونوں کے مفہوم کے اطلاق میں فرق کیا ہے، اور افغان سے چند مخصوص قبائل درانی وغیرہ کو مراد لیا ہے، اور پٹھان سے ان تمام قبائل کو موسوم کیا ہے، جو پشتو زبان بولتے ہیں،

حقیقت یہ ہے کہ اس قوم کو افغان کے نام سے ابتداءً لٹریری طور پر غیر ملکیوں نے موسوم کیا، پھر رفتہ رفتہ درانیوں اور بعض دوسرے پٹھان قبائل نے اپنے کو افغان کے نام سے موسوم کر لیا، اور باقی ماندہ دوسرے قبائل غلزئی، آفریدی، بنگش، شیرانی اور استرانی وغیرہ مثل سابق پٹھان کہے جاتے رہے، کیونکہ محققین کے نزدیک اس قسم کی کوئی تقسیم کسی تاریخی یا روایتی بنیاد پر کبھی نہیں کی گئی، بلکہ اصلیت کے اعتبار سے ان دونوں کا قدیم قومی نام پشتان (Pashtan) یا پکھتان (Pakhtan) تھا جو مقام پشتانا (Pashtana) یا پکھتانا (Pakhtana) کی طرف منسوب تھا، اور یہی قدیم لفظ آگے چل کر تلفظ میں پٹھان بن گیا،

اس لئے ان دونوں قسم کے قبائل درانیوں اور غلزیوں وغیرہ میں افغان اور پٹھان کہے جانے میں جو کچھ فرق ہے، وہ آگے چل کر محض اعتباری طور پر اختیار کیا گیا، ورنہ نسل و وطن یا کسی تاریخی روایت کی بنیاد پر ابتداءً ان میں باہم کوئی امتیاز نہیں تھا،

البتہ جب آگے چل کر ان میں بعض کے وطن میں بھی تبدیلی پیدا ہوئی، اور ان میں کے بعض قبائل مغرب سے مشرق کی سمت قندہار وغیرہ کے علاقہ میں آکر آباد ہو گئے، تو اُن کی اور دوسری قوموں کی آبادی مخلوط ہوئی، اس وقت انھیں ان دوسری قوموں سے ممتاز کرنے کے لئے خاص طور پر اُن کے قدیم نام پٹھان سے موسوم کیا گیا، کیونکہ یہ لوگ یہاں گندھار (قندھار) میں ہندوستانی نوآبادی سے آکر

بے تھے، اور انھی ہندوستانیوں سے انھوں نے پشتو زبان سیکھی تھی، کیونکہ یہ زبان بھی پراکرت ہی کی ایک شاخ ہے اور شاید انھی کی نسبت سے پشتو سے موسوم ہوتی ہے، اس طرح یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ افغان جو مغرب سے مشرق کی سمت میں آگئے، وہ لوگ اگرچہ مغربی افغانستانیوں سے نسل میں تو متحد رہے مگر وطن میں ان سے اختلاف پیدا ہوگیا، اور اب پٹھان کا نام جو ان دونوں گروہوں کا قدیم قومی نام تھا، خاص طور پر ہندوستان اور اس کی سرحد میں ان آباد گروہ کے لئے مخصوص ہوگیا، ورنہ قدیم قومیت کے اعتبار سے ہر افغانی خواہ وہ مغربی افغانستان کا ہو یا مشرقی کا، یا ہندوستان کے شمالی میدان میں یا مغربی حصہ میں آباد ہو خواہ یا مشرقی میں، وہ پٹھان ہے، اور اس لحاظ سے ان سب کا یہ گروہ اسی نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے،

معارف بابت ماہ جولائی ۱۹۴۷ء میں ایک استفسار کا جواب پٹھانوں کی تاریخ کے عنوان سے شائع ہوا ہے، اس سے اس سلسلہ گفتگو میں مزید معلومات مل سکتی ہیں، خود فارسی تاریخوں اور اردو کی کتابوں کا پتہ چلتا ہے جن میں پٹھانوں کی قومیت، نسل، وطن اور سیاسی کارناموں کا خاص طور پر ذکر آیا ہے، مناسب ہے کہ مزید معلومات کے لئے اس استفسار کے جواب کی طرف رجوع کیا جائے،

باقی رہے مغل تو ان کا پٹھانوں سے کوئی تعلق نہیں، امیر تیمور کا تاریخی خاندان جس نے ہندوستان میں حکومت کی، نسلاً ترک تھا، وہ لوگ مغل اس لئے کہے گئے کہ میر تیمور کا یہ قدیم ترکی قبیلہ اصل منگول سے وابستہ تھا، اس لئے مغل کے قدیم نسل و وطن کی سرزمین ترکستان رہی ہے، جو منگول کے نام سے تاریخوں میں ملتی ہے "منگول یا موگل کے لغوی معنی جوانمرد یا دلیر قوم کے بیان کئے گئے ہیں" یہ قوم دراصل تنگوسی قبیلہ پر مشتمل تھی، تنگوسی ایک قدیم ترکی قبیلہ ما بریز کلان کے ممتاز قبائل میں سے تھا اسی لفظ موگل یا منگول سے لفظ مغل بنا ہے، اور ہندوستان میں مغل وہی ہیں، جو یہاں کے حکمران مغلیہ خانوادہ سے سلسلہ تعلق رکھتے ہیں لیکن آج کل ان سرحدی پٹھانوں کو جو ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں کاروبار کرتے ہیں، عوام مغل کہتے ہیں، اس کو امر واقعہ اور تاریخی حقیقت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں کہ

یہ محض ان کا ایک عرفی نام ہے، جس سے اُن کی شہرت ہوگئی ہے،

والسلام

"تاریخ شمشیرخانی اور فیاض القوانین"

جناب عبدالرشید صاحب تبسم	"یہاں ایک دوست کے پاس دو قلمی کتابیں دیکھنے کا اتفاق
وِجے نگرم گورنمنٹ ہائی اسکول ملتان	ہوا، ایک کا نام شمشیرخانی ہے جس میں شاہنامہ فردوسی کے

طرز پر ایرانیان قدیم کے حالات ہیں، اور دوسری کا نام فیاض القوانین ہے جس میں شاہان مغلیہ کے فرامین خطوط اور دوسری تحریرات ہیں، ان دونوں کتابوں کی تاریخی حیثیت سے اطلاع فرمائیں"

معارف:- کتاب شمشیرخانی معروف تصنیف ہے، یہ شاہجہانی عہد میں ۱۰۶۳ھ میں تالیف ہوئی، اس کا مصنف توکل بیگ ولد تولک بیگ ہے، وہ شاہزادہ دارا شکوہ کے معتمد علیہ لوگوں میں سے تھا، دارا شکوہ نے اس کو اپنے کابل کی صوبہ داری کے زمانہ میں اپنے وقائع نویس کی حیثیت سے غزنی بھیجا تھا، کتاب شمشیرخانی اُس نے اسی زمانہ میں غزنی کے گورنر محمد حیات شمشیرخان کی فرمایش سے لکھی تھی، یہ دراصل شاہنامہ فردوسی کا نثر میں خلاصہ ہے، چونکہ یہ کتاب شمشیرخان کی فرمایش سے تیار ہوئی تھی، اس لئے مصنف نے اس کو "تاریخ دلکشائے شمشیرخانی" سے موسوم کیا، اس کے بعض نسخوں پر اس کا نام منتخب شاہنامہ اور بعض پر خلاصہ شاہنامہ بھی درج ہے، یہ نسخے کتب خانہ برٹش میوزیم میں موجود ہیں، (فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۲ ص ۵۳۹) بانکی پور اور دوسرے کتب خانوں میں بھی اس کے نسخے عام طور پر موجود ہیں،

ہمارے کتب خانہ دارالمصنفین میں بھی اس کا ایک نسخہ موجود ہے، اس کے دیباچہ میں اس کو "تاریخ دلکشائی شمشیرخانی" سے موسوم کیا گیا ہے، معلوم ہوتا ہے "منتخب شاہنامہ" یا "خلاصہ شاہنامہ" کے نام سے جو نسخے ہیں ان کو کسی نے معنی کے اعتبار سے ان ناموں سے موسوم کر دیا ہے، ہمارا نسخہ ایک ہندو کاتب لگھومنشی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے جس کو اس نے ۱۲۲۲ فصلی میں قصبہ پھولپور پرگنہ نظام آباد ضلع اعظم گڈھ کے ایک زمیندار

سر نام لکھنے کے لئے لکھا تھا،

فیاض القوانین دراصل تیموری سلاطین امرا اور دوسرے حکمرانوں کے مکاتیب کا مجموعہ ہے اس زمانہ میں مکاتیب کے مجموعے انشاء کی تعلیم کے لئے تیار کئے جاتے تھے، اس میں شاہجہان، عالمگیر، جہان آرا، دارا شکوہ، شجاع، مراد بخش، جعفر خان، وزیر اورنگ زیب اور دوسرے حکمران عادل شاہ، قطب شاہ اور جے سنگھ وغیرہ کے خطوط ہیں، جو تین جداگانہ بابوں میں مرتب کئے گئے ہیں، اس کا ایک نسخہ نواب علی حسن خان صاحب مرحوم بھوپال ہاؤس لکھنؤ کے کتب خانہ میں موجود ہے،

چند وفودِ عرب کے بارگاہ نبوی میں پہنچنے کی تاریخ

جناب جلال الدین احمد صاحب جعفری

مطبع انوار احمدی۔ الہ آباد

دریافت طلب یہ امر ہے کہ حسب ذیل وفود فتح مکہ سے قبل آئے تھے، یا بعد، اگر قبل آئے تھے تو کس سنہ میں، اس کے دریافت کی اشد ضرورت ہے،

"بنو تمیم کا وفد، بنو سعد کا وفد، اشعر یمنی کا وفد، اوس کا وفد، مزینہ، اشجع، جہنیہ،

معارف:۔ وفود کی آمد زیادہ تر فتح مکہ کے بعد ہوئی ہے، مگر جن وفود کے متعلق آپ نے سوال کیا ہے ان میں سے بنو تمیم اور بنو سعد کے علاوہ تمام وفود فتح مکہ سے پہلے آئے ہیں، تفصیل حسب ذیل ہے،

۱۔ بنو تمیم ۹ھ فتح مکہ کے بعد آئے، (ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۶۲) (۲) بنو سعد، ابن ہشام نے ان کی آمد فتح مکہ کے بعد بتلائی ہے، ابن سعد و صاحب البدایۃ والنہایہ نے ۵ھ کی تصریح کی ہے، زرقانی نے ابن اسحاق کے قول کو جو ابن ہشام میں ہے ترجیح دیا ہے (۳) مزینہ رجب ۵ھ میں، (ابن سعد ذکر وفود) (۴) اشجع خندق کے سال (۵ھ) آئے، (ابن سعد ذکر وفود) (۵) جہینہ اس کا تذکرہ صرف ابن سعد نے کیا ہے مگر کسی سنہ کی تعیین نہیں کی ہے، اتنی تصریح ضرور ہے کہ فتح مکہ کے پہلے آئے، (ابن سعد ذکر وفود) (۶) اشعرین ۷ھ میں آئے (زرقانی ابن سعد وغیرہ) (۷) اوس یہ بھی ۷ھ میں آئے (زرقانی ابن سعد وغیرہ) (ا۔ د")

باب التقریظ والانتقاد

"ہندوستان مین اقلیتون کا مسئلہ"

از جناب سید عبدالباری صاحب ایم اے (عثمانیہ)

حجم ۲۳۲ صفحے، ۲۰×۳۰/۱۶، لکھائی چھپائی، اور کاغذ بہتر، قیمت: ہے، پتہ: منیجر نفیس بک ڈپو حیدرآباد دکن،

ہندوستان کی سیاست مین اقلیتون کا مسئلہ سب سے زیادہ پیچیدہ رہا ہے، وہ بلاشبہ انگریزی حکومت کا پیدا کردہ ہے، خواہ وہ جن اغراض سے پیدا کیا گیا ہو، اور آج تک اس کے حل نہ ہونے کے جو وجوہ و اسباب رہے ہون، مگر اب وہ ایک مجسم اور سنجیدہ حقیقت ہے، اس لئے اس کی پچھلی تاریخ بھی نظرانداز کئے جانے کے لائق نہین، کہ اس کے سمجھنے اور اس کے حل کرنے دونون مین پس منظر کے طور پر اس سے آگاہ رہنا ضروری ہے، خوشی کی بات ہے کہ مصنف نے وقت کے اس اہم اور سنجیدہ موضوع پر قلم اٹھایا، اور اس مسئلہ اور اس کے متعلقات کو دیانتداری اور متانت سے اس تصنیف مین پیش کیا،

یون تو اقلیتون مین ہندوستان کی چھوٹی بڑی سب اقلیتین داخل ہین، لیکن مصنف نے ان سے مراد صرف مسلمانون اور ان کی فرقہ وارانہ نیابت کو لیا ہے، دوسری اقلیتون کا ذکر کتاب مین ضمنی طور پر آیا ہے، کتاب چند بابون مین تقسیم ہے، پہلے باب مین "مسئلہ اقلیت کا تاریخی پس منظر" دکھایا گیا ہے، کہ مغل فرمانرؤن کے دور مین ہندو اور مسلمان دونون قومون مین رواداری، یگانگی، اور ترقی کی رفتار مین توازن قائم تھا، ۱۸۵۷ء کی شورش کے بعد انگریزی حکومت نے اپنی بقا و استحکام کے لئے اقلیت کے مسئلہ کو پیدا کیا، مسلمانون کو نظرانداز کر کے دونون قومون کے توازن کو بگاڑا، مسلمان خصوصاً انگریزی تعلیم اور معاشی حالت مین پیچھے رہ گئے،

سرکاری ملازمتوں میں ان کا تناسب برقرار نہیں رہا، پھر اردو ہندی زبان کا تنازع پیدا کیا گیا، ساتھ ہندو اور مسلمانوں میں دو الگ الگ تحریکیں ... احیائی تحریکیں چلیں، اور مصنف کے بقول اگرچہ یہ تحریکیں برطانوی راج کے خلاف تھیں لیکن ... کی وجہ سے ہندو مسلم اختلاف کا ذریعہ بن گئیں" (ص ۲۳) مصنف نے "وہابی" تحریک کے سلسلہ میں دکھایا ہے، کہ

"ابتدا میں ہندوستان میں فرائضی تحریک "وہابی تحریک" کے نام سے اٹھی، جس کے بانی شریعت اللہ صاحب تھے، اس کا مقصد مسلمانوں کے ادنی طبقے خصوصاً مزدوروں اور کاشتکاروں میں بیداری پیدا کرنا اور احکام الٰہی سے عوام کو آگاہ کرنا تھا، لیکن بعد میں چل کر جب اس تحریک کی باگ ڈور جناب سید احمد بریلوی کے ہاتھ آئی تو یہ تحریک جارحانہ صورت اختیار کرنے لگی، اور سکھوں کی وجہ سے جہاں یہ تحریک انگریزوں سے ٹکرا گئی، وہاں ہندوؤں کو بھی غلط فہمی میں مبتلا کر کے خائف کر دیا"

ہندوستان کی "وہابی تحریک" کا مفروضہ رشتہ کسی "فرائضی تحریک" سے بے بنیاد ہے، تاریخی دشمن تحریک جیمس ولکنسن کے ذہن کی پیداوار ہے، علمی حلقہ میں اس کا یہ نظریہ قبول نہیں کیا گیا، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں "فرائضی" پر جو مقالہ ہے، اس میں اس کا ذکر تک نہیں آیا ہے، یہ کی وہابی تحریک کا رشتہ اگر جوڑا جا سکتا ہے، تو اس عہد کی نجدی تحریک سے، ورنہ دراصل تحریک تجدید و احیاء دین کی ایک مستقل تحریک تھی، توحید خالص کی تبلیغ اور بدعات کا استیصال اس کے بنیادی اجزاء تھے، اس کے بعد جہاد کا جو علم بلند ہوا تو وہ ہندوؤں کے خلاف نہ تھا، بلکہ پنجاب کی حکومت کے ان مظالم کے خلاف تھا، جو وہاں برپا کئے ہوئے تھی، وہاں مسلمانوں کی مسجدیں اصطبل اور محفوظ خانہ تھیں، اس لئے اس کو زیادہ سے زیادہ سکھ مسلم اختلافات کی بنیاد تو کہا جا سکتا ہے، ہندو مسلم اختلاف کی بنیاد بتانا صحیح نہ ہوگا کہ اس تحریک کے سلسلہ میں ہندو مسلم اختلاف کا کوئی واقعہ پیش آنے سے پہلے ہی انگریزی حکومت میں آگئی، اور اپنی سازشوں سے اس تحریک کو ناکام کرنے میں کامیاب ہوئی، پھر سازش کے مقدمات قائم کر کے

[illegible] مصنف نے بڑی سلاست میں دکھایا ہے کہ جب ایک طبقہ یا فرقہ طاقتور ہو گیا تو ان کی قوت کو بیرونی طاقت نے [illegible] کمزور فرقوں کو ملا کر کمزور کر دیا۔ اس طرح سامراج نے مختلف طبقوں کے درمیان ایک [illegible] سیاسی بنیاد مستحکم کی، چنانچہ جب اصلاحات کا دور آیا تو مسلمانوں میں اپنی کمزوری کا احساس پیدا ہو چلا تھا [illegible] حکومت کی غرض سے ملک کی قومی تحریک کو شک اور شبہ کی نظر سے دیکھنے لگے تھے۔ اس [illegible] ایسی جماعت پیدا ہو گئی یا پیدا کی گئی، جو ملک کی عام سیاسی ترقی سے پہلے تحفظات چاہتی تھی۔ [illegible] ملک کی [illegible] کی آبادی کے مختلف طبقات کی تعلیمی و معاشی زندگی میں [illegible] انتخابات کا اصول ہندوستان کے لئے موزوں نہیں، جمہوری ادارات کی ترویج کرنے میں [illegible] کی ضرورت ہوتی ہے، ہندوستان میں اس کا فقدان ہے۔ لیکن جب ملک کی قومی تحریک [illegible] میں روز افزوں اضافہ ہوتا گیا تو حکومت نے سپر ڈالی، اصلاحات دینے کا اعلان کیا، اور عین اسی زمانہ میں ایک فرقے کو دوسرے فرقے کے خلاف، ایک مفاد کو دوسرے مفاد کے خلاف، اور ایک جماعت کو دوسری جماعت کے خلاف کامیابی کے ساتھ کھڑا کیا گیا، ملک میں فرقہ وارانہ ہنگامے برپا ہوئے، اور پھر جب اصلاحات نافذ ہوئے، حکومت اسی حکمت عملی کو کامیابی سے کام میں لاتی رہی،

مصنف نے ملک میں اصلاحات کے دیئے جانے کے مختلف دوروں اور ان زمانوں میں اقلیت کے مسائل اور ان کے حل کرنے کی کوششوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے، اس کا اندازہ کتاب کے مختلف بابوں کے عنوانات سے کیا جا سکتا ہے مثلاً:-

"نیابتی ادارات کی ترویج اور مسئلہ اقلیت میں پیچیدگی" "بیسویں صدی کے اوائل میں برطانوی سامراج کو ہندوستان میں خطرہ اور فرقہ واریت کی ابتداء" "مسلمانوں کے مطالبات اور ۱۹۰۹ء کی اصلاحات" "ہندوؤں اور مسلمانوں کا سیاسی اتحاد اور اس کے محرکات، میثاق لکھنؤ ۱۹۱۶ء" "۱۹۱۹ء کی اصلاحات اور اقلیتیں" "فرقہ وارانہ اتحاد کی جد وجہد ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۲ء، فرقہ وارانہ مسائل اور قانون حکومت ہند

۱۹۲۵ء، ہند و مسلم اختلافات کے حقیقی اسباب" اور "مسئلۂ اقلیت کی موجودہ صورت حال ۱۹۲۵ء تا ۱۹۴۷ء" مصنف نے ان عنوانوں پر سیر حاصل مباحث درج کئے ہیں، اور اصلاحات کے نفاذ کے وقت ملک میں جو سیاسی محرکات کام کرتے رہے، اُن کو بھی نمایاں کیا ہے، ۱۹۱۶ء کے میثاق لکھنؤ کے خوشگوار اثرات چند سال تک قائم رہے، اور مختلف سیاسی جماعتوں کے جلسے ایک مقام پر ایک ساتھ ہوتے رہے، پھر تحریک خلافت و ترک موالات کے کمزور ہونے کے بعد ملک میں نا اتفاقی کی فضا پیدا ہوئی، فرقہ وارانہ اتحاد کی بار بار ملکی کانفرنسیں اور لندن کی گول میز کانفرنسیں بھی ان دونوں قوموں کو متحد نہ کر سکیں، یہاں تک کہ پنجاب اور بنگال کی مجالسِ مقننہ میں صرف ایک زائد نشست کے لئے ہندو اور سکھ ممبروں نے دوسری گول میز کانفرنس کے موقع پر مسلمانوں کی مخلوط حلقہ ہائے انتخاب کی پیشکش کو ٹھکرا دیا، اگر یہ پیشکش قبول کر لی جاتی، تو آج ہندوستان کی تاریخ کچھ اور ہوتی،

آخر میں ہندوستان میں مسئلۂ اقلیت کی تاریخ پر اجمالی نگاہ ڈالی ہو کہ اس کی تاریخ تین دوروں میں تقسیم کیجا سکتی ہے، پہلا دور انگریزی حکومت کے آغاز سے اُنیسویں صدی کے اختتام تک ہے جس میں مختلف طبقات کا معاشی و تعلیمی توازن بگڑا، اور مسلمانوں میں اس کا احساس پیدا ہوا، دوسرا دور ۱۹۰۹ء کی اصلاحات سے ۱۹۳۵ء تک رہا، جب کہ جداگانہ نیابت کو دستور میں جگہ ملی، اور مختلف اقلیتوں پست اقوام، پارسی، اور اینگلو انڈینس وغیرہ کو اپنے حقوق کے تحفظ کا احساس ہوا، اس دور میں اکثریت اور مختلف اقلیتوں میں پیہم کشمکش جاری رہی، تیسرا اہم اور فیصلہ کن دور ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۷ء تک کا ہے، جب کہ مسلمانوں کی طرف سے اُن کے اقلیت ہونے کے بجائے ایک علٰحدہ قوم (نیشن) ہونے کا اعلان ہوا، پھر دوسرے طبقوں پست اقوام اور مرہٹوں نے بھی اپنی جداگانہ قومیت کا اعلان کیا، جداگانہ قومیت کے اعلان سے قوم سے علٰحدگی یعنی خود ارادیت کا کامل حق اور دوسروں کے اقتدار اعلیٰ میں جانے سے سبکدوشی حاصل ہوتی ہے،

کتاب کے یہ مباحث پہلی شملہ کانفرنس پر ملا کر ختم کر دیئے گئے ہیں، ان دنوں ملک میں مجلس دستور ساز بیٹھی ہوئی ہے، اور سال دو سال کے اندر یہ مسائل اپنے آخری فیصلہ پر پہنچنے والے ہیں، اب اگرچہ اکثریت اصولاً نہ صرف صوبوں بلکہ منطقوں کے حق خود ارادیت کو قبول کر چکی ہے، باین ہمہ ابھی اقلیتیں اکثریت کو خوف و شبہہ کی نظر سے دیکھتی ہیں، کہ آزاد ہندوستان میں اُن کے مفاد اور حقوق کی نگہبانی کی کوئی ضمانت نہیں ہے، اس لئے اگر مجلس دستور ساز میں ہندوستان کے ہندو اور مسلمان مدبرین سر جوڑ کر بیٹھیں، اور کوئی فیصلہ کرکے اٹھنے کا تہیہ کر لیں تو دلوں کے شکوک و شبہات بھی مجلس کے تیار کئے ہوئے دستور کے پائدار نقوش سے مٹ سکتے ہیں، اور ہندوستان میں اقلیتوں کا مسئلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو سکتا ہے،

مصنف نے ان مباحث کے لکھنے میں اس موضوع کی مستند کتابوں "مسئلۂ اقلیت" کے، بی، کرشنا، "ہندو مسلم مسائل" بینی پرشاد، "تقسیم ہند" امبیدکر، "معاہدۂ ہند و برطانیہ" سر سلطان، "مسلم ہندوستان" محمد نعمان، اور سرکاری دستاویزات، مختلف کمیشنوں کی رپورٹوں، مختلف قومی فرقوں اور جماعتوں کی تاریخ، خطبات صدارت، اور مختلف برطانوی مدبرین کی مستند تحریروں سے معلومات اخذ کئے ہیں، اس لئے دراصل اردو میں یہ اس موضوع پر پہلی جامع اور لائق اعتماد تصنیف ہے،

یہ کتاب جامعہ عثمانیہ سے ایم اے کی سند کے لئے لکھی گئی تھی، اس لئے اس میں "طالب علمانہ دور" کی بعض نشانیاں بھی باقی رہ گئی ہیں، تو کوئی تعجب کی بات نہیں، مثلاً مدعا کے ظاہر کرنے میں چند ہی سطروں میں ایک ہی بات کا بار بار تکرار جیسے ص ۴۳، ۴۴ میں، اسی طرح عبارت میں "اگرچہ کہ" یا ایسے ہی بعض الفاظ سے نگاہوں کو کھٹک ہوتی ہے، لیکن یہ جزئی کوتاہیاں طبع ثانی میں مصنف کے قلم سے خود دور ہو جائیں گی، امید ہے کہ یہ کتاب ملک کے تعلیم یافتہ طبقوں میں مقبول ہوگی، کہ سنجیدہ موضوعوں پر ایسی کتابیں اردو میں شاذ و نادر نکلتی ہیں،

"س"

مطبوعات جدیدہ

ہندوستان کا نظام زر از جناب ڈاکٹر انور اقبال قریشی حجم ۲۰۲ صفحے تقطیع چھوٹی کاغذ کتابت چھپائی بہتر قیمت ہے ر پتہ: ادارہ معاشیات، فاطمہ منزل حمایت نگر حیدرآباد، دکن۔

جناب مصنف اپنی تصنیف "اسلام اور سود" کے ذریعہ ملک کے علمی حلقوں میں روشناس ہو چکے ہیں، معاشیات میں "ہندوستان کا نظام زر" ان کی دوسری قابل قدر تصنیف ہے، کتاب کا پہلا باب "زر کے چند ضروری معلومات" کے عنوان سے ہے، جس کے مطالعہ سے اس موضوع کے مسائل کے سمجھنے کی راہ کھل جاتی ہے، اس کے بعد ہندوستان میں برطانوی حکومت کے آغاز سے دور حاضر تک کے زر کے مسائل جس طریق پر حل کئے گئے، انگلستان یا حکومت ہند کی طرف سے نظام زر کے لئے جو کمیشن بیٹھے، ان میں جو شہادتیں گذریں اور انھوں نے جو سفارشات کئے، پہلی بڑی لڑائی کے جو اثرات ہندوستان کے سکہ پر پڑے، اور ہندوستانی سکوں کے انگلستان کے سکوں سے شرح تبادلہ قائم کرنے میں جو منزلیں پیش آتی رہیں، ان کو مختلف ابواب میں تفصیل سے دکھایا ہے، نیز اسی سلسلہ میں ہندوستانی سکوں کے مختلف معیار قرار پانے اور وقتاً فوقتاً مختلف قیمت کے نوٹ جاری ہونے، پھر ۱۹۳۱ء میں کساد بازاری پھیلنے اور پچھلی بڑی لڑائی کے اثرات ملکی سکہ پر اور اس کے نتائج کو ملک کی معیشت پر دکھایا ہے، مصنف نے ملک میں موجودہ گرانی کا سبب زر کی افراط کو قرار دیا ہے، اور اس کے وجوہ کی ماہرانہ تحلیل کی ہے، مصنف کے نقطۂ نظر سے افراط زر کا سبب نہ زر کی طلب کا بڑھ جانا ہے، نہ پیدائش کی مجموعی مقدار میں اضافہ کا ہونا ہے اور نہ ایسی صورت پیش آئی، کہ اشیاء کی درآمد برآمد پر تجاوز کر گئی ہو، بلکہ اس کا سبب یہ ہے، کہ ہندوستان نے جنگ کے

زمانہ میں انگلستان کو جو مال دیا، اس کی قیمت اسٹرلنگ کی شکل میں انگلستان میں رکھ لی گئی، اور ہندوستان کا ریزرو بنک قانوناً پابند رہا کہ ان کے ہم قدر نوٹ چھاپ کر ان کو ہندوستان میں گردش میں لے آئے، اس طرح خریداری کا کام انگلستان کا رہا، اور مال مہیا کرنے اور قیمت کے ادا کرنے کی ذمہ داری ہندوستان ہی کے سر رہی، اس طریق سے جنگ کے تیسرے سال میں نوٹوں کی تعداد میں ۵۰ فی صد کا اضافہ ہوا، چوتھے سال ۱۰۵ ہو گیا، اور پانچویں سال میں اس اضافہ کی تعداد ۱۲۰ فی صد تک پہنچ گئی، اس افراط زر سے ملک کی معیشت متاثر ہوئی، اشیاء کی قیمتوں میں تناسب برقرار نہیں رہا، اس میں روز افزوں تیزی آتی گئی، یہاں تک کہ اشیاء کی قیمتیں ۲۵۰ یعنی تقریباً ڈھائی گنی بڑھ گئیں،

پھر مصنف نے افراط زر اور قیمتوں کے تناسب کے بگڑنے سے ملک کے مختلف طبقات کے مختلف انداز میں متاثر ہونے کو دکھایا ہے، کہ سب سے زیادہ خسارہ معین آمدنی والوں مثلاً ملازمت پیشہ طبقہ کو اٹھانا پڑا، اُن کی تنخواہوں میں جو اضافے ہوئے، یا گرانی الاؤنس ملے، وہ قیمتوں کے اضافہ کے مقابلہ میں برائے نام تھے، اسی طرح مزدور طبقہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہا، اجرتوں اور قیمتوں میں مسلسل دوڑ ہوتی رہی، اور اس دوڑ میں اجرتیں ہمیشہ بہت پیچھے رہیں، البتہ کاروباری طبقہ کو من مانی منفعت حاصل کرنے کا موقع ملا، اور ملک کی دولت سمٹ کر ایک محدود طبقہ کے ہاتھوں میں آگئی،

اس کے بعد مصنف نے افراط زر کے انسداد کی تدبیروں پر تفصیل سے نظر ڈالی ہے۔ اور اس سلسلہ میں اپنی ایسی تجویزیں پیش کی ہیں، جن کو اختیار کرکے افراط زر کا انسداد کیا جا سکتا ہے، اور ملک کو کسی خسارہ میں مبتلا کئے بغیر یہاں کی معیشت کو اعتدال پر لایا جا سکتا ہے،

مصنف نے آخر میں ان بین الاقوامی کانفرنسوں کی کوششوں کا جائزہ لیا ہے، جن میں دور حاضر میں بین الاقوامی تجارت اور شرح مبادلہ کے مسائل پر غور کیا گیا ہے، اور اسی سلسلہ میں مختلف ملکوں کے منصوبوں کا ذکر آیا ہے، اور بین الاقوامی زر کے فنڈ اور بین الاقوامی بنک کی تحریکوں کو دکھایا گیا ہے، آخر میں

باب "ہندوستان کے شرح مبادلہ کا مستقبل" کے عنوان سے ہے، جس میں قیاسی طور پر ان صورتوں کو پیش کیا گیا جو جنگ کے ختم ہونے کے بعد ہندوستان کو زر کے سلسلہ میں پیش آنے والی تھیں، یہ کتاب فروری ۱۹۴۵ء کی لکھی ہوئی ہے، اس کے بعد دو سال کے اثنا میں جنگ ختم ہو چکی، ہندوستان کی مرکزی حکومت بدل گئی، اور نئی حکومت نئی حکمت عملی اختیار کر چکی ہے، ضرورت ہے کہ لائق مصنف اپنی ان تجویزوں کی روشنی میں جن کو انھوں نے آخری باب میں پیش کیا ہے، ہندوستان کے اس دو سالہ دور میں زر کے متعلق حکومت کی حکمت عملی اور اقدامات کا جائزہ ایک مقالہ کی صورت میں لیں، اور اس کتاب کے طبع ثانی میں اس کو بطور استدراک بڑھائیں کہ کتاب کے مباحث اپنے نتیجہ پر اس صورت میں زیادہ بہتر طریق پر ختم ہوں گے، ہم لائق مصنف کو ان کی اس کامیاب تصنیف پر مبارک باد دیتے ہیں، کہ معاشی مسائل عموماً خشک اور روکھے پھیکے ہوتے ہیں، اور ان میں بھی زر کا مسئلہ اور بھی زیادہ خشک ہے لیکن ان کی مساعی سے یہ مسائل اس تصنیف میں عام فہم سلیس اور سادہ زبان اور دلآویز پیرایہ میں قلمبند ہو گئے ہیں،

منشور اقوام متحدہ از جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب استاذ قانون، جامعہ عثمانیہ، حجم ۹۵ صفحے،

تقطیع ۲۰×۲۶ قیمت :- ۱۲/ پتہ :- حیدری گشتی کتب خانہ رسالہ عبد اللہ حیدر آباد دکن،

پہلی بڑی لڑائی کے نتیجہ میں مجلس اقوام (لیگ آف نیشنز) قائم ہوئی تھی، دوسری بڑی لڑائی کے بعد مجلس اقوام متحدہ (یونائیٹڈ نیشنز آرگنائزیشن) کی تاسیس عمل میں آئی ہے، اس مجلس میں دنیا کے متضاد عناصر کا چند متحدہ مقاصد کے لئے اجتماع ہو گیا ہے، اور یہ پچھلی مجلس اقوام کے برخلاف اسلحہ سے بھی آراستہ ہو گی، اس لئے اس کی حیثیت اس سے کسی قدر مختلف ہے، اور ابھی ہندوستان اور جنوبی افریقہ کی نزاع میں اس کی جو روش رہی اس سے اس کے خوشگوار مستقبل کی ایک ہلکی سی امید بندھ سکتی ہے، یوں تو اس مجلس کے منشور، قوانین و ضوابط بعض سیاسی رسالوں میں اردو میں منتقل ہو چکے ہیں لیکن اس کی سیاسی اہمیت کا تقاضا تھا کہ کسی غیر معمولی ذمہ دار قلم سے اس کے متن کو اردو کا جامہ پہنایا جائے، جناب ڈاکٹر

محمد حمید اللہ صاحب جو جامعہ عثمانیہ میں قانون بین الاقوام کے استاذ ہیں، اس خدمت کے لئے موزون ترین شخصیت ہو سکتے تھے، خوشی کی بات ہے، کہ انھون نے اس ضرورت کو پورا کیا، اور سلیس اردو مین اس کو منتقل کر دیا، موصوف نے منشور کے متن کے ترجمے سے پہلے چند صفحے مقدمہ کے طور پر لکھے ہیں جس مین نظام عالم مین یکجہتی اور انضمام پیدا کرنے کی پچھلی کوششون کا جائزہ لیا گیا ہے، اور مختلف زبانون مین عیسائیت، یورپ اور عالم کے اتحاد کے نام پر جو کوششین ہوئی ہین، ان کو ترتیب سے پیش کیا ہے، عیسائیت کے اتحاد کی کوششون مین اس متحدہ کانفرنس کا ذکر نہین آیا، جو سنہ [illegible]ء مین اٹلی مین ہوئی تھی، اور جس مین اسلامی ممالک کو عیسائی ممالک بنانے کا فیصلہ کیا گیا تھا، اسی طرح مصنف نے "اتحاد یورپ" کی تحریک کے آغاز کو سنہ [illegible]ء مین دکھایا ہے، لیکن اس کا سراغ اس سے بہت پہلے سنہ ۴۷۸ ق م مین مل سکتا ہے جب جزیرۂ ڈیلوس مین یونان کی بحری ریاستون کے نمایندون نے جمع ہو کر، "ایتھنز" کی صدارت مین ایک انجمن قائم کی، اور ایک دستور العمل بنایا کہ بحیرۂ ایجین کی حفاظت حکومت اسپارٹا سے کی جائے، اور اس مجلس مین شریک ہونے والی ریاستین ایک معین رقم اور جہازون کی ایک معین تعداد حکومت ایتھنز کو دین، پھر آگے چل کر ان اتحادیون کی حیثیت خراج گذار ماتحتون کی سی ہو گئی، یہانتک کہ اگر کسی نے حلقۂ اتحاد سے نکلنا چاہا، تو اس کو باغی قرار دیکر سزا دی گئی،

امید ہے کہ اس منشور کے متن کا یہ ذمہ دارانہ اردو ترجمہ اردو کے کتب خانون کے لئے خاص طور پر پرشنگا یا جائے گا،

تبلیغِ حق :- ترجمہ مولوی محمد علی صاحب مظفری، حجم ۱۹۹ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت عه،

پتہ :- ادارۂ اشاعت اسلامیات، حیدرآباد دکن،

تبلیغ حق ایک مذہبی رسالہ البلاغ المبین کا اردو ترجمہ ہے، جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، لیکن شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی تصنیفات کی فہرست مین اس

رسالہ کا انتساب راقم سطور کی نظر سے نہیں گذرا، اس رسالہ میں توحید کی تلقین و شرک سے اجتناب کی ہدایت کر کے مسلمانوں میں رائج بدعات و رسوم کا رد کیا گیا ہے، اور کتاب و سنت کے مطابق صحیح عقائد و اعمال کی طرف دعوت دی گئی ہے، ناشر نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ جو لوگ اس کتاب کو خریدنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں، وہ محصول ڈاک بھیج کر ہدیۃً منگا سکتے ہیں،

خانہ جنگی، از جناب پروفیسر محمد مجیب صاحب بی اے (آکسن)، حجم ۱۰۶ صفحے تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اچھی قیمت، ۱۲؍ پتہ :- مکتبہ جامعہ دہلی،

شاہ جہاں کے دور میں دارا شکوہ اور اورنگ زیب کے درمیان جو خانہ جنگی برپا ہوئی تھی، اس کو اس رسالہ میں ڈرامہ کی شکل میں قلمبند کیا گیا ہے، اور اس سے پیدا ہونے والے اثرات دکھائے گئے ہیں، اس سلسلہ میں شیخ سرمد کا ذکر اس تفصیل سے آیا ہے، کہ بظاہر اس ڈرامہ کا اصل موضوع یہی معلوم ہوتا ہے، اس سلسلہ میں شیخ سرمد اور دارا شکوہ کے تعلقات، شیخ سرمد کے سوانح، مقدمۂ قتل، ملا ابو القاسم کی شیخ سرمد کی حمایت کرنے کی سبق آموز جرأت، ملا ابو القاسم اور عالمگیر کے مکالمہ اور شیخ سرمد کے قتل گاہ کے مناظر کو خاص طور پر نمایاں کیا گیا ہے،

اسلام کے مشہور سپہ سالار (حصہ اول) از جناب عبد الواحد صاحب سندھی حجم ۲۰۴ صفحے، قیمت مجلد ۲؍ پتہ :- بک ڈپو انجمن ترقی اردو، اردو بازار جامع مسجد، دہلی،

مصنف نے اسلام کے مشہور سپہ سالاروں کے حالات آسان زبان اور سادہ طرز ادا میں بچوں کے لئے لکھے ہیں، اس سلسلہ کا پہلا حصہ شائع ہوا ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سات مشہور صحابۂ کرام کی مجاہدانہ زندگی دلنشین انداز میں پیش کی گئی ہے، رسالہ بچوں کے لئے مفید ہے،

"س"

اور تاریخی کتابین

تاریخ اخلاق اسلام، جلد اول، اس مین اسلامی اخلاق کی پوری تاریخ، قرآن پاک اور احادیث کے اخلاقی تعلیمات اور پھر اسلام کی اخلاقی تعلیمات پر مختلف حیثیتون سے نقد و تبصرہ ہے،

مصنفہ: مولانا عبدالسلام ندوی، ضخامت ۶۷۴ صفحے،

قیمت: عہ۱۲

ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہین، ہندوستان کی قدیم تاریخی کتابون مین مرتب طور پر ہندوستانی مسلمانون کے تعلیمی نظام اور ان کے مدرسون اور تعلیمگاہون کا حال معلوم کرنا چاہین تو نہین مل سکتا، مولوی ابوالحسنات مرحوم نے نہایت تلاش و تحقیق کے بعد ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہون پر معارف مین ایک مقالہ لکھا تھا جس کو اہل نظر نے بے حد پسند کیا، اب دارالمصنفین نے اسی مقالہ کو کتابی صورت مین نہایت اہتمام سے شائع کیا ہے،

ضخامت ۱۳۴ صفحے، قیمت: ۱۲؍

مختصر تاریخ ہند، مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی نے یہ تاریخ مدرسون اور طالب علمون کے لئے اس غرض سے لکھی ہے کہ ہندو اور مسلمان فرمانرواؤن نے ہندوستان کے بنانے مین جو کام کئے ہین، اور جو عظیم الشان خدمات انجام دی ہین، وہ طالب علمون کو بلا تفریق مذہب و ملت معلوم ہو جائین،

اس کتاب کو گورنمنٹ بہار نے اپنے سرکاری مدرسون مین بھی جاری کر دیا ہے، اور حکومت یوپی نے اس کے ۵۰۰ نسخے سرکاری لائبریریون کے لئے خریدے ہین، ضخامت: ۲۰۰ صفحے، قیمت: عہ؍

ہماری بادشاہی، ہمارے چھوٹون بچون کے نصاب مین کوئی ایسی کتاب نہ تھی جو ان کو تیرہ سو برس کی قومی تاریخ سے باخبر کر سکے، یہ کتاب اسی ضرورت کو سامنے رکھکر لکھی گئی ہے، یہ ان تمام بڑی بڑی سلطنتون کی مختصر اور آسان تاریخ ہے جو گذشتہ صدیون مین مسلمانون نے دنیا کے مختلف حصون مین قائم کین،

ضخامت: ۲۰۰ صفحے، قیمت: عہ؍

ہندوستان کی کہانی، ہندوستان کی تاریخ کا یہ چھوٹا سا رسالہ نہایت آسان اور سہل زبان مین لکھا گیا ہے، تاکہ مکتبون اور ابتدائی مدرسون کے بچے اس کو آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکین، اور ان کو معلوم ہو جائے کہ وہ کون تھے اور اب کیا ہین، ضخامت ۶۰، صفحے، قیمت: عہ؍

مرتبہ: مولوی عبدالسلام قدوائی، ندوی،

مقدمۂ رقعات عالمگیر، اس مین اسلامی فن انشار اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغۂ انشار کی تفصیل ہے، اور پھر عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر، خود عالمگیر کے خطوط و رقعات کی روشنی مین تنقیدی بحث کی گئی ہے،

۳۹۷ صفحے، قیمت: للعہ؍

رقعات عالمگیر، اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط و رقعات جو زمانۂ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہین، اس جلد مین جمع کئے گئے ہین، ان سے ادب، سیاست اور تاریخ کے بیسیون حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، مرتبہ: سید نجیب اشرف ندوی ایم اے،

ضخامت: ۴۸۷ صفحے،

قیمت: سے؍

سوانح

سیرت عائشہؓ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے حالاتِ زندگی اور اُن کے مناقب و فضائل و اخلاق اور اُن کے علمی کارنامے اور اُن کے اجتہادات اور صنفِ نسوانی پر اُن کے احسانات، اسلام کے متعلق اُن کی نکتہ سنجیان، اور معترضین کے جوابات، قیمت: عہ ضخامت ۳۲۶ صفحے، طبع سوم با اضافہ حواشی، (از مولنا سلیمان ندوی)

سیرِ عمرؓ بن عبدالعزیزؒ

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز خلیفۂ اموی کے سوانح حیات اور اُن کے مجددانہ کارنامے، ضخامت ۲۰۲ صفحے، قیمت: عہ از مولنا عبدالسلام ندوی،

حیات امام مالکؒ

امام مالکؒ کی سوانح عمری، علم حدیث کی مختصر تاریخ، فقہ مدنی کی خصوصیت اور علم حدیث کی کتاب موطاے امام مالکؒ پر تبصرہ، قیمت:- عہ (۱۰۶ صفحے) از مولانا سید سلیمان ندوی،

الغزالی

امام غزالیؒ کی سوانح عمری اور ان کا فلسفہ اور علم کلام، اخلاق اور تصوف مین اُن کے مجددانہ کارنامے ضخامت ۲۳۵ صفحے، قیمت: عہ از مولنا شبلی رحمۃ اللہ علیہ،

تابعین

علم و عمل اور مذہب و اخلاق مین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سچے جانشین اور ان کے تربیت یافتہ تابعین کرام رضی اللہ عنہم تھے، اور صحابۂ کرامؓ کے بعد اُن ہی کی زندگی مسلمانون کے لئے نمونۂ عمل ہے، اس حصہ مین اکابر تابعینؒ کے سوانح اُن کے علمی، مذہبی، اخلاقی، اور عملی مجاہدات اور کارنامون کی تفصیل ہے، مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی، ضخامت:- ۵۰۰ صفحے، قیمت:- للعہ

(صحت و ترقی اصلاح و تحقیق بعض مقامات کی ترمیم کر کے شایع کیا)

رجسٹرڈ نمبر ۱۰۱ فروری ۱۹۴۷ء

معارف

مجلس المصنفین دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت: پانچ روپیہ سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ

سلسلۂ تاریخ اسلام

اردو میں اسلامی تاریخ پر کوئی ایسی جامع کتاب نہیں تھی جس میں تیرہ سو سال کی تمام اہم اور قابل ذکر حکومتوں کی سیاسی علمی اور تمدنی تاریخ ہو، اس لئے دار المصنفین تاریخ اسلام کا ایک پورا سلسلہ خاص اہتمام سے مرتب کرا رہا ہے، جس کے بعض حصے چھپ چکے ہیں اور بعض زیر طبع ہیں، اور اکثر زیر تالیف و تکمیل ہیں، جو بتدریج جیسے جیسے حالات مساعد ہوں گے شائع ہوتے رہیں گے،

تاریخ اسلام حصۂ اوّل (عہد رسالت و خلافت راشدہ) اس میں آغاز اسلام سے لیکر خلافت راشدہ کے اختتام تک کی مفصل مذہبی، سیاسی و تمدنی اور علمی تاریخ ہے (زیر طبع)،

ضخامت: ۴۸۰ صفحے، قیمت: ستے ؍

تاریخ اسلام حصۂ دوم، (بنو امیہ) اس میں اموی حکومت کی صد سالہ سیاسی و علمی و تمدنی تاریخ کی تفصیل ہے،

ضخامت ۴۰۳ صفحے، قیمت: ستے ؍

تاریخ اسلام حصۂ سوم، (تاریخ بنی عباس جلد اوّل) اس میں خلیفہ ابو العباس سفاح ۱۳۲ھ سے خلیفہ ابو اسحٰق متقی للہ ۳۳۳ھ تک دو صدیوں کی بہت مفصل سیاسی تاریخ ہے، ضخامت ۵۰۴ صفحے، قیمت: للعہ

تاریخ اسلام حصۂ چہارم (تاریخ بنی عباس جلد دوم) اس میں خلیفہ مستکفی باللہ کے عہد ۳۳۳ھ سے آخری خلیفہ مستعصم باللہ ۶۵۶ھ تک خلافت عباسیہ کے زوال و خاتمہ کی سیاسی تاریخ ہے،

ضخامت ۴۳۲ صفحے، قیمت: صہ ؍

(مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی)

تاریخ دولت عثمانیہ حصۂ اوّل، اس میں عثمان اوّل سے مصطفیٰ رابع تک سلطنت عثمانیہ کے چھ سو برس کے کارناموں کی تفصیل ہے، ضخامت: ۵۰۰ صفحے

قیمت: ستے ؍

تاریخ دولت عثمانیہ حصۂ دوم، سلطنت عثمانیہ کے عروج و زوال کی تاریخ اور اس کے نظامی اور تمدنی کارناموں کی تفصیل، از محمود ثانی ۱۲۲۳ھ ۱۸۰۸ء تا جنگ عظیم ۱۳۳۷ھ ۱۹۱۹ء

ضخامت: ۴۶۸ صفحے، قیمت: ۔ صہ ؍

مرتبہ مولوی محمد عزیر صاحب ایم اے علیگ سابق رفیق دار المصنفین اعظم گڈھ،

تاریخ صقلیہ جلد اوّل، اس میں صقلیہ کے جغرافی حالات سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملوں کی ابتدا، حکومت کا قیام، اور عہد بعہد کی ترقیوں اور عروج کی پوری اور مفصل داستان ہے،

۵۴۶ صفحے، قیمت: للعہ ؍

تاریخ صقلیہ حصۂ دوم، یہ سسلی کے تمدنی و علمی ترقیوں کا مرقع ہے، جس میں عہد بعہد کے مفسرین، محدثین، فقہاء، ادباء و شعراء کے مفصل حالات اور ان کی تصنیفات کا ذکر ہے،

۵۰۰ صفحے، قیمت: للعہ ؍

مرتبہ: مولانا سید ریاست علی ندوی،

مسعود علی ندوی — منیجر — دار المصنفین اعظم گڈھ

جلد ۵۹ ماہ ربیع الاول ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۴۷ء عدد ۲

مضامین

مقالات

تلخیص وتبصرہ

استفسار وجواب

شذرات

پچھلے دسمبر کے مہینہ میں آل انڈیا ہسٹری کانگریس کا سالانہ اجلاس پٹنہ میں منعقد ہوا جس کی سرزمین مظلوموں کے خون کی ہولی ابھی تک کھیلی جا رہی تھی، ضرورت تھی کہ اس مناسبت سے اس میں تاریخ کے ایسے مناظر دکھائے جاتے جو ایک دوسرے سے نفرت کرنے والوں کو باہم ملاتے، اور وہ تاریخ کے آئینہ میں اپنے اسلاف کی صورتیں دیکھ سکتے کہ وہ کیسی شیر و شکر کی زندگی گذار چکے ہیں اور اس دیس میں اچھے پڑوسیوں کی طرح مل جل کر رہ چکے ہیں لیکن افسوس کہ اس اجلاس میں نہ صرف زندگی کے ان اعلیٰ اخلاقی تصورات کو فراموش رکھا گیا، بلکہ ایک سے زیادہ مقررین جن میں اس صوبہ کے وزیر اعظم بھی ہیں، اس موقع پر بھی اسی بدنام عالمگیر کی "ہندو کشی و ستمگری" کے پامال افسانہ کو دہرائے بغیر نہ رہ سکے،

ادھر چند سال کے اندر اس افسانہ کی یاد کو تازہ کرنے کا سہرا عالمگیر کے قدیم محسن سر جدو ناتھ سرکار کے سر ہے، ناظرین کو یاد ہوگا کہ ۱۹۴۶ء میں حکومت بنگال کے محکمۂ تعلیم نے تاریخ کی درسی کتابوں کی چھان بین کا ارادہ کیا تھا، اس سلسلہ میں عالمگیر کے دور میں مندروں کے انہدام کی پارینہ داستان بھی زیر بحث آئی تھی، اور ڈائرکٹر محکمۂ تعلیم نے اس موضوع کے ماہر سر موصوف کی طرف رجوع کیا تھا، موصوف نے جواب میں محمد ساقی کی مآثر عالمگیری کی ایک عبارت اخذ کرکے دکھایا تھا، کہ عالمگیر نے ۱۰۷۹ھ میں ملک کے سب صوبوں میں مندروں کے ڈھانے کا حکم علی الاطلاق بھیجا تھا، حکومت بنگال نے موصوف کے اس مراسلہ کو دارالمصنفین بھیجا تھا، اور راقم سطور کو اس کا جوابی مراسلہ بھیجنے کا موقع ملا تھا، جس میں مآثر عالمگیری سے اس موقع کی پوری عبارت اخذ کرکے دکھایا گیا تھا کہ سر موصوف نے بیچ کی ایک عبارت کو لے کر اپنا مدعا ثابت کرنا چاہا ہے ورنہ دراصل اس فرمان کا تعلق ٹھٹھہ، ملتان اور خصوصاً بنارس کے چند ایسے مندروں سے ہے جو اس زمانہ میں فتنہ و فساد کا مرکز بنے ہوئے تھے، اور جن میں مسلمان بچوں کو لیجا کر بیدینی کی تعلیم دیجاتی تھی، نہ یہ کہ وہ کوئی علی الاطلاق عالمگیری فرمان تھا، یہ مراسلات مقالہ کی صورت میں معارف ستمبر ۱۹۴۶ء میں شائع کر دیئے گئے تھے،

ہسٹری کانگریس کے اجلاس پٹنہ میں ڈاکٹر پرماتما سرن نے اپنا خطبہ دیا ہے جو لیڈر (مورخہ ۳ جنوری ۱۹۴۷ء) میں "ہندوستان کی تاریخ میں عہد وسطیٰ" کے عنوان سے شائع ہوا ہے، اس میں عالمگیر کی "رجعت پسند متعصب مذہبی سیاسی حکمت عملی" اور ہندوؤں کے ساتھ اس کی انتہائی غلط شعاری کو کھول کھول کر بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے :-

"دوسری یہ بات بھی علم میں لائی ہو کہ بعض اہلِ قلم کی طرف سے چند حقیقتیں ابھی روشنی میں لائی گئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ چند اہم مراکز جیسے کہ بنارس کے مندر تھے، ہندوؤں کی طرف سے مفسدانہ سازشوں کے اڈوں کے طور پر استعمال کئے جاتے تھے، جن کے خلاف شہنشاہ نے اشتعال میں عملی اقدام کیا اور اس کو اب اس کے تعصب کی شہادت میں پیش کیا جاتا ہے،

لیکن یہ بات فراموش نہیں کی جاسکتی کہ ان مندروں کے بے رحمانہ انہدام کی کوئی توجیہ مشکل سے کی جاسکتی ہو جن کو شہنشاہ نے شاہزادگی ہی کے زمانہ میں ڈھا لیا تھا، اور اسی طرح مختلف قسم کے تعزیری اقدامات وہ ہندوؤں کے خلاف کرتا رہا، اور پھر کیا یہ سوال نہیں کیا جاسکتا کہ یہ ضروری اور قرینِ دانشمندی تھا کہ آدمیوں کے ایک گروہ کو عصیان کی سزا ان مقدس مآثر پر اتاری جائے جو پورے ملک کی ایک عظیم اکثریت کی عقیدت و ارادت گاہ تھے، کیا ہندوؤں کے مذہبی احساسات کو مجروح کئے بغیر ان بدطینت مجرموں کو کسی اور طرح قبضہ میں نہیں لایا جا سکتا تھا؛"

خوشی کی بات ہے کہ اس تحریر میں سرجدو ناتھ سرکار کے اس دعویٰ سے تو رجوع کر لیا گیا جو انھوں نے ۱۶۶۹ء کے اس فرمان "پورے ملک کے مندروں کے انہدام کے لئے حکم عمومی کے طور پر قرار دیا تھا، پھر اگر "عظیم اکثریت" کے افراد ان عمارتوں کی تقدیس کو برقرار رکھنا چاہتے تو ان مجرموں کو اجازت نہ دیتے کہ وہ ان کو مفاسد کا مرکز بنائیں، ایسے موقع پر اس زمانہ میں جس کی بھی حکومت ہوتی وہ ایسے مرکزوں کو اس زمانہ کی عام روش کے مطابق برباد کرنے کی کوشش کرتا، اس معاملہ میں عالمگیر کے پیشرو حکمرانوں اور عالمگیر کے طرزِ عمل میں کوئی فرق نہ تھا کہ عالمگیر کو خاص طور پر مطعون کیا جائے،

عالمگیر کی شاہزادگی کے زمانہ کے انہداموں کو ایک سے زیادہ مرتبہ نمایاں کیا جا چکا ہے مگر نکتہ چین یہ نہیں سوچتے کہ اگر کسی منصب حکومت کے لئے داغ ہے تو اُن کے ممدوح شاہجہان کا دامن داغدار ہوتا ہے، عالمگیر نے شاہزادگی کے زمانہ میں گجرات کے مندر ڈھائے تھے، ان میں سے ہر ایک کی تحلیل کی جا چکی ہے، اس کی تہ میں کوئی نہ کوئی بغاوت، شورش اور سرکشی پائی گئی ہے، آخر دکن کی واضح مثال بھی تو موجود ہے، عالمگیر نے وہاں ۲۵ سال حکمرانی کی، دکن قدیم ہند کی تہذیب، کلچر اور تعمیر کا گہوارہ ہے، اگر تعصب کی وہ آگ جس کی تپش ہمارے زمانہ کے مورخین اب تک محسوس کرتے ہیں، عالمگیر کے دل میں واقعی سلگتی ہوتی تو آج دکن میں قدیم ہندو تہذیب و تمدن کے آثار کا نشان باقی نہ رہتا، وہاں کی ساری پرانی عبادتگاہیں جو آج ہندو تعمیر کی جان سمجھی جاتی ہیں صفحۂ ہستی سے مٹ چکی ہوتیں، لیکن معلوم ہے کہ عالمگیر نے دکن کے ۲۵ سالہ دورِ حکومت میں کبھی کسی مندر کو ہاتھ نہیں لگایا"

"مسلمان بادشاہوں کی مذہبی [illegible] حکومت کی"، معارف کے مذکورہ بالا مقالہ میں ان امور کی تفصیل بیان کی گئی ہے،

اس مہینہ میں جہاں ہسٹری کانگریس کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا، [illegible] آئے جو تمام مورخین صوبہ کے ایک عظیم الشان معبد

مین ہندو مسلم رشتۂ اتحاد کو درخشان کرنے والے ایک انمول موتی کی زیارت بھی کرسکتے تھے جو اسی بدنام عالمگیر کے ہاتھون ان کو وقف لکھا گیا ہوا ہے جس کو بوجھ گیا منشا کا پڑھت عقیدت کے ساتھ سینے سے لگائے ہوا اس مین بیشانی معبد کی سند جاگیر جو لاکھون لاکھ کی مالیت ہے، اور جس سے آج لاکھون لاکھ جاتری فائدہ اٹھا رہے ہین، اسی عالمگیر کے ہاتھون کی رہین منت ہے، اس کا ذکر خان کے اس مقالہ مین بھی آیا ہے،

بہرحال خوشی کی بات ہے کہ عالمگیر کے کارنامون کو گھٹا ٹوپ اندھیارے مین چھپانے کی ہزارون کوششون کے باوجود حقیقت کی کرن کہین کہین چمکنے لگی ہے، دور حاضر کے مورخین کے خیالات کی رو مین اس روشنی کی ہلکی سی جھلک دکھائی دینے لگی ہے، توقع ہے جب تعصبون کی یاد کا زمانہ گذر جائے تو تاریکیون کے پردے پورے طور پر چاک ہو جائین، ڈاکٹر پٹ تماسرن موصوف نے ان عیب جویون اور نکتہ چینیون کے باوجود اس مقالہ کے آخر مین کچھ اعترافات بھی کئے ہین، وہ ستایش کے مستحق ہین، فرماتے ہین:-

"دور حاضر مین یہ دکھانے کی کوششین کی گئی ہین کہ اورنگ زیب ہندوؤن کے حق مین نہایت اعتدال پسند تھا، ایسے فرامین کی ایک خاصی تعداد منظر عام پر لائی گئی ہے جس مین عالمگیر نے برہمنون کو عطیے دیئے، اور مندرون پر جاگیرین وقف کی ہین... قدیم یورپی اور ان کا اتباع کرنے والے ہندوستانی مورخین کے وہ نقوش و تاثرات ناپسندیدہ ہین جو انھون نے اورنگ زیب کے عہد حکومت کے متعلق پیدا کر دیئے، اورنگ زیب کی تاریخ پر ان فرامین کی اشاعت سے جو روشنی پڑتی ہے، اس سے یقینی طور پر نہ صرف ان یورپی مورخین کے پیدا کردہ تاثرات کی اصلاح ہوتی ہے، بلکہ یہ بھی آشکارا ہوتا ہے کہ عالمگیر لوگون کے ساتھ اپنے روزانہ کے طرز عمل اور نظم و نسق مین ایک شریف اور دوسرون کا پاس و لحاظ رکھنے والا انسان تھا، اس مین کوئی شک نہین کہ اس زمانہ کی تاریخ کے متعلق جو غلط نظریے لوگون مین پھیل گئے ہین، ان کی تصحیح کی بڑی ضرورت ہے تاکہ مختلف تاریخی پہلوؤن اور سلف کے کارنامون کے متعلق صحیح فیصلے کئے جا سکین، اور ان غلط فہمیون کو دور کیا جائے جو پھیلائی گئی ہین، اور ہماری قومی ترقی کو جو نقصان پہنچانے والی ہین"

فاضل مقرر کی یہ آرزو دراصل اس وقت پوری ہو سکتی ہے، جب غیرون کی مرتب کی ہوئی تاریخ کے پھیلائے ہوئے اس تخیل کو ذہن سے مٹا دیا جائے، کہ مسلم قوم باہر سے آئی ہوئی ہے، اگر باہر سے آنا ہی غیریت ہے تو اس مین سامی اور آرین دونون نسلون کا حال یکسان ہے، آریون کا آخری قافلہ ہندوستان مین تقریباً سنہ ق م مین آیا تھا، اس طرح ہندوؤن کے آخری اور مسلمانون کے پہلے قافلہ کی آمد کے زمانہ مین صرف ایک ہزار برس سے کچھ بالا کا فرق رہتا ہے، جو قومون کی تاریخ کے لئے کوئی بڑی مدت نہین،

ض

مقالات

مجددِ ملت

اور

قومیات وسیاسیاتِ حاضرہ

از مولانا شاہ عبدالباری صاحب ندوی

(۳)

باقی آج کل کی خالص قومیات وسیاسیات کے بارے میں خاص ہندوستان کے حالات کو پیش نظر رکھکر حضرت علیہ الرحمۃ نے اپنے اور دوسرون کے مسلک کو ایک دلچسپ تمثیل کے ذریعہ واضح فرمایا ہے، اس ع

گفتہ آید در حدیثِ دیگران

کو بھی ضرور سُن لین،

تین رفیق سفر کر رہے ہیں، کسی مقام پر پہنچکر دیکھا کہ عین راستہ پر ایک شیر کو تین چار بھیڑیے لپٹ رہے ہین، اور راستہ بند ہے، اُن کے پاس کوئی ہتھیار وغیرہ نہین، البتہ سامنے اینٹین، پتھر پڑے ہین، تینون مین اختلاف رائے ہوا، اور رائے سے عمل مین اختلاف ہوا، ایک کی رائے ہوئی کہ شیر کی امداد کرنا مناسب ہے، اگر یہ غالب آگیا تو طبعًا احسان سے متاثر ہوکر مزاحمت نہ کرے گا، اور مین اطمینان سے اپنے راستہ پر چلا جاؤن گا، یہ خیال کرکے اینٹون سے بھیڑیون کو مارنا شروع کیا، دوسرے کی رائے ہوئی، کہ شیر اکیلا بھیڑیئے متعدد غالبًا غلبہ انہی کو ہوگا،

لہٰذا اگر اُن کی نصرت کی تو یہ طبعاً احسان سے متاثر ہو کر مزاحمت نہ کرینگے، اور مین امن و امان کے ساتھ نکل جاؤنگا، یہ خیال کرکے اُس نے اینٹون سے شیر کو مارنا شروع کیا،

تیسرے کی رائے یہ ہوئی کہ اینٹین نہ شیر کی مدافعت کے لئے کافی ہین، اور نہ بھیڑیون کی، ایسی حالت مین اگر منصور مغلوب ہوگیا، تو غیر منصور کو خواہ مخواہ چھیڑ کر اپنا دشمن بنایا، اور اگر غالب بھی ہوگیا، تب بھی جانور کا کیا اعتبار کہ احسان کی رعایت کرے، بلکہ موقع پاکر وہ بھی طبعاً مزاحمت کریگا، اس لئے بہتر یہ ہے کہ جب تک اپنے پاس قابلِ اطمینان سامانِ مدافعت نہ ہو کسی کی نصرت نہ کی جائے، بس جس طرح ممکن ہو اپنی حفاظت کی کوشش کی جائے، پھر خواہ غلبہ کسی کو ہو، ممکن ہے کہ ہمارے عدم تعرض کے سبب وہ بھی تعرض نہ کرے، اور کیا بھی تو اس کا افسوس تو نہ ہوگا، کہ ہم نے خواہ مخواہ خود چھیڑ کر اپنا دشمن بنایا، یہ دونون سے علحدہ ہو کر اپنی حفاظت مین مصروف ہوگیا، اور جس طرح بن پڑا ان کی زد سے سکون و سکوت کے ساتھ نکل گیا، اور دوسرے راستہ سے چکر کاٹ کر اُسی راستہ پر جا پڑا،

"یہ تین جدا جدا طریقے ہین جن کو ان تین شخصون نے اپنے لئے اختیار کیا، اگر ان لوگون نے قوانین عقلیہ کی مخالفت کی، اور نیت بھی کسی کی فاسد نہ ہو تو کسی شخص پر کوئی ملامت نہین ہوسکتی، اور اگر کسی شخص کو اس کے مجوزہ طریق کا مضر ہونا صحیح دلیل سے بتا دیا جائے، اور اُس کے پاس کوئی معقول جواب بھی نہ ہو، اور پھر بھی وہ اس پر مصر رہے تو وہ ضرور مستحق ملامت ہوگا"

ظاہر ہے کہ جس طرح درندہ درندہ ہی ہے خواہ وہ شیر ہو یا بھیڑیا، طبعاً اس سے درندگی ہی کا اندیشہ ہے، اسی طرح مسلمانون کو بھی کافرون سے خواہ وہ کالے ہون یا گورے، طبعاً ہمیشہ عداوت ہی کا اندیشہ رکھنا چاہئے، اور اگر اُن کے مقابلہ و مدافعت کی طاقت نہ ہو، تو اسلم راہ تا بہ امکان اُن سے علحدہ رہکر اپنی حفاظت کا انتظام کرنا ہے، اور مسلمانون کے لئے بحیثیت مسلمان اپنی حفاظت کے ظاہری

حساب و تمام سب سے مقدم انتظام یہ ہے کہ پکا پکا مسلمان بننے کی فکر و سعی ہو، تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا و نصرت حاصل ہو۔ بس یہی مجدد وقت علیہ الرحمہ کا سیاستِ وقت کے متعلق اصل مسلک ہے، کہ

"مسلمانوں کو نہ انگریزوں کی بغل میں گھسنا چاہیے، نہ ہندوؤں کی"

اسی لئے حضرت کانگریس کی شرکت کے شدت سے مخالف ہیں، اور ایک فتوے میں شرح سیر کبیر کی عبارت نقل کرکے فرماتے ہیں، کہ

"کفار کے ساتھ ایسے معاملات میں شرکت کی شرط یہ ہے کہ وہ ہمارے تابع ہوں، اور اگر وہ ہمارے تابع نہ ہوں خواہ متبوع ہوں، یا دونوں برابر ہوں، تو شرکت جائز نہیں، جس کی وجہ بھی اسی (مذکورۂ بالا) روایت ہی میں مذکور ہے، کہ شرکت میں اندیشہ یہ ہے کہ جب مجموعی قوت سے اُن کا مقابل مغلوب ہو جائے، پھر وہ اپنی قوت سے مسلمانوں کو مغلوب کر سکتے ہیں،....

اب اگر مسلمان اسی غیر مسلم طالب آزادی جماعت (کانگریس) کے ساتھ شریک ہو جائیں، تو یقیناً وہ مسلمانوں کے تابع نہیں ہیں، بلکہ یا تو متبوع ہوں گے، اور مسلمان اُن کے تابع، اور غالب یہی ہے، اور یا دونوں برابر ہوں گے، تو گو یہ احتمال بہت ضعیف ہے، لیکن اگر ایسا ہو بھی تب بھی جواز شرکت کی جو شرط تھی، کہ مسلمان متبوع ہوں، وہ مفقود ہے، اس لئے جواز بھی مفقود ہے، اور جو وجہ عدم جواز شرکت کی روایت مذکورہ میں بیان کی گئی ہے، کہ مسلمانوں سے کام نکال کر پھر خود مسلمانوں پر غالب آنے کی کوشش کریں، یہاں اس کا خطرہ یقینی ہے۔ (اشرف السوانح حصہ سوم ص ۲۰۲)

پھر کانگریس یا ہندوؤں کے ساتھ تعاون و شرکت کی قوت سے انگریزوں کے نکل جانے کے بعد سوال ہے، کہ کیا صورت ہوگی؟ دو ہی صورتیں ہیں، یا تو ہندوؤں کا کامل تسلط ہو یا اغلب یہ ہے کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں ہندوؤں وغیرہ کی مرکب حکومت بنے، اس کی نسبت اصول و مسئلہ

کی دو سے ارشاد ہے کہ یا تو کفار کی جگہ کفار مستقل ہوں، یا مرکب کا فرد مسلم تو مجموعہ تابع احسن تک

ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں غایت ہی مفقود ہے، اور وہ اخلاء الارض عن الفساد ہے،

اور قاعدہ ہے کہ الشئ اذا خلا عن الغایۃ انتفی،" (اشرف السوانح سوم ص ۱۰۰)

راقم الحروف کے نزدیک حضرت علیہ الرحمۃ کی اس تنقیح بالا کے تحت سب سے زیادہ قابل توجہ مسلم لیگ کا **دو قومی نظریہ** و دعویٰ ہے، اصطلاحی مناقشوں یا عالمانہ و فلسفیانہ موشگافیوں سے قطع نظر کرکے دیکھا جائے، تو مومن و مسلم اور کافر و مشرک اگر دو قومیں نہیں تو پھر دنیا میں کون اور کہاں دو قومیں ہوں گی، شرک و توحید یا کفر و اسلام سے بڑھکر اور کونسی دو چیزیں دو انسانوں کو جدا کرکے اُن کے ظاہر و باطن اعمال و عقائد میں تخالف و تضاد پیدا کر سکتی ہیں، کیا دو دشمن مسلمان بھی اپنی نظر و فکر، بود و ماند اخلاق و عادات، معاشرت و معاملات میں وہ بعد المشرقین محسوس کر سکتے ہیں، جو ایک کافر اور ایک مسلمان ایک ہی گھر میں رہنے والے دو سگے بھائی محسوس کریں گے؟![1]

لہذا کسی وقتی مصلحت کے تحت کسی وقتی مقصد کے حصول کے لئے کسی خاص عمل و معاملہ کی حد تک وقتی اتحاد وہ بھی بصورت معاہدہ یہ تو جائز بلکہ کسی وقت واجب بھی ہو سکتا ہے لیکن وحدت قومی (نیشنلزم) کے تصور کے ساتھ مسلمانوں کا کانگریس یا کسی ایسی جماعت کے ساتھ کوئی مستقل و حقیقی اتحاد و ادغام جس میں اکثریت و غلبہ یا مساوات کا درجہ بھی کفار و مشرکین کو حاصل ہو، اور مسلمانوں کو مغلوب و تابع یا کفار و مشرکین کی مساوات کے ساتھ رہنا پڑے تو یہ دنیا میں نہ صرف اُن کی دینی وحدت اور اُن کے دینی مقام امامت و متبوعیت کے قطعاً منافی ہوگا، بلکہ نفس اُن کے دین کے لئے مہلک ہوگا، خصوصاً موجودہ مسلمانوں کا دینی انتشار و اضمحلال جس درجہ کو پہنچ گیا ہے، اس میں تو خدانخواستہ اگر یہ کانگریس میں مدغم ہو جائیں، تو اُن پر ہندوؤں کی صورت و سیرت کا رنگ اس سے زیادہ سرعت و شدت کے ساتھ چڑھے گا، جتنا انگریزوں

---

[1] جزاہ اللہ اس پیراگراف میں مولف سلمہ نے حضرتؒ کی تعلیمات کا عطر کھینچ کر رکھ دیا ہے۔ (عبد الماجد)

کا چلا عام ہندی قیاسی بات نہیں، بلکہ ۱۹۳۷ء کی کانگرسی حکومت کے چند روزہ ہی دور میں عوام و خواص،
تعلیم یافتہ و ناتعلیم یافتہ ہر طبقہ کے مسلمانوں میں ایسی مسخ شدہ صورتیں اور مثالیں مشاہدہ میں آئیں، کہ خدا
گواہ ہے، رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے، کہ یا اللہ ان مسلمانوں کو آخر کیا ہو گیا ہے، کہ اپنی صورت تک کو اتنا
ذلیل سمجھتے ہیں، کہ انگریزوں کی حکومت آئی، تو ان کی صورت بنالی، اور اب چار دن سے ہندوؤں کا
برائے نام کچھ حکومت میں دخل و غلبہ ہوا، تو ان کی شکل بنانے لگے!! اور وہ بیچارہ نادان، ہر انسان کی معمولی
نفسیات سے بھی جاہل ہے، جو یہ خیال کرتا ہے کہ صورت، سیرت پر مؤثر نہیں ہوتی، یا ظاہر باطن کا آئینہ
نہیں ہوتا، ایسی حالت میں مسلم لیگ سے مسلمانوں کے چپٹے رہنے میں کم از کم اتنا نفع تو یقینی ہے کہ اب نہ رخصت
ہونے والے انگریزوں کی صورت بنانے کی ترغیب ہوگی، اور نہ کانگریس یا ہندوؤں کے مقابلہ و
رقابت کی وجہ سے ہندوؤں کی صورت بنا دیں گے، کفار و مشرکین سے کسی بہانہ سے بھی طبیعت کا بعد تو ان
کا ایک بڑا وقایہ و محافظ ہے، ایسے ہی جیسے بری صحبت سے بعد، اور ایمان کے لئے کفر و شرک سے بڑھکر
بری صحبت کونسی ہو سکتی ہے،

بہر حال اسی قسم کے اسباب و وجوہ کی بناء پر حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے کانگریس سے قطعی بیزاری
اور بدرجۂ تنزل و باُمید اصلاح لیگ میں شرکت کا مسلمانوں کو بطور اھون البلیتین شرح صدر کے
ساتھ فتویٰ دیا،

"اس میں تو کوئی شک نہیں کہ فضا حاضر میں مسلمانوں کو شدید استحکام کے ساتھ منظم ہونے
کی سخت ضرورت ہے، اور ان کے تمام منافع و مصالح کی حفاظت اور تمام مضار و مفاسد
سے صیانت اسی تنظیم پر موقوف ہے، مگر اس کے ساتھ ہی ہر مسلمان پر یہ بھی واجب التسلیم والعمل
ہے، کہ وہ تنظیم حسب قدرت بالکل احکام شرعیہ کے موافق ہو، سو اگر اس وقت ملک میں
اس صفت کی کوئی منظم جماعت موجود ہوتی، یا اس کا ہونا متوقع قریب ہوتا تو جواب

واضح تھا لیکن موجودہ حالت میں افسوس اور نہایت افسوس ہے، کہ ایسی جماعت کا تحقق ہے نہ قریب توقع، اس لئے بجز اس کے چارہ نہیں، کہ موجودہ جماعتوں ہی میں سے کسی میں داخل ہوں، اور اس میں قواعد شرعیہ کی رُو سے جو نقص ہو، اس کی اصلاح کریں، اور اگر ان میں ایک کی اصلاح آسان ہو، اور دوسری کی دشوار تو بقاعدہ عقلیہ و نقلیہ من ابتلی ببلیتین فلیختر اھونھما اس میں داخل ہو جائیں جس کی اصلاح آسان ہو۔..... مسلم لیگ خالص کلمہ گویوں کی جماعت ہے، اور کانگرس میں عنصر غالب غیر مسلموں کا ہے، اور جو شخص اسلام کو حق جانتا ہو اس کو شریعت کے قریب لانا بہ نسبت اُس شخص کے جو اسلام کو حق نہیں جانتا، ظاہر ہے، کہ سہل ہے،......

......پس اس اصل کی بناء پر شرح صدر کے ساتھ میری یہ رائے قائم ہوتی ہے، کہ مسلمانوں کو اطمینان و توکل کے ساتھ مسلم لیگ میں داخل ہو جانا چاہئے، پھر ان میں جو اہل قوت و اہل اثر ہیں اُن کو اپنی قوت و اثر سے اُس کی اصلاح کی کوشش کرنا چاہئے، اور جو اہلِ قوت نہیں وہ اہلِ قوت کو وقتاً فوقتاً یاد دہانی کرکے تقاضے کے ساتھ اصلاح مطلوب کی درخواست کرتے رہیں۔"

یہ تو خلاصہ ہوا اپنے انتظام کا، باقی دوسروں کے ساتھ معاملہ تو اس انتظام کے بعد اگر کانگرس مسلم لیگ سے صلح کی طرف مائل ہو تو حسب ارشاد "وان جنحوا للسلم فاجنح لھا" اس سے اصول شرعیہ کے موافق تیقظ و تدبر کے ساتھ اہل تجربہ و اہل علم و اہلِ فہم کے مشورہ سے صلح رکھیں، مگر اپنی تنظیم کو اس وقت بھی قوت و استقلال کے ساتھ قائم رکھیں،

سلہ اور ان کا متقی نہ ہونا..... مانع نصرت نہیں ہو سکتا، اس کی متفق علیہ نظیر ترکی سلطنت ہے، کہ وہ بھی متقی نہ تھے، مگر صرف اس بناء پر کہ مخالفین اسلام کی مدافعت کرتے تھے، تمام اہل حق علماء و مشائخ نے (جن میں ہمارے اکابر بھی ہیں بلکہ پیش پیش رہے ہیں) ہر موقعہ پر اُن کی نصرت کو دینی فریضہ سمجھا،

اس کو کمزور نہ ہونے دیں، اور نہ کانگریس میں مدغم کریں، کہ شرع و تجربہ دونوں کے اعتبار سے نہایت مضر ہے،

اور اگر بالفرض مسلم لیگ کی اصلاح سے قبل یا بعد اور کوئی جماعت مسلمہ منظمہ صاحب قوت واثر تیار ہو جائے، تو اس صورت میں مسلم لیگ اور وہ دونوں اتحاد واشتراک کے ساتھ کام کریں، تاکہ مسلمانوں میں افتراق وتشتت نہ ہو، اور ان سب حالات میں قولاً وفعلاً ملاً وتقریراً وتحریراً موافق ومخالف ہر ایک کے ساتھ اخلاق اسلامی کو اپنا شعار رکھیں، جیسا کہ ارشاد ہے: قل لعبادی یقولوا التی ھی احسن وغیرھا من الآیات:

خلاصہ دستور العمل یہ ہے کہ نہ خود کسی سے آویزش کی ضرورت، اور نہ آمیزش کی، رضائے حق کو مطمح نظر رکھ کر اپنے کام میں لگے رہیں، اور اس کی شرط یہ ہے کہ ہر کام میں اس کا پورا لحاظ رکھیں کہ کوئی امر خلاف شرع نہ ہونے پائے، یہی حیات مسلم کا اصل الاصول ہے، اور اس استقلال واستقامت کے ساتھ ہی دعا وابتہال کو اصل وظیفہ وتدبیر سمجھیں، اور پھر نصرت حق کے منتظر رہیں،

حزم واحتیاط تو حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ کا خاص حصہ تھا، اس لئے اس فتوی کے آخر میں ایک نوٹ کا بھی اضافہ فرما دیا گیا ہے، کہ

"یہ جواب مسلم لیگ کی موجودہ حالت پر ہے، اگر خدانخواستہ حالات بدل جائیں، تو حکم بھی بدل جائیگا"

(افادات اشرفیہ مرتبہ مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی ص ۱ تا ص ۵)

موجودہ حالات میں بھی ان شریک ہونے والوں کا کام مسلم لیگ کے لئے صرف الکشن لڑانا، جلسے کرانا، جلوس نکالنا، نعرے لگانا نہیں، بلکہ اہل قوت واہل اثر وغیر اہل قوت وغیر اہل اثر غرض ہر طبقہ کے شریک ہونے والوں کا اصل ومقدم کام یہ ہے کہ دینی نقطۂ نظر سے لیگ کی اصلاح میں لگے رہیں، ان کی اہمیت کی بنا پر اس فتوے کے ایک اور ضمیمہ میں تاکید فرمائی گئی کہ

"جس جماعت میں داخل ہوں اس کی اصلاح کی کوشش کریں، اور اس میں منکر پر نکیر کرتا بھی آگیا، (یعنی خلاف دین باتوں پر روک ٹوک کرنا) اصلاح اس تفصیل سے کیجائے کہ اہل قوت اپنی قوت سے اور غیر اہل قوت اُن اہل قوت کو آمادہ کرنے سے اور علما رسے علمی وعملی امداد حاصل کرنے سے کام لیں، (افاداتِ اشرفیہ ص ۷۰)

اس لئے خوب سمجھنا چاہئے کہ جو لوگ حضرت علیہ الرحمۃ کے خادموں یا غیر خادموں میں حضرت کے فتوی اور حضرت کا نام لے کر لیگ میں شرکت فرماتے ہیں، اور پھر اپنی استطاعت بھر اس کی دینی اصلاح کا حق نہیں ادا فرماتے، نہ اس کی خلاف شریعت باتوں پر روک ٹوک فرماتے ہیں، تو اُن کی شرکت کچھ ویسی ہی طفلانہ اور نادانی کی ہے، جیسے بعض بچوں کو دیکھا کہ روزہ تو نہیں رکھتے، مگر سحر کے وقت کھڑ بڑا کر اُٹھ بیٹھتے ہیں، اور سب سے پہلے کھا لینا چاہتے ہیں، دینی نقطۂ نظر سے لیگ میں ایسی شرکت دراصل بے روزہ کا سحری کھانا ہے!

اسی ضمیمہ میں حضرت نے اسی غایت حزم واحتیاط سے مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کی ایک شرط اور لگائی ہے، کہ

"یہ شرط ضرور ہے کہ اس تعاون میں جو اختلاط ہو، وہ دین کے لئے مضر نہ ہو، اور اُس کی اسلم صورت یہ ہے کہ عوام الناس ایسے لوگوں سے مذہبی گفتگو نہ کریں، نہ سنیں، یہ کام علمار پر چھوڑ دیں،

جس کی صورت یہی ہے کہ لیگ کے ایسے لیڈر جو دین کے عالم و محقق نہیں، وہ اپنے جلسوں وغیرہ میں عوام کے اوپر کسی مسئلہ و معاملہ پر دینی اعتبار سے ہرگز کوئی گفتگو نہ فرمائیں، مگر اس کی احتیاط کون کرتا کراتا ہے، بلکہ آج کل کے لیڈروں کا تو یہ بڑا مرض ہے، کہ وہ قرآن و حدیث کا انگریزی اردو کچھ الٹا سیدھا ترجمہ پڑھکر دین کے محقق و مفتی بن جاتے ہیں، اور بے باکانہ اپنی تحریروں اور تقریروں میں قرآن

حدیث کو پیش کرتے، اور اُن سے مجتہدانہ استنباط فرماتے ہیں جس کی بدولت خود ان کے اور اُن کی تحریروں اور تقریروں کے پڑھنے سننے والے عوام الناس کے ہاتھوں میں دین جس طرح بازیچۂ اطفال اور اتباع ہوا اور اعجاب کل ذی رای برایہ کا آلہ بن گیا ہے، وہ دین کے حق میں ایک بڑا مہلک فتنہ ہے، جو قومیات و سیاسیات حاضرہ کی راہ سے داخل ہوگیا ہے،

اور اگر حضرت مجدد وقت علیہ الرحمہ کی ہدایت کے مطابق اس فتنہ کا اس طرح سدباب نہ کیا گیا، کہ خالص قومی و سیاسی لیڈر خود دین کے مفتی بننے کے بجائے اس کام کو علما محققین اور اُن کے مشورے کے "تابع کر دیں تو مسلمانوں کے رہے سہے دین کا بھی خدا ہی حافظ ہے، اس لئے لیگ میں شرکت فرمانے والے حضرات علماء کا دینی فریضہ ہے، کہ خود اکابر واعاظم لیگ کی دینی اصلاح سے بھی پہلے اسی فتنہ کو آگے بڑھنے سے روکیں،

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے مذکورۂ بالا ضمنی ہدایت پر قناعت نہیں فرمائی، بلکہ بعض شبہات کے دور فرمانے کے سلسلے میں اس کی پوری محققانہ و مجتہدانہ تفصیل فرمائی ہے، جو ملخصاً عرض ہے،

"سیاسیات کے دو حصے ہیں، ایک ان کے احکام شرعیہ، یہ شریعت کا جزء ہے، اور کوئی عالم اس سے ناواقف نہیں، چنانچہ ابواب فقہ میں کتاب السیر ایک مستقل و مبسوط جزء ہے، جس کی درس و تدریس پر دوام والتزام ہے، اور دوسرا حصہ سیاسیات کی تدابیر تجربیہ ہیں، جو ہر زمانہ میں حالات و واقعات اور آلات وغیرہ کے تغیر و تبدل سے بدلتی رہتی ہیں، یہ حصہ شریعت کا جزء نہیں ہے، اور نہ علماء کا اس میں ماہر ہونا ضروری ہے،

لیکن اس حصہ کے شریعت کے جزء نہ ہونے کے یہ معنی نہیں، کہ یہ شریعت سے مستغنی ہے، اور اس کے استعمال کرنے والوں کو علماء شریعت کی طرف رجوع کرنے کی حاجت نہیں، کوئی واقعہ کوئی عمل، کوئی تجویز، اور کوئی رائے دنیا میں ایسی نہیں، کہ جس کے جواز و عدم جواز کو

شریعت سے تحقیق کرنے کی ضرورت نہ ہو، گو وہ شریعت کا جزو نہ ہو، تو جزو نہ ہونے سے تابع نہ ہونا لازم نہیں آتا، جیسے فن طب میں سیاست بدنیہ یعنی اصلاح احوال بدن کی تدابیر مدون کی گئی ہیں، تو علمائے شرائع کا نہ ان تدابیر میں ماہر ہونا لازم ہے، اور نہ یہ عدم مہارت اُن کے حق میں نقص ہے، البتہ ان تدابیر کے جواز و عدم جواز کی تحقیق اُن کا فرض منصبی ہے، (مثلاً یہ کہ فلاں مرض کی فلاں دوا یا تدبیر کا استعمال شرعاً جائز ہے یا ناجائز)

اسی طرح سیاسات مدنیہ یعنی نظام ملکی کے ساتھ معاملہ کرنا لازم ہے، اور طریق عمل میں دونوں جماعتوں کے فرائض کو اس طرح جمع کیا جائے، کہ پہلی جماعت سے تدابیر کی تحقیق کریں، اور دوسری سے احکام شرعیہ کی، اسی طرح جہاں نظام مذکور فرض ہو جائے تو دوسری جماعت بھی پہلی جماعت سے تدابیر دریافت کرے، اور بشرط جواز شرعی اُن پر عمل کرے، اور پہلی جماعت دوسری سے ان تدابیر کے شرعی جواز و عدم جواز کی تحقیق کرکے ثبوت جواز کے بعد عمل کرے،

"البتہ اگر کسی وقت کوئی جماعت اہل سیاست کی ایسی نہ ہو، کہ علماء سے احکام پوچھکر عمل کرے، جیسا کہ اس وقت غالب ہے، تو اس وقت علماء ایسی جماعت کے پیدا ہونے کے منتظر نہ رہیں، ورنہ مجان دنیا دینی مقاصد کو تباہ کر دیں گے، بلکہ وہ خود اپنے میں سے ایسی جماعت بنائیں، جو علماً و عملاً سیاست و شریعت کی جامع ہو، اور یہ حکم کچھ سیاست مدنیہ کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ سیاست بدنیہ، بلکہ تجارت وزراعت وغیرہ جتنے فرائض کفایہ ہیں، سب کا یہی حکم ہے"

حضرت مجدد وقت کی سیاسی تجدید کی رو سے اس وقت یہ جماعت جمعیۃ العلماء ہی کی ہو سکتی تھی، بشرطیکہ وہ اپنے کو کانگریس میں شرکت اور عملاً مدغم نہ کر دیتی، جو حضرت علیہ الرحمۃ کے نزدیک [موجودہ] لیبروبشو...

کسی طرح جائز نہیں، اور جس کی اس درجہ میں دراصل کوئی ناگزیر صورت بھی نہ تھی، کہ اس کے ارکان و اکابر کانگرس میں کوئی عہدہ قبول فرماتے، یا اُس کے سیاسی پروگرام کی مطابق النعل بالنعل اتباع کرتے، اس لئے کہ کانگرس، قومیت کا زبان سے خواہ کتنا ہی دعویٰ کرے لیکن عملاً وہ ایک ہندو جماعت ہے اور ہندو ہی رہے گی، اور اس لئے جمعیۃ کی طرح اس میں شرکت کرنے والی علماء کی کسی جماعت کے متعلق (اس کی احتیاط کے باوجود) آسانی سے باور کیا، اور کرایا جاسکتا ہے، خصوصاً عام مسلمانوں کو کہ وہ جماعت عام مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کے ساتھ شریک اور اُن کا آلۂ کار بن گئی ہے؛

ایسے مواقع تہمت سے دور رہنے کی مصلحت سے بھی، اور اصولاً بھی جمعیۃ العلماء کا اصل مقام کانگرس اور موجودہ لیگ (جب تک کہ وہ اپنی سیاسی تدبیریں شرعی جواز و عدم جواز کے تابع نہ ہوجائے)) دونوں سے بلند و جدا رہنے ہی کا تھا، البتہ لیگ بہر حال بُرے بھلے کلمہ گو مسلمانوں کی جماعت ہے، اس لئے اس کی دینی اعتبار سے اصلاح کی طرف دلسوزی کے ساتھ ہر ممکن طریق و تدبیر سے زیادہ توجہ فرمانا چاہئے تھا، تو عام مسلمان بھی قدرتۃً یہی محسوس کرتے، کہ جمعیۃ العلماء مسلمانوں یا مسلم لیگ کی مخالف نہیں ہے، بلکہ خیرخواہ اس کی دینی اصلاح کی ساعی ہے،

گو راقم ہذا کے چھوٹے مُنہ کے لئے یہ بڑی بات ہے، تاہم ایک قلبی تقاضے کی بات ہے، اس لئے عرض ہے، کہ کاش اب بھی جمعیۃ العلماء کے اکابر اس پر غور فرمائیں، خصوصاً جب کہ بظاہر اب ہندوستان کی آزادی اور انگریزوں سے کچھ دیر یا سویر گلو خلاصی یقینی نظر آرہی ہے، تو جمعیۃ کی شرکت و عدم شرکت یا تائید و عدم تائید سے کوئی معتدبہ فرق اس میں قطعاً واقع نہیں ہوسکتا، اور جمعیۃ کا اصل مقصد کانگرس کا ساتھ دینے سے انگریزوں سے نجات ہی حاصل کرنا ہوسکتا تھا،

نیز اس صورت میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ سے نسبت یا عقیدت کا دعویٰ رکھنے والے علماء کا بھی فرض ہوگا، کہ وہ حضرت کی اس مذکورۂ بالا مجددانہ ہدایت و ارشاد کے بموجب جمعیۃ العلماء میں شامل

ہو جائین[1] کہ اگر کسی وقت کوئی جماعت اہلِ سیاست کی ایسی نہ ہو کہ علمار سے احکام پوچھکر عمل کرے جیسا اس وقت غالب ہے ...... تو علما خود اپنے مین ایسی جماعت بنائین، اس لئے کہ لیگ بہر حال نہ اس وقت ایسی جماعت ہے، اور نہ مستقبل قریب مین ہونے کی توقع ہے، جو علما سے احکام شریعت پوچھ پوچھکر عمل کرے،

باقی اگر لیگ آج ہی ہمت باندھ کر ایسی جماعت بنجائے تو پھر علمار کو سرے سے ایسی سیاسی جماعت بنانے کی ضرورت نہین، اور اس باب مین اُن کا فرض منصبی صرف یہ رہ جائے گا، کہ لیگ کی پیش کردہ سیاسی تدابیر کے جواز و عدم جواز کی تحقیق فرمادیا کرین، اور اپنا اصل وقت نیابتِ نبوت کے اصل فرض منصبی یعنی مسلمانون اور غیر مسلمانون کی دینی اصلاح و تبلیغ مین صرف فرمائین، اس فرض مین غفلت و کوتاہی نہ ہوئی ہوتی، تو آج اگر جمعیۃ العلمار کسی عارضی و وقتی مصلحت کی بنا پر بالکلیہ بھی کانگرس اور ہندوؤن کے ساتھ شریک ہو جاتی، تو عام مسلمانون کو ہرگز کسی بے اعتمادی و بدظنی کا موقع نہ ہوتا، اور نہ وہ اس طرح علمار کا دامن چھوڑ بھاگتے،

حضرت کے کسی عزیز نے بھی کچھ ایسی ہی باتین تحریر کی تھین جن کی توثیق فرما کر لفظ بہ لفظ حضرت نے اپنے اسی مضمون بالا مین نقل فرمایا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ اس وقت کے حالات کے لحاظ سے علما کا سیاسی جماعت سے علیحدہ رہنا اولیٰ ہے، کیونکہ اس وقت

"عام سیاسی لیڈر ملکی مصالح کو دین پر مقدم رکھتے ہین، اور مصلحت و مذہب مین تعارض ہوتا ہے، تو مذہب مین بعید سے بعید تاویل کرنے مین دریغ نہین کرتے، چنانچہ (سیاست مین شریک ہونے والے) علمار بھی اس مین مبتلا ہوتے ہین، اور ان کی تاویل چونکہ بزنگ دین

---

[1] لیکن جمعیۃ علمائے اسلام کلکتہ حضرت رح کے اجل خلفار و رفقا کے ساتھ انھی مقاصد کو لے کر تو وجود مین آچکی ہو،
(عبدالماجد)

ہوتی ہے، اس نے وہ عام مسلمانون کو زیادہ غلطی مین مبتلا کرتی ہے، لہذا اس وقت طریق کار
مفید یہ ہو سکتا ہے، کہ سیاسی جماعت علٰحدہ ہو، اور مذہبی علٰحدہ، اور مذہبی جماعت اپنے
تبلیغ کا اصل کام اس طرح انجام دے کہ مسلمانون کی سیاسی جماعت کی نگرانی کرے، کہ وہ
شریعت کے خلاف عمل نہ کرنے پائے،

اور چونکہ موجودہ زمانہ مین سیاسی جماعت مذہبی جماعت سے پوچھکر عمل کرنے کی عادی نہین
اس لئے علماء کے ذمہ تھا، کہ خود اس جماعت کے پاس پہنچتے، اور احسن طریق سے تبلیغ کرتے
مگر افسوس کہ علماء مسلمانون کی مخالف جماعت مین داخل ہو کر مسلم جماعت کے لیڈرون
کا مقابلہ کرتے ہین، جس سے ان لیڈرون کو بھی علماء کے مقابلہ کی جرأت ہو گئی، اگر علماء
اپنا اصل کام تبلیغ ہی رکھتے، جو اصل سیاست تھی، کہ مسلمانون کو سچا مسلمان بنا دیا جائے
تو آج جس وقار و عظمت کے کھونے کی علماء شکایت فرماتے ہیں، اس میں چار چاند لگ جاتے،
اور تبلیغ دین کا ثواب آخرت مزید بران،...... موجودہ طرز مین لیڈرون کو مقابلہ کا
موقع دینے سے علماء کی عظمت و وقعت مسلمانون کے دلون سے نکلی جا رہی ہے، جو مسلمانون
کے دین کو ہمیشہ کے لئے مضر ہو رہی ہے، بخلاف اس کے اگر یہ حضرات تبلیغ فرما کر لیڈرون
کو سنبھال لیتے، تو اس طرز مین شرعی طریقہ پر ہندوستان مین مسلمانون کے حقوق کی محافظت بھی
ہوتی، اور علماء کی عظمت بھی بڑھتی، (افادات اشرفیہ ص ۹۳)

خود حضرت علیہ الرحمۃ کو آخر وقت تک اصلی فکر لیگ اور اکابر لیگ کو دین کی تبلیغ اور دینی اصلاح
ہی کی رہی، وفات سے تین مہینے قبل لیگ کی طرف سے ایک دعوت نامہ کے جواب مین خود تشریف
لے جانے کی معذوری کے ساتھ تحریر فرمایا کہ

"اپنی دو کتابون کا پتہ دیتا ہون جو انشاء اللہ قیامت تک آنے والی نسلون کے لئے پیام عمل کا

ایک حیاۃ المسلمین شخصی اصلاح کے لئے اور دوسری صیانۃ المسلمین جمہوری نظام کے لئے، ان کے مضامین اپنے موضوع میں رنگین نہیں، لیکن سنگین ہیں، وہی فرق ہے جو ذوق و غالب کے اشعار میں، ورنہ بدون عمل یہ سب کوشش اس کا مصداق ہوگی، کہ نشستند و گفتند و برخاستند ...... اگر یہاں مل گئیں، تو دونوں کتابیں ہدیۃً روانہ کردوں گا، ورنہ دہلی میں تلاش کی جائیں، پھر حیوٰۃ المسلمین مل گئی اور روانہ بھی فرمادی،

گو یہ بالکل واضح ہے کہ حضرت کا آخر وقت تک رجحان (خواہ بطور ابہون البلیتین) رہا لیگ ہی کی جانب، لیکن مندرجۂ بالا فتوے میں حضرت نے جو بنظر احتیاط یہ قید بڑھادی تھی، کہ "یہ جواب مسلم لیگ کی موجودہ حالت پر ہے، اگر خدانخواستہ حالت بدل جائے، تو حکم بھی بدل جائے گا"

اسی احتیاط نے اب لیگ کے عملِ اقدام (ڈائرکٹ ایکشن) کی تجویز اور کلکتہ وغیرہ کی خانہ جنگی میں ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کی خونریزی کے واقعات کے بعد ایک پیشنگوئی کی صورت اختیار کرلی ہے، اس لئے کہ اوپر یہ اچھی طرح معلوم ہوچکا ہے، کہ اسلامی باقاعدہ جہاد و قتال کے تمام شرائط جب تک جمع نہ ہوں، اُس وقت حضرت علیہ الرحمۃ کے نزدیک اس طرح کی خونریزی کو دعوت دینا تو درکنار، صریح مظلومیت کی حالت میں بھی صبر کے سوا جیل جانے تک کے مروجہ طریقے قطعاً ناجائز اور خودکشی کے مرادف ہیں، ایسی صورت میں لیگ سے تو امید نہ تھی، کہ وہ حضرت کے حکم و ارشاد سے اپنی اس تجویز کو بدلتی، البتہ حضرت ہی شرکت لیگ کی تائید و ترجیح کے فتوے کو غالباً عدم جواز سے بدل دیتے، لہٰذا حضرت کے مسلک یا خود حضرت سے عقیدت رکھنے والے علماء جو لیگ میں شریک ہیں ان کو اس کی طرف پہلے پوری قوت سے لیگ کو توجہ دلاکر پھر خود اپنے تعلق کا فیصلہ فرمانا چاہئے[1]

[1] اس مضمون کی اشاعت سے پہلے لیگ نے بھی عارضی حکومت میں شرکت قبول کرلی ہے، اس لئے سردست اس عمل اقدام کی باقاعدہ تجویز کو تو عمل میں لانے کی غالباً ضرورت نہ ہوگی، لیکن بے قاعدہ نوا کھالی وغیرہ میں جو کچھ ہوا ہے اس کی روک تھام سب کاموں پر مقدم ہے، اور آئندہ کے لئے اس کے سدِ باب کی تدابیر اختیار کرنا ضروری ہے۔ (عبدالماجد)

فتوی مین اس مذکورۂ بالا احتیاط کے علاوہ لیگ کے اجلاس پٹنہ (دسمبر ۳۸ء) کے موقع پر حضرت نے ایک خاص وفد کی معرفت لیگ کو جو پیام روانہ فرمایا تھا کہ "مایوس ہونے تک اپنی طرف سے ان دونون دعوتون کو یعنی عامۂ مسلمین کو لیگ کی طرف اور لیگ کو احکام دین کی طرف ترک نہ کیا جائیگا" اس کا منشا یہی تھا، کہ لیگ کی سعی تو پوری اور ہر طرح کی جائے، لیکن آخر ہر سعی کی ایک حد ہوتی ہے، اور مایوسی کے بعد لازمًا کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے،

اس پیام مین حضرت علیہ الرحمۃ نے عام احکام دین کے ساتھ دو باتون کے تقدم و اہتمام پر خصوصیت سے توجہ فرمایا تھا، ایک نماز دوسرے اسلامی وضع وہیئت و لباس مگر اس آٹھ سال کے طویل عرصہ مین لیگ نے ان دو باتون کی طرف بھی اصولًا یا عملًا اتنی توجہ تک نہین کی کرائی، جتنی کانگرس مین کھدر پوشی کی طرف ہے، ایسی حالت مین سیاسی تدابیر وغیرہ مین عام احکام دین کی اتباع کی کب اور کیا امید ہوسکتی ہے، تاہم احقر کے نزدیک حضرت علیہ الرحمہ کے مسلک احتیاط کا تقاضا ہے، کہ علما، اور غیر علما، دونون مین جو حضرات دین کی حمیت کا ادراک رکھتے ہین، اور ساتھ ہی کچھ قوت و اثر رکھتے ہین، وہ اپنی پوری طاقت سے لیگ کو اس پر کم از کم ایک دفعہ اتمام حجت کے لئے متنبہ فرماکر اور کم و بیش ایک سال کی کوئی مقررہ مدت اس سے ملے فرماکر ایک موقع اور دین، اور اس مدت مین اگر ان دو باتون پر بھی کوئی معتد بہ عمل نہ ہو، تو پھر حضرت سے عقیدت و نسبت کا دعوی رکھنے والون کو ضرور سوچنا چاہیئے، کہ کیا مایوسی کے لئے حضرت کی مراد کوئی نامتناہی مدت تھی،

اس سلسلہ مین حضرت مجدد نے اس غلط فہمی کو بھی دور فرمایا، کہ دین کے علما، کا سیاست کی تدابیر و تجربات مین ماہر ہونا نہ لازم ہے، نہ کوئی نقص، جب خود حضرات انبیاء علیہم السلام کا سلاطین ہونا نہ ضروری ہے، نہ اُن کے کمالات دین و نبوت مین، اس سے کوئی کمی واقع ہوتی ہے، تو پھر علماے دین کا کیا ذکر، فرماتے ہین کہ

"ہر چند کہ یہ بدیہی و جلی ہے، اور خفی بھی ہوتا، تب بھی طبی مثال سے تنبہ کے بعد جلی ہو گیا، مگر تبرعاً بعض آیات سے زیادہ منور کئے دیتا ہوں، سورۂ بقرکی آیات الم تر الی الملاء من بنی اسرائیل من بعد موسیٰ اذ قالوا لنبی لہم ۔۔۔ فلما فصل طالوت بالجنود قال ان اللہ مبتلیکم بنھر کے ترجمہ کا خلاصہ یہ ہو کہ (حضرت موسیٰؑ کی وفات کے بعد قوم جالوت کے ظالمانہ تسلط سے تنگ آکر) بنی اسرائیل نے اپنے ایک نبی سے عرض کیا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے، جس کے ساتھ ہم مل کر قوم جالوت سے جہاد کریں، انھوں نے فرمایا کہ اچھا اللہ تعالیٰ نے تمھارے لئے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا، جو اس بات پر نص ہے، کہ بنی اسرائیل نے باوجود ان میں ایک نبی موجود ہونے کے ان سے یہ نہیں کہا کہ آپ ہمارے قائد بنجائیے، بلکہ ایک مستقل بادشاہ مقرر کرنے کی درخواست کی، سو اگر وہ نبی کافی سمجھے جاتے تو ایسی درخواست کیوں کی جاتی، یا اگر یہ درخواست غلط تھی، تو اُن کے نبی یا پیغمبر اللہ تعالیٰ نے اس پر تنبیہ کیوں نہیں فرمائی، بلکہ درخواست کو بلا نکیر قبول فرمالیا، اس سے صاف معلوم ہوا کہ خود ہر نبی کے لئے بھی سیاست میں تجربہ و مناسبت لازم نہیں، تا بہ دیگران چہ رسد،

اگر یہ شبہ ہو کہ بعض کے نزدیک طالوت بھی نبی تھے، تو ہمارا مدعا اس پر موقوف نہیں، بلکہ ایک نبی کے موجود ہونے پر اُن سے یہ کام نہ لینا، اس مدعا کے ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ نبوت کے لئے کمال سیاست لازم نہیں، (اور نہ اس کمال کا عدم کوئی نقص ہے) اس کی وجہ یہ ہے کہ کمال اور نقص متناقض نہیں، بلکہ متضاد ہیں، کہ دونوں کا رفع اور درمیان میں واسطہ کا ہونا جائز ہے، چنانچہ بعثت عامہ کمال ہے، مگر اس کا عدم بھی نقص نہیں، ورنہ بجز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جمیع انبیاء کا نقص لازم آئے گا، نعوذ باللہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود کمال جامعیت اور سیاست میں بھی ماہریت غزوۂ احزاب میں خندق کی تدبیر

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے حاصل ہوئی ..... قصۂ تابیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وَاَنتُمْ اَعْلَمُ

باُمُورِ دُنیاکُمْ ایسے ہی تجربات پر محمول ہے، اور راز اس کا یہ ہے کہ ایسے تجارب و تدابیر ذات خود

دنیوی امور ہیں، گو مباح ہوں کسی عارض سے دین ہو جاتے ہیں، اس لئے اُن کا نہ جاننا کسی درجہ

میں بھی کمال مقصود کے منافی نہیں۔" (افادات ص ۹۳)

جماعتِ اسلامی کے حضرات بھی اس پر غور فرما سکتے ہیں، جو حکومت و سیاست پر اس طرح اور اتنا زور دیتے ہیں، کہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بغیر انفرادی یا اجتماعی طور پر مسلمان مسلمان رہ ہی نہیں سکتے، اور اس لئے سیاست کو مستقل دعوت کی صورت دیدی ہے،

بہرحال علماء کو یہ نہ خیال فرمانا چاہئے، کہ سیاسی تدابیر و تجربات کا علم و مہارت اُن کے عالم دین ہونے کا کوئی لازمی جزء ہے، یا مروجہ سیاسیات کانگرس و لیگ وغیرہ کسی نہ کسی میں عملاً شریک ہونا اُن کا ہر صورت میں دینی فریضہ ہے، بلکہ اُن کا اصل دینی فریضہ مسلمان عوام و خواص سب کو صرف احکامِ دین پہنچا دینا ہے، البتہ مسلمان عوام و خواص سب کا یہ دینی فریضہ ہے، اور اسی میں اُن کے لئے دین و دنیا کی فلاح ہے کہ وہ اپنی سیاسی یا غیر سیاسی زندگی میں کوئی قدم بھی دینی اعتبار سے علماء کے فتوے اور اُن سے مشورے کے بغیر نہ اٹھائیں، اور علماء کو اپنے تابع بنانے کی کوشش نہ کریں، بلکہ مسائلِ دین میں خود کو بالکلیہ اُن کے تابع رکھیں، نہ کہ اُلٹے اُن کو اپنا تابع بنانے کی کوشش کریں، مسلمانوں کے نظامِ حیات کی صحت اور اُن کی دینی و دنیوی صلاح و فلاح کے لئے یہ امر اس درجہ حضرتِ مجدد علیہ الرحمۃ کی تجدیدِ دین کا اہم جزء ہے، کہ مواعظ و ملفوظات میں بار بار اور طرح طرح اس پر تنبیہ و متوجہ فرمایا ہے، تواصی بالحق نام کے وعظ میں فرماتے ہیں کہ

"آج کل عوام کی یہ حالت ہے کہ علماء کو اول تو آگے کرتے نہیں، اور اگر کریں بھی تو اس طرح جیسے بہلوان کا بیل امام ہوتا ہے، کہ آگے تو وہ رہے، مگر بہلوان کے اشارہ پر چلتا رہے،

اسی طرح علماء بھی جھنڈا لے کر آگے رہیں، مگر کنکھیوں سے مقتدیوں کے اشارے کو دیکھتے رہیں کہ ان کی مرضی کیا ہے، جیسے امام نماز میں بھولتا ہے، تو مقتدیوں کو تاکتا ہے"

مطلب یہ کہ علماء اس زمانہ کی رفتار کے موافق سیاسی امور میں دخل بھی دیں اور لیڈروں کی خوشامد بھی کرتے رہیں، ان کی رائے کا اتباع بھی کرتے رہیں، کہ جہاں ان کی زبان سے کوئی کلمہ نکلے، فوراً ہدایہ وغیرہ سے اس کا فتویٰ نکالدیں، اور جب ان کی رائے بدلے، تو ہدایہ ہی سے پھر اس کے خلاف بھی نکالدیں، سو یاد رکھو، جو عالم حقانی ہوگا، وہ دین کے معاملے میں کسی کی رعایت ہرگز نہ کرے گا، اور نہ کسی کی موافقت و مخالفت کی پروا کرے گا، وہ خدا کی رضا کے سامنے تمام دنیا پر لات مارتے ہیں، سارا عالم بھی اُن کے خلاف ہو جائے، تب بھی شریعت سے سرمو تجاوز نہ کریں گے، چاہے اس میں خود اُن کی عزت ہو یا ذلت"۔

غرض پر اس طرح تنبیہ کے بعد آگے اصلاحی و تجدیدی مشورہ ہے کہ مسلمانوں کی دین و دنیا کی خیر اسی میں ہے کہ علما کا اتباع کریں، البتہ وہ علماء واقعی علماء ہوں،

صاحبو! اگر اپنی خیر چاہتے ہو تو علماء کا اتباع کرو ان کو متبوع بناؤ تابع نہ بناؤ، ہاں ان میں انتخاب کر لو، جو نا قابل ہوں، ان کا اتباع نہ کرو، کیونکہ محض کتابیں پڑھ لینے سے آدمی عالم نہیں ہو جاتا، علم دوسری ہی چیز ہے جیسے طب کی کتابیں پڑھ لینے سے ہر شخص طبیب نہیں بن جاتا، بلکہ جس کو مشقِ علاج حاصل ہو جائے، وہی طبیب ہوتا ہے، اسی طرح حدیث و قرآن و فقہ کی کتابیں پڑھ لینے سے علم کی حقیقت حاصل نہیں ہوتی، محض الفاظ یاد ہو جاتے ہیں، حقیقت علم حاصل ہونے کے لئے کتابوں کے سوا ایک اور چیز کی ضرورت ہے، تجدید

نہ کتابوں سے نہ کالج سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

یعنی صحبت اہل اللہ کی بھی ضرورت ہے، جس سے آج کل کے اکثر علماء کورے ہیں، الا ماشاء اللہ،
یعنی وہی کہ طبیب محض کتابوں سے نہیں بلکہ کسی ماہر و تجربہ کار طبیب کے مطب میں بیٹھکر اور اس
کی صحبت و تربیت سے طبیب بنتا ہے، اسی سلسلہ میں ایک اس غلط فہمی کی بھی اصلاح دلا فرمایا گیا ہے
کہ علماء دنیا و سیاست کے معاملات کو نہیں سمجھتے، اس لئے اُن کو ان معاملات میں دنیا داروں اور لیڈروں
ہی کا اتباع کرنا چاہئے، ارشاد ہے کہ

"دنیا داروں کا یہ خیال کہ علماء کو دنیا کی خبر ہی نہیں، اس کو ہم زیادہ جانتے ہیں، اس لئے
دنیوی معاملات و سیاسیات میں ہمارا اتباع کرنا چاہئے، میں کہتا ہوں کہ ان معاملات میں
علماء کس چیز کو نہیں جانتے، آیا اُس چیز کو نہیں جانتے، جو محض دنیا ہے یعنی واقعات تو اُن کے
واسطے فخر ہے، مولانا فرماتے ہیں،

تا بدانی ہر کرا یزداں بخواند   از ہمہ کارِ جہاں بیکار ماند

اور اگر یہ کہو کہ ان معاملات میں جو جزو دین کا ہے یعنی ان واقعات کے احکام وہ علماء نہیں جانتے،
تو یہ بالکل غلط ہے، ویسے اگر کپڑا بننا یا جوتا سینا نہیں جانتا تو یہ اس کا نقص نہیں، بلکہ فخر ہے،
اس کا اصلی کام پیشوں وغیرہ کے متعلق ملکی و سیاسی قوانین جاننا اور احکام دینا ہے،
اسی طرح علماء کو دنیا کے کام کرنا تو نہیں آئے، لیکن احکام ہر کام کے معلوم ہیں، تم اپنے معاملات
کو ان کے سامنے پیش کرو، پھر دیکھو وہ فتویٰ دیتے ہیں یا نہیں، بس جو علماء احکام کے جاننے والے
اور بے غرض ہوں، اُن کو مقتدار بناؤ، تابع نہ بناؤ،

صاحبو! سیاست کو بھی وہی لوگ زیادہ جانتے ہیں، جن کو تم دنیا سے بے خبر اور تاریک خیال

لے یہ اقتباسات سب تو اسی باب سے ماخوذ ہیں، کہیں کہیں اختصار یا توضیح کے مدنظر کچھ لفظی قلیل تصرف کے ساتھ
از ص ۳۰۶ تا ۳۰۹،

کہتے ہو، کیونکہ وہ شریعت کو تم سے زیادہ جانتے ہیں، اور شریعت نے سیاست کے اصول بھی سب سے بہتر بتلائے ہیں"،

غرض کہ مسلمانوں کے لئے دنیوی و سیاسی معاملات میں بھی خیر و فلاح کی صورت یہی ہے کہ وہ ان کے متعلق شریعت کے احکام کو بے غرض علمائے حقانی سے معلوم کرتے، اور ان کا اتباع کرتے رہیں،

لیکن اس بدقسمتی کو کیا کیجئے، کہ ایسے علمائے حقانی رہ کتنے گئے ہیں، اگر ایک طرف دنیادار مسلمانوں یا سیاسی لیڈروں کو خوشامدی علماء یا بہلوان کے بیلوں کی تلاش رہتی ہے، تو دوسری طرف ملتے بھی تو زیادہ تر ایسے ہی ہیں، جن کی بدولت اسلام اور مسلمانوں دونوں کی رسوائی کے ایسے ایسے شرمناک واقعات پیش آتے رہتے ہیں، کہ بس حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی زبان سے یہی کہنے کو جی چاہتا ہے، کہ آسمان کیوں نہیں پھٹ جاتا اور زمین کیوں نہیں شق ہو جاتی !

آج کل کا ایک بالکل تازہ منظر ملاحظہ ہو، کہ یو پی کی کونسل میں زمینداری کے ختم کرنے کا قانون کانگرسی حکومت کی طرف سے پیش ہے، اور ہمارے ایک عالم ماشاء اللہ خود حکومت میں شریک ہیں، اور ایک دوسرے عالم لیگ کی طرف سے مخالف صف میں تشریف فرما ہیں، شریعت میں زمینداری (یعنی زمین خرید کر اُس کو لگان پر اُٹھانا) گناہ ہے، نہ حرام، بلکہ ایسے زمیندار یا مالک زمین سے بلا اس کی رضامندی کے اس حقوق ملکیت سلب کر لینا البتہ ناجائز ہوگا،

یہ دوسرے لیگی عالم مشاہیر علمائے حقانی کے ایک بڑے مشہور گھرانے کے ہونہار چشم و چراغ ہیں لیکن شریعت سے زیادہ لیگ کی اتباع میں حکومت کی تجویز کے مخالف ہیں، یعنی یہ نہیں کہ جس چیز کو شریعت نے حلال و جائز ٹھہرایا ہے، اس کو ناجائز قرار دینے والوں کی ہر حال میں غیر مشروط مخالفت کریں، بلکہ اس کے بجائے انتقام پر راضی ہیں، کہ اچھا اگر زمینداری کو ختم کرتے ہو تو ہم تمہاری تائید کریں گے، مگر اس شرط سے کہ ساتھ ہی مہاجنی و سرمایہ داری کو بھی ختم کر دو!

اس علم و اقرار کے باوجود کہ زمینداری کی حمایت ... سے لئے باعثِ شرم نہیں، کیونکہ زمینداری شرعاً ممنوع نہیں، اور مذہب نے اسے ناجائز قرار دیا ہے، پھر خدا جانے کس منطق سے اس شرعی جواز کو عدم جواز میں تبدیل کر دینے کی تائید محض مسلم لیگ کی ترمیم و شرط سے جائز ہوگئی، جو یہ ارشاد ہوا کہ جب مسلم لیگ نے ترمیم میں تنسیخ زمینداری کے اصول کو تسلیم کر لیا گیا ہے، تو ہماری اس ترمیم کو حکومت کیوں نہیں منظور کرتی اور زمینداروں کے ساتھ سرمایہ داروں، سود خواروں مہاجنوں اور بنیوں کو کیوں نہیں ختم کرتی ہے۔

(روزنامہ تنویر ۱۹ اگست ۱۹۴۶ء)

نیز سود خوری و مہاجنی کے ساتھ نفس سرمایہ داری سے عداوت بھی آخر اسلامی شریعت کی کس دفعہ کی رو سے ہے؟ اگر کوئی شخص تجارت یا صنعت و حرفت وغیرہ کے جائز شرعی ذرائع سے امیر بن بھی جائے، اور زکوٰۃ وغیرہ کے شرعی واجبات و حقوق بھی پورے پورے ادا کرتا رہے، تو کیا اس کی یہ سرمایہ داری حرام ہے، بس وہی کہ بعنوان لیڈر کا اشارہ جدھر ہو جائے۔!

تیّن علم و تفقہ کے کمال کا بڑا مظاہرہ اس مسئلہ میں دوسرے شریک حکومت مولانا نے فرمایا جو جمعیۃ العلماء کے نمائندے ہیں، اور ایک دینی عربی مدرسہ کی خدمت کو خیر باد فرما کر ابھی ابھی سیاسی خدمات کے صلہ میں حکومت کی وزاگران قدر کرسی پر بٹھا دیئے گئے ہیں، بس رحمان ہی ان کو شیطان کے شر سے محفوظ رکھے، انھوں نے تو بے خوف و خطر زمینداری کی سرے سے حرمت ہی کا فتوی صادر فرما دیا، کہ حکومت کا فرض ہے کہ "نظام زمینداری کو قطعاً منسوخ کر دے" اور استدلال میں یہ عامیانہ تفقہ ملاحظہ ہو، کہ یہ زمینداری آئین شریعت کے نہیں، بلکہ آئین قدرت کے خلاف ہے، جس طرح سورج کی کرنوں کا کوئی ٹھیکہ دار نہیں ہو سکتا، جس طرح ہوا کسی خاص جماعت کے لئے مخصوص نہیں ہو سکتی، جس طرح پانی پر کسی خاص طبقہ کو قبضہ نہیں دیا جاسکتا، اسی طرح زمین جو قدرت کا ایک فیاضانہ عطیہ ہے، جو تمام جانداروں کی ضروریات زندگی کے لئے ہے، کسی جماعت یا شخص کو حق نہیں پہنچتا، کہ وہ اپنی ضرورت سے زیادہ

زمین پر قبضہ کرکے دوسرے انسانوں کو ضروریات کی آسایش و آرام سے محروم کردے"،

سبحان اللہ کیا تحقیق انیق ہے۔ ائمۂ مجتہدین سے لے کر اس وقت تک ساڑھے تیرہ سو سال میں سلف و خلف کے بڑے چھوٹے فقہا میں بھلا کیوں کسی کو یہ تفقہ فی الدین میسر ہوا ہوگا، کہ زمین کی ملکیت کو آفتاب کی کرنوں کی ٹھیکہ داری کے حکم میں داخل فرمایا ہو، نعوذ باللہ من شرور انفسنا! پھر ان مولینا کے سینہ کو بھی یہ معاملہ نہ تھا، کہ ایسی مجتہدانہ تقریر فرمانا فرض منصبی ہوتا،

بس ان سارے مفاسد کا منشاء، وسرچشمہ وہی خشت اول کی کجی ہے، کہ حکومت و سیاست کے عصری تصورات کو مسلمانوں نے بھی بالذات مطلوب و مقصود بنا لیا ہے، جو اسلامی تصور کی رو سے مسلمانوں کی ترقی نہیں، بلکہ ان کی اسلامی زندگی کی موت ہے، اور حضرت مجدد العصر علیہ الرحمہ کی اس باب میں بھی اصلاح و تجدید کا مرکزی نقطہ وہی ہے، کہ مسلمانوں کا مقصود بالذات ہر شعبۂ حیات کی طرح حکومت و سیاست سے بھی بالکلیہ حق تعالیٰ کی رضا جوئی ہونا چاہئے، جس کا راستہ ایمان و عمل صالح ہے، یعنی اپنی استطاعت بھر، ناموافق سے ناموافق حالات اور محکومی میں بھی انفرادی و اجتماعی زندگی میں شریعت کے احکام و حدود کا اتباع۔ ہماری ساری فکر و تدبیر بالذات اپنے ایمان اور اعمال ہی کی تصحیح و تکمیل میں صرف ہو، باقی حکومت جس کا قرآنی اصطلاح میں استخلاف فی الارض نام ہے، وہ ایمان و عمل صالح پر حق تعالیٰ کی طرف سے موعود ہے، استخلاف فی الارض کے معنی ہی یہ ہیں، کہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ یا نائب کی حیثیت سے اس کی زمین پر اسی کے احکام کا نافذ کرنا تو جن لوگوں نے خود اپنے اوپر ان احکام کو نہ نافذ کیا ہو، ان سے خدا کی زمین اور دوسروں پر نافذ کرنے کی کیا توقع کیجا سکتی ہے، اور وہ اس وعدہ کے پورا ہونے کے متوقع کس منہ سے ہو سکتے ہیں[1]؟

---

[1] حضرتؒ کا اصل مسلک و مذاق سیاسیات کے باب میں سمجھنے کے لئے بہتر ہوگا کہ ان کے خلیفۂ خاص اور مسترشد باختصاص مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی کا رسالہ مسائل سیاسیہ ضرور ملاحظہ کر لیا جائے، (عبد الماجد)

بلکہ مخلص لہ الدین، مومن کی اصل شان تو یہ ہے کہ اس کا مقصود ایمان و عمل صالح سے بھی یہ موعود تحلات نہیں ہوتے، اس کی نظر میں یہ بھی تبرک ہے، اس کا مقصود تو محض خدا اور رسول کی رضا ہوتی ہے، رضا کے ساتھ اگر اس کو پاخانہ بھی اٹھانا پڑے، تو خدا کی ناراضی کے مقابلہ میں اس کو گوارا کرے گا، اور جنت نعیم کی بادشاہت پر بھی لات مارے گا، مومن مخلص کا مقصود و مطلوب صرف حق تعالیٰ ہیں باقی سب ان کی نظر میں چھوٹے بڑے بت ہی ہیں،

بسی کہ گدا خواہی از خیل شہان عالی
من از تو ترا خواہم غیر از تو مرا خواہم

لُب لباب

قومیات و سیاسیات حاضرہ کے باب میں حضرت جامع المجددین علیہ الرحمۃ کی تجدیدات دین کا لُب لباب تفصیلات بالا کے پیش نظر یہ نکلا کہ

۱- مسلمانوں کے قومی و باطنی مزاج یا منافی النفسیہ کا قیاس غیر مسلم اقوام پر قیاس مع الفارق ہے، مسلمانوں کی قومی و سیاسی یا دنیوی ترقی بھی بالکلیہ ان کی دینی ترقی کے تابع یعنی اس پر موقوف ہے کہ یہ اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ میں اور ہر قدم پر احکام دین کے اتباع کا پورا پورا التزام رکھیں،

۲- لیکن یہ لازم نہیں کہ ہر فرد یا ہر جماعت دینی احکام کے ساتھ دنیوی یا قومی و سیاسی تدبیر و تجربات کی بھی ماہر و جامع ہو، بلکہ عام طور پر یہ جامعیت نہ ہوتی ہے، اور نہ مطلوب ہے، البتہ یہ واجب ہے کہ جو افراد یا جماعات احکام دین کی ماہر و محقق نہیں، وہ امور دنیا میں جو تدابیر اختیار کریں، اُن کا شرعی حکم پہلے علمائے دین سے معلوم کر لیں،

۳- اور عام حالات میں محققین دین اور مدبرین دنیا کی جماعتوں کا الگ الگ ہونا جائز، بلکہ اکثر

صورتوں میں اسلم و انسب ہے جیسا کہ وَلْتَكُن مِنكُمْ اُمَّةٌ يَدْعُونَ اِلَى الْخَيْرِ الخ، اور انتم اعلم باموردنیاکم وغیرہ نصوص سے ظاہر ہے،

۴- ہاں اگر کبھی ایسے حالات پیدا ہو جائیں، کہ امور دنیا کو انجام دینے والی جماعتیں "داعی الی الخیر" جماعت کے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی پروانہ کریں، اور تدابیر دنیا میں احکام دین معلوم کرکے جواز و عدم جواز پر کاربند نہ ہوں تو بطور فرض کفایہ واجب ہوگا، کہ احکام دین کے ساتھ ساتھ علماء کی ایک جماعت امور دنیا کی بھی ماہر و جامع ہو، جس میں صرف سیاسیات ہی کی تخصیص نہیں، بلکہ معاشیات وغیرہ حسب ضرورت و حسب موقع تمام معاملاتِ دنیا داخل ہیں،

۵- اب ہندوستان کے خاص موجودہ حالات کے لحاظ سے، اس وقت امور سیاسیہ کی دو بڑی جماعتیں موجود ہیں، کانگرس اور مسلم لیگ، لیکن کانگرس خالص مسلمانوں کی جماعت نہ ہے اور نہ ہو سکتی ہے، اور نہ اس سے خالص اسلامی احکام کے تحت خالص مسلمانوں کے سیاسی حقوق و منافع کی حفاظت و نگرانی کی توقع یا مطالبہ کیا جا سکتا ہے، اس لئے کانگرس مسلمانوں کے لئے امور سیاسیہ کے انصرام کی کوئی مستقل جماعت نہ ہے اور نہ ہو سکتی ہے،

۶- بلاشبہ کسی تیسری طاقت کے مقابلہ میں جو ہندوستان کے مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کی یکساں دشمن ہو، اس کے رفع شر کے لئے غیر مسلموں کی کسی جماعت کے ساتھ کوئی وقتی و عارضی عہد و پیمان یا اتحاد عمل کیا جا سکتا ہے، وہ بھی احکام شریعت کے شرائط و حدود کے اندر رہکر، اور عارضی ضرورت کی صرف عارضی مدت تک، ان شرائط میں ایک بڑی شرط یہ ہے، کہ اس غیر مسلم جماعت میں مسلمانوں کی حیثیت مغلوب و تابع کی نہ ہو، بلکہ غالب و متبوع کی،

۷- اور کانگرس میں مسلمانوں کی دوامی شرکت کی نہ موجودہ صورت ایسی ہے، نہ آیندہ اس کا کوئی عملی امکان ہے، اس لئے حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے نزدیک کانگرس کی تنظیم میں مدغم ہو کر داخل ہ

شریک ہونا تو مسلمانوں کے لئے قطعاً ناجائز اور دین و دنیا دونوں کے لئے سراسر زیان و ضرر ہے،

۸۔ لہذا کانگرس کے ساتھ کسی عارضی یا وقتی اتحاد عمل کے لئے بھی ضروری ہے، کہ مسلمانوں کی کوئی بالکل مستقل و جداگانہ سیاسی تنظیم ہو، جو کانگرس کی تنظیم کے ساتھ مساویانہ طاقت کی حیثیت سے کوئی معاہدہ مشترک دشمن کے مقابلہ یا مسلمانوں کے کسی اور مشترک مفاد کے لئے کر سکتی ہو،

۹۔ بصورتِ موجودہ ایسی جماعت ظاہر ہے، کہ صرف مسلم لیگ ہے، اس لئے اس کے نقائص کے باوجود کانگرس کے مقابلہ مین اس کی شرکت کو مسلمانوں کے حق مین حضرت مجدد تھانوی علیہ الرحمہ نے اہون و اسلم تجویز فرمایا ہے،

۱۰۔ مگر چونکہ مسلم لیگ اب تک اپنی تدابیر سیاسیہ مین اصولاً یا عملاً احکام دینیہ کی تابع نہین، اس لئے اس مین شرکت کی شرط حضرت نے یہ قرار دی ہے، کہ اہل قوت داخل اپنی قوت و اثر سے اس کی اصلاح مین برابر ساعی رہین، اور غیر اہلِ قوت برابر اہلِ قوت سے اس کا تقاضا و مطالبہ کرتے رہین، اور علماء خاص طور پر اکابر لیگ کو احکام دین کے اتباع کی دعوت و تبلیغ فرماتے رہین،

۱۱۔ پھر بھی اگر لیگ کی اصلاح مین کامیابی نہ ہو، یا مستقبل قریب مین متوقع نہ ہو، تو حضرت کی ہدایت و ارشاد کے مطابق اس کے سوا چارہ نہین، کہ خود علماء ہی کی کوئی ایسی جماعت ہو، جو محقق دین ہونے کے ساتھ ماہر سیاست بھی ہو، یا بنے اور بطور فرضِ کفایہ کے امور سیاسیہ مین بھی مسلمانوں کی رہنمائی کا فرض کم از کم اس وقت تک انجام دے، جب تک یا تو لیگ اپنے کو احکام دین کی تابع نہ بنالے، یا کوئی اور ایسی ہی خالص امور سیاسیہ کی ماہر مسلمانوں کی تنظیم نہ قائم ہو جائے، جو احکام دین کی تابع ہو،

۱۲۔ فی الحال علماء کی ایسی جماعت جمعیۃ العلماء ہی ہو سکتی ہے لیکن اس کو پہلے ہر طرح اس کی سعی کر لینی چاہیئے، کہ لیگ اتباع احکام کی شرط کو قبول کرلے، یا مستقبل قریب مین قبول کر لینے کی امید ہو جائے، جب اس سے مایوسی غالب ہو جائے تو پھر وہ اس فرضِ کفایہ کا بوجھ تمام و کمال اپنے ہی دوش پر لے

۱۳۔ حالات میں کسی ایسی ہی تبدیلی رونما ہونے کے احتمال سے حضرت علیہ الرحمہ نے خود شرکت لیگ کے فتوے میں یہ قید لگادی تھی کہ "یہ جواب مسلم لیگ کی موجودہ حالت پر ہے، اگر خدانخواستہ حالات بدل جائیں تو حکم بھی بدل جائے گا"

اور راقم ہذا کے نزدیک تو لیگ کی جارحانہ کارروائی یا عمل اقدام (ڈائرکٹ ایکشن) کی تجویز اور کلکتہ وبمبئی وغیرہ میں ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کا جو خون بہا ہے، اس میں کسی طرح بھی حضرت شرکت کی اجازت نہ فرماتے، کیونکہ یہ حضرت کی تحقیق کی رو سے خودکشی کے مرادف ہے،

۱۴۔ بہرنوع جمعیۃ العلما کے لئے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے مسلک کی رو سے پہلے تو ہر حال میں یہ ضروری ہوگا کہ وہ کانگرس کے ساتھ اپنے ادغامی واتباعی تعلق کو قطعاً منقطع فرمائے، بلکہ اب چونکہ کانگرس میں شرکت کا جو بڑا مقصد ہوسکتا تھا، (یعنی انگریزوں سے آزادی) وہ اب اس کی عدم شرکت سے بھی انشاءاللہ مؤخر نہیں ہوسکتا، اس لئے مسلمانوں کی دینی و دنیوی مصلحت کی بناپر کانگرس سے انقطاع کا اعلان بہر تقدیر اولیٰ و اسلم ہے[1]

اس کے بعد مسلم لیگ سے مایوسی کی صورت میں اس کو اپنے ساتھ اچھے نہ کچھ جدید یا سیاست کے زیادہ ماہر جدید انگریزی تعلیم یافتہ مسلمانوں کو ضرور شریک رکھنا چاہئے جو سیاسیات حاضرہ کے گہرے قومی و بین الاقوامی حالات و تجربات اور مسائل و نظریات سے پوری طرح امداد کرتے رہیں،

۱۵۔ لیکن عام حضرات علماء اور کار جمعیۃ العلماء کی خدمت میں سب سے اہم واقدم امر حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے اصول و مسلک کے تحت یہی عرض کرنے کا ہے، کہ سیاسیات میں ان کی خاص اپنی کوئی دینی تنظیم و جماعت خواہ کامیاب ہو یا نہ ہو، مگر وہ انفرادی و اجتماعی طور پر مسلمان عوام و خواص میں تبلیغ دین، اور ان کو پورا پورا

---

[1] کانگرس نے خود جمعیۃ العلماء یا قوم پرور مسلمانوں سے عارضی حکومت میں جتنی بے وفائی کی وہ خود جمعیۃ کے تازہ شکایتی رزولیوشن سے واضح ہے،

مسلمان بنانے کی سعی و فکر کے ساتھ اپنی عملی فرض منصبی سے کسی حال اور کسی آن غفلت نہ فرمائیں،

اگر حضرت کے ایماء کے مطابق دس سال تک ہر طرف سے یک سو ہو کر مسلمانوں کو مسلمان بنانے میں صرف کر دیئے جائیں، تو پھر انشاء اللہ علماء کو نہ کانگرس کا منہ دیکھنا پڑے گا، نہ لیگ کا، نہ ہندوؤں کا نہ انگریزوں کا،

آخر میں ایک مسئلہ کا حل رہ جاتا ہے، جو اہمیت کے اعتبار سے اولیت کا درجہ رکھتا ہے، لیگ کا راہ راست پر آنا یا لانا یا احکام شرع کے تابع کسی دوسری تنظیم کا قائم کرنا یا خود علماء و جمعیۃ العلماء کا فوری وقت کے تقاضے سے بطور فرض کفایہ سیاسی مسائل و معاملات میں مہارت حاصل کرکے مسلمانوں کی رہنمائی کرنا، یہ سب ایسی چیزیں ہیں، جو انفرادی حیثیت سے افراد کی استطاعت و اختیار سے باہر ہیں، مثلاً ناقم احقر زیادہ سے زیادہ اس قسم کے معروضات تحریراً یا تقریراً پیش کر دے سکتا، یا اپنی بساط بھر کچھ دوڑ دھوپ کر لے سکتا ہے لیکن حسب مقصد و مطابق شریعت علماء یا غیر علماء کی کسی کارگر تنظیم و جماعت کا قائم ہو جانا اس کے قبضۂ قدرت میں بہر حال نہیں،

تو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ حضرت جامع المجددین علیہ الرحمہ کی جامع تجدید نے اس بنیادی سوال کو تشنہ بالکل نہیں چھوڑا، اور صفحات بالا میں خوب اور مکرر سکرر اپنے مواقع پر واضح کر دیا گیا ہے، کہ دینی سیاست یا حکومت و سلطنت کی اہمیت دین و شریعت میں کما حقہ مسلم ہونے کے باوجود ایسی ہرگز نہیں، کہ اس کے بغیر افراد کے لئے اپنی اختیاری سعی و طاقت سے کمال دین کا کوئی بلند سے بلند مقام حاصل کرنا ناممکن یا خارج از استطاعت و وسعت ہو،

دینی و اسلامی حکومت یا خلافت تو الگ رہی اگر خدانخواستہ کسی وقت ساری خدائی خدا کی منکر و کافر ہو جائے، اور صرف ایک مومن رہ جائے، تو وہ بھی صالحین شہداء و صدیقین کے اونچے سے اونچے درجۂ قرب و قبول تک رسائی پا سکتا ہے، بلکہ انبیاء علیہم السلام کے کمالات تک میں اس سے ذرہ برابر

کوئی نقص و خلل نہیں واقع ہو سکتا، کہ آغازِ نبوت سے انجام تک ساری دنیا اُن کی منکر و کافر ہی رہے، حق تعالیٰ کی طرف سے کسی کو بھی کسی قسم کی تکلیف مالا یطاق بالکل نہیں، اور قرب و قبول کا مدار تمام تر اس پر ہے، کہ آدمی موافق و ناموافق جیسے حالات میں بھی ہو، اپنی استطاعت و اختیار بھر حق تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کے احکام کی بجا آوری میں کوتاہی و کم ہمتی کو راہ نہ دے، اس کے بعد اگر اس کو کسی نے زنجیروں میں اس طرح جکڑ دیا ہے، کہ وضو یا تیمم کرنا کیا معنی جسم و جوارح کو جنبش تک نہیں دے سکتا ہو تو اس آنکھ کی آنکھوں کے اشاروں کی نماز کے کمال و قبول میں رتی برابر کمی نہیں واقع ہو سکتی،[1]

اختیاری و غیر اختیاری کا یہ مسئلہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی ساری تجدیدات و تعلیمات کا ایک تہا سنگِ اساس ہے، جس سے شریعت و طریقت کے بے شمار لاینحل عقدے حل فرمائے گئے ہیں،

یہی نہیں کہ حکومت و سیاست پر قرب و قبول کا قطعاً انحصار نہیں، بلکہ اگر حکومت و سلطنت کو خدا کی ناراضی کی راہوں سے حاصل یا ناراضی کی راہوں میں استعمال کیا جائے، تو خدا کی ایسی ناراضی کے ساتھ ہفت اقلیم کا تاجدار یا فرعون ہو کر مرنے کے بجائے مومن کے لئے اپنے اختیار بھر رضا جوئی کے ساتھ پاخانہ اٹھا کر مر جانا کہیں بہتر اور عین مطلوب ہو گا،

بلکہ عہدِ نبوت سے جتنا بُعد ہوتا جا رہا ہے، دورِ دجل و فتن و شر و ر کی روایات پر نظر ایمان رکھنے والوں کو کھلی آنکھوں نظر آ رہا ہے، کہ موجودہ دور اور اس کی قومیات و سیاسیات بالخصوص اس درجہ دجالیت اور فتنوں سے بھر گئی ہیں، کہ بہت ہی شاذ و نادر بہت ہی غیر معمولی ایمانی قوت و عزیمت رکھنے والے افراد ان میں پڑ کر اپنے ایمان و عمل صالح کو خیریت و سلامتی کے ساتھ ساحلِ حیات تک پہنچا سکتے ہوں، باقی عام مسلمانوں کو اگر آخرت کچھ عزیز ہے، تو اُن کے لئے تو بس ع

"اگر خواہی سلامت بر کنار است"

---

[1] یہ سارا پیراگراف حضرتؒ کے مسلک کا بہترین ترجمان ہے (عبد الماجد)

یعنی تا بمقدور وہی اصحاب کہف کی نوعیت کی کہفی زندگی، جیسا کہ مختلف روایات میں مختلف طرح
سورۂ کہف کی تلاوت کو فتنۂ دجال اور دجالیت سے حفاظت کا ذریعہ فرمایا گیا ہے، باقی حدیثوں میں
وہ فتن و شرور کے جو آثار و علائم بیان فرمائے گئے ہیں، اور جن کی کثرت و شدت آج کسی ایمانی نگاہ سے مخفی
نہیں، ان سے حفاظت کے لئے صحاح وغیرہ کی روایات میں گوناگوں عنوانات سے یہی ہدایات ملتی ہیں کہ
ایسے زمانے میں عمومی یا قومی و سیاسی معاملات سے دور رہ کر بس اپنے دین و ایمان کی خیر مناتے رہو، مثلاً

"جب دیکھو کہ لوگوں میں عہد شکنی و خیانت اور آپس میں آویزش و عداوت پھیل گئی ہے
تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بس گھر میں پڑے رہو، زبان بند رکھو، اور امر عامہ
(پبلک یا قومی کاموں) سے دور رہ کر خاص اپنی ذات یا اپنے دین کی حفاظت میں لگے رہو"

"اسی طرح ہے کہ جب دیکھو کہ لوگ اپنے نفس و ہوا کی پیروی میں پڑ گئے ہیں، اور دنیا
کو دین پر ترجیح دینے میں لگے ہیں، اور کتاب و سنت کو چھوڑ کر ہر شخص صاحب رائے بن بیٹھا
ہے، تو عوام کے معاملات سے الگ ہو کر اپنی خبر رکھو، کیونکہ ایسا زمانہ آنے والا ہے جس
میں صبر کے سوا چارہ نہ ہوگا، اور صبر کرنا بھی انگارے کو ہاتھ میں پکڑنا ہوگا،

یہاں تک یہ حال ہوگا کہ آدمی صبح مسلمان ہوگا، اور شام کو کافر، شام کو مسلمان ہوگا، اور
صبح کو کافر، ایسے زمانہ میں سونے والا مسلمان جاگنے والے سے بہتر ہوگا، اور بیٹھا رہنے والا
کھڑے رہنے والے سے اور کھڑا رہنے والا چلنے والے سے اور چلنے والا دوڑنے والے سے، ایسے
وقت میں اپنی کمانوں اور تلواروں کو ناکارہ کر ڈالنا، اور اگر کوئی تم پر حملہ کرے تو چاہئے
کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں سے بہتر کی راہ اختیار کرو جس نے اپنے قاتل
بھائی سے کہا تھا، کہ اگر تم مجھکو قتل کرنے کے لئے ہاتھ بڑھاؤ گے، تو میں تم کو قتل کرنے کے لئے
ہرگز ہاتھ نہ بڑھاؤں گا"

"حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اپنے ساتھیوں سے فرمایا کرتے تھے، کہ ایسا زمانہ آنے والا ہو کہ نمازیں مردہ ہو جائیں گی، مکانات بڑے بڑے عالیشان بنائے جائیں گے، قسم اور لعنت کا زور ہوگا، زنا اور رشوت کی گرم بازاری ہوگی، آخرت دنیا کے بدلے فروخت کی جائے گی، جب یہ حالات دیکھنا تو نجات کی راہ یہ ہوگی، کہ گھر مین فرش یا بورئیے کی طرح چپٹ کر پڑ جانا، زبان اور ہاتھ نہ ہلانا،

ان فتنون کے زمانے مین جو شخص یکسو ہو کر اللہ تعالیٰ کی بندگی مین لگا رہ سکے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ گویا ہجرت کرکے میرے پاس چلا آیا، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث کے ذیل مین فرمایا ہے، کہ اصحاب کہف بیک ہجرت کہ در وقت استیلاے فتنہ از ایشان بوجود آمدہ بود بدرجہ علیا رسیدند"

ایک اور بڑے ایمان و عبرت کی حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانون پر نرغہ کے لئے دشمن کس طرح دعوت دین گے، جیسے کاسہ طعام کے گرد لوگوں کو پکار پکار کر جمع کیا جاتا ہو، کسی نے عرض کیا، یا رسول اللہ کیا اس نرغہ کا باعث ہماری قلت تعداد ہوگی، فرمایا نہین، تعداد تو بہت ہوگی، مگر خس و خاشاک کی سی حالت ہوگی، کہ تمھارے اندر نہ قوت و شجاعت ہوگی، اور نہ دشمنون کے دل مین تمھاری ہیبت و عظمت ہوگی، عرض کیا گیا کہ ہماری اس کمزوری کی وجہ کیا ہوگی، فرمایا دنیا کی محبت اور موت کی کراہیت[۱]،

دشمنون کے قلب سے مسلمانون کا وزن جس طرح نکلتا جا رہا ہے، اس کا خود سیاسیات ہی مین تازہ اندازہ اس سبق آموز سلوک سے ہو سکتا ہے، جو کانگرس کے مقابلہ مین دفعۃً نارت اور وائسرائے نے مسلم لیگ سے نہین، درحقیقت سارے مسلمانون کے ساتھ کیا، اندیہ کا سۂ طعام کی طرف دعوت کیا

---

[۱] یہ اقتباسات اقتضاءُ الساعۃ مؤلفہ نواب صدیق حسن خان مرحوم سے ماخوذ ہین، فصل ۱،

اُسی روسی **دعوت الی البطن** کا کوئی اشارہ ہے، (؟) جس کی جانب اس وقت کے سب سے بڑے سیاسی منڈل (کانگرس) کے سب سے بڑے دیوتا (جواہر لال) نے عارضی حکومت (انٹیرم گورنمنٹ) کی زمام ہاتھ میں لیتے ہی پکارا کہ ہمارا **انتہائی مقصد** چالیس کروڑ انسانوں کو کھانا کپڑا وغیرہ (یعنی وہی کہ سنہ طعام کی دنیوی ضروریات) فراہم کرنا ہے، (پانیر ۲۴ ستمبر ۴۶ء)

بھلا جس سیاست کا **انتہائی مقصد** بہ ملاذ "زیستن برائے خوردن" ہو، اور جو اس زیستن و خوردن کی حیوانی زندگی سے آگے کسی انسانی مستقبل سے بالکل اندھی بہری ہو، تو وہ مسلمان ایسی کور و کر رہنمائی کا دامن مستقلاً کیسے تھام سکتا ہے، جس کا انتہائی مقصد اس دنیوی زیستن و خوردن کے بعد ہی شروع ہوتا اور جس نظام سیاست میں اس مابعد کی زندگی کا سرے سے کوئی تصور داخل نہ ہو، اس میں آخر کوئی مسلمان کیسے داخل رہ سکتا ہے، اور مسلمان مسلمان رہ کر ایسے نظام سیاست (کانگرس) کا زیادہ سے زیادہ صرف اس دشمن دین کے اخراج تک ساتھ دے سکتا ہے، جس نے "زیستن برائے خوردن" کا سبق رٹایا ہے،

خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا، کہنا یہ ہے کہ مذکورۂ بالا روایات و نصوص کی رو سے شرور و فتن کے عموم و شیوع کے زمانے میں نجات و سلامتی کی راہ یہی ہے، کہ جہاں تک بن پڑے قومیات و سیاسیات وغیرہ متعدی و عمومی خدمات سے دامن کش رہے[۱] یا اپنے دین و ایمان کی خیریت و حفاظت کے ساتھ دین کی اگر کچھ متعدی خدمات کی بھی اہلیت و ہمت ہو، تو اس کی اسلم صورت یہی ہے، کہ رائج الوقت طریقوں سے دور رہ کر جو کچھ اور جہاں تک اپنی ذات سے تحریراً و تقریراً یا عملاً تبلیغ و اصلاح وغیرہ کی کوئی خدمت ہو سکے، اس کو انجام دے، مگر اس میں بھی قدم پھونک پھونک کر رکھے، ورنہ کسی گوشۂ عافیت ہی میں گم رہے"

---

[۱] اس بارہ میں صحابۂ کرام تک کے مذاق مختلف رہے ہیں، چند نے بیشک خلوت گزینی ہی کو ترجیح دی ہے لیکن اکثر نے نصوص قطعیہ و احکام محکمات کے ماتحت اپنی اپنی بصیرت کے موافق جہاد و عمل اصلاح ہی کی راہیں اختیار فرمائیں اور خلافت عثمانی اور خلافت مرتضوی کے زمانہ کے شرور و فتن کچھ آج کل کے شرور و فتن سے کم نہ تھے (عبد الماجد)

بہت سے محدثین و محققین نے تجدید دین کی اس مشہور حدیث کو ابواب فتن ہی کے ذیل میں درج فرمایا ہو کہ ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ من یجدد لھا دینھا، اس لئے کہ دین کی تجدید یا پائی کی ضرورت ایسے دینی فتنوں کے زمانے سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے، اور زمانۂ نبوت سے جتنا بعد ہوتا جاتا ہے، اتنے ہی یہ فتنے ہمہ گیر ہوتے جاتے ہیں، اور اب تو شاید ہی دین کا کوئی گوشہ ان کی گرفت سے باہر رہ گیا ہو، اس لئے حضرت جامع المجددین علیہ الرحمہ کی بعثت مبارکہ سے نہ صرف پوری جامعیت کے ساتھ دین کے تمام علمی و عملی اجزار کی تجدید فرمائی گئی، بلکہ شرور و فتن کی ایسی ہمہ گیر و بے پناہ بارش کے دوران میں خود اپنے دین کی پناہ کے لئے عزلت و خلوت کے ساتھ ساتھ تجدید دین کی جامع و کامل متعدی خدمات کا جو نمونہ حضرت مجدد وقت نے اپنی زندگی میں چھوڑا ہے، وہ بجائے خود شرور و فتن کی روایات بالا کی روشنی میں ہر طبقہ کے خادمان دین کے لئے بڑا جامع و کامل اسوہ ہے،

درکفِ جامِ شریعت درکفِ سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

اور جن حضرات نے حضرت علیہ الرحمہ کی تعلیم و تربیت سے استفادہ کی کچھ معتد بہ سعادت حاصل کی ہے، یا حضرت کی کتابوں کا گہرا مطالعہ فرمایا ہے، وہ جانتے ہیں کہ حضرت کا خاص رنگ و مذاق خلوت و خدمت کی جامعیت ہی کا تھا، الحمد للہ کہ اس زندگی کے پہچاننے والے حضرت کے اکابر مجازین یا خلفاء کا بھی یہی مذاق رہ کر اپنے اپنے گوشوں میں متکلف افراد امت کے دین کو تازہ و ترندہ فرماتے رہے ہیں، خود حضرت علیہ الرحمہ تو آخر حیات میں ۲۰ سال سے زائد خانقاہ امدادیہ آستانۂ اشرفیہ میں اس طرح متکلف رہے کہ سفر تک بالکلیہ ترک فرما دیا تھا، بلکہ اس کی دعا فرمائی تھی کہ کوئی ایسا عذر لاحق ہو جائے جو زیادہ تکلف بھی نہ ہو، اور سفر سے معذوری ہو جائے؛ چنانچہ انت اُتمنے کا ایسا ہی عذر اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما دیا کہ کھانسی وغیرہ کی معمولی حرکت سے بھی اکثر اتر آتی تھی، اور پھر پردے میں لیٹ کر کپڑا ہٹا کر آنت چڑھانا اور کمانی لگانا

پڑتی تھی، اس عذر کا اعلان فرما کر پھر دو بار ہ متعلقات کے سلسلہ کے علاوہ کوئی سفر نہیں فرمایا، بلکہ کسی دوسرے محلہ تک بھی تشریف نہیں لے گئے۔ (اشرف السوانح ص ۷۰ حصہ اول)

جا بجا خلوت پسندی کے اس مذاق کی ترجیح کا ایما بھی فرمایا ہے، شرور و فتن ہی کی روایات کے پیش نظر کسی صاحب علم نے جن کی نظر ان روایات پر تھی، اپنا حال عرض کیا کہ

"خاص بات یہ ہے جو روز بروز مرکوز خاطر ہوتی چلی جاتی ہے کہ آج کل کسی مناقشہ میں خواہ دینی ہو یا دنیوی خواہ اپنی ذات سے متعلق ہو یا دوسروں سے متعلق دخل دینے کو جی نہیں چاہتا، ہر وقت علیک بخاصۃ نفسک کا ایک نشہ سا رہتا ہے، کیونکہ دیکھتا ہوں کہ: شحّ مطاع اور ھویٰ متبع اور اعجاب کل ذی رای برائہ اور دنیا موثرہ کی گھٹا چاروں طرف محیط ہو رہی ہے، اس وقت یہی جی چاہتا ہے، کہ کسی طرح اپنا ایمان سلامت لے جاؤں کہیں غنم یتبع بہا شعف الجبال میسر آ جائے، یا ایمان کے ساتھ بطن الارض میں جگہ مل جائے۔ بار بار لیتنی شجرۃ تعضد کا خیال آتا ہے، اور یوں تمنا ہوتی ہے، کہ کوئی مجھ کو نہ جانے، اور نہ میں کسی کو جانوں، اور اسی طرح جان جان آفریں کو سپرد کر دوں مگر کیا کروں ہم نابکاروں کو جھگڑوں سے پوری رہائی نہیں ملتی۔"

اس کے جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا کہ "رہائی کی محبت بھی بحکم رہائی ہے، اور یہ مذاق خاص اس ناکارہ کا بھی ہے[1] گو اب تک کم ہمتی سے یہ نہیں ہوا، مگر اب کچھ اس کے اسباب نظر آتے ہیں، خدا کرے اس میں کوئی خاطر نہ ہو[2]" اسی طرح ایک جگہ مسائل مثنوی (تکشف ص ۳۰۶) میں خلوت وجلوت کی تحقیق میں ارشاد ہے کہ

---

[1] مولانا کا مذاق خاص اپنی ذات کے لئے جو کچھ بھی ہو، بہرحال وہ مسلم لیگ میں شرکت اپنے متوسلین و متعلقین کے لئے پسند فرماتے تھے، اور لیگ کی بر کامیابی سے خوش ہوتے تھے۔ (عبد الماجد) [2] تربیت السالک حصہ (۲۲)

"قول فیصل باب خلوت مین یہ ہے کہ جس شخص کو کوئی ضروری حاجت دینی یا دنیوی نہ دوسرون سے ہو، نہ دوسرون کی کوئی ایسی ہی حاجت اس شخص سے متعلق ہو، اس کے لئے خلوت جائز بلکہ افضل ہے خصوصًا ایام فتن و شرور مین"،

غرض خلوت تامہ اگر میسر نہ ہو تا ایسے ایام شرور و فتن مین دوسرا درجہ بھی ہو سکتا ہے کہ جہانتک ہو سکے تعلقات مین تقلیل سے کام لیا جائے، تاکہ ان شرور و فتن سے بقدر استطاعت دین کی حفاظت ہو سکے، بعض مقامات پر انہی روایات فتن کے ضمن مین خلوت گزینی کی حضرت نے اور بھی زیادہ تصریح و تاکید فرمائی ہے، افسوس غلبۂ نسیان کی وجہ سے یاد نہین آرہے ہین،

باقی تجدیدی و اصلاحی گوناگون فرائض و خدمات کے ساتھ ساتھ عزلت اور تقلیل تعلقات کے ضدین کو جمع فرماکر خود اپنی زندگی مین حضرت جامع المجددین نے جس طرح دکھلا دیا، وہ بجائے خود تجدیدی جامعیت کی مستقل کرامت ہے،

لیس علی اللّٰہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

سیرۃ عائشہ

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالات زندگی اور اُن کے مناقب و فضائل و اخلاق اور اُن کے علمی کارنامے، اور اُن کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر اُن کے احسانات، اسلام کے متعلق اُن کی نکتہ سنجیان، اور معترضین کے جوابات، آخر مین علامہ سیوطی کی عین الاصابہ فیما استدرکتہ السیدۃ عائشۃ علی الصحابہ بھی ہے، قیمت :- سے۸ر

ضخامت :- ۳۲۹ صفحے، طبع سوم باضافۂ حواشی،

"منیجر"

ہندوستان مین علم حدیث

(بسلسلۂ امام شوکانیؒ)

از:

مولوی ابو یحییٰ امام خان صاحب نوشہروی

عرصہ ہوا معارف مین بہ سلسلۂ المذہب بعنوان "ہندوستان مین علم حدیث"، حضرت جامع العلوم مولانا سید سلیمان صاحب ندوی زید مجدہ نے بامید اجازت ثبت فرمایا تھا، ہندوستان بھر کے اصحاب نظر نے اس پر جو کچھ لکھا وہ تمام ملا کر بھی اس فرد یگانہ کے برابر نہ اتر سکا، اور ابھی تک معارف کے لبون پر کسی حریف نے مرد افگن عشق کے لئے یہ صدا مکرر باقی ہے،

اب وہ زمانہ ہے کہ ہندوستان مین لکھنے والون کی کمی نہین، مگر تحقیق علوم کے بجائے تبلیغ مسلک اور مسائل جزئیہ پار ار مان نکلتے ہین، افسوس کہ اس ترک حنیفیت کی وجہ سے اصل علم بھی دامان خیال یار کی طرح چھوٹا جا رہا ہے، وان الرزیۃ کل الرزیۃ،

اور جن حلقون مین ایسی جنبہ داری کے بغیر یہ ذوق نظر آتا ہے ان مین نہ تو تحقیق خالص ہے، نہ فکر صحیح، بلکہ اپنے مستشرق شیوخ کی پیروی تک انکی انتہا ہے، ایسے ارباب نظر کا ماخذ جہات کتب نہین، بلکہ بحر مات ہین، جن پر یون وادِ سخن لٹتی ہے، کہ گویا اکتشاف فرمایا جا رہا ہے، اور حال یہ ہے، کہ قدم قدم پر ٹھوکر یں ہین،

ملہ جلد ۲۲ (بابت ماہ اکتوبر و نومبر و دسمبر ۱۹۲۸ء)

یون مری فردِ عمل وقفِ مئے و مے خانہ ہو
کوئی سجدہ ہے تو وہ بھی لغزشِ مستانہ ہو

ایک طبقہ ان معصومین قانتین کا ہے، جو علوم سے آگاہ ہیں، اور مسائل مہمہ پر لکھنا چاہتے ہیں مگر زبان قلم بنثر لاولا یکادیبین ہے، اُس زبان مین کم مائگی کی وجہ سے جس مین اپنا ما فی الضمیر ادا کرنا ہے ورنہ "ہندوستان مین علم حدیث" پر خامہ فرسائی کے لئے یہی بوریا نشین تھے، ثمّ اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا فمنہم ظالم لنفسہ ومنہم مقتصد ومنہم سابق بالخیرات باذن اللّٰہ ذلک ہو الفضل الکبیر،

کل کا واقعہ ہے کہ دولتِ خداداد بھوپال مین تدریسًا وتصنیفًا بزم تحدیث گونج رہی ہے انہی بوریا نشینون مین سے ایک درویش صفت مرد مومن (امیر الملک نواب والاجاہ سید صدیق حسن خانؒ) کی وجہ سے یہ رنگا رنگ بزم آرائیان اُسی کے جذب توجہ کا کرشمہ ہین، آیئے ذرا دیر مل بیٹھین، اور

حکایتِ قد آن یار دلنواز کنیم
باین فسانہ مگر عمر خود دراز کنیم

اللہ رے اثر توجہ! ملک بھر کے فضلار جمع ہین، مگر سب امیر الملک کے ہم مسلک ہی نہین ہین، بلکہ ممتاز اماثل مولانا علی عباس چریا کوٹی احناف کے سرخیل ہین، فضلاء کے گویا مُوکے زمرۂ شعرائے فارسی کی حرف وحکایت ہے، روزِ روشن کا پردہ صبا گویا موسیٰ کے ہاتھون اٹھتا ہے،[1] یہ اس معنون تذکرۃ المصنفین صدیقی کی ۵ وین کتاب ہے، اس مین ۲۴۱۱ شعراء کا تذکرہ ہے، شمع انجمن، صبح گلشن نگارستان سخن، اور اختر تابان، اول الذکر کے ساتھ ملا کر خمسۂ صدیقی کہہ لیجئے، آخر الذکر صرف شاعرات پر ہے،

---

[1] مظفر حسین صبا (مؤلف روز روشن) [2] روز روشن ص ۹۹۲،

شعراء میں یوسف ہیں[1] شیخ احمد شیروانی کے صاحبزادہ رفعت[2] ہیں، ہمسوانی اہلِ سخن میں سے اعجاز[3] جمیل[4] و نکہت[5] ہیں، ذوق[6] کاکوروی ہیں، زہری[7] ہیں، شہیر[8] ہیں، اعظم[9] ہیں، ان کا وطن خیرآباد ہے اور مولانا عبدالحق خیرآبادی کے شاگرد ہیں، نوش[10] (گنج منوہر لال) ہیں،

بزمِ مشاعرہ ہر مہینہ منعقد ہوتی ہے، ایک مشاعرہ کی طرح

ع دور و باز نشستیم کہ نتوان برخاست

تھی صبحِ گلشن میں اس کا نظارہ دیکھئے،

"شب موعود بر وقت معہود کمرِ خدمت بر میان جان بستند و بحضور محفل صفا منزل سرمایۂ سعادت اندوختند و بر زانوئے ادب نشستند و چشم بر تحریک شفاہ برکت اکتناہ دوختند طبع دراک او فہم مدارا واشتیاق منتظرآن رسید و باین غزل کرامت نشان جنید

جذبۂ شوق گر از جانبِ کنعان برخاست　　　بوئے پیراہن یوسف ز گریبان برخاست

یہ وہی بوریا نشین میرِ مشاعرہ ہیں، مقطع میں فرماتے ہیں:-

اے خوشا حال کہ نواب من از شہرتِ شعر　　　ہمہ در ہند نشست و ز صفاہان برخاست

دوسرے شاعر کی گوہر افشانی سنئے،

دگر آن سلسلۂ موئے پریشان برخاست　　　دوستان مژدہ کہ تقوی شد و ایمان برخاست

---

[1] مولوی محمد یوسف علی گوپامئوی والد گرامی صبا ممدوح [2] نام محمد عباس صبحِ گلشن ص ۵۵۳،
[3] محمد عبدالعزیز، صبح گلشن ص ۲۲۲، [4] سید جمیل احمد، صبح گلشن ص ۲۲۲، [5] نکہت شاکر حسین
[6] مولوی محی الدین خان ذوق کاکوروی صبح گلشن ص ۲۲۴ [7] منشی محمد جعفر زہری، صبح گلشن ص ۵۵۳
[8] خان محمد خان صاحب شہیر، صبح گلشن ص ۵۵۰ [9] مولوی محمد اعظم حسین اعظم فرزند مولوی لطف حسین خیرآبادی، صبح گلشن ص ۵۵۳ [10] صبح گلشن، ص ۵۲۹،

یہ نواب زادہ ہیں (فرزند مبین) سید نور الحسن خان کلیم، مقطع سُنیئے،

ما چہ گوئیم کہ چون رفت ز کوے تو کلیم — قصہ کوتاہ بصد حسرت و ارمان برخاست

تیسرے شاعر کے سامنے شمع آتی ہے،

فتنہ شد شور دل از ان چہرۂ تابان برخاست — پردہ شد شرم و ز رخسارۂ جانان برخاست

یہ افتخار الشعراء حافظ خان محمد خان شہیر ہیں، مقطع ملاحظہ ہو،

نغمہ از غزل و زمزمۂ مدح شہیر — ہمہ از محفل صدیق حسن خان برخاست

چوتھے شاعر مولوی محمد احسن ہیں، دو غزلیں پڑھیں، ایک کا مطلع ہے،

عرق آلودہ چون آن آفتِ دوران برخاست — فتنہ از ہر طرفش مردم جنبان برخاست

اور مقطع ہے، !

لب ہر زخم نمش گفت دعا ہا احسن — چارہ سازم چو بسامانِ نمکدان برخاست

۵- مولوی محمد یوسف گوپاموی کا ایک شعر یہ ہے،

۵- نیست این زلفِ پریشان برخ پرفروغ — دود از مشعل خورشید درخشان برخاست

۶- رفعت کا سر نیاز جھکتا ہے:-

ترک خونخوار بکف تیغِ سرافشان برخاست — خوب شد بار سر از دوش عزیزان برخاست

زھری مقطع میں کہتا ہے:-

روح عرفی بپذیرفتنش آمد در پیش — زھری چون سوے شیراز غزلخوان برخاست

اعظم کا ایک شعر سنئے،

اعتبار عجب آورد سپہر نیلی

ہست دودے کہ ز آہِ دلِ سوزان برخاست

ایک رنگین نوا کا ترانہ ہے:

تازہ خوش من شیفتہ جانان برخاست ۔۔۔ دل ز پہلو بدر افتاد زتن جان برخاست

یہ گنج منوہر لال نوش تھے، ان کا ایک اور شعر ہے:

ماتمت بادِ خرد از نقش محبت بنشست ۔۔۔ فرصتت باد جنون از بہاران برخاست

ایک سخن گو فرماتے ہیں:۔

تو د آن غمزے کہ در فکر متاع دین است ۔۔۔ من و آن دل کہ چو گبر از سرایمان برخاست

یہ ارشاد احمد نحوی پھلتی تھے۔

شاعر محسن[1] ہیں:۔

بین کہ از کوے تو عاشق بچہ عنوان برخاست ۔۔۔ خلق نالان بدم خنجر بران برخاست

محسن کے مقطع کی تزئین ملاحظہ ہو:

محسن این ابر گہربار کہ بینی گر ویست ۔۔۔ کز در دولتِ صدیق حسن خان برخاست

یہ مام پور کے ایک نوجوان ہیں، عبدالجبار خان نام اور جامی تخلص، انھوں نے ۱۲۰ عدد پورے کر دیئے۔

لذت ذبح چو ن دریافت رگِ گردنِ ما ۔۔۔ قاتل ما ز سر نعش پشیمان برخاست

فلاکت زدہ ہیں یہ شعر اسی تاثر کا نتیجہ ہے:

صبح امید وطن بے رخ جانان شام است ۔۔۔ عاقبت حضرت یعقوب ز کنعان برخاست

میر مشاعرہ کی نگہ التفات کے منتظر ہیں، شعر عرض ہوا:

حبذا جذبۂ آن شوق کہ جامی ز وطن ۔۔۔ جانب حضرت صدیق حسن خان برخاست

---

[1] منشی افتخار احمد محسن، صبح گلشن ص ۵۵۵۔

صبا کی محشر خرامی دیکھئے،

الحذر اے فلک از من کہ ترا خواہد سوخت آہ جان سوز گر از دل شرر افشان برخاست

مظفر حسین گوپاموی (مؤلف روز روشن) بھی صبا ہین، ان کا ۱۳ وان مقام ہے،

بزم اٹھنے کو ہے اعظم (سید محمد اعظم حسین بن سید محمد زکی) نے اس پر ہی تو فرمایا،

چرخ از جور بیارام اکہ جانان برخاست فتنہ در گوشہ نشین اکافت دوران برخاست

شب سراسیمہ نشینم بخیال زلفش چون سحر خیز کہ از خواب پریشان برخاست[1]

اس مشاعرہ مین ۱۴ حضرات نے اپنا اپنا کلام سُنایا، اللہ رے جامعیت صدیق حسن،!

ہر کہ بنشست بہ پہلوے تو شادان بنشست

چون سحر خیز کہ از خواب پریشان برخاست[2]

مجلس علماء کا منظر علماے اہلحدیث مین جس کی قسمت نے یاوری کی، وہ نورتن صدیقی مین شامل ہوا، یمنی برادران مین سے شیخ حسن محدث (م ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۵ء) اور شیخ زین العابدین تھے اول الذکر امیر الملک کے استاد بھی ہین، اور دوسرے صاحب قاضی مملکت (بھوپال) ان کی رحلت کے بعد یہ عہدہ شیخ محمد علی مچھلی شہری (م ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۱ء) کو تفویض ہوا، یہ ایک واسطہ سے امام شوکانی کے شاگرد ہین، ان مین شیخ عبدالحق بنارسی (م ۱۲۳۸ھ / ۱۸۵۱ء) ہندوستان کے علماے شہیر سے ہین، علوم حدیث پر ۲۵ کتابین لکھین، ان مین النعمۃ السابقۃ فی تخریج حجۃ اللہ البالغہ ہے[3]، یہ سب قلمی ہین، ابھی تک ایک بھی نہین چھپی، شیخ کے ورثا، کے پاس ہین، مولانا شمس الحق صاحب عون المعبود (م ۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء) نے بہت کوشش کی، مطبع انصاری (دہلی) عروج پر تھا، مگر ان کے اخلاف نے قاضی صاحب کے مبیضات مین سے ایک کتاب بھی نہ دی،

---

[1] مستفاد از (تذکرہ) صبح گلشن ص ۵۰۹، تا ۵۵۲ [2] تذکرہ صبح گلشن ص ۵۰۵ از غزل نواب صاحب
[3] تراجم علمائے حدیث ہند ج ۱ ص ۳۷۹،

قاضی محمد یحییٰ شہری کا تقرر | والیہ بھوپال حضرت علیا جناب نواب شاہ جہان بیگم صاحبہ ریاست کے تمام امور اپنے لائق اور مفخر زمان شوہر نواب والاجاہ علیہ الرحمہ کے مشورہ سے سرانجام دیتی تھیں، قاضی القضاۃ مولانا زین العابدین انتقال فرما چکے تھے، حضرت نواب صاحب متلاشی تھے، کہ اسی تردد میں آپ نے حضرت عبداللہ[1] صاحب غزنوی کو خواب میں دیکھا، وہ ایک شخص کی طرف اشارہ کر کے فرما رہے ہیں کہ ان کو مقرر کر دو، ان کا نام محمد ہے، بیدار ہوئے، تو حلیہ اور نام دونوں ذہن میں محفوظ رہ گئے، اتفاق سے قاضی صاحب بھوپال پہنچے، نواب صاحب سے ملنے گئے، تو انھوں نے دیکھتے ہی فرمایا، بس یہی صورت تھی، نام پوچھا تو وہی پایا جس کی بشارت خواب میں ہوئی تھی، عہدۂ قضاۃ پیش کیا، یہ ۱۵ رجمادی الاخریٰ ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء کا واقعہ ہے،

حضرت والاجاہ ان کی بہت قدر افزائی فرماتے تھے، ایک مرتبہ نواب صاحب سے عرض کیا کہ آپ نے علم حدیث کی بہت خدمت کی، مگر عربی زبان میں بلوغ المرام کی شرح محدثین کے طرز پر نہ لکھی، چند روز بعد والاجاہ نے فتح العلام شرح بلوغ المرام لکھ کر چوبدار کے ہاتھوں قاضی صاحب کے پاس بھیج دی، بستہ کھول کر دیکھا تو دل کی پژمردہ کلی کھل گئی،

۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۵ء میں جب حضرت والاجاہ نوابی سے معزول کر دیئے گئے، اور قوائے سلطنت میں اضمحلال آنا شروع ہوا، تو یہ نزاکت دیکھ کر قاضی صاحب نے استعفا پیش کر دیا، اس موقع پر حضرت علیا نواب شاہ جہان بیگم صاحبہ[2] نے ایک لاکھ روپیہ قاضی صاحب کی خدمت میں بطور رخصتانہ پیش کیا،[3]

مولانا سلامت اللہ جیراجپوری | مولانا سلامت اللہ جیراجپوری (م ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء) اکابر اہل الحدیث سے ہیں،

---

[1] مشہور عامل بالحدیث من غیر تقلید مہاجر از غزنی و مقیم امرتسر (م ۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۱ء) (مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی کے جد بزرگوار) سلسلۂ ہندوستان میں علم حدیث پر آپ کا ذکر بھی کیا جا سکتا ہے، فصل من مذکور۔

[2] م ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء

[3] تراجم علمائے حدیث ہند ج ۱ ص ۳۰۷ تا ۳۰۹،

سے ہی کتب درسیہ کا زیادہ حصہ مفتی صاحب فرنگی محلی سے پڑھا، پھر دہلی جاکر حضرت میاں صاحب سے حدیث کی تکمیل کی، اس کے بعد نہایت انہماک کے ساتھ توحید کی اشاعت اور تبلیغ کرنے لگے،........

ایک زمانہ تک بنارس میں قیام رہا، اور وہاں علوم حدیث و تفسیر کی کتابوں کا درس دیتے رہے، پھر نواب صدیق حسن خان صاحب نے آپ کو بھوپال میں بلایا، اور مدرسہ وقفیہ کا مہتمم مقرر کر دیا، شاہجہان بیگم والیۂ بھوپال آپ کا بہت احترام کرتی تھیں، اُن کے عہد میں بھوپال کے واعظ شہر آپ ہی تھے، کوئی عالم مسجد جامع میں آپ کی اجازت کے بغیر وعظ نہیں کہہ سکتا تھا اُس کے معاوضہ کے لئے بیگم صاحبہ موصوفہ نے کئی بار کہا، مگر آپ نے قبول نہ فرمایا،

آپ کے تلامذہ اساتذہ بنتے گئے، مثلاً مولانا حفیظ اللہ صاحب مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، آخر عمر میں مولانا سلامت اللہ کا منصب ریاست بھوپال کی طرف سے مقرر ہو گیا تھا، وہیں جسد عنصری سے روح کا انفصال ہوا[1]،

مولانا محمد بشیر سہسوانی | تیسرے اہل حدیث عالم مولوی محمد بشیر سہسوانی (م ۱۳۲۶ھ ۱۹۰۸ء) ہیں، وہ سربرآوردگان روزگار میں تھے، سرکار عالیہ اور جناب والاجاہ حضرت نواب صاحب نے بارادت دلی آپ کا اعزاز و احترام کیا، اور مدرسہ ریاست کی افسری کا عہدہ تفویض ہوا، یہ ۱۵ محرم ۱۲۹۵ھ کا واقعہ ہے،

بھوپال کے زمانہ قیام میں حدیث و تفسیر کا درس جاری تھا، اور مسائل مستفتی بہا پر مجتہدانہ انداز سے اخبار لکھے جاتے تھے، اعزا و اقارب پر الطاف کریمانہ کی بارش رکھتے تھے، الغرض جس طرح آگرہ سے اس علم کی مہک بھوپال تک پہنچی تھی، اسی طرح بھوپال سے یہ مشام جان تمام اکناف ہند میں پھیل گئی،

موصوف کے زمانہ قیام (بھوپال) میں حضرت نواب صاحب اور مولانا عبدالحی مرحوم لکھنوی کا وہ مشہور تاریخی (تحریری) مناظرہ شروع ہو گیا تھا جس میں طرفین نے متعدد رسائل لکھے[2]، اسی اثنار

---

[1] تراجم علمائے حدیث ہند ج اص ۴۰۳ تا ۴۰۵ [2] مولانا ان کتابوں پر اپنا نام ثبت فرماتے تھے مگر نواب صاحب دوسروں کا،

میں مولانا کو مصنف اباذتی بین کیس یہ خیال ظاہر فرمایا کہ نواب صاحب کے پردہ میں مولانا بشیر لکھتے ہیں[1]
اس پر مولانا موصوف نے بیسی کمال علامہ معترض کے اس الزام کو رفع کیا، اور ہر دو اصحاب کی صلح
سے گویا قران السعدین کرانے کی سعادت حاصل کی،

بھوپال میں حقوق راعی ورعایا پر بڑی خوبی سے ترغیب وترہیب فرماتے تھے اور احکام الٰہی
کے سامنے کسی کے شخصی احترام کو خاطر میں نہ لاتے تھے،

الغرض اسی طرح حضرت نواب صاحب کے سایۂ الطاف وکرام میں ۱۲ سال گذارے، کہ
خلد آشیان نے ۱۳۰۷ھ کو رحلت فرمائی جس سے اہل علم کے حلقہ میں عام مایوسی پیدا ہونے لگی، اسی
مولانا موصوف بھی دل برداشتہ ہوگئے، مگر حضرت علیا نواب شاہ جہان بیگم صاحبہ نے انھیں بھوپال
سے کسی طرح جانے نہ دیا،[2]

والاجاہ کے زمانہ کا ایک واقعہ ذکر کے لائق ہے کہ ایک مرتبہ والاجاہ شہ نشین پر رونق فرما تھے
اور حاشیہ میں حضرات علماے عظام کے ساتھ مولانا محمد بشیر بھی تشریف فرما تھے، کوئی رسالہ مکمل کرکے
لائے تھے، اور اس کو والاجاہ کی خدمت میں پیش کیا تھا، والاجاہ نے ملاحظہ کے بعد فرمایا: مولوی
صاحب! ایک التجا ہے مولانا نے کہا ارشاد! فرمایا، یہ رسالہ مجھے اس قدر پسند آیا ہے، کہ جس کی وجہ
سے جناب تھوڑی دیر کے لئے میری جگہ شہ نشین پر تشریف فرمائیے، میں آپ کی جگہ پر آ بیٹھوں، مولوی صاحب
نے فرمایا، سرکار! ہم لوگ آپ کے نمک خوار اور ممنون احسانات ہیں، یہ جرأت کیونکر ہو سکتی ہے،
فرمایا! یہ میری درخواست ہے، ضرور قبول فرمائیے تعمیل ارشاد ہوئی، نواب والاجاہ شہ نشین
سے ہٹ کر حاشیہ میں آ بیٹھے، اور مولانا شہ نشین پر جلوہ بار ہوئے، اور اس دن کی نشست اسی طور پر ہوئی[3]

---

[1] شاید مولانا کا یہ خیال مناظرانہ کتب پر نہ تھا، بلکہ کتب عمات پر تھا [2] تراجم علماے حدیث ہند جلد ص ۲۵۱و۲۵۲
[3] یہ واقعہ راقم السطور سے مولانا احمد اللہ مرحوم شیخ الحدیث دارالحدیث رحمانیہ دہلی نے بیان فرمایا،

مولانا محمد اسمٰعیل علی گڑھی | علماے اہل حدیث میں سے جو حضرات بھوپال میں قیام فرما تھے ان میں ایک مولانا محمد اسمٰعیل علی گڑھی (م ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء) ہیں، یہ بھی علماے فحول میں سے تھے،

علی گڈھ میں مولانا شاہ عبد الجلیل شہید علیہ الرحمۃ اکابر علماء میں سے گذرے ہیں، علوم ظاہر کے ساتھ فیوض باطنی سے بھی متمتع تھے، معقولات میں مولانا بزرگ علی مارہروی کے شاگرد اور حدیث و فقہ میں شاہ محمد اسحاق دہلوی سے مستفیض تھے، اور خلافت حضرت سید احمد بریلوی نے عطا فرمائی تھی، جامع مسجد علی گڈھ کی امامت تفویض تھی، کہ اس وقت کے معیار کے مطابق یہ سب سے بڑا منصب تھا، اس پر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی علم برداری نصیب ہوئی، میدان وغا میں اترے، جہاد کیا، یہ جنگ سونہال کے باغ (جو بجنہ سڑک آگرہ کو گئی ہے) پر ہوئی، جس میں فائز بہ شہادت ہوئے، مسلمانان علی گڈھ نے آپ کی نعش مبارک آپ کے دوسرے ہمراہیوں کی لاشوں کے ساتھ جامع مسجد میں دفن کی، یہ حظیرہ (القدس) جامع مسجد کے شمالی دروازہ سے اندر جاتے ہوئے ملتا ہے، سال شہادت ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۷ء ہے،

صاحب ترجمہ مولانا محمد اسمٰعیل مرحوم آپ ہی کے خلف الصدق تھے،[1] اور اپنے پدر بزرگوار سے علوم وراثت میں پائے، اور علوم کی خدمت انجام دیتے رہے، ان کے تجر علمی کی دھوم بھوپال پہنچی، تو نواب صاحب نے قاضی شہر کا عہدہ پیش کیا، مگر موصوف کو اپنے قدیم کرمفرما نواب محمد خان (چھتاری) کی مفارقت گوارا نہ ہوئی، اس کے کچھ دنوں کے بعد نواب صاحب آگرہ تشریف لے گئے، تو مولانا موصوف ملنے کے لئے گئے، حاضری میں قدرے تعویق ہوئی تھی، اس لئے معذرت کے طور پر کہا

"قدمبوسی کا تو غیر معمولی اشتیاق تھا، مگر درمیان کی احتیاط سے قدرے تاخیر ہو گئی"

نواب صاحب نے فرمایا:-

"دیر درویش را دربان نشاید"

---

[1] تراجم علمائے حدیث ہند ج ۱ ص ۲۲۳ بضمن ترجمہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب علی گڑھی)

مولانا نے جواباً فرمایا ۔

"بباید تا سگ دنیا نیاید"

اس پہلی ملاقات کا حضرت خلد آشیان پر خوشگوار اثر پڑا اس کے بعد نواب صاحب سے شرف ملاقات حاصل رہا، اپنی تصانیف دربار عالی میں پیش کیں اور خلد آشیان نے ایک سو روپیہ ماہوار وظیفہ تاحیات جاری فرمادیا[٥١]۔

حفاظ صحاح | حضرت والاجاہ نے جس طرح قرآن پاک حفظ کیا جاتا ہے، اسی طرح کتب احادیث صحاح ستہ و مشکوٰۃ مشمول بلوغ المرام کے حفظ کا اعلان فرمایا، ہر ایک کتاب پر انعامی رقم کی تعیین فرمائی۔ راقم الحروف کو اس سلسلہ کے دو حضرات سے شرف نیاز حاصل کرنے کا موقع ملا، ایک مولوی حافظ عبدالوہاب نابینا دہلوی[٥٢] (م ١٣٢٨ھ / ١٩١٠ء) اور دوسرے مولوی عبدالتواب غزنوی علی گڑھی[٥٣] ہیں، جو بحمد اللہ بقید حیات موجود ہیں،) ان دونوں کے مواعظ میں راقم نے سرود حدیث کا ایسا سماں دیکھا کہ ؎ ع

جو دل میں نہاں ہے وہ بیاں ہو نہیں سکتا

فمنهم من قصصنا عليك ومنهم من لم نقصص عليك

امام شوکانی اور نواب والاجاہ مرحوم | یہ نواب والاجاہ مرحوم کی ریاست کے فیضان کا ذکر تھا، خود نواب والاجاہ نسباً سید الحسینی تھے، مسلک عمل بالحدیث من غیر تقلید تھا، اور ان محاسن کی وجہ سے ہند و عجم کے تمام اہلحدیث کے سرخیل ہیں، نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام عالم اسلام میں امام شوکانی (محمد بن علی ابن محمد بن عبداللہ (م ١٢٥٥ھ / ١٨٣٩ء) کے معرف ہونے کا فخر موصوف ہی کو حاصل ہے، کہ جو کچھ ملا، اسی

---

[٥١] تراجم علمائے حدیث ہند ج ١ ص ٢٢٨، [٥٢] تراجم علمائے حدیث (بضمن ترجمہ علمائے دہلی) جلد ١ ص ١٠٠،
[٥٣] تراجم علمائے حدیث ہند ج ١ ص ٢٣٣، بضمن ترجمہ علمائے علی گڑھ۔

کی نسبت، اجازہ و طرز استدلال و خزائن کتب کے مطالعہ سے ملا، امام شوکانی کے ترجمہ کے ضمن میں فرماتے ہیں :-

"و از محاسن اتفاقات آنست کہ در حال تحریر این کتاب در ماہ ربیع الاول ۱۲۹۰ھ شبے کہ صبح آن تاریخ ششم از ماہ مذکور بود، حضرت ایشان را درخواب دیدم و شرح منتقیٰ در حالتے کہ کتاب درست من است بر ایشان قرآت کردم و بلا واسطہ اجازت حاصل نمودم و تا دیرگاہ سخن درمیان رفت"

وکذا پیش ازین بدو سہ سال در منام دیدم کہ ایشان تشریف آوردہ اند و بر مؤلفات من ثنا نمودہ و عزیزے دیگر درخواب دیدہ کہ دختران ایشان بخانہ من ازین قدوم آوردہ اند تعبیر رفت ؛

"کہ مراد بآمدن ایشان ..... در مؤلفات محررسطور در ہر پیرایہ عربی و عجمی و شیوع یافتن آن توسط این عاجز در امصار و بلدان دور و نزدیک شرقاً و غرباً و یمیناً و شمالاً و للہ الحمد"

اسی نسبت نے اُن کی زبان قلم سے قاضی شوکانی کا فسانہ اطراف عالم میں سنایا،

رسید مژدہ کہ آمد بہار و سبزہ دمید   وظیفہ گر برسد مصرفش گلست و نبید

شیخ کے تذکرہ میں فرماتے ہیں،

" : مصنفات مطولات و مختصرات تالیف نمود اسماے بعضے ازان در اتحاف و ابجد العلوم وجز آن در ترجمہ شریفش نوشتہ ایم ازان بعد شرح منتقی ست در ہشت مجلد کہ درین نزدیکی ۱۲۹۰ھ ہجری ببذل ہمت رئیسہ معظمہ صاحب قران تاج ہند نواب شاہجہان بیگم والیہ حوزہ بھوپال محمیہ در مصر قاہرہ بمطبع بولاق ہزار نسخہ ازان بصرف بیست وپنج ہزار مبلغ

ا؎ تاج المکلل من جواہر مآثر الآخر والاول للنواب ص ۱۰ ۳،

(۱۲۸۵ھ ـ ہجری) مطبوع شدہ"

"وبر حاشیہ آن عون الباری لحل ادلۃ البخاری ست از افادۂ ویعنی این جانی عافی عفا اللہ عنہ"

"واز ان جملہ تفسیر فتح القدیر، سیل جرار، وبل الغمام است، وہمہ مؤلفاتش مقبول ومرغوب فیہا ومعشوق علمائے سنت است، ودر بدر طالع بذکر بعض مصنفات وحقائق آن پرداختہ ونام ارشاد الفحول در اصول فقہ بردہ وگفتہ وہو الآن فی عملہ اعانہ اللہ علی تمامہ ثم تم بعد ذلک فی مجلد واین کتاب را مختصریست از کاتب حروف حصول المامول نام کہ اولاً در ہندوستان وثانیاً در قسطنطنیہ طبع شدہ وبجمیع اقطار عرض رسیدہ وسرمایۂ اہل اتباع گردیدہ"

"بعدہ گفتہ وقد جمع من رسائلہ ثلثۃ مجلدات کبار، ثم لحق بعد ذلک قدر مجلد وسمی بجمیع الفتح الربانی فی فتاوی محمد الشوکانی وجمیع ذلک رسائل مستقلۃ وابحاث مطولۃ واما الفتاوی المختصرۃ فلا تنحصر، انتہی، واین کتاب نزد این بندہ شرمندہ موجود است واز ان در دلیل الطالب وجز آن انتفاع کثیر بدست آوردہ وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم"

"قال وہو الآن یشتغل بتصنیف الحاشیۃ علی الازہار وسماہا السیل الجرار وہی مشتملۃ علی تقریر ما دل علیہ الدلیل ودفع ما خالفہ والتعرض لما ینبغی التعرض لہ والاعتراض علیہ من شرح الجلال وحاشیتہ وہذا الکتاب ان اعان اللہ علی تمامہ فسیعرف قدرہ من یعترف بالفضائل ولا یجحد ما وہب اللہ لعبادہ من الخیر قال ثم ہذا الکتاب بمعونۃ اللہ تعالی"[1]

فتح البیان وفتح القدیر کا ماجرا | فتح القدیر (شوکانی) کے طبع ہو جانے کے بعد ڈالا جا سکے

---

[1] التاج المکلل ... ۳۰۶، ۳۰۷

خلاف معاندین نے وساوس سے کام لینا شروع کر دیا تھا، مگر ایک فتح البیان ہی پر کیا موقوف ہے، منکرین والاجاہی نے توبہت ہی کچھ کہا ان کی بیشتر تالیفات پر کہا، کہنے والوں میں وہ راسخون فی العلم بھی تھے، (اور ابھی تک اُن کے بقیۃ السلف باقی ہیں،) جاردو بھی صرف اس لئے جانتے ہیں، کہ یہ ان کی مادری زبان ہے، ورنہ فارسی سے بے گانہ اور عربی میں اب تک قرآن مجید بھی اُن کے لئے معمّا، اور پھر:-ع

اس پہ بچلے ہیں کہ ہم درد جگر دیکھیں گے

آپ نے حصول المامول (للنواب) کا ماخذ اور پڑھ لیا، یہ السیل الجرار ہے ملاحظہ فرمائیے:-

"گرہم درین نزدیکے کتاب سیل جرار را در پارسی زبان اختصار و ترجمہ نمودہ ام و نامش بدور الاہلہ من ربط المسائل بالادلہ نہادہ درین ولا از قالب طبع برآمدہ است کتابے در فقہ سُنت و مرجحات احکام بسے نادر و غریب افتاد و نفع اللہ بہ المسلمین المتبعین"[۱]

اور فتح القدیر کے متعلق تو ارشاد ہے:-

"و ہو الآن یجمع تفسیر الکتاب اللہ جامعا بین الدرایۃ و الروایہ و یرجو اللہ ان یعین علی تمامہ بمنہ و فضلہ"

"ثم من اللہ ولہ الحمد تماما فی اربعۃ مجلدات کبار"

"و این تفسیر را جامع این اوراق اولاً اختصار کرد پس تر برآن از دیگر تفاسیر معتبرہ چیزہا افزودہ تا آنکہ کتابے مستقلاً گردید و مسمّی شد بفتح البیان فی مقاصد القرآن"

"و در طبع و اشاعت آن بست ہزار سکہ کلدار تقریباً صرف افتاد و نزدیک است کہ از قالب مطبع جوائب بار دیگر جلوہ افروز شدہ و باللہ التوفیق"[۲]

---

[۱] التاج المکلل ...... حاشیہ ص ۵۴۲ [۲] ...... ص ۳۰۰،

چھپیں، المنزلۃ مصنف کس تفصیل سے اپنے مصنفات کا ماخذ بتا رہا ہے، معترضین نے امام شوکانی کا نام سن لیا، ان کی تصانیف میں فتح القدیر کا ذکر پڑھ لیا یہ جانتے تھے، کہ نواب صاحب شوکانی کے مسترشدین، بات بن جائے گی، فرما دیا کہ فتح القدیر ہی کو فتح البیان کے نام سے چھپوا دیا، اور ہندوستان میں عامیین بالسنۃ پر ایسا الزام کونسی بڑی بات ہے،

اعتراضات کی ایک نوعیت یہ بھی ہے کہ امیر الملک کی بعض تحریروں پر مسلک اہل حدیث کے خلاف ہونے میں اعتراض ہے، جیسا کہ اخبار اہل حدیث امر تسر ۱۲ و ۲۶ اپریل ۱۹۴۶ء میں ایک مضمون چھپا ہے، افسوس یہ ہے کہ محبین کی نظر بھی تصانیف والا جاہی کے غوامض پر نہیں، اس لئے جب بھی ان پر کسی تقلیدی تحریر کی وجہ سے نقص ہوتا ہے، تو نواب صاحب کے یہ نادان دوست آپ کی تحریروں کی ذمہ داری سے بیگانہ وشی برتنے لگتے ہیں، "آخر تو قول قدیم" و "قول جدید" یا "رجوع" مصطلحات دینی میں ہیں، جن کے کچھ نہ کچھ مفہوم و مصداق ہیں کتاب اللہ میں ۲۰۰ سو آیات منسوخ نہ سہی، صرف ۴، آیتیں سہی یا بقول بعض اہل الناس عصر حال ایک بھی منسوخ نہ سہی، مگر اصول نسخ کی تنسیخ اس وقت تک نہ ہو سکے گی جب تک قرآن مجید انہی آیات و الفاظ و ترتیب بیان کا مرقع ہے جس میں مرقوم ہے "ما ننسخ من آیۃ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا الم تعلم ان اللہ علی کل شیٔ قدیر" گویا منسوخات یا قول قدیم کے متعلق والا جاہ فرماتے ہیں، یعنی عمر کے ۲۱ ویں سال سے تصنیف شروع ہوئی

(۱) "و ہیجدہ سالہ بلکہ کمتر ازان بودم کہ شوق تالیف و تحریر تراجم دامن گیر دل شد، تا آنکہ مؤلفات بسیار در ہر سہ زبان فرس و اردو و تازی بہم رسید داکثرے ازان در ہمان زمان تالیف در کانپور و دہلی وغیرہما، مطبوع گردید"

عمر پختہ ہوئی، تجربہ بڑھا، مطالعہ وسیع ہوا، اب پہلا لکھا ہوا اپنی ہی نظر میں تقویم پارینہ بن گیا یعنی

سلہ امیر المومنین، از فرق احمدیہ قادیانیہ!

۲۔ "اما بعد از آن کہ عبور بر دواوین سنت و صحف فقہ حدیث و کتب علوم اجتہاد و سلوک ساختہ دیدہ واختہ پیشین چون تقویم پارین بنظر آمد، بس مقدار کثیرے را از آن مولفات اندوائمہ و عبنہ بیرون انداختہ شد، زیرا کہ بر ہنجار اہل تقلید بود و طریقہ خفیہ داشت در تحریر فروع" یہ تو ایسی تصانیف ہیں کہ اوائل عہد میں مدون فرمائیں، وہ مذاق قوم کے مطابق تھیں اور بلوغ علم کے بعد؟ یعنی

۳۔ واکنون بعون اللہ تعالیٰ وحسن توفیقہ، آنچہ بقلم می آید، و تالیف و تصنیف می یابد ہمہ معتمد بر دلیل و طرح تقلید ست و رائحہ از تفریعات راے و تخریجات اہل راے ندارد نخبۃ النخبہ حقائق محررہ ائمہ اعلام ست ......"[۵]

امام شوکانی کا کچھ اور ذکر خیر | نواب والاجاہ مرحوم تاج مکلل میں فرماتے ہیں :۔

"گویم و برکت وی رضی اللہ عنہ در بعض تلامذہ او نیز سرایت کرد تا آنکہ مولفات او در لسان عجم و عرب در فنون دین و علم ادب و مصنفات مطولہ و مختصرہ او در معارف کتاب و مدارک سنت عالمگیر شد و اقطار گیتی را از شرق و غرب و یمین و شمال فرا گرفت و دلہاے اہل علم از جمیع امصار بعیدہ و اقطار دور دست بسوے او متوجہ گردید و مصنفین عصر مولفات خود را نزد او می رسانند و از وے اجازت می ستانند و جریان کتابت می خواہند چنانکہ درین سال سید علامہ خیرالدین نعمان الوسی زادہ مفتی دار السلام بغداد کتاب جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین فرستاد و فقیہ فاضل شہاب الدین بن بہاء الدین مرجانی حنفی قزان سہ مولف خود ارسال کرد یکے منتخب الوفیہ در ضبط تواریخ و وفیات اکابر علماے امت از عہد نبوت تا زمان والد خود و کتاب فوائد مہمہ و موائد متمہ در علم قرآن و رسم مصاحف عثمان

---

[۵] از نمبر ۱ تا نمبر ۳ مقتبس ہے تاج مکلل ... ص ۳۰۵ سے

"وکتاب حق المعرفۃ وحسن الادراک بما یلزم فی وجوب الفطر والامساک و این ہر سہ نسخہ مدبلدۂ قزان در ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء طبع شد"

"و شیخ علامہ برہان الدین بلغاری کتاب ناظورۃ الحق را اتحاف فرمودہ الی غیر ذلک"

"واما مکاتیب علمائے اقطار صنعا و علمائے مدینہ و فضلائے حرمین شریفین و مصر و قدس شام و بیروت و تونس، و استامبول و جزائر و جز آن پس در حصری نگنجد تا آنکہ مجموعے کبیر از آن مجتمع شدہ"[1]

نواب صاحب کی زبان قلم سے امام شوکانی کا یہ سراپا کہاں تک سنا جائے: مبادا!

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیان اپنا
بن گیا رقیب آخر تھا جو مہربان اپنا (باقی)

---

[1] تاج مکلل ص ۳۰۷، ۳۰۸، و ۳۰۹

حیات شبلی

(حصہ اول)

یہ کتاب تنہا علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانحعمری ہی نہیں، بلکہ اُن کی وفات ۱۹۱۴ء تک ایک تہائی صدی کی ہندوستان کے مسلمانوں کی مذہبی، سیاسی، علمی، تعلیمی، ادبی، اصلاحی اور دوسری تحریکوں اور سرگرمیوں کی مفصل اور دلچسپ تاریخ بھی ہے، شروع میں جدید علم کلام کی نوعیت اس کی حیثیت اور اُس سے متعلق علامہ شبلی مرحوم کی علمی خدمت پر تبصرہ ہے، پھر خلجی اور تغلق کے زمانہ سے لیکر انگریزی حکومت کے آغاز تک صوبہ آگرہ و اودھ کے مسلمانوں کی علمی و تعلیمی تاریخ کو بڑی تلاش و جستجو سے مرتب کیا گیا ہے۔۔۔۔ ضخامت مع مقدمہ و دیباچہ ۸۰۰ صفحے، قیمت غیر مجلد ۸۰ مجلد ۱۰ "منیجر"

اسلامی نظریۂ سیاست

جناب محمد راناحمید زمان صاحب صدیقی پٹھان کوٹ

(۵)

اسلامی نظریۂ اجتماع سیاست کی عملی حیثیت،

گذشتہ مباحث میں اسلامی نظریۂ سیاست پر محض اصولی اور نظریاتی حیثیت سے گفتگو کی گئی تھی، اب یہ دیکھنا ہے کہ یہ سیاسی نظریہ محض فکر و ذہن تک ہی محدود ہے، یا اس میں ایک عملی حقیقت بننے کی صلاحیت بھی موجود ہے، کیونکہ محض نظری حیثیت سے کوئی حیاتیاتی نظریہ خواہ کتنا ہی خوبصورت اور دلفریب کیوں نہ ہو، جب تک وہ حیاتِ انسانی میں خاص قسم کی تبدیلی پیدا کرکے اس کو اپنے منشار کے مطابق چلانے پر قادر نہ ہو کسی توجہ اور التفات کا مستحق نہیں،

عالم انسانی میں ہر چیز کا وجود اسباب و علل اور محرکات و دواعی کے وجود پر موقوف ہے، جب تک علتِ وجود اپنے تمام لوازم کے ساتھ وجود میں نہ آجائے، اس چیز کا عالم وجود میں آنا ممکن نہیں، اس بنا پر کسی نظامِ حکومت اور فلسفۂ اجتماع کو بروے کار لانے کے لئے ضروری ہے، کہ جس خطۂ ارضی میں اس کو نافذ کرنا چاہتے ہیں، وہاں کے انسانوں کے قلوب و اذہان میں ایک ایسی تبدیلی ہونی چاہئے، جو اس نظریۂ حیات سے مناسبت رکھتی ہو،

جب زمین میں غلہ پیدا کرنے کی صلاحیت ہی مفقود ہو تو اس میں کسی چیز کی کاشت کرنا اور اس سے ثمرات و نتائج کی امید رکھنا عبث ہے، اسی لئے سب سے پہلے ناقابلِ کاشت زمین کو کھاد

پھونس خودرو جڑ کا بوٹیوں خار دار جھاڑیوں اور ہر اس چیز سے پاک کرنا ضروری ہوجو عمل زراعت اور اس کے نتائج کے لئے مانع اور نقصان رسان ہوسکتی ہے، اس کے بعد کھاد اور پانی وغیرہ کے ذریعہ اس کی قوت واستعداد کو اپنے منشاء کے مطابق بنانے کی سعی کرنا ہوگی، ان مراحل کے بعد فصل کی کاشت سے مفید اور کارآمد نتائج کی توقع کی جاسکے گی،

اسی طرح انسانوں کو اگر کسی خاص شاہراہ عمل پر لانا مقصود ہے تو سب سے پہلے ان کے قلوب و اذہان کی زمین کو ناموافق تصورات کی آلائشوں سے پاک، اور پھر مخصوص نظام تعلیم وتربیت کے ذریعہ ان کے قوائے فہم و ادراک میں تبدیلی پیدا کرنی ہوگی، اس کے بعد جو عملی نظام اُن کے سامنے رکھا جائے گا، وہ اس کو بخوشی قبول کرنے پر آمادہ ہوسکیں گے، پہلے عمل کو "تطہیر فکر" اور دوسرے کو "تعمیر فکر" سے تعبیر کرسکتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے دلوں کو پاک کرتے ہیں، اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں،

قرآن حکیم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض رسالت میں سے تزکیۂ قلوب اور تطہیر فکر کو پہلے درجہ میں رکھا ہے، اور تعلیم وتربیت یعنی تعمیر فکر کو دوسرے درجہ میں اور تعمیر فکر کے لئے کتاب اللہ اور حکمت یعنی علم سنت[1] کو بطور نصاب مقرر کیا ہے،

---

[1] معارف:- یہ صحیح ہے کہ حکمۃ کے معنی بعض روایتوں میں سنت کے آئے ہیں، لیکن حکمۃ کے مفہوم کو صرف "علوم سنت" میں محدود کرنا، اور اس پر کسی نظریہ کی مستقل بنا قائم کرنا بھی محل نظر ہے، بعضوں نے اس کی تفسیر "العقل فی الدین" سے کی ہے، اور بعض ارباب علم نے "الکتاب" سے مراد، احکام قانونی اور "الحکمۃ" سے احکام اخلاقی کو لیا ہے، سورہ بقرہ رکوع ۱۴، اور خصوصاً بنی اسرائیل رکوع ۳ میں

"حکمت" کی تفسیر علوم سُنت سے کی گئی ہے، اس لئے کہ یہ قرآنی اصطلاح ہے، اور قرآن کریم میں یہ لفظ صرف ان قطعی محکم اور یقینی علوم کے لئے استعمال ہوا ہے، جو انبیاء علیہم السلام کے توسط سے انسانوں کو حاصل ہوتے ہیں،

یعنی "حکمت" انبیا علیہم السلام کے طریق سنت اور منہاج نبوت کا دوسرا نام ہے، فلاسفہ و متکلمین نے حکمت کے لفظ میں گو توسیع کر لی ہے، اور انسانی علوم و فنون مثلاً فلسفہ طبعی، مابعد الطبعیات اور فلسفہ طب بھی اس کا اطلاق کرتے ہیں، مگر یہ علوم تغیر پذیر ہیں، اور ان میں ترمیم اور قطع و برید ہوتی رہتی ہے، اس لئے ان پر حکمت کا اطلاق نہ صرف قرآن کے منشار کے خلاف ہے بلکہ لغوی اعتبار سے بھی غیر موزون ہے، اسلام میں کتاب اللہ کے بعد انسانوں کے پاس اگر کوئی سرمایۂ اذعان و یقین ہے، تو فقط علم نبوت ہے اس کے ماسوا جو کچھ بھی ہے، وہ محض ظنی اور تخمینی ہے، جو ہرگز انسان کے لئے وجہ کمال نہیں ہوسکتا،

محرم نہیں فطرت کے سرود ازلی سے بینائے کواکب ہون کہ دانائے نباتات

غرض یہی وہ طرز تعلیم اور طریق ارشاد ہے، جو انسانی فطرت کے عین مطابق ہے، اور دنیا میں جتنے بھی انبیاء علیہم السلام وقتاً فوقتاً آتے رہے ہیں، وہ اسی طریق رشد و ہدایت کے پابند رہے قرآن حکیم میں غور و فکر کرنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے، کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۳ سالہ مکی زندگی میں اپنی تمام تبلیغی کوششوں کو تطہیر فکر ہی پر مرکوز رکھا، یہی وجہ ہے، کہ مکہ معظمہ میں جس قدر قرآنی سورتیں نازل ہوئیں، ان میں سب سے زیادہ تزکیۂ قلوب پر زور دیا گیا ہے، اور دو سالہ مدنی

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۷) جو چند اخلاقی احکام بیان کئے گئے ہیں، اُن کے آخر میں ارشاد ہے،

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ، یہ باتیں اس حکمت میں کی ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے تمھاری طرف وحی کے ذریعہ بھیجی ہیں،

زندگی مین آپ نے تعمیر ملت کے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا، اسی بنا پر مدنی سورتون مین بالعموم تمدنی، عمرانی، معاشی اور سیاسی مسائل بیان کئے گئے ہین، اور اس طرح ۲۳ سالہ دورِ حیات مین آپ نے اسلام کے فلسفۂ فکر و عمل کی تکمیل کی،

ان حقائق کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ کسی جدید نظام فکر و عمل کو بروے کار لانے کیلئے سب سے پہلے انسانون کے رجحانِ طبیعت اور انداز فکر مین انقلاب پیدا ہونا ضروری ہے، تاکہ معلوم فضاء نظامِ حیات کے لئے سازگار ہو جائے، یہ عبوری مرحلے طے کرنے سے پہلے نظامِ سیاست تو بالجبر اُن کے سر منڈھا جا سکتا ہے، لیکن ان کے دلون مین نہین اتارا جا سکتا، اور تاوقتیکہ دلون مین اس کی عقیدت و محبت کارفرما نہ ہو، زیادہ دیر تک اس کا قائم رکھنا دشوار ہے،

یہ بات بھی ناقابلِ انکار ہے کہ تطہیرِ فکر اور تعمیرِ فکر کا کام کوئی معمولی کام نہین بلکہ مشکل سے بھی مشکل تر ہے، کیونکہ انسانون کے قلب و دماغ جن عقائد و تصورات سے مانوس ہو جاتے ہین، اور جو خیالات نسلاً بعد نسلٍ وراثت کے طور پر اُن مین منتقل ہوتے چلے آتے ہین، وہ سوسائٹی کے خمیر مین داخل ہو کر فطرتِ ثانیہ بن جاتے ہین، اب ان خیالات کی جگہ دوسرے خیالات پیدا کرنے کیلئے سالہا سال انتھک اور لگاتار جد و جہد کی ضرورت ہے، یا نبی کی مقدس شخصیت اپنی معجزانہ قوت سے صدیون کا کام چند دنون مین ہی انجام دیدے، لیکن سواے نبی کے اور کسی کے بس کی بات نہین، کہ وہ چند سالون مین حیات انسانی مین انقلاب عظیم پیدا کر کے ان کی کایا پلٹ کے رکھدے،

واقعات کی روشنی مین بھی یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے، کہ انسانون کے فکر و ذہن مین تبدیلی پیدا کرنے کے لئے بہت بڑی مدت اور کاوش کی ضرورت ہے، آج دنیا کی اقوام سیاست و تمدن کے جس موقف پر پہنچ چکی ہین، وہ اگرچہ افادی حیثیت سے دور سابق سے کچھ مختلف ہین، پھر بھی اس تک پہنچنے کے لئے ان کو سالہا سال کی لگاتار اور مسلسل کوشش سے دوچار ہونا پڑا ہے، اور ابھی روزِ اوّل

کا معاملہ درپیش ہے،

دست از یک بند تا افتاد در بند دگر

اس لئے یقینی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جمہوریت و مساوات کے بلند بانگ دعاوی کی تکمیل کے لئے ابھی ایک زمانہ درکار ہے، کیونکہ اب تک اُن کی ذہنیتیں اس سطح پر نہیں پہنچ سکی ہیں، جہاں سے بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود اور ہمدردی و مساوات کے اصلی سرچشمے نکلتے ہیں، ظاہر ہے کہ جب اتنی مسلسل جد و جہد کے بعد بھی اقوام حاضرہ اپنے ہی مجوزہ نصب العین تک نہیں پہنچ سکیں، حالانکہ جس نظام کو ان کی عقل نے ترتیب دیا ہے وہ کسی حد تک ان کی ذہنی صلاحیتوں ہی کا نتیجہ ہے، تو کسی ایسے نظام حیات کو قبول کرنے کے لئے وہ کیسے آمادہ ہو سکیں گی، جو ابھی تک ان کے معیار عقل سے ورار الوری ہے، یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے، کہ انسان ہر ایسی چیز کو آسانی سے قبول کر لیتا ہے جس سے اس کو طبعی لگاؤ ہوتا ہے، اس کے مقابلہ میں ایسی چیز کے قبول کرنے میں وہ زیادہ وقت محسوس کرتا ہے جو اس کے عقائد و تصورات سے بالکل مختلف ہو،

دراصل دنیا سے انسانیت اس نظام فطرت سے جس قدر دور جا چکی ہو اُسی قدر اب اسے اس کے قریب لانے میں وقت اور محنت کی ضرورت ہے، اور جس قدر انسانی قلوب میں صالح تبدیلی پیدا ہوتی جائے گی، اسی قدر اسلامی نظام سیاست و اجتماع کے نفاذ و اجرار کا وقت بھی قریب آتا جائے گا،

اس میں شک نہیں کہ زمانہ دھیمی رفتار کے ساتھ خود ہی اپنے اصل مرکز کی طرف جا رہا ہے اور جلد یا بدیر اُسے اسلام کی معین کردہ منزل تک پہنچنا ہے، چنانچہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اقوام حاضرہ اسلام کے نام سے بغض و عناد رکھنے کے باوجود غیر شعوری طور پر اسی منزل کی طرف بڑھ رہی ہیں، اور آخر ایک ایسا وقت آکر رہے گا، کہ تمام دنیا سے انسانیت اسلام کے دامن امن و عافیت میں

پتا ملنے پر مجبور ہو جائے گی،

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهُ بَعْدَ حِينٍ	قرآن کریم تمام عالم انسانی کے لئے ذکر ہے، اور یہ حقیقت دنیا پر کسی دن عیان ہو کر رہے گی،

انسانی دنیا کو اس غایت قصویٰ تک پہنچانے کے دو ہی ذریعے ہیں، ایک یہ کہ کوئی فوق العادہ شخصیت اپنی غیر معمولی قوت فکر و عمل سے چند سالوں ہی میں تطہیر فکر اور تعمیر فکر کے مراحل طے کر کے دنیا کے گمراہ انسانوں کو رشد و ہدایت کی بلندیوں تک پہنچا دے، دوسرے یہ کہ دنیائے انسانیت خود ہی گرتی پڑتی، اور علم و یقین کے مراحل طے کرتی ہوئی اس نصب العین تک پہنچ جائے، پہلی صورت میں خدائے قدوس کی طرف سے بھیجے ہوئے انبیاء و رسل کی معجزانہ قوتوں کو دخل ہے، اور دوسری صورت خود انسانی اذہان و افکار کے تدریجی ارتقار کا نتیجہ ہے، پہلی حالت عالم انسانی کے لئے ایک مثالی اور معیاری حیثیت رکھتی ہے، تاکہ انسان اُسے سامنے رکھکر اپنی تگ و دو جاری رکھ سکے، اور زندگی کے مراحل و مشکلات کے حل کے لیے ان کے سامنے ایک مثال موجود رہے، اس حالت کے دیرپا ہونے کی ضرورت نہیں، کہ یہ تو شعور ذات کے لئے ایک زینہ ہے، اور انسانی ارتقار کے لئے ایک مثالی حقیقت کا کام دیتی ہے، مگر دوسری حالت میں انسانی فکر و ذہن خود ہی سیکڑوں ٹھوکریں کھانے کے بعد نظام الٰہی کے لئے مستعد اور قابل بن جاتا ہے، اس لئے اسے قدرتی طور پر دیرپا ہونا چاہئے یہی وہ بابرکت زمانہ ہوگا جس کی نسبت خود مخبر صادق علیہ التحیۃ والسلام نے خبر دی ہے،

لَا يَبْقَى عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ بَيْتُ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ	روئے زمین پر کوئی ایسا گھرانہ نہیں رہیگا،
إِلَّا أَدْخَلَهُ اللّٰهُ كَلِمَةَ الْإِسْلَامِ (احمد)	جہاں کلمۂ اسلام داخل نہ ہو جائے

خلافت الٰہیہ کا دورِ سعادت جب رات کی تاریکی کائنات کو اپنے دامن میں چھپا لیتی ہے تو شعاعِ صبح کی نمود ہوتی ہے، جب گرمی کی شدت ناقابلِ برداشت حد تک پہنچ جاتی ہے، تو خوشگوار ہوائیں بارانِ رحمت کی نوید لاتی ہیں، جب انسان کے ظاہری جسم کے لئے رب العالمین کی جانب سے یہ اہتمام ہے تو پھر اس کے قلب و نظر کو کیسے ہمیشہ بے نور ہی رہنے دیا جاتا، اور اس کی روح کی تپش کے لئے کیوں نہ سامانِ تسکین بہم پہنچایا جاتا،

آج سے تیرہ سو سال قبل جب کہ کائنات کی روحانی تجلیات بالکل مدھم پڑ چکی تھیں اس کے قلب و نظر پر جہالت و ضلالت کی تاریک گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں، انسانی گمراہی اپنی حد کمال تک پہنچ چکی تھی، یہاں تک کہ زمین کی سطح پر انسانوں کی کوئی جماعت بھی دین حق پر قائم نہ رہ گئی، انسانیت کے گلے پر قومی، نسلی، قبیلوی، اور مذہبی امتیازات کی چھری چلائی جا رہی تھی، قتل و غارت اور کشت و خون کا لامتناہی سلسلہ جاری تھا، ان سب سے بڑھ کر یہ کہ انسان فاطرِ ارض و سماں ہستی کا منکر اور اَرْبَاباً مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ کے سامنے سجدہ ریز تھا، اور انسانیت مرغِ بسمل کی طرح تڑپ رہی تھی کہ خدائے بزرگ و برتر نے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیئے، اور زمین کے عین قلب میں ایک تابناک تجلی کا ظہور ہوا، جس نے فطرت کی تہ در تہ، ریکیوں، ظلمٰتٌ بعضھا فوق بعض کو چاک کرکے اس کے اصلی خط و خال کو نمایاں کر دیا، ضلالت و غوایت کے بادل چھٹ گئے، اور فطرتِ انسانی اپنی تمام ضیا پاشیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوگئی، خود نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کے دن اعلان کیا،

انّ الزمان قد استدار کھیئتہ	زمانہ ایک بڑا لمبا چکر کاٹ کر اسی مرکز پر
یوم خلق اللہ السموات والارض	آپہنچا ہے، جہاں سے اس کی ابتدا ہوئی تھی،

درحقیقت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور خزاں خوردہ انسانیت کے لئے نویدِ بہار تھا، اور ظلم و جور و استبداد کے لئے پیغامِ مرگ، آپ نے ۲۳ سالہ مختصر دورِ حیات میں ایک ایسے نظامِ حیات کی بنیاد ڈالی

جس کی مثال دنیا نے کبھی پہلے نہیں دیکھی تھی،

خدائے قدوس نے دنیا کی رہنمائی کے لئے ایک ایسی عظیم اور مقدس ترین شخصیت کا انتخاب کیا جو قیامت تک کائنات انسانی کی رہنمائی کے لئے کافی ہے، اس کی آواز پر جن لوگوں نے لبیک کہا وہ عالم انسانی میں سب سے زیادہ ایمان و عمل اور ہدایت و رشد کے لئے اہل تھے، اسی لئے دنیا کی لاتعداد انسانی آبادی میں صرف ان ہی کو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد و نصرت اور خلافتِ الٰہیہ کے قیام کے لئے منتخب کیا گیا،

جاهدوا في الله حق جهاده هو	تم اللہ کے راستے میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد
اجتباكم وما جعل عليكم في الدين	کا حق ہے، اسی خدا نے تمہیں دنیا کے انسانوں
من حرج ملة ابراهيم هو سماكم	سے اس مقصد کے لئے چنا ہے، اور دین کے
المسلمين من قبل وفي هذا	معاملہ میں اس نے تم پر کوئی ناقابل برداشت
ليكون الرسول شهيدا عليكم	تکلیف نہیں ڈالی، اپنے روحانی باپ
وتكونوا شهداء على الناس،	ابراہیم کی ملت کو اختیار کرو جس نے اس
	سے پہلے اور اس وقت بھی تمہارا نام مسلم
	رکھا ہے تاکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم پر
	گواہ اور نگران بنیں، اور تم تمام لوگوں پر

اجتبار کے لغوی معنی کے اعتبار سے یہ کہنا بالکل درست ہے کہ ملتِ اسلامیہ اور بالخصوص صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو روئے زمین کے ان گنت انسانوں سے اسی طرح چُنا گیا ہے، جس طرح کسی کثیر التعداد اشیائے جوہر کشید کیا جاتا ہے، اور جس طرح مقصود بالذات جوہر ہوتا ہے اسی طرح کائناتِ انسانی میں مقصودِ اصلی مسلمان کا وجود ہے، اور یہی وہ خیرِ امت ہے جس کا مقصدِ حیات ذاتی منصب و وقار، عزت و جاہ اور دولت و زر کا حصول نہیں، بلکہ دوسروں کو ضلالت و غوایت کی تاریکی سے نکال کر ذاتِ احدیت

سے روشناس کرانا ہے "خیر امت" کے موقر خطاب کا یہ اسی لئے اہل تصور کیا گیا ہے اکہ اخرجت للناس یعنی اس کی زندگی عالم انسانی کی فلاح وبہبود کے لئے وقف ہے ،

گفت آن حکیم خویش بدر می بردز موج

وین سعی می کند کہ بر آرد غریق را

یہی وجہ ہے کہ بے شمار انسانی آبادی میں خدا ے قدوس کی نگاہ انتخاب پڑی تو عرب کی اس "امت امیہ" پر جو فلسفہ اور سائنس تو کیا حساب کے معمولی قواعد بھی نہیں جانتی تھی، ہاں اس کے پاس ایک ہی چیز تھی "دل قلب صالح تھا، جس میں عالم انسانی کی رہنمائی کرنے کی استعداد کامل موجود تھی ،

عن ابن مسعود قال ان اللہ نظر فی	خدا ے تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں کو دیکھا تو
قلوب العباد فوجد قلب محمد خیر	محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دل تمام لوگوں کے
قلوب العباد فاصطفاہ وبعثہ برسالتہ	دلوں سے بہتر پایا، پس اُن کو چن لیا، اُن
ثم نظر فی قلوب العباد بعد قلب	نبوت عطا کی، دوسری دفعہ خدا نے لوگوں
محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوجد قلوب اصحابہ	کے قلوب پر نگاہ ڈالی تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم
خیر قلوب العباد فجعلھم وزراء	کے اصحاب کے قلوب کو سب سے بہتر پایا،
نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم یقاتلون عن دینہ.	لہذا ان کو اپنے نبی کے وزراء ہونے کا شرف
(اخرجہ ابوعمر فی خطبۃ الاستیعاب)	عطا کیا، جو دین کی حفاظت کے لئے جہاد

نیز یہی حدیث بیہقی میں تھوڑے اختلاف اور کچھ اضافے کے ساتھ ہے کہ

فجعلھم انصار دینہ ووزراء	پس ان کو اپنے دین کا مددگار اور اپنے نبی
نبیہ فما راٰہ المومنون	صلی اللہ علیہ وسلم کا وزیر بنایا پس جس چیز کو یہ اہل ایمان
حسنا فھو عند اللہ حسن و	بہتر تصور کریں گے، وہ اللہ کے نزدیک بھی

فَمَارَءٰہُ قَبِیْحًا فَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ قَبِیْحٌ۔ بہتر ہوگی، اور جس کو یہ برا خیال کریں گے، اللہ کے ہاں بھی بری ہوگی،

غرض یہی وہ مقدس نفوس تھے جن کے ایمان محکم اور عمل پیہم نے کائنات انسانی میں ایک نئے انقلاب کی طرح ڈالی جس کی ابتدا خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس ہاتھوں سے ہوئی تھی، آپ ہی نے سب سے پہلے وحی الٰہی کی روشنی میں ایک صالح مدنیت کی تعمیر کی، اور اس کے ذہن و فکر کو نئے سانچے میں ڈھال کر اس کے لئے شاہراہ عمل متعین کردی، اور راستہ کی ایک ایک عبوری حالت سے آگاہ کرکے آخری منزل مقصود کا نشان بھی بتایا، اور آنے والے مختلف دوروں کی جانب اشارہ کرکے ان دوروں کے لئے بھی راہ عمل بتائی تاکہ حیات اجتماعیہ کا کوئی ایک دور بھی ہدایات نبوت سے رہنمائی حاصل کرنے میں محروم نہ رہ جائے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے متنوع حالات کے پیش نظر ملت اسلامیہ کو کئی ادوار میں تقسیم کیا ہے، چنانچہ ابو یعلی اور شاطبی کی روایات میں بالترتیب چار اور پانچ دور بیان کئے گئے ہیں جنھیں مقالہ کے ابتدائی حصہ میں ذکر کیا جاچکا،

اس حدیث میں خلافت راشدہ کا زمانہ بھی معین کردیا گیا ہے، اور اس متعین عرصہ کے بعد ملوکیت مستبدہ کی خبر دی گئی ہے،

الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃً میرے بعد خلافت ۳۰ سال تک رہیگی،

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال مدینہ منورہ میں خلافت علی طریق السنۃ

الخلافۃ بالمدینۃ والملک بالشام (او کما قال) ہوگی، اور شام میں ملوکیت،!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفائے راشدین کے اعمال کو سنت سے تعبیر فرمایا ہے، اور مسلمانوں کو سنت نبوی کی طرح اتباع کامل کا حکم دیا گیا ہے، کہ ان کا نظام اجتماع اور آئین سیاست بالکل طریق سنت اور منہاج نبوت پر قائم تھا،

عن عرباض ابن ساریۃؓ، قال قال اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یعش منکم بعدی فسیری اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ (صحاح)

تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت بڑا اختلاف دیکھے گا، لہٰذا تم میرے بعد میری سنت خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو، اسی کے ساتھ تمسک کرو، اس کو نہایت مضبوطی سے پکڑ لو،

متعدد احادیث میں اس مقدس عہد کی دینی برکات اور سیاسی فتوحات کی خبر دی گئی ہے،

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھلک کسری ثم لا یکون کسری بعدہ وقیصر لیھلکن ثم لا یکون قیصر بعدہ ولتقسمن کنوزھما فی سبیل اللہ،

کسریٰ (گویا) ہلاک ہو چکا ہے، اور اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہوگا، اور قیصر بھی عنقریب ہلاک ہو جائے گا، اور پھر کوئی قیصر پیدا نہیں ہوگا، تم اُن کے خزانے اللہ کے راستہ میں تقسیم کروگے،

عن ثوبانؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ زوی لی الارض فرایت مشارقھا ومغاربھا وان امتی سیبلغ ملکھا ما زوی منھا واعطیت الکنز الاحمر والابیض، (اخرجہ مسلم)

اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو اکٹھا کر دیا، تو میں نے اس کے مشرقی اور مغربی حصوں کو دیکھا، بہت جلد میری اُمت کی حکومت اُس زمین پر قائم ہو جائیگی، جو مجھے دکھائی گئی ہے، اور مجھے سونے اور چاندی کے خزانے دیئے گئے،

ظاہر ہے کہ ان فتوحات کی تکمیل خلفائے راشدین کے زمانہ میں ہوئی، اور اسی دور سعادت میں مسلمانوں نے قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج کو پاؤں تلے روندا، اور ان کے ملکوں میں اسلام کا جھنڈا

نصب کیا گیا، اور عراق کی فتح کے بعد ایک ہزار اونٹ بیش بہا خزائن اور ساز و سامان سے لدے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے، یہی وہ زمانہ ہے، جس میں دنیا کے ایک بہت بڑے حصہ میں قرآنی نظام سیاست و اقتصاد کا نفاذ ہوا،

اس بابرکت دور کے بعد ایک بہت بڑے فتنہ کی خبر دی گئی ہے، اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس موقع پر اپنے امیر کا ساتھ دیں،

عن ابی هریرة قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول انها ستکون فتنة و اختلاف او اختلاف و فتنة قال قلنا یا رسول الله فما امرنا قال علیکم بالامیر و اصحابه (اخرجه الحاکم)	بہت جلد ایک فتنہ اور اختلاف یا اختلاف اور فتنہ (علی تشکک الراوی) برپا ہوگا، ابوہریرہ نے سوال کیا یا رسول اللہ! ایسی حالت میں ہمارے لئے کیا ارشاد ہے؟ فرمایا اپنے امیر اور اس کے ہمراہیوں کا ساتھ دینا،

حضرت عثمانؓ کی شہادت سے اس فتنہ کا آغاز ہوا، اور پھر بڑھتا ہی چلا گیا، یہانتک کہ حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں بدامنی شورش اور طوائف الملوکی خطرناک حد تک پہنچ گئی، اور ان کی شہادت کے بعد خلافت راشدہ کا دور ختم ہوگیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شورش و بدامنی کے متعلق پہلے سے حضرت علیؓ کو آگاہ فرما دیا تھا،

عن ابن عباس قال قال النبی صلی الله علیه وسلم لعلیؓ اما انک ستلقی بعدی جهداً قال فی سلامة من دینی قال فی سلامة من دینک (اخرجه الحاکم)	آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا، عنقریب تجھے سخت تکلیف اور مشقت سے دوچار ہونا پڑیگا، عرض کیا میرے دین کی سلامتی کے ساتھ؟ فرمایا: ہاں تمہارے دین کی سلامتی کے ساتھ

خلافت راشدہ کے بعد بنو امیہ کا دور استبداد شروع ہوتا ہے، اس کی نسبت بھی سرزد و جہان

صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے خبر دیدی تھی،

ثُمَّ کائن ملکًا عضوضًا ... اس کے بعد جابر بادشاہ ہوں گے،

ملوکیتِ عاضہ اور ملوکیتِ جابرہ کے بعد ایک پانچویں دور کی بھی خبر دی گئی ہے،

ثم تکون خلافۃ علی منہاج النبوۃ تعمل فی الناس بسنۃ النبی ویلقی الاسلام بجرانہ فی الارض یرضی عنہا ساکن السماء وساکن الارض لا تدع السماء من قطر الا صبتہ مدرارا ولا تدع الارض من نباتہا وبرکاتہا الا اخرجتہ (اخرجہ الشاطبی فی الموافقات)

آخر میں ایک دفعہ پھر خلافت علی طریق النبوۃ کا دور آئے گا جس کے اعمال سنت کے اسوہ پر ہوں گے، اور اس دور میں اسلام کو زمین میں استحکام حاصل ہوگا، آسمان والے، اور زمین والے اس دور سعید سے خوش ہوں گے آسمان رحمتِ خداوندی کی موسلا دھار بارش برسائے گا، اور زمین اپنی تمام نباتات و خزائن باہر نکال دے گی،

یہی وہ آخری دور ہے، جو اسلام کی آخری منزل ہے اور جس میں لیظہرہ علی الدین کلہ کا اعلان خداوندی ایک حقیقۂ ثانیہ بن کر دنیا کے سامنے جلوہ گر ہوگا،

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اسلامی نظام سیاست میں کوئی کشش تھی، تو پھر وہ زیادہ عرصہ تک کیوں نہ قائم رہ سکا،

مختصراً اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام کا دائرۂ اثر و نفوذ کسی ایک وطن یا قوم میں محدود نہیں بلکہ جغرافی اور نسلی قیود سے بلند تر اور تمام عالم انسانی کی وسعتوں کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے، ظاہر ہے کہ کوئی حیاتیاتی نظریہ افادہ کے اعتبار سے جتنا محدود ہوگا، اس کا اجراء و نفاذ بھی اسی قدر آسان ہوگا، اور جس قدر اس کا دائرۂ نفوذ بڑھتا جائے گا، اسی تناسب سے اس کے قیام میں

و شعوریاں بڑھتی جائیں گی۔

اسلام کا نصب العین تمام روئے زمین میں خلافتِ الٰہیہ کا قیام ہے اور تاوقتیکہ تمام عالمِ انسانی استعداد و قابلیت کے ایک خاص موقف تک نہ پہنچ جائے اس وقت تک اسلامی نظامِ حیات دیرپا اور عالمگیر نہیں ہو سکتا، عہدِ خلافتِ راشدہ میں اگرچہ دنیا کے بہت بڑے حصے میں خلافتِ الٰہیہ کا نفاذ ہوا مگر وہ دیرپا نہ ہو سکا کیونکہ ان کے لئے جن شرائط کی ضرورت تھی وہ پوری طرح اس وقت تک عالمِ وجود میں نہیں آئے تھے، مگر اس بات کی ضرورت تھی کہ ایک کامل اور جامع کتابِ ہدایت اور ایک مکمل نمونۂ عمل انسانوں کے حوالہ کر دیا جائے جو زندگی کے مختلف مراحل میں ان کے لئے ایک مثالی حقیقت کا کام دے سکے اور عملی تجربات میں ان کی ٹھیک ٹھیک رہنمائی کر سکے یہاں تک کہ ان کا شعورِ ذات درجۂ تکمیل تک پہنچ جائے۔

عن مالکؒ انہ بلغہ انہ علیہ السلام قال	میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں، جب تک
ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم	تم ان سے تمسک کرتے رہو گے، گمراہی سے
بہما کتاب اللہ وسنۃ رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم	محفوظ رہو گے یعنی کتاب اللہ اور سنت۔

نیز خاتمِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں اسلامی نظریۂ سیاست کے نفاذ سے دنیا پر یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ یہ نظامِ زندگی محض تصورات کی دنیا تک محدود نہیں بلکہ ایک عملی حقیقت بننے کی اس میں پوری صلاحیت موجود ہے مگر اس کی تکمیل اس وقت ہو گی جب کہ انسان کا شعورِ ذات مختلف مراحل طے کرتا ہوا اپنے اصل مرکز پر پہنچ جائیگا یہی انسان کی آخری منزلِ مقصود ہو گی، اور کسی نہ کسی دن اسے اس غایتِ قصوی تک پہنچنا ہوگا، مگر یہ وقت کب آئیگا، اس کے متعلق کوئی قطعی جواب نہیں دیا جا سکتا، ہاں اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ جب بیچاری انسانیت سالہا سال کی مسلسل ناکامیوں اور نامرادیوں سے تنگ آ جائیگی، اس کے فہم و ادراک کی جولانیوں کے لئے تمام راہیں بند ہو جائیں گی، تو یاس و ناامیدی کے عالم میں اسے یہ کہنا پڑے گا ع "تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی" اور پھر اعترافِ عجز کے ساتھ اسے بارگاہِ رب العزت میں جھکنا ہوگا، اور حسرت و افسوس کے ساتھ اظہارِ ندامت کرنا پڑے گا، کہ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا۔

تلخیص تبصرہ

رباعیاتِ عمر خیام کا قدیم ترین نسخہ

ماہ رواں میں طہران کا ماہانہ علمی رسالہ "یادگار" جلد ۳ نمبر ۳ موصول ہوا، اس کے ایک ادارتی مقالہ سے رباعیاتِ خیام کے ایک قدیم ترین نسخہ کا حال معلوم ہوا، فاضل مدیر یادگار نے رباعیات خیام کے ان نسخوں میں سے جو اس وقت تک معلوم تھے، بوڈلین لائبریری کے نسخہ کو قدیم تر لکھا ہے، جو ۸۶۵ھ یعنی خیام کی وفات کے ۳۴۸ برس بعد کا لکھا ہوا ہے، اور جس میں صرف ۱۵۸ رباعیاں ہیں،

لیکن یہ مستشرقین کی تحقیق ہے، جس کا تتبع مقالہ نگار نے اپنے مقالہ میں کیا ہے، حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہٗ نے اپنی تصنیف "خیام" میں چند ایسے دوسرے نسخوں کی نشان دہی بھی کی ہے، جو بوڈلین کے اس نسخہ سے قدیم تر ہیں، ان میں دو نسخے قسطنطنیہ میں ہیں، جو ۸۶۴ھ اور ۸۶۱ھ کے لکھے ہوئے ہیں، اور ایک نسخہ لکھنؤ میں بابو گوری شنکر سکسینہ کی ملکیت میں ہے، جو ۸۶۶ھ میں لکھا گیا ہے (خیام ص ۲۶۱ و ۲۶۲)

بہرحال یہ تینوں نسخے بھی نویں صدی ہجری کے قرار پاتے ہیں، جن میں قدیم تر لکھنؤ کا نسخہ مکتوبہ ۸۲۶ھ ہی ہے، رباعیات کا جو جدید مجموعہ طہران میں دریافت ہوا ہے، اس کی کتابت کی تاریخ ۶۰۴ھ ہے یعنی خیام کی وفات کے کل ۸۷ برس کے بعد وہ لکھا گیا ہے، اس لحاظ سے اس نسخہ کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہو جاتی ہے،

خیام کی یہ رباعیاں دراصل ایک مجموعہ منتخبات کے اندر ہیں، جس میں مختلف شعراء کے کلام کے انتخابات درج ہیں،

اتفاق سے اس مجموعہ کے ابتدا اور وسط کے کچھ اوراق غائب ہیں، اور جو محفوظ رہ گئے ہیں، ان میں سنائی غزنوی، سوزنی، عمر خیام اور انوری کے منتخبات موجود ہیں، اور خوش قسمتی سے عمر خیام کی رباعیات کے سب اوراق محفوظ رہ گئے ہیں، مجموعہ کے باقی ماندہ کل اوراق کی تعداد ۹۵ ہے، جن میں سے ۲۱ ورق خیام کی رباعیات کے ہیں، ہر صفحہ میں ۱۶ سے ۱۸ سطریں ہیں، اور رسم خط قدیم ہے، رباعیات کا انتخاب اس عنوان سے شروع ہوتا ہے،

"من کلام عمر الخیامی النیشاپوری علیہ الرحمہ"

پھر خاتمہ پر درج ہے،

"انتخاب اشعار حکیم عمر خیامی نیز بپایان رسید"

ان منتخب رباعیوں کی تعداد جو ۲۱ ورقوں میں ہیں، ۲۵۱ ہے، اس سے خیام کی رباعیات کی تعداد کے مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے، اب تک محققین کو رباعیات خیام کے کسی قدیم نسخہ کی جستجو رہی ہے، اس کی عدم موجودگی میں مختلف علمی و ظنی قیاس آرائیوں سے ان کی تعداد معین کرنے اور مختلف رباعیوں کے انتساب کی صحت و عدم صحت کے جانچنے کا معیار مقرر کرنے کی کوششیں کرنی پڑی ہیں، اس نسخہ کے انکشاف سے ان مباحث پر غیر معمولی روشنی پڑے گی، اور کسی نتیجہ تک پہنچنے میں آسانی حاصل ہوگی، اور پھر کم سے کم یہ پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے گا، کہ وہ ڈھائی سو سے زیادہ تھیں، جن میں سے ۲۵۱ رباعیوں کو منتخب کیا گیا ہے، افسوس ہے کہ لائق مقالہ نگار کو اس مجموعہ کی رباعیوں کو دوسرے مجموعوں کی رباعیوں سے مقابلہ کرنے کا موقع نہ مل سکا ہے، وہ صرف چند رباعیوں کا مقابلہ برلین کے نسخہ سے کر سکا ہے، اور ان کو اس مقالہ میں شائع کر دیا ہے، لیکن مقالہ نگار کا عام اندازہ ہے، کہ ان ڈھائی سو رباعیوں میں سے بیشتر دوسرے مجموعوں میں بھی موجود ہیں،

اس مجموعہ کے خاتمہ پر کتابت کی تاریخ ثبت ہے، مجموعہ انوری کے انتخابات پر ختم ہوا ہے،

آخر میں تحریر ہے :-

"چون آنچہ در صدد کتاب وعدہ دادہ بودیم، از منتخبات شعرا بسبیل اجمال بتقدیم رسید کتاب را بدین اشعار استاذ الشعراء حکیم ازرقی ہروی رحمہ اللہ ختم کنیم، اگر طغیان قلمی یا غلطی در عبارت یا در مفہوم یا سہو در نظر آید، معذور باید داشت کہ بسبیل ارتجال در حال استعجال اتفاق تحریر افتاد، ایزد سبحانہ و تعالیٰ آنچہ مقتضی ثبات و نظام و مستدعی و حصول مرام بود ارزانی دارد، انہ اللطیف المجیب در شہر رجب سنۃ اربع و ستمائۃ العبد المذنب غیاث الدین محمد بن یوسف بن علی غفر اللہ عنہ بحق محمد وآلہ الطاہرین المعصومین"

ادارہ مجلہ یادگار کا ارادہ ہے کہ اس ساڑھے سات سو برس کے قدیم مخطوطہ کو عکسی فوٹو کے ساتھ شائع کرے تاکہ رباعیات خیام کے مجموعوں میں سے ایک قیمتی مجموعہ منظر عام پر آجائے،

"س"

اعلان

۱۔ معارف سے متعلق ہر طرح کی خط و کتابت اور ارسال زر کے وقت براہ کرم نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیں ورنہ تعمیل کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی،

۲۔ معارف ہر مہینہ کی ۵ تاریخ کو پوری پابندی کے ساتھ شائع ہوجاتا ہے اس لئے رسالہ نہ پہنچنے کی اطلاع ۳۰ تاریخ تک دفتر میں آجانی چاہئے، ورنہ اس کے بعد اطلاع موصول ہونے پر پرچہ بہ قیمت ارسال ہوگا،

"منیجر"

استفسار و جواب

کیا ولادتِ نبوی کے وقت آپ کے والد کی وفات ہو چکی تھی،

جناب خواجہ عبد الوحید صاحب
قدیر منزل سید روڈ لاہور۔

حال ہی میں سیرۃ نبوی کی ایک چھوٹی سی کتاب برائے تبصرہ میرے پاس آئی، اس کا نام تھا "حیات النبی" اور عنوان کے نیچے لکھا ہے "شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی کی مستند عربی تاریخ بدء الاسلام کے فارسی ترجمہ کا اردو خلاصہ"،

اس کتاب کے پہلے صفحہ پر لکھا ہے،

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو ماہ کے تھے، کہ آپ کے والد بزرگوار نے وفات پائی"

یہ جملہ پڑھکر تعجب ہوا، اس لئے کہ ہم لوگ ہمیشہ یہی پڑھتے اور سنتے آئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے پیشتر آپکے والد عبد اللہ بن عبد المطلب انتقال فرما چکے تھے، بدء الاسلام کا اردو ترجمہ جو علیا حضرت میمونہ سلطانہ شاہ بانو صاحبہ بھوپال نے کیا ہے، اور جو رحمانی پریس دہلی میں طبع ہوئی، اس کے ص ۸ پر ولادت باسعادت کے زیر عنوان وہی الفاظ موجود ہیں :-

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو مہینہ کے تھے کہ آپکے باپ نے رحلت فرمائی"

اب دریافت طلب امر یہ ہو کہ کیا اصل کتاب (جو عربی زبان میں ہے) کے الفاظ بھی یہی ہیں اور اگر ایسا ہی ہے تو اس کی سند کیا ہے، میں نے سیرۃ النبی کی جلد اول اس غرض سے دیکھی، تو وہاں اول عبد اللہ کی وفات کا تذکرہ ہے، جہاں یہ باب ختم ہوتا ہے اور اس کے بعد ظہور قدسیؐ کے عنوان سے وہ باب لکھا گیا ہے جس میں ولادت نبوی کا ذکر ہے، یہ صاف ظاہر

کرتا ہو کہ آپ کی پیدائش سے پیشتر آپ کے والد کی وفات ہو چکی تھی،

اس لئے اگر مندرجۂ بالا جملہ غلط ہے، تو اس کی تصحیح ہونی چاہئے، ان دنوں حالات اپنے خیالات عالیہ سے مطلع فرمائیں، اور اگر کسی ماہ کے معارف میں اظہار خیالات ممکن اور مناسب ہو تو شاید بہت سے لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچ سکے،

معارف:- ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت حضرتؐ کے والد ماجد کی نسبت مختلف روایات ہیں، سیرۃ ابن ہشام میں یہی ہے کہ ان کی وفات کے وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہنوز شکم مادر میں تھے، چونکہ بحیثیت سیرۃ کی کتاب کے یہ ماخذ زیادہ تر مشہور ہے، اس لئے زبانوں پر یہی روایت ہے، مگر دوسری روایتیں بھی کتابوں میں موجود ہیں جن میں سے ایک وہ ہے جس کو حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ نے سیرۃ الاسلام میں اختیار کیا ہے،

امام سہیلی سیرۃ ابن ہشام کی شرح میں لکھتے ہیں،

وذکر انہ مات ابوہ وھو حمل و	ابن ہشام کا بیان ہے کہ آپ حمل ہی میں
اکثر العلماء انہ فی المھد ذکرہ	تھے، کہ آپ کے والد نے وفات پائی، اور
الدولابی وغیرہ وقیل ابن شھرین	اکثر علماء اس پر متفق ہیں کہ آپ اپنے والد
ذکرہ ابن ابی خثیمہ وقیل اکثر	کی وفات کے وقت گہوارہ میں تھے، اس
من ذلک ..... وقد قیل مات	کو محدث دولابی وغیرہ نے بیان کیا ہو،
ابوہ وھو ابن ثمان وعشرین	اور یہ بھی کہا گیا ہے، کہ آپ دو مہینہ کے تھے
شھرا، (روض الانف سہیلی ص۱)	اس کا ذکر محدث ابن ابی خثیمہ نے کیا ہے،

حافظ زرقانی مواہب لدنیہ کی شرح میں اس مسئلہ کی حسب ذیل تحقیق کرتے ہیں،:-

"اور جب حضرت آمنہ پر حمل کے دو مہینے گذر گئے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کی پیدائش کو

دو ماہ باقی تھے، تو آپ کے والد عبد اللہ نے وفات پائی، اس وقت ان کی عمر پچیس برس کی تھی، جیسا کہ واقدی کا بیان ہے، اور یہی زیادہ ثابت ہے، یا ۳۰ برس کے تھے، جیسا کہ ابو احمد حاکم نے کہا یا اٹھائیس برس کے تھے، یا اٹھارہ برس کے تھے، اور اسی کو حافظ مغلطائی اور حافظ ابن حجر نے صحیح کہا ہے، اور اسی کو حافظ سیوطی نے پسند کیا ہے

اور کہا گیا ہے کہ آپ اپنے والد کی وفات کے وقت گہوارۂ طفولیت میں تھے، سہیلی نے کہا ہے کہ یہی اکثر علماء کا قول ہے، محدث دولابی نے اسی کو کہا ہے ..... اب اس قول کے لحاظ سے کہ آپ اپنے والد کی وفات کے وقت گہوارہ میں تھے، اس میں اختلاف ہے کہ اس وقت آپ کی کیا عمر تھی، محدث ابن ابی خیثمہ کی روایت ہے کہ دو ماہ کے تھے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ۷ ماہ کے تھے، اور یہ بھی کہ ۲۸ ماہ کے تھے، لیکن راجح اور مشہور قول یہ ہے جیسا کہ امام نووی نے کہا ہے، اور واقدی اور ابن سعد اور بلاذری اور ذہبی نے اس کو راجح کہا ہے کہ آپ اپنے والد کی وفات کے وقت ابھی تک شکم مادر ہی میں تھے، اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو حاکم نے روایت کیا ہے، اور جس کو حاکم نے صحیح مسلم کی شرط کے مطابق کہا ہے اور امام ذہبی نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے، مستدرک میں حاکم نے قیس بن مخرمہ صحابی سے روایت کیا ہے کہ

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد نے وفات پائی، آپ ابھی ان کے پیٹ ہی میں تھے۔"

[illegible] ۱۲۲۲ [illegible]

قیس بن مخرمہ صحابی آپ کے خاندان کے تھے، اور بالکل ہم عمر تھے یعنی اسی سال پیدا ہوئے جس سال آپ پیدا ہوئے، (مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۶۰۴ حیدرآباد دکن) اس لئے یہی روایت صحیح ہے، اور یہی علماء میں معتبر اور مسلمانوں میں مشتہر ہے، حاکم کی یہ حدیث مستدرک جلد ہشتم میں ان لفظوں کے ساتھ ہے توفی ابوہ وامہ حبلی بہ (ھذا حدیث صحیح علی شرط مسلم)

آپ اس رسالہ پر حاشیہ لکھ دیں کہ ایک روایت یہی ہے مگر صحیح یہ ہے کہ ولادت سے پہلے آپ کے والد کی وفات ہو چکی تھی۔

"س"

تجاعاًد مطبوعات

قرآن اور تصوف: از جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی صدر شعبۂ فلسفہ جامعہ عثمانیہ ضخامت ۲۰۰ صفحے تقطیع ۲۰×۲۲ قیمت :- ۶ر، پتہ :- ندوۃ المصنفین قرول باغ دہلی،

ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب اسلامی عقائد و مسائل کو زمانۂ حال کے فلسفیانہ طرز استدلال میں مرتب کر کے معارف اور ملک کے دوسرے علمی رسالوں میں پیش کرتے رہے ہیں۔ "قرآن اور تصوف" ان کے اسی نوعیت کے چند مضامین کا مجموعہ ہے، جو معنوی ترتیب سے ایک مستقل کتاب کے ابواب بن گئے ہیں، اس میں انھوں نے قرآن مجید اور احادیث نبویہ سے اسلام کے حقیقی تصورات و تعلیمات کو پیش کر کے دکھایا ہے، کہ یہی وہ بنیادی حقائق ہیں، جن کو اکابر صوفیہ نے دور قدیم میں تصوف کے نام سے پیش کیا ہے، مقدمہ میں لفظ "تصوف" اور "صوفی" پر بحث آئی ہے، مصنف نے امام قشیری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "لفظ صوفی ۲۰۰ھ کے کچھ پہلے مشہور ہوا" (قرآن اور تصوف ص ۵) لیکن امام قشیری کا یہ بیان لفظ تصوف کے بارہ میں ہے، نہ کہ لفظ صوفی کے متعلق، اور انھوں نے صرف "پہلے" لکھا ہے، نہ کہ "کچھ پہلے"، امام قشیری فرماتے ہیں،

فانفرد خواص اهل السنة ...	اس لئے خواص اہل سنت ..... تصوف
....باسم التصوف واشتهر هذا	کے نام سے ممتاز ہوئے اور دوسری
الاسم لهؤلاء الا كابر قبل المائتين	صدی ہجری سے پہلے ان اکابر کے لئے
من الهجرة (رسالہ قشیریہ ص ۹)	اس نام کی شہرت ہوئی،

لفظ صوفی کے استعمال کے متعلق جامی کی نفحات الانس کا بیان اس سے زیادہ واضح ہے، اس میں شیخ ابو ہاشم صوفی کے متعلق جنھوں نے ۱۵۰ھ میں وفات پائی ہے، مذکور ہے،

"اول کسے کہ ویرا صوفی خواندہ اند وے بود، پیش از وے کسے را باین نام نخواندہ بود"

(تذکرہ ابو ہاشم صوفی)

بایں ہمہ دوسری اور تیسری صدی میں وہ اکابر جن کی امتیازی شان زہد و عبادت سمجھی جاتی تھی، عموماً "الزاہد والمتعبد" ہی کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے، تیسری صدی کے بزرگوں میں سے شیخ ابو حمزہ الصوفی ۲۶۹ھ کو الصوفی اور حضرت شیخ جنید بغدادی المتوفی ۲۹۷ھ کو شیخ الصوفیہ کے لقب سے یاد کیا گیا ہے، اور اسی زمانہ سے "الزاہد والمتعبد" کا لقب رفتہ رفتہ ترک ہوتا گیا، اور اس کی جگہ "الصوفی" نے لے لی،

پھر مصنف نے اکابر صوفیہ کے اقوال و تعبیرات سے تصوف کی حقیقت سمجھائی ہے، اور پھر آگے چل کر ان حقائق کی تطبیق کتاب و سنت سے دی ہے، اور "عبادت و استعانت" "قرب و معیت" "تنزلات ستہ" "خیر و شر" اور "یافت و شہود" کے عنوانات جداگانہ بابوں میں قائم کئے ہیں، اور ان میں ان موضوعوں کے دقائق و حقائق کو اسلام کی حقیقی تعلیمات اور کتاب و سنت و اکابر امت کی تشریحات کی بنیادوں پر زمانۂ حال کی منطقی ترتیب و فلسفیانہ طرز استدلال کے ساتھ دلنشین پیرایہ میں پیش کیا ہے، جس کا مقصود مصنف کے الفاظ میں "حصول مقام عبدیت مع الالوہیت اور یافت و شہود حق ہے" اور جس کا قدرتی نتیجہ محویت فی الحق اور یافت و شہود حق و خلق ہے"، اور آخر میں دکھایا ہے کہ "جب عرفان کامل کے ساتھ حق تعالیٰ کی محبت و عشق کا جذبہ بھی عارف کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے، تو اب وہ اسی دنیا میں رہ کر جنت فردوس میں داخل ہو جاتا ہے، فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي (سورہ ۸۹) اور اپنی عبدیت کی تحقیق کے ساتھ ہی وہ جنت ذات میں داخل ہو جاتا ہے، آ

ہر وقت چشمۂ قرب سے شراب محبت میں سرشار رہتا ہے۔ عیناً یشرب بہا المقربون (ص ۱۴۳ تا ۶۴۰)

یہ تصنیف جدید علم کلام کے سلسلہ کی ایک اچھی کڑی کہی جا سکتی ہے، جس کا امتیازی وصف یہ ہے کہ اس کی بنیاد کسی یونانی فلسفہ کے سوال و جواب پر ہونے کے بجائے کتاب و سنت کے حقائق پر رکھی گئی ہے، ہم مصنف کو اس تصنیف پر مبارکباد دیتے ہیں، مقدمہ کے بعد والے باب کو دوم لکھنے کے بجائے "اول" قرار دینا تھا، کہ مقدمہ تو کتاب کے ابواب سے جدا رہتا ہے،

معاہدۂ ہند و برطانیہ، از جناب سر سید سلطان احمد صاحب، حجم ۹۴ صفحے، تقطیع $\frac{۲۰\times۲۲}{۸}$،

کاغذ اور لکھائی چھپائی بہتر، قیمت:- عہ، پتہ:- نگارستان ایجنسی اردو بازار، دہلی،

جناب سر سید سلطان احمد صاحب نے وائسرائے کونسل کی ممبری کے زمانہ میں اپنی شخصی حیثیت سے ہندوستان کے سیاسی مسائل پر اس تصنیف میں اپنا نقطۂ نظر پیش کیا تھا، جس زمانہ میں ہندوستان کی سیاسیات میں تعطل جاری تھا، پہلی شملہ کانفرنس ہو چکی تھی۔ مصنف کے تخیل میں درجہ نوآبادیات کا آزاد ہندوستان تھا، اور اس کی اس حیثیت میں اس کو جن مسائل سے سامنا کرنا پڑتا، اس کتاب میں ان پر نظر ڈالی ہے، اور اپنی معقول تجویزیں پیش کی ہیں، مصنف کی نظر میں مستقبل کا ہندوستان جنوبی ایشیا کا سب سے بڑا باثر مملکت ہوگا، اس پر ایشیا میں امن و امان قائم رکھنے کی ذمہ داری عائد ہوگی، اس سلسلہ میں مصنف نے ہندوستان کی مغربی، شمالی و مشرقی سرحدوں کی آزاد و نیم آزاد حکومتوں اور قبیلوں پر نظر ڈالی ہے، ان سے ہندوستان کے موجودہ گوناگوں تعلقات کی نوعیتوں اور آیندہ قائم ہونے والے روابط کو دکھایا ہے، اور اپنی تجویزیں پیش کی ہیں، پھر ہندوستان کے تعلقات ایشیائی سلطنت روس و چین اور ایشیا میں اثرات رکھنے والی حکومت امریکہ سے دکھائے ہیں، پھر برطانوی سلطنت اور ہندوستان کے آیندہ تعلقات کا ذکر کیا ہے، اور ان دونوں پر جو جداگانہ فرائض عائد ہوتے ہیں، ان کو بیان کیا ہے، ہندوستان کی وحدت کی ضرورت اور وفاق ہند میں مستقبل کے ہندوستان کی نجات دکھائی ہے، اور یونین (انڈیا)

کا مجوزہ خاکہ پیش کیا ہے، ادہ ہند و برطانیہ کے تعلقات کو ایک معاہدہ کے ذریعہ سے طے کرنا اور ملک کے تعطل کو دور کرنے کا مشورہ دیا ہے،

معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کی کتاب انگریزی زبان میں تھی، ترجمہ کی زبان مین سلاست و روانی نہین ہے، کتاب کا وہ حصہ زیادہ قابلِ قدر ہے جس مین ہندوستان کے تحفظ اور اس سلسلہ مین ہمسایہ حکومتوں کے تعلقات پر نظر ڈالی گئی ہے، مجوزہ یونین کے متعلق مصنف نے جو خیالات ظاہر کئے تھے، یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ ۲۰ رمئی کے وزارتی وفد کے اعلان مین تقریباً وہی خاکہ موجود ہے،

صد پارۂ دل، از جناب دل محمد صاحب ام اے ،جم ۲۷۶ صفحے، تقطیع فلسکیپ ۱/۸، قیمت سے، پتہ:- خواجہ گلزار محمد صاحب، خواجہ بک ڈپو، موہن لال روڈ، لاہور،

جناب خواجہ دل محمد صاحب ایم اے سابق پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور ہماری زبان کے کہنہ مشق شاعر ہین، اُن کی قومی، اسلامی اور اخلاقی نظموں کے مجموعے "دردِ دل" اور "آئینۂ اخلاق" قدردانوں کے حلقہ مین مقبول ہو چکے ہین، نیز "بھگوت گیتا" کا منظوم اردو ترجمہ ان کے قلم سے نکل کر ملک کے مختلف حلقوں سے خراجِ تحسین وصول کر چکا ہے، اب "صد پارۂ دل" کے نام سے ان کی پانسو رباعیوں کا مجموعہ شائع ہوا ہے، جناب سر شیخ عبد القادر صاحب نے اس مجموعہ کا "سرآغاز" لکھا ہے، جس مین خواجہ صاحب کے کلام کے خصوصیات دکھائے گئے ہین، یہ مجموعہ رباعیوں کی معنوی خصوصیات کے لحاظ سے پانچ حصوں "میخانۂ عرفان" "طلسم ہستی" "اسرار حقائق" "اعمال و اخلاق" اور "نیرنگِ جذبات" کے عنوانوں مین تقسیم کیا گیا ہے، اور ان مین سے ہر حصہ مین موضوع سے متعلق سو سو رباعیاں درج کی گئی ہین، امید ہے کہ حضرتِ دل کا یہ تازہ تحفہ بھی قدردانوں مین مقبولیت عام حاصل کریگا

فرعونی تاریخ:- از جناب خواجہ حسن نظامی صاحب تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ قیمت ۔ پتہ:- دفتر لوحِ محفوظ، اردو لائبریری، دہلی،

فرعونی تاریخ مصر کی قدیم سیاسی و تمدنی سرگذشت ہے، کتاب دو حصون مین ہے، پہلا حصہ ۲۰ صفحون پر مشتمل ہے، جو گویا قدیم مصری تصویرون کا ایک عکسی البم ہے، جس مین پہلی تصویر "حضرت یوسفؑ زلیخا کے گھر مین" کے عنوان سے ہے، خواجہ صاحب نے اس تصویر کے شائع کرنے کا جواز یون نکالا ہو کہ "یہ اُس زمانہ کی ہے جب کہ وہ پیغمبر نہیں ہوئے تھے کیونکہ "اصلی" پیغمبری اپنے والد حضرت یعقوبؑ کی وفات کے بعد شروع ہوئی تھی" (ص ۲) گویا جن علماء کے نزدیک پیغمبرون، اور اولیاے صالحین کی تصویرین کھینچنا یا شائع کرنا ناجائز ہے، انھون نے اس قسم کی کوئی شرط بھی لگا رکھی ہے کہ وہ ان کے "اصلی" پیغمبر اور ولی ہو جانے کے بعد کی ہو، اسی طرح دوسرے حصہ کے دیباچہ مین خواجہ صاحب نے اس کتاب کو "تاریخ مصر" کے بجائے "فرعونی تاریخ" سے موسوم کرنے کی عجیب وجہ لکھی ہے، فرماتے ہین، "مجھے اپنے خدا کی پیروی ضروری معلوم ہوتی ہے، جس کو فرعون نام سے ایسا لگاؤ ہے کہ قرآن مجید مین جگہ جگہ اُس نے فرعون کا ذکر کیا، لفظ مصر کا ذکر قرآن مجید مین بہت کم ہے، اور عربی مین کہاوت ہے، من احب شیئًا اکثر ذکرہ جو جس چیز سے محبت رکھتا ہے، اس کا بار بار ذکر کرتا ہے" (دیباچہ حصہ دوم ص ۳ و ۴) یعنی بیک جنبش قلم فرعون بھی نعوذ باللہ "محبوب الٰہی" بن گیا، دوسرا حصہ ۲۰۰ صفحون پر مشتمل ہے، جس مین مصر کی قدیم سیاسی و تمدنی زندگی کا نقشہ کھینچا گیا ہے، اور مختلف بابون مین مصر کی بادشاہیون کے سیاسی حالات، مصر کے تمدن، علوم و آداب، عقائد و روایات، رسم و رواج، مصری آرٹ، صنعت و حرفت، فن تعمیر، غرض قدیم مصر کے ہر گوشہ پر نظر ڈالی گئی ہے، آخر مین "مصری عجائب گھر" کی سیر کرائی گئی ہے، مصری تمدن کی قدامت و اولیت وغیرہ کے مباحث مین وہ نظریئے قبول کئے گئے ہین، جن کو مصر کے اہل علم نے قائم کیا ہے، نیز خواجہ صاحب نے جا بجا مصری عقائد و مدنیت کی مماثلت قدیم ہندوانہ عقائد و رسم و رواج سے بھی دکھائی ہے، کہین کہین طرز ادا محتاط مورخین کے طرز گفتگو سے علیحدہ ہے، بہرحال، اردو مین یہ کتاب قدیم مصری معلومات کا بہترین مرقع ہے اور اس لئے قدر افزائی کی مستحق ہے"

اور تاریخی کتابیں

تاریخ اخلاق اسلام، جلد اول، اس مین اسلامی اخلاق کی پوری تاریخ، قرآن پاک اور احادیث کے اخلاقی تعلیمات اور پھر اسلام کی اخلاقی تعلیمات پر مختلف حیثیتون سے نقد و تبصرہ ہے،
مصنفہ: مولانا عبد السلام ندوی، ضخامت ۲۰۶ صفحے،
قیمت: ۲ عہ

ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہین، ہندوستان کی قدیم تاریخی کتابون مین مرتب طور پر ہندوستانی مسلمانون کے تعلیمی نظام اوران کے مدرسون اور تعلیم گاہون کا حال معلوم کرنا چاہین تو نہین مل سکتا، مولوی ابوالحسنات مرحوم نے نہایت تلاش و تحقیق کے بعد ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہون پر معارف مین ایک مقالہ لکھا تھا جس کو اہل نظر نے بے حد پسند کیا، اب دار المصنفین نے اسی مقالہ کو کتابی صورت مین نہایت اہتمام سے شائع کیا ہے،
ضخامت ۱۳۴ صفحے، قیمت: ۱۲ر

مختصر تاریخ ہند، مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی نے یہ تاریخ مدرسون اور طالب علمون کے لئے اس غرض سے لکھی ہے کہ ہندو اور مسلمان فرمانرواؤن نے ہندوستان کے بنانے مین جو کام کئے ہین، اور جو عظیم الشان خدمات انجام دی ہین، وہ طالب علمون کو بلا تفریق مذہب و ملت معلوم ہو جائین،
اس کتاب کو گورنمنٹ بہار نے اپنے سرکاری مدرسون مین بھی جاری کر دیا ہے، اور حکومت یو پی نے اس کے ۵۰۰ نسخے سرکاری لائبریریون کے لئے خریدے ہین، ضخامت: ۲۰۰ صفحے، قیمت: عہ

ہماری بادشاہی، ہمارے چھوٹون بچون کے نصاب مین کوئی ایسی کتاب نہ تھی جو اُن کو تیرہ سو برس کی قومی تاریخ سے باخبر کر سکے، یہ کتاب اسی ضرورت کو سامنے رکھکر لکھی گئی ہے، یہ ان تمام بڑی بڑی سلطنتون کی مختصر اور آسان تاریخ ہے جو گذشتہ صدیون مین مسلمانون نے دنیا کے مختلف حصون مین قائم کین،
ضخامت: ۲۰۰ صفحے، قیمت: عہ

ہندوستان کی کہانی، ہندوستان کی تاریخ کا یہ چھوٹا سا رسالہ نہایت آسان اور سہل زبان مین لکھا گیا ہے، تاکہ مکتبون اور ابتدائی مدرسون کے بچے اس کو آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکین، اور اُن کو معلوم ہو جائے کہ وہ کون تھے اور اب کیا ہین، ضخامت ۷۶ صفحے، قیمت: عہ
مرتبہ: مولوی عبد السلام قدوائی، ندوی،

مقدمۂ رقعات عالمگیر، اس مین اسلامی فن انشار اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغۂ انشار کی تفصیل ہے، اور پھر عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود عالمگیر کے خطوط و رقعات کی روشنی مین تنقیدی بحث کی گئی ہے۔
۳۹۰ صفحے، قیمت: للعہ

رقعات عالمگیر، اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط و رقعات جو زمانۂ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہین، اس جلد مین جمع کئے گئے ہین، ان سے ادب، سیاست اور تاریخ کے بیسیون حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، مرتبہ: سید نجیب اشرف ندوی ایم اے،
ضخامت: ۴۸۰ صفحے،
قیمت: ے ر

سوانح

سیرت عائشہؓ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالات زندگی اور اُن کے مناقب و فضائل اخلاق اور اُن کے علمی کارنامے اور اُن کے اجتہادات اور صنفِ نسوانی پر اُن کے احسانات، اسلام کے متعلق اُن کی نکتہ سنجیاں، اور معترضین کے جوابات، قیمت: ے، ضخامت ۴۲۹ صفحے، طبع سوم با اضافہ حواشی، (از مولانا سید سلیمان ندویؒ)

سیرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ

حضرت عمرؓ بن عبد العزیز خلیفہ اموی کے سوانح حیات اور اُن کے مجددانہ کارنامے، ضخامت ۲۰۲ صفحے، قیمت: عکا ر از مولانا عبد السلام ندوی،

حیات امام مالکؒ

امام مالکؒ کی سوانح عمری، علم حدیث کی مختصر تاریخ، فقہ مدنی کی خصوصیت اور علم حدیث کی کتاب موطاے امام مالکؒ پر تبصرہ، قیمت: عہ ر (۱۰۶ صفحے) از مولانا سید سلیمان ندوی،

الغزالی

امام غزالیؒ کی سوانح عمری اور ان کا فلسفہ اور علم کلام، اخلاق اور تصوف مین اُن کے مجددانہ کارنامے ضخامت ۲۳۵ صفحے، قیمت: عہ ر از مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ،

تابعین

علم و عمل اور مذہب و اخلاق مین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سچے جانشین اور ان کے تربیت یافتہ تابعین کرام رضی اللہ عنہم تھے، اور صحابۂ کرامؓ کے بعد اُن ہی کی زندگی مسلمانون کے لئے نمونۂ عمل ہو، اس مین چیانوے اکابر تابعینؒ کے سوانح ان کے علمی، مذہبی، اخلاقی، اور ملکی مجاہدات اور کارنامون کی تفصیل ہے، مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی، ضخامت: ۶۰۰ صفحے، قیمت: للعہ ر

(صدیق احمد بھیاوری نے چھپواکر شایع کیا)

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۱ مارچ ۱۹۴۷ء

معارف

مجلس دارالمصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت: پانچ روپیہ سالانہ

دفتر دارالمصنفین اعظم گڈھ

سلسلۂ تاریخ اسلام

اردو میں اسلامی تاریخ پر کوئی ایسی جامع کتاب نہیں تھی جس میں تیرہ سو سال کی تمام اہم اور قابل ذکر حکومتوں کی سیاسی، علمی اور تمدنی تاریخ ہو، اس لئے دارالمصنفین تاریخ اسلام کا ایک پورا سلسلہ خاص اہتمام سے مرتب کرا رہا ہے، جس کے بعض حصے چھپ چکے ہیں اور بعض زیر طبع ہیں، اور اکثر زیر تالیف و تکمیل ہیں، جو بتدریج جیسے جیسے حالات مساعد ہوں گے شائع ہوتے رہیں گے،

تاریخ اسلام حصۂ اوّل (عہد رسالت و خلافت راشدہ)
اس میں آغاز اسلام سے لیکر خلافت راشدہ کے اختتام تک کی مفصل مذہبی، سیاسی و تمدنی اور علمی تاریخ ہے (زیر طبع)،
ضخامت: ۳۸۰ صفحے، قیمت: ستے ؍

تاریخ اسلام، حصۂ دوم، (بنو امیہ) اس میں اموی حکومت کی صد سالہ سیاسی و علمی و تمدنی تاریخ کی تفصیل ہے،
ضخامت ۳۰۴ صفحے، قیمت: ستے ؍

تاریخ اسلام حصۂ سوم، (تاریخ بنی عباس جلد اوّل)
اس میں خلیفہ ابوالعباس سفاح ۱۳۲ھ سے خلیفہ ابو اسحٰق متقی للہ ۳۳۳ھ تک دو صدیوں کی بہت مفصل سیاسی تاریخ ہے، ضخامت ۴۵۰ صفحے، قیمت: للعہ ؍

تاریخ اسلام حصۂ چہارم (تاریخ بنی عباس جلد دوم)
اس میں خلیفہ مستکفی باللہ کے عہد ۳۳۳ھ سے آخری خلیفہ مستعصم باللہ ۶۵۶ھ تک خلافت عباسیہ کے زوال و خاتمہ کی سیاسی تاریخ ہے،
ضخامت ۴۳۲ صفحے، قیمت: صہ ؍

(مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی)

تاریخ دولت عثمانیہ حصۂ اوّل، اس میں عثمان اوّل سے مصطفےٰ رابع تک سلطنت عثمانیہ کے چھ سو برس کے کارناموں کی تفصیل ہے، ضخامت: ۵۰۰ صفحے
قیمت: سے ؍

تاریخ دولت عثمانیہ حصۂ دوم، سلطنت عثمانیہ کے عروج و زوال کی تاریخ اور اس کے نظامی اور تمدنی کارناموں کی تفصیل: از محمود ثانی ۱۲۲۳ھ ۱۸۰۸ء تا جنگ عظیم ۱۳۳۷ھ ۱۹۱۹ء
ضخامت: ۴۶۸ صفحے، قیمت: ۱۰ صہ ؍

مرتبہ مولوی محمد عزیز صاحب ایم اے علیگ سابق رفیق دارالمصنفین اعظم گڑھ،

تاریخ صقلیہ جلد اوّل، اس میں صقلیہ کے جغرافی حالات سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملوں کی ابتدا، حکومت کا قیام، اور عہد بعہد کی ترقیوں اور عروج کی پوری اور مفصل داستان ہے،
۴۵۶ صفحے، قیمت: للعہ ؍

تاریخ صقلیہ حصۂ دوم، یہ سسلی کے تمدنی و علمی ترقیوں کا مرقع ہے، جس میں عہد بعہد کے مفسرین، محدثین، فقہاء، ادباء و شعراء کے مفصل حالات اور ان کی تصنیفات کا ذکر ہے،
۵۰۰ صفحے، قیمت: للعہ ؍
مرتبہ: مولانا سید ریاست علی ندوی،

مسعود علی ندوی — منیجر — دارالمصنفین اعظم گڑھ

جلد ۵۹ ماہ ربیع الآخر ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۴۷ء عدد ۳

مضامین

شذرات

ہندوستان، اس وقت انقلاب کے دروازے پر کھڑا ہے، کئی صدیون سے جو تاریخ جاری تھی اب اس کے آخری صفحے بھی مرتب ہو جائین گے، خوشی کی بات ہے، کہ اس سیاسی انقلاب کے ساتھ زندگی کے ہر شعبہ مین ایک نئی روح دوڑانے کی امنگ بھی پیدا ہو چکی ہے، ابھی جنوری کے پہلے ہفتہ مین انڈین سائنس کانگرس کا ۳۴ وان سالانہ اجلاس دہلی مین منعقد ہوا جس مین سائنس کے مختلف شعبون کے ہندوستانی ماہرین کے علاوہ مختلف ملکون، روس، انگلستان، فرانس، امریکہ، اسٹریلیا، کناڈا اور چین کے ماہرین سائنس نے شرکت کی، اور اپنی تقریرون مین سائنٹفک ترقیون کے لئے ہندوستان کے درخشان مستقبل سے اپنی امیدین وابستہ دکھائین، اور صدر منتخب نے اپنے خطبہ مین ان عزمون کو بیان کیا جن کے موجب سائنس کی ترقیون مین مستقبل کا ہندوستان اپنا حصہ ادا کرنے والا ہے، اور ملک کے سائنس دانون سے توقع ظاہر کی، کہ وہ اپنے سائنٹفک خدمات کو ہندوستان کی ترقی کا ذریعہ بنائین گے اور جدید سائنٹفک اوارون سے اس ملک کی ضرورتین پوری کرین گے،

اسی طرح ہندوستان کا موجودہ نظام تعلیم بھی ایک انقلابی دور سے گذر رہا ہے: سب سے اہم مسئلہ تعلیم کی زبان کا ہے، شکر ہے کہ اب اس مسئلہ پر نظری حیثیت سے گفتگو کرنے کا دور ختم ہو چکا، انگریزی زبان کی تعلیم کے لئے سب سے پہلا کالج ۱۸۲۳ء مین بمبئی مین قائم کیا گیا تھا، اور ۱۸۳۵ء مین کلکتہ کے میڈیکل کالج کی بنا پڑی اور اس وقت سے آج تک اس ملک مین سرکاری تعلیم کی زبان انگریزی رہی، اس یک صدسالہ دور کا جو کچھ تعلیمی تجربہ ہے، ہمین اس سے فائدہ اٹھانا ہے، اس سے انکار نہین کیا جا سکتا، کہ انگریزی کے ذریعہ تعلیم ہونے سے ملک کو نفع اور نقصان دونون پہنچا، مگر اب جب کہ خالص ملکی حکومت ہو گی، اور ہماری ملکی زبان مین نئے سے نئے علوم کو پڑھانے کے ذرائع و وسائل مہیا ہو چکے ہین، اور جامعہ عثمانیہ مین اس کا عملی تجربہ بھی کیا جا چکا ہو تو انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنائے رکھنے کے وہ بنیادی دلائل بھی باقی نہین رہ گئے، جو لارڈ میکالے اور ولیم بینٹنک نے پیش کئے تھے، ایسی صورت

مین اب انگریزی کو ذریعۂ تعلیم بنائے رکھنا کوئی مناسب بات نہیں کہی جا سکتی تھی، خوشی کی بات ہے کہ مرکزی حکومت ہند کے نئے وزیر تعلیم نے قلمدان وزارت سنبھالتے ہی اس اہم مسئلہ پر توجہ کی، چنانچہ اس کو حل کرنے کے لئے وہ مختلف صوبون کے وزراے تعلیم، اور یونیورسٹیون کے ماہرین کو مشورہ کے لئے جمع کرنے والے ہین، اور توقع ہے کہ سال رواں یا آیندہ سال سے ملکی زبان کو ذریعۂ تعلیم قرار دیدیا جائے اور ہندوستانی طلبہ جو ایک سو برس سے علوم کی تحصیل اجنبی زبان مین کرتے آئے ہین، اس بار سے سبکدوش ہو جائین، اور وہ مختلف علوم کی تحصیل اپنی ملکی زبان مین کر سکین، وہ انگریزی زبان کی تحصیل کو ایک معیاری ادبی زبان کی حیثیت سے برقرار رکھ سکین، امید ہے کہ ہندوستان کے ہر طبقہ کی طرف سے یہان کے نظام تعلیم مین اس خوشگوار تبدیلی کا پرتپاک خیر مقدم کیا جائے گا،

ہمارے لئے اس سے بھی زیادہ باعث مسرت یہ ہے کہ مرکزی حکومت ہند کے محکمۂ تعلیم کی زمام ایک صاحب علم و فضل شخصیت کے ہاتھون مین آجانے کی وجہ سے ہماری عربی و فارسی تعلیم کا مسئلہ بھی حکومت کے زیر توجہ مسائل کی فہرست مین داخل ہو گیا ہے، اور صوبۂ متحدہ اس سلسلہ کی مساعی کے لئے جولانگاہ قرار پایا ہے کہ دراصل یہی صوبہ ہندوستان کی عربی درسگاہون کا مرکز ہے، یہان جو تبدیلیان رونما ہون گی، وہ سارے ہندوستان کی عربی درسگاہون کو متاثر کئے بغیر نہ رہ سکین گی، ابھی ۲۲ فروری ۱۹۴۷ء کو عربی و فارسی کمیٹی کا جو اجلاس لکھنؤ مین منعقد ہوا، اور اس مین جو ماحول نظر آیا، وہ ہمارے لئے بہت کچھ حوصلہ افزا ہے، اس اجلاس مین ملک کی اہم درسگاہون کے روح رواں حضرات نے عملی شرکت فرمائی، اور ہندوستان مین عربی تعلیم کی اصلاح و تجدید کے مسئلہ پر اپنے قیمتی مشورے دیئے'

مولانا آزاد نے اپنے خطبۂ صدارت مین نصاب تعلیم کی اصلاح پر سب سے زیادہ توجہ فرمائی جیسا کہ مولانا موصوف نے فرمایا، یہی دعوت تھی، جو آج سے پچاس برس پہلے ندوۃ العلماء کی تحریک کے نام سے ملک مین پیش کی گئی تھی' اور بحمد اللہ کہ اس پچاس برس مین خواہ زبان سے اس دعوت کی قبولیت کا اقرار نہ کیا گیا ہو، مگر عملی طور پر اس کی صدا سے بازگشت سے ہمارے عربی مدارس کے حجرے خالی نہین رہے" آج عربی مدارس کا نصاب تعلیم بہت کچھ بدل چکا ہے، غیر ضروری علوم کی منتہی کتابین' درس سے خارج کی جا چکی ہین علوم آلیہ کو آلہ و وسیلہ کی حیثیت سے پہچانا جا چکا ہے، پھر عربی علم ادب اور دوسرے نئے علوم کو مدرسون مین کمی کے ساتھ سہی روشناس کیا جا چکا ہے،

یہی وجہ ہو کہ اس اجلاس کے خطبۂ صدارت کے جواب میں علماے کرام کی جانب سے جو تقریرین کی گئین، وہ بھی امید افزا ہیں کہ وہ حاصل اب اس کی ضرورت سے انکار کرنے کا دور گذر چکا، صالح زمین تیار ہو چکی ہے، صرف توجہ اور انہماک سے بیباکانہ کام کرنے کی ضرورت ہے، جن اصلاحات کا رائج ہونا باقی رہ گیا ہے، ان کو رائج کیا جائے، اور جہان طلبہ پر غیر ضروری کتابون کا بار اب بھی باقی رہ گیا ہو اس کو ہلکا کیا جائے، اور دینی علوم و فنون کے ساتھ عربی ادب و نقد و بلاغت کی مکمل تعلیم دی جائے، اور نصاب مین تاریخ جغرافیہ، جدید فلسفہ، جدید ہیئت، ریاضی اور سائنس کے ضروری ابتدائی معلومات، اور مطالعۂ فطرت (نیچراسٹڈی) کے مضامین پڑھائے جائیں، اور نئے علوم و فنون مین بصیرت حاصل کرنے کے لئے انگریزی ادب کو زبان ثانی کے طور پر پڑھایا جائے، اس طرح عربی تعلیم کے نصاب اور مدارس کے نظام کو ایک ایسے قالب مین لایا جائے کہ وہان کے فارغ التحصیل علما ہمارے دور حاضر کی دینی، ملی، علمی، تعلیمی اور تمدنی ضرورتون کے لئے مفید ہو سکین، اور ملت کی صحیح رہنمائی کے فرائض انجام دے سکین، صوبۂ متحدہ کی عربی فارسی کمیٹی سے ہماری بہتر توقعات وابستہ ہین، دعا ہے کہ اس کے ارکان یکجہتی سے اس مسئلہ پر غور و فکر فرمائیں، اور باہمی صلاح و مشورہ سے مفید تجویزین مرتب کرین، اور ان کو نفاذ اور عمل مین لانے کے لائق بنا سکین،

اسی طرح بنگال اور سندھ کے صوبون مین نئی یونیورسٹیون کے قیام کی تجویزین بھی درپیش ہین، ان صوبون مین سیاسی صورت حال نے مسلمانون مین ایک نیا ولولہ پیدا کر دیا ہے، امید ہے کہ یہ نئی یونیورسٹیان تعلیم کے نئے خاکے اور نئی ضرورتیات کو پیش نظر رکھ کر قائم کی جائین گی،

حکومت ہند کے تازہ فیصلہ کے مطابق اردو کے گہوارہ لکھنؤ کے ریڈیو اسٹیشن سے اردو زبان کے نشریات کا حصہ صرف ۳۰ فیصدی اور ہندی کا ۷۰ فی صدی ہوگا، اس فیصلہ کے ناموزون ہونے کی آواز مستحکم دلائل کے ساتھ ملک کے مختلف ذمہ دار حلقون کی طرف سے اٹھائی جا چکی ہے، حقیقت یہ ہے کہ حکومت کا یہ فیصلہ خود اس کے قائم کئے ہوئے ان اصولون کے بھی خلاف ہے، جن کی روشنی مین اس فیصلہ تک پہنچنے کی کوشش کی گئی ہے، اس مین نہ تو متعلقہ علاقون کی زبان کی حیثیت و اہمیت" کا لحاظ رکھا گیا ہے، اور نہ "اسٹیشن کی لسانی حیثیت" کا کہ لکھنؤ بہرحال وہ محل وقوع" ہے جہان اس زبان کی توسیع و ترقی ہوئی ہے"، ان حالات مین ایسے فیصلہ کا اعلان کرنا حد درجہ حیرت انگیز اور بڑی جسارت کا کام ہے، ضرورت ہے، کہ حکومت ہند جلد سے جلد اس پر نظر ثانی کرے کہ اس کا دامن اردو، اور اس کے مرکز لکھنؤ کی ادبی و لسانی عظمت کو مٹانے کے الزام سے بری ہو،

مقالات

کچھ "فتاویٰ تاتارخانیہ" کے متعلق

از

سید ریاست علی ندوی

معارف بابت ماہ فروری ۱۹۳۲ء میں ایک مقالہ "خان اعظم تاتارخان اور اس کی یادگار علمی خدمات" کے عنوان سے شائع ہوا تھا، ان دنوں راقم السطور کے مقالات کا ایک مجموعہ "عہد اسلامی کا ہندوستان" کے نام سے زیر ترتیب ہے جس میں ایسے مقالات جن کا تعلق کسی نہ کسی حیثیت سے ہندوستان کے اسلامی دور کی تاریخ سے وابستہ ہے یکجا کئے گئے ہیں، اور ان کو مباحث و معلومات کے زمانہ کی ترتیب کے مطابق مرتب کیا گیا ہے،

یہ مقالات ۱۹۲۶ء سے ۱۹۴۶ء تک میں وقتاً فوقتاً شائع ہوئے ہیں، اس بیس برس کی مدت میں بہت سے ایسے نئے مآخذ چھپ کر سامنے آئے جو ان مضامین کی تسوید کے وقت تک چھپے نہیں تھے، یا ہمارے کتبخانہ میں آ نہ سکے تھے، اس لئے ان پر نظر ثانی کرنے کے سلسلہ میں ان نئے مآخذ سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت پیش آئی، اس سلسلہ میں مذکورۂ بالا مقالہ "خان اعظم تاتارخان ...." پر بھی نظر ثانی کا موقع ہاتھ آیا، تو اس میں "فتاویٰ تاتارخانیہ" کا ذکر تشنہ نظر آیا، ذیل کی سطروں میں اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے،

مقالہ "خان اعظم" میں فتاویٰ تاتارخانیہ کے متعلق جو کچھ ذکر آیا ہے، وہ صرف قاضی شمس سراج

عفیف کی تاریخ فیروز شاہی سے ماخوذ تھا اور بانکی پور کی مجمل فہرست مخطوطات، مفتاح الکنوز المخفیہ اور رام پور کی مجمل فہرست کتب عربی کے حوالہ سے صرف یہ اجمالاً عرض کیا گیا تھا کہ اس کے نسخے بانکی پور اور رام پور میں موجود ہیں، اس کے بعد بانکی پور کی فہرست مخطوطات کی انیسویں جلد ۱۹۳۵ء میں چھپ کر آئی جس میں فقہی مخطوطات کا ذکر تفصیل سے آیا ہے، اسی طرح مولانا عبدالحئی مرحوم کی نزہۃ الخواطر ۱۳۵۰ھ میں طبع ہوئی، پھر خدیویہ مصر اور بعض دوسرے کتب خانوں کی فہرست مخطوطات کا اضافہ ہمارے کتب خانہ میں ہوا، ان میں سے خصوصاً اول الذکر دونوں کتابوں سے فتاویٰ تاتارخانیہ کے متعلق بعض نئے معلومات روشنی میں آئے،

قاضی شمس سراج عفیف نے اپنی تاریخ فیروز شاہی میں فتاویٰ تاتارخانیہ کا تذکرہ تفسیر تاتارخانیہ کے ساتھ اس کے ذیل میں کیا ہے، وہ لکھتا ہے:۔

"تفسیر تاتارخانی کہ در جہان مشہور ست آں تفسیر جمع کردۂ تاتارخاں بود چنیں گویند راویان روایت وحاکیان حکایات کہ تاتارخاں خواست کہ تفسیرے مفصل مرتب کند تمام تفاسیر جمع کنانیدہ جماعۂ علمائے حاضر گردانیدہ، در ہر آیتے وکلمہ آں قدر مفسران گذشتہ کہ اختلاف نوشتہ بودند برائے تالیف تفسیر بدل وجان درنشست و در ہر یک ختم حوالہ بداں صاحب تفسیر کردہ گوئی جملہ تفاسیر در یک تفسیر جمع گردانیدہ چوں آں تفسیر مرتب گشتہ تاتارخاں آں تفسیر را تفسیر تاتارخانی نام داشتہ،

وہمچنیں خان اعظم طالب دین یک فتوی رست کنانیدہ واں بریں نوع بود کہ جملہ نسخ فتاویٰ شہر دہلی بر خویش جمع کردہ در ہر مسئلہ و در ہر کلمہ کہ اختلاف ہر یک مفتی ست در فتاویٰ خود نوشتہ واں را فتاویٰ تاتارخانی نام داشتہ وخلاف ہر یک مفتی حوالہ بصاحب آں فتاویٰ کردہ این چنین فتاویٰ سوا ز سی جلد مرتب شدہ"[1]

عفیف کے اس بیان سے یہ چند باتیں ظاہر ہوئیں:۔

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص۳۹۳،

۱- فتاویٰ کی ترتیب و تدوین کی خدمت بھی، تفسیر تاتارخانیہ کی طرح ایک جماعت علما نے انجام دی،

۲- خان اعظم تاتارخاں نے خاص طور پر اس خدمت کے لئے جماعت علمار کو مقرر کیا،

۳- یہ کتاب تصنیف پاکر "فتاویٰ تاتارخانیہ" سے موسوم ہوئی،

حاجی خلیفہ نے بھی اس کتاب کا ذکر اپنی کشف الظنون میں کیا ہے، مگر اس کا بیان عفیف کی مذکورۂ بالا تصریحات کے خلاف ہے، وہ لکھتا ہے،

"تاتارخانیة" فی الفتاوی	تاتارخانیہ، فتاویٰ میں امام فقیہ عالم بن علا
للامام الفقیه عالم بن علاء	حنفی کی تصنیف ہے، یہ ایک ضخیم کتاب کئی
الحنفی وهو کتاب عظیم فی	جلدوں میں ہے، ... اور اس میں خان اعظم
مجلدات ...... وذکر انه	تاتارخاں کے ایما سے مرتب ہونے کا ذکر آیا ہے
اشار الی جمعه الخان الاعظم	اور چونکہ کتاب کو کسی نام سے موسوم نہیں کیا گیا
تاتارخان ولم یسمه ولذلک	ہے، اس لئے اس تذکرہ کی وجہ سے تاتارخانیہ
اشتهر به وقیل انه سماه	کے نام سے مشہور ہو گئی، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ
زاد المسافر،[1]	مصنف نے اس کو زاد المسافر کے نام سے
	موسوم کیا تھا،

پھر آگے چل کر "زاد المسافر" کے تحت میں یقین کے ساتھ لکھتا ہے،

"زاد المسافر فی الفروع"

وهو المعروف بالفتاوی	زاد المسافر فقہ میں ہے، یہ فتاویٰ تاتارخانیہ
التاتارخانیه لعالم بن علاء الحنفی	کے نام سے موسوم ہے، عالم بن علار حنفی

[1] کشف الظنون ج ۱ ص ۲۱۱،

المتوفی سنہ ست وثمانین وسبعمائۃ[1] متوفی ۷۸۶ھ کی تصنیف ہے،

شیخ عالم بن علاء حنفی کا ذکر نزہۃ الخواطر میں گلزار ابرار (تصنیف مولوی محمد غوثی) کے حوالہ سے آیا ہے، اس میں مذکور ہے:-

الشیخ الامام العالم الکبیر فرید الدین	شیخ امام عالم جلیل فریدالدین عالم
عالم بن العلاء الحنفی الاندریتی	بن علاء حنفی اندریتی، فقہ اصول، اور عربی
احد العلماء المبرزین فی الفقہ	کے علمائے ماہرین میں سے تھے، فقہ
والاصول والعربیۃ لہ الفتاوی	میں ان کی ایک کتاب تاتارخانیہ ہے،
التاتارخانیۃ فی الفقہ المسمیٰ	جس کو انھوں نے زاد السفر سے موسوم
بزاد السفر صنفہ فی سنۃ سبع و	کیا ہے، اس کو انھوں نے ۷۷۷ھ[2] میں
سبعین وسبعمائۃ للامیر الکبیر	تالیف کیا اور امیر کبیر تاتارخان کے نام
تاتار خان وسماہ باسمہ و	سے معنون کیا، فیروز شاہ کی خواہش تھی
کان فیروز شاہ یرید ان یسمیہ	کہ یہ کتاب اس کے نام سے معنون ہو لیکن
باسمہ فلم یقبلہ لصلۃ	مصنف اور تاتارخان کے درمیان جو مخلصانہ
کانت بینہ وبین تاتارخان[3]	روابط قائم تھے، ان کی وجہ سے مصنف
	نے اس کو قبول نہیں کیا،

---

[1] کشف الظنون جلد ۱ ص ۳ [2] یہ ظاہر ہے کہ عالم بن علاء کا سال وفات ۷۸۶ھ یہاں غلط درج ہو گیا ہے زمانہ کے اعتبار سے اس کو ۶۸۶ھ ہونا چاہئے، معلوم ہوتا ہے یہ لفظی مسامحت نقل در نقل سے کشف الظنون میں پیدا ہوگئی [3] فتاویٰ تاتارخانیہ کا سال تصنیف ۷۷۷ھ قرار دینا محل نظر ہے کیونکہ تاتارخان کا سانحۂ وفات جیسا اس کے سوانح میں درج ہو چکا ہے ۷۵۲ھ سے پہلے پیش آچکا تھا [4] نزہۃ الخواطر ص ۹۶

ان اقتباسات بالا سے ظاہر ہوا کہ

۱۔ تاتارخانیہ کی ترتیب کی خدمت ایک ہندوستانی عالم شیخ فریدالدین عالم بن علاء کے ہاتھوں انجام پائی، نہ کہ علماء کی کسی جماعت نے تاتارخان کے ایما سے اس کے اہتمام میں اس کو مرتب کیا ہے۔

۲۔ بلکہ صاحب گلزار ابرار کے فحواے کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس تصنیف کی تدوین ایسے شخصی اور ناصحانہ طریقہ سے عمل میں آئی، کہ اگر مصنف چاہتا تو فیروز شاہ کی خواہش کے بموجب اس کو تاتارخان کے بجائے اس کے نام سے معنون کرتا، اس طرح تاتارخان سے اس کتاب کا تعلق محض برائے نام رہ جاتا ہے۔

۳۔ اس کتاب کا نام فتاویٰ تاتارخانیہ اصل نام نہیں ہے، جس سے اس کو مصنف نے موسوم کیا ہو، بلکہ اس میں تاتارخان کے ذکر کے آنے کی وجہ سے اس نام سے اس کی شہرت ہوگئی ہے،

۴۔ اس کا نام حاجی خلیفہ کے بیان کے مطابق زاد السافر اور صاحب گلزار ابرار کی روایت کے بموجب زاد المسافر رکھا گیا ہے،

قاضی شمس سراج عفیف، حاجی خلیفہ، اور صاحب گلزار ابرار کے ان بیانون میں جو اختلافات ہیں، ان کی تصحیح فتاویٰ تاتارخانیہ کے اصل نسخہ سے بہت کچھ ہو سکتی ہے لیکن افسوس ہے کہ رام پور، حیدرآباد و مصر کی فہرستین بالکل مجمل ہیں، خدیویہ مصر کی فہرست میں مرتب نے صرف کشف الظنون کی عبارت نقل کر دی ہے، ان فہرستون میں اصل نسخہ کے حوالہ سے اس کتاب پر کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی ہے لیکن خوشی کی بات ہے کہ کتب خانہ مشرقی بانکی پور کے فہرست نگار نے اپنا فرض ادا کیا ہے، اور اصل نسخہ سے مدد لے کر اس کتاب کے متعلق معلومات فراہم کئے ہیں، اس سلسلہ میں فتاویٰ تاتارخانیہ کے مقدمہ کی ایک عبارت خاص طور پر مفید مطلب ہے، مقدمہ میں مذکور ہے :-

اما بعد فقد اشار الی	مجھے اس کی تالیف کے لئے خان اعظم تاتار
الخان الاعظم تاتارخان ... ملحقد	خان نے اشارہ کیا ..... الدین نے اللہ

سألت الله ان اتشمر لجمع كتاب	دعا کی کہ کتاب فتاویٰ کو جمع کرنا شروع
الفتاویٰ ..... ولاجرم تتبعت فی	کروں ..... چنانچہ میں کتابوں کے جمع کرنے
جمع الکتاب ورتبت ابوابہ علی	میں لگا، اور اس کے ابواب ہدایہ کی ترتیب
ترتیب الهدایہ وسمیتہ بالفتاویٰ	پر قائم کئے، اور اس کو میں نے فتاویٰ تاتار
التاتارخانیہ[1]	خانیہ سے موسوم کیا،

مقدمہ کی اس عبارت میں اگرچہ مصنف نے اپنا نام نہیں لیا ہے مگر زیر بحث امور میں سے چند باتیں صاف ہو جاتی ہیں،

۱- فتاویٰ کے جمع و ترتیب کی تحریک خان اعظم تاتار خان کی طرف سے ہوئی، اور اسی کے ایما و ہدایت کے مطابق اس کی ترتیب عمل میں آئی،

۲- اس کا نام نہ زاد المسافر رکھا گیا، اور نہ زاد السفر، بلکہ اس کو فتاویٰ تاتار خانیہ ہی کے نام سے موسوم کیا گیا تھا، نہ کہ محض اس نام سے اس کی شہرت ہو گئی ہے،

لیکن پھر زاد المسافر یا زاد السفر سے اس کے موسوم کئے جانے کی روایت کہاں سے چلی تو سر دست اس کا پتہ لگانا دشوار ہے، آیندہ اگر شیخ عالم بن علاء کے مزید سوانح اور ان کی تصنیفات کا سراغ لگ گیا تو شاید یہ مشکل حل ہو جائے،

۳- مقدمہ کی اس عبارت سے اس روایت کا بے اصل ہونا بھی ظاہر ہوتا ہے، کہ فیروز شاہ نے اس کو اپنی طرف منسوب کرنا چاہا مگر مصنف اس پر آمادہ نہیں ہوا، کہ درحقیقت مصنف کو اس کتاب کی ملکیت کا آزادانہ اختیار حاصل نہ تھا کہ وہ اگر چاہتا تو تاتار خان کے بجائے فیروز شاہ سے اس کو منسوب کر دیتا، پھر فیروز شاہ کی طرف سے کسی ایسی خواہش کا ظاہر ہونا اس کے شایان شان وقار سے فروتر تھا،

---

[1] فہرست مخطوطات بانکی پور ج ۱۹ ص ۲۳،

اور اگر وہ خواہش ظاہر ہو چکی ہوتی، تو خانِ اعظم تاتارخان کا تعلق اس تصنیف سے جس نوعیت کا تھا، اور دوسری طرف فیروز شاہ اور تاتارخان کے درمیان جیسے مخلصانہ مراسم تھے، ان امور پر نظر رکھ کر تاتارخان کے اخلاق سے یہ بعید تھا، کہ وہ اپنے آقا کی خاطر اتنا معمولی سا ایثار بھی گوارا نہ کرتا،

اس لئے اس روایت کو ایسی افواہوں میں شمار کرنا چاہئے جو کسی کتاب یا مصنف کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لئے مشہور ہو جاتی ہیں، اور صاحب گلزار ابرار نے اسی قسم کی ایک افواہ کو بے سند اپنی تصنیف میں قبول کر لیا ہے،

باقی رہا یہ سوال کہ یہ شیخ عالم بن علار کی تصنیف ہے، یا علماء کی ایک جماعت نے مل کر اس کو مرتب کیا ہے، تو اس میں کچھ زیادہ پیچیدگی نہیں ہے، اگرچہ مقدمہ میں جامع فتاویٰ نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا ہو لیکن عبارت میں اپنا ذکر بصیغۂ واحد لایا ہے، پھر بانکی پور کے کتب خانہ میں ایک نسخہ پر یہ بھی مکتوب ہے کہ

نقل عالم بن علاء الهندی فی الفتاوی التاتارخانیہ[1] — عالم بن علار ہندی نے فتاویٰ تاتارخانیہ میں نقل کیا ہے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے، کہ اس زمانہ میں اہل علم کے درمیان جن میں یہ کتاب متداول تھی اس کے جامع کی حیثیت سے عالم بن علار ہندی کا نام معروف تھا، لیکن یہ ظاہر ہے کہ تیس جلدوں کی ضخیم کتاب کی تیاری کا کام تھوڑی مدت میں کسی ایک شخص کی تنہا خدمت سے انجام پانا دشوار ہے اس لئے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ قاضی شمس سراج عفیف کے بیان کے مطابق اس خدمت کو علماء کی ایک جماعت نے انجام دیا ہوگا، اور جمع و ترتیب کی آخری ذمہ داری شیخ عالم بن علاء اندپتی کے سپرد اسی طرح ہوگی، جیسے کہ فتاویٰ عالمگیریہ کی ترتیب کی ذمہ داری شیخ نظام کے

---

[1] فہرست مخطوطات بانکی پور جلد ۱۹ ص ۱۱۲

کے سپرد تھی اس لئے شیخ عالم بن علاء اندرپتی کو دور حاضر کی اصطلاح میں مرتب کہا جا سکتا ہے، اور مقدمہ کی عبارت بھی انہی کے قلم کی بھی جا سکتی ہے، اس لئے اگر اس تصنیف کی نسبت ان کی طرف کی جائے تو کوئی ناموزوں بات بھی نہیں ہے۔

الغرض فقہ کا یہ عظیم الشان کارنامہ خان اعظم تاتارخان کے علمی و دینی شغف سے عالم وجود میں آیا، اس کے اہتمام میں اور اس کے مصارف سے یہ تصنیف تیار ہوئی، اور ترتیب و تدوین کی خدمت شیخ عالم ابن علاء اندرپتی کی نگرانی میں علماء کی ایک جماعت کی معاونت سے اتمام کو پہنچی،

ماخذ اور کتاب کی ترتیب | حاجی خلیفہ نے فتاویٰ تاتارخانیہ کے ماخذ اور کتاب کی ترتیب کا بھی تذکرہ کیا ہے، وہ لکھتا ہے :-

جمع فیہ مسائل المحیط البرھانی	اس میں محیط برہانی، ذخیرہ، خانیہ اور
والذخیرۃ والخانیۃ والظھیریۃ	ظہیریہ کے مسائل جمع کئے ہیں، اور محیط
وجعل المیم علامۃ للمحیط	کے لئے میم کی علامت مقرر کی ہے، و بقیہ
وذکر اسم الباقی وقدم بابا فی	کے نام لکھے ہیں، اور شروع میں ایک
ذکر العلم ثم رتب علی ابواب	باب علم کے بیان میں لکھا ہے اور ہدایہ
الھدایۃ	کے ابواب کے مطابق کتاب مرتب کی ہے

حاجی خلیفہ نے اپنی عام روش کے خلاف کتاب کے ابتدائی جملے نقل کئے ہیں، اور نہ باب العلم سے پہلے جو مقدمہ منسلک ہے، اس کا تذکرہ کیا ہے، ان کی پیروی کی فہرست میں کتاب کے نسخوں میں آغاز کتاب کے حسب ذیل فقرے نقل کئے گئے ہیں،

"الحمد للہ الذی صیر الفقہاء انجما للاھتداء ومحمد ربنا علی ما سبغ

۱؎ کشف الظنون ج ۱ ص ۲۶۸،

علینا من العطاء[۱] الخ"

اسی طرح مقدمہ سے اخذ کرکے اس کتاب کے مآخذ میں ۲۴ کتابوں کے صرف نام درج کئے ہیں، لیکن نہ ان کتابوں کے مصنف کے نام لکھے گئے ہیں، اور نہ ان کے زمانہ کی تعیین کی گئی ہے، اسی طرح کشف الظنون میں بعض کتابوں کے ضمن میں ذکر آیا ہے، کہ اس کا حوالہ تاتارخانیہ میں آیا ہے، مگر خود تاتارخانیہ کے مقدمہ میں جو فہرست ہے اس میں اس کتاب کا نام موجود نہیں، اور نہ حاجی خلیفہ نے خود جہاں تاتارخانیہ کا ذکر کیا ہے وہاں اس کتاب کو اس کے مآخذ میں شمار کیا ہے، بہرحال تاتارخانیہ کے مآخذ کی فہرست ان کے مصنفین کے نام، ان کا یا اُن کی تصنیف کا زمانہ اور کتابوں کے قلمی یا مطبوع صورت میں موجود ہونے کی تصریح حسب ذیل ہے،

۱۔ المحیط کے نام سے زیادہ معروف محیط سرخسی ہے، مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے، کہ تاتارخانیہ کے مآخذ میں المحیط البرہانی رہی ہے جس کی تائید حاجی خلیفہ کی تصریح سے بھی ہوتی ہے، یہ صاحب ذخیرۃ الفتاویٰ برہان الدین محمود بن تاج الدین احمد بن عبدالعزیز الصدر الشہید المتوفی ۶۱۶ھ کی تصنیف ہے، اس کا نسخہ خدیویہ مصر میں نمبر ۱۶ کے نشان کے ساتھ موجود ہے، اور جیسا کہ حاجی خلیفہ کا بیان اوپر گذرا، یہ تاتارخانیہ کے اہم مآخذ میں رہی ہے، اس سے زیادہ فائدہ اٹھایا گیا ہے، اس نے حوالہ میں اس کا نام بار بار لکھنے کے بجائے اس کے لئے میم کی علامت اختیار کی گئی ہے،

۲۔ ذخیرۃ الفتاویٰ شیخ برہان الدین المتوفی ۶۱۶ھ موصوف کی یہ دوسری کتاب ہے جو مآخذ میں رہی ہے، اس کے نسخے خدیویہ مصر (ج ۲ ص ۱۵) اور بانکی پور (نمبر کتاب ۱۶۷۵؛ جلد ۱۹ ص ۱۶۰) میں موجود ہیں،

۳۔ فتاویٰ ظہیریہ، تصنیف ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد القاضی المحتسب بخارا المتوفی ۶۱۹ھ۔

---

[۱] فہرست مخطوطات ٹونک ۱۳، ۱۵

(موجود در بانکی پور نمبر ۱۰۰۷ و حیدرآباد)

۴- فتاوی خانیہ معروف بہ فتاوی قاضی خان، تصنیف فخرالدین ابوالمحاسن حسن بن منصور اوزجندی فرغانی المتوفی ۵۹۲ھ (مطبوع)

۵- کتاب الخلاصہ: تصنیف افتخار الدین طاہر بن احمد بن عبدالرشید البخاری المتوفی ۵۴۲ھ

(موجود بانکی پور نمبر ۱۶۱۹، و خدیویہ ج ۲ ص ۱۳۲)

۶- جامع الفتاوی:۔ تصنیف ناصر الدین ابوالقاسم محمد بن یوسف سمرقندی متوفی ۵۵۶ھ

(موجود خدیویہ مصر ص ۲۲)

۷- جامع الفقہ معروف بالفتاوی العتابیہ، تالیف ابونصر احمد بن محمد عتابی بخاری متوفی ۵۸۶ھ

(خدیویہ ج ۲ ص ۴۴)

۸- فتاوی سراجیہ کے نام سے تین مصنفین کی کتابین ہین، ایک سراج الدین عمر بن اسحاق المعروف بہ سراج ہندی المتوفی ۷۷۳ھ کی ہے، دوسری ابوطاہر محمد بن محمد کی طرف منسوب ہے، تیسری سراج الدین علی بن عثمان اوسی فرغانی کی ہے، جو ۵۶۹ھ مین ترتیب پائی، غالباً موخرالذکر مصنف کی کتاب تاتارخانیہ کے ماخذ مین رہی ہے، بانکی پور، خدیویہ اور دارالمصنفین مین اس کے نسخے موجود ہین، کلکتہ اور لکھنؤ سے ۱۸۲۷ء اور ۱۲۹۳ھ مین طبع ہوچکی ہے،

۹- الحجہ کے نام سے افسوس ہے کہ فقہ حنفی مین کسی ایسی کتاب کا پتہ نہین چلا، جو آٹھوین صدی ہجری تک تصنیف پاچکی ہے، اور اس کو تاتارخانیہ کے ماخذ مین سمجھا جائے۔

۱۰- فتاوی غیاثیہ:۔ تالیف شیخ داؤد بن یوسف خطیب، یہ سلطان غیاث الدین کے لئے تالیف پائی تھی، خدیویہ مصر اور دارالمصنفین مین اس کے نسخے موجود ہین، ۱۳۲۲ھ مین بولاق سے چھپ کر شائع ہوچکی ہے،

۱۱۔ التہذیب کے نام سے دو کتابیں فقہ میں ہیں لیکن وہ دونوں شافعی فقہاء کی لکھی ہوئی ہیں، اور بظاہر تاتارخانیہ کے مآخذ میں نہیں ہیں، فقہ حنفی میں ایک کتاب تہذیب لذہن اللبیب فی الفروع ہے، کشف الظنون میں مذکور ہے، کہ یہ خیرۃ الفقہاء سے بھی موسوم ہے، (ج ۱ ص ۲۵۲) لیکن خیرۃ الفقہا نام کی کسی کتاب کا ذکر آگے چل کر اس میں موجود نہیں، البتہ خیرۃ الفتاوی سے موسوم ایک کتاب علی بن محمد بن احمد بن عبد اللہ بن نصیر الدین ملکان البرقوانی کی ہے، مصنف کا زمانہ تاتارخانیہ سے متقدم سمجھا جاسکتا ہے، اس لئے اگر التہذیب سے یہ کتاب مراد ہو سکتی ہے، تو یہ مآخذ میں سمجھی جاسکتی ہے،

۱۲۔ التجرید کے نام سے دو کتابیں ہیں، ایک رکن الدین عبد الرحمٰن بن محمد المعروف بابن امیر ویہ کرمانی متوفی ۵۴۲ھ کی ہے، مصنف نے خود اس کی شرح ایضاح کے نام سے لکھی تھی، پھر شمس الائمہ تاج الدین عبد الغفار بن لقمان متوفی ۵۶۲ھ نے بھی المفید والمزید کے نام سے اس کی شرح لکھی ہے، دوسری کتاب تجرید القدوری کے نام سے معروف ہے، یہ امام ابو الحسین احمد بن محمد متوفی ۴۲۸ھ کی تصنیف ہے، لیکن اول الذکر کتاب کا مآخذ میں ہونا زیادہ ممکن ہے،

۱۳۔ نوازل فی الفروع امام ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی متوفی ۳۹۳ھ[1] کا مشہور

---

[1] امام ابو اللیث سمرقندی کے سال وفات میں اختلافات ہیں، مدینۃ العلوم میں ماہ جمادی الاخری ۳۹۳ھ درج ہے ملا علی قاری نے اپنی طبقات میں ۳۷۳ھ لکھا ہے، قاضی عیاض نے اپنی شرح الشفا میں ۳۷۳ھ درج کیا ہے، صاحب کشف الظنون نے مختلف کتابوں کے تحت میں مختلف جگہ ان کا ذکر کیا ہے، اور مختلف سنین ۳۷۵ھ (ذکر تفسیر القرآن) ۳۹۳ھ (ذکر شرح الجامع) ۳۸۳ھ (ذکر خزانۃ الفقہ) درج کئے ہیں، کفوی نے ۳۷۳ھ لکھا ہے۔ (الفوائد البہیۃ ص ۶۲) اسی طرح خدیویہ مصر کی فہرست میں نوازل کے ذکر میں متوفی ۳۹۳ھ (جلد ۳ ص ۱۴۴) اور خزانۃ الفقہ کے تذکرہ کے موقع پر ۳۷۳ھ ہجری لکھا ہے، (جلد ۲ ص ۴۳) ہم نے آخر سے آخذ ۳۹۳ھ کو بلا تذکرہ اختیار کر لیا ہے،

مسائل ہے، اس پر صاحب ہدایہ نے بھی مختارات مجموع النوازل کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، نوازل کا نسخہ بانکی پور اور خدیویہ (ج ۲ ص ۱۴۴) میں موجود ہے،

۱۴- الھدایہ:- تصنیف برہان الدین علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل فرغانی مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ (مطبوع و متداول)

۱۵- النہایہ شرح ہدایہ تصنیف حسام الدین حسین بن علی بن حجاج صغناقی (تصنیف ۷۰۰ھ) المتوفی ۷۱۱ھ بانکی پور کتاب نمبر ۱۹۳۴ و خدیویہ (ج ۲ ص ۱۴۵) میں موجود ہے،

۱۶- کفایہ شرح ہدایہ، تصنیف سید جلال الدین بن شمس الدین خوارزمی کرلانی (مطبوع و متداول) اس کی نسبت تاج الشریعہ محبوبی کی طرف بھی کی گئی ہے، مگر صحیح نہیں،

۱۷- وقایہ تصنیف محمود بن صدر الشریعہ احمد بن جمال الدین المحبوبی (الموجود ۶۷۳ھ) بانکی پور کتاب نمبر ۱۶۵۳ و خدیویہ مصر ج ۲ ص ۱۴۰

۱۸- الحاوی القدسی:- تصنیف احمد بن محمد بن سعید غزنوی متوفی ۵۹۳ھ، (بانکی پور کتاب نمبر ۱۴۲۲)

۱۹- جامع الجوامع کے نام سے ایک سے زیادہ کتابیں ہیں، لیکن کون سی تاتارخانیہ کے ماخذ میں رہی ہے، اس کی تعیین کرنا دشوار ہے،

۲۰- فتاوی ناطفی مقدمہ تاتارخانیہ کی طرح کشف الظنون میں بھی صرف اس کا نام درج کرکے چھوڑ دیا گیا ہے، کسی کتب خانہ میں اس کا پتہ نہیں چلا،

۲۱- خزانۃ الفقہ تصنیف امام ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی متوفی ۳۹۳ھ خدیویہ (ج ۲ ص ۴۳) میں اس کا نسخہ موجود ہے

۲۲- الفتاوی الکبریٰ حسام الدین ابو محمد عمر بن عبد العزیز المقتول ۵۳۶ھ بانکی پور اور رام پور میں نسخے موجود ہیں

۲۳- الفتاوی الصغری - بانکی پور اور رام پور میں نسخے موجود ہیں،

۲۴- ینبوع النوازل، مقدمۂ تاتارخانیہ میں صرف 'ینبوع' کے نام سے اس کا ذکر آیا ہے، حاجی خلیفہ نے ینبوع النوازل کے نام سے ایک کتاب کا ذکر کیا ہے، مگر مصنف کا نام اور زمانۂ تصنیف مذکور نہیں،

۲۵- المختار، تصنیف ابوالفضل مجدالدین عبداللہ بن محمود بن مودود موصلی متوفی ۶۸۳ھ خدیویہ (جلد ۳ ص ۱۲۷) میں اس کا نسخہ موجود ہے،

۲۶- المضمرات کو جامع المضمرات والمشکلات بھی کہتے ہیں، یہ قدوری کی شرح ہے، تصنیف شیخ یوسف بن عمر بن یوسف کادوری (حیدرآباد جلد ۲ ص ۱۱۰۶)

۲۷- فتاوی نسفی، تصنیف نجم الدین عمر بن محمد نسفی، معروف بہ علامہ سمرقندی متوفی ۵۳۷ھ، کسی کتب خانہ میں اس کا نسخہ موجود ہے، اس وقت یاد نہیں آتا، کہ کس فہرست میں نظر سے گذرا تھا،

۲۸- الصیرفیہ (فتاوی آہو) تصنیف مجدالدین اسعد بن یوسف بن علی البخاری الصیرفی المتوفی ... یا ہو، اس کا تذکرہ مقدمۂ تاتارخانیہ میں نہیں ہے، حاجی خلیفہ کا بیان ہے کہ اس کا ذکر تاتارخانیہ میں آیا ہے،

۲۹- فتاوی الصدر الشہید کے متعلق بھی کشف الظنون میں مذکور ہے، کہ اس کا ذکر تاتارخانیہ میں آیا ہے، غالباً یہ شیخ حسام الدین مقتول ۵۳۶ھ کی الفتاوی الکبری ہی کا دوسرا نام ہے۔

ماخذ کی فہرست پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی صدی کے فقیہ ابو اللیث سمرقندی کی دو کتابوں کے سوا جتنی کتابیں ہیں، وہ تقریباً سب کی سب چھٹی اور ساتویں صدی کی تصنیفات ہیں، بلکہ آٹھویں صدی کے ہمعصر مصنفین کی کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، صدر اول کی تصنیفات کو سامنے نہ رکھنے کی وجہ شاید یہ ہو کہ چھٹی سے آٹھویں صدی تک کی اہم فقہی تصنیفات میں ان کے مباحث، دلائل اور فتاوی منتقل ہو چکے تھے لیکن اصل ان کو نظر انداز کرنے کی یہ کوئی معقول وجہ نہیں سمجھی جا سکتی، خوشی کی بات ہے، کہ آگے چل کر عالمگیر کے عہد میں یہ کمی پوری ہو گئی، اس لحاظ سے فتاوی عالمگیریہ کو تاتارخانیہ پر تقدم حاصل ہے

باین ہمہ فتاوی تاتارخانیہ کی یہ اہمیت نظر انداز کئے جانے کے لائق نہیں کہ چھٹی سے آٹھوین صدی ہجری تک کی تین صدیون مین فقہ حنفی کا جو کچھ سرمایہ اکٹھا ہوا تھا تاتارخانیہ مین اس کا عطر کھینچ کر آگیا ہے، اور اس لحاظ سے یہ کتاب بڑی قابلِ قدر ہے،

انتخاب فتاوی تاتارخانیہ | یہی وجہ ہے کہ عالمِ اسلامی کے علمی حلقون مین اس کو قبولیت حاصل ہوئی، چنانچہ حلب کے ممتاز صاحبِ فضل اور فقہ حنفی کی مشہور تصنیف ملتقی الابحر کے مصنف شیخ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم المتوفی ۹۵۶ھ نے جو قسطنطنیہ کی جامع سلطان محمد کی امامت خطابت اور دیار رومیہ کے منصب افتاء پر فائز تھے، اس کا ایک انتخاب تیار کیا، کشف الظنون مین ہے،

ثم الامام ابراهيم بن محمد الحلبي	امام ابراہیم بن محمد حلبی المتوفی ۹۵۶ھ نے
المتوفى سنة ۹۵۶ه لخصه في مجلد	اس کی تلخیص ایک جلد مین تیار کی ہے
وانتخب منه ما هو غريب اد	اور اس مین نادر اور ایسے کثیر الوقوع مسائل
كثير الوقوع وليس في الكتب	کو منتخب کیا ہے، جو بجز اس کے عام کتب
المتداولة والتزم بتصريح	متداولہ مین نہین پائے جاتے، اور کتابون
اسامي الكتب[۱]	کے نام کی تصریح کا التزام رکھا ہے،

شیخ ابراہیم حلبی کے مفصل سوانح حیات اعلام النبلاء ج ۵ ص ۵۰۷ و شذرات الذہب ج ۸ ص ۳۰۰ مین مذکور ہین، اور ان مین ان کی اس کتاب کا ذکر بھی آیا ہے،

فتاوی تاتارخانیہ کے نسخے | فتاوی تاتارخانیہ کے مختلف نسخے مختلف کتب خانون مین ہین، کتب خانہ مشرقی بانکی پور مین اس کی تین جلدین ہین، پہلی جلد نمبر ۱۵۱۱، کتاب الرضاع کے کچھ حصون پر آکر ختم ہوئی ہے، اسی طرح کی ایک دوسری جلد تین حصون مین تقسیم ہے، پہلا حصہ کتاب البیوع سے متعلق ہے، اس کے آخری حصے ۱۰۶۳ھ کے مکتوب ہین، ان مین کتاب القضاء کتاب الطلاق، کتاب الحدود، کتاب اللقیط، کتاب الآبان، کتاب المفقود، کتاب الشرکہ اور کتاب الوقف

کے ہو لیے ہیں، پھر پہلی جلد کا ایک دوسرا نسخہ کتاب الحج تک ہے، اس کے سرورق کی ایک تعلیق ہے جو ۱۱۵۳ھ کی لکھی ہوئی ہے، یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ حافظ شیخ عبدالحق حیدرآبادی کی ملکیت میں رہ چکا ہے، نیز مفتی عبدالرحیم کی ایک مہر ۱۱۶۵ھ کی اس پر لگی ہوئی ہے؛ [۵۱]

کتب خانہ خدیویہ مصر میں بھی اس کے چند نسخے موجود ہیں، ان میں سے چوتھی جلد محمد نوری کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ۸۸۸ھ کی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان کی یہ تالیف نویں صدی میں عالم اسلامی میں پہنچ چکی تھی؛ [۵۲]

اس کی سب سے زیادہ اور مکمل جلدیں کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں ہیں، اس میں پہلی سے نویں تک مسلسل نو جلدیں ہیں؛ [۵۳] افسوس ہے کہ اس کتب خانہ کی فہرست بہت اجمالی چھپی ہے جس سے کوئی مزید واقفیت حاصل نہیں ہوئی،

رامپور کے کتب خانہ میں اس کے دو مجلد ہیں، پہلا مجلد، جلد اول کا ہے، جو ۵۰۶ صفحات پر مشتمل ہے، اس میں کتاب الطہارۃ سے کتاب الوقف تک کے ابواب ہیں، دوسرے مجلد میں ۹۰۲ صفحات ہیں، اس میں کتاب الکفالہ سے آخر کتاب الوصایا تک کے مضامین ہیں، ان دونوں جلدوں کی تقطیع بڑی اور خط نستعلیق ہے؛ [۵۴]

برٹش میوزیم کے ایک مجموعہ میں ایک کتاب منہاج البیان کے اقتباسات کے ساتھ الفتاوی التاتارخانیہ کے اقتباسات بھی ہیں، اس مجموعہ کا نمبر ۱۱۵۹ ہے؛ [۵۵]

اس طرح ہندوستان کی یہ اہم فقہی تصنیف جو تیس جلدوں میں بتائی جاتی ہے، ابھی تک

---

[۵۱] فہرست مخطوطات بانکی پور ج ۱۹ ص ۱۶۰۱۵ [۵۲] فہرست مخطوطات کتب خانہ خدیویہ مصر ج ۲ ص ۲۰۶ [۵۳] فہرست کتب خانہ آصفیہ ج ۲ ص ۱۰۵۳، ۱۰۵۴ [۵۴] فہرست کتب عربی، مخطوطات کتب خانہ رامپور ص ۲۳۴ [۵۵] ضمیمہ فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ص ۱۵۱،

قلمی شکل میں محض کتب خانوں کی زینت بنی ہوئی ہے، حیدرآباد میں اس کے زیادہ مکمل نسخے موجود ہیں، اور وہیں دائرۃ المعارف اور مجلس احیاء المعارف النعمانیہ قدیم قلمی کتابوں کی طبع و اشاعت کی خدمتیں انجام دے رہی ہیں، کیا اچھا ہو کہ ہندوستان کا یہ علمی سرمایہ زیورِ طبع سے آراستہ کرلیا جائے تاکہ اس کی اشاعت سے چھٹی سے آٹھویں صدی ہجری تک کے فقہ حنفی کے بہت سے علمی فوائد کا مرقع نیز ہندوستان کے عہدِ اسلامی کا ایک مایۂ ناز سرمایہ منظر عام پر آجائے، اور اہلِ علم کے حلقہ کی ایک ضرورت پوری ہو،

عمادی غزنوی

از
جناب غلام مصطفٰی خان ام اے ال ال بی (علیگ) لکچرر کنگ ایڈورڈ کالج (امراؤتی (برار)

ڈاکٹر ریو نے برٹش میوزیم کی فہرست (ج ۲ - ص ۵۵۰) بعد مین عمادی کے بعض ممدوحین، اور اس کے بعض سنین کی تعیین کی تھی، پھر علامہ محمد بن عبدالوہاب قزوینی نے بھی (بیست مقالہ ج ۲، ص ۲۲۵ بعد) عمادی کے بعض ممدوحین کے متعلق تحقیق کی ہے. لیکن ان دونون فاضلون نے اُس کلام کا تجزیہ نہین کیا، جس کو بعض کاتبون نے "عمادی" تخلص کے دو شاعرون کی بجائے ایک ہی کا سمجھ کر خلط ملط کر دیا ہے، ہم بیان کوشش کرتے ہین کہ ایسے کلام کو علحدہ علحدہ کرکے ان دونون شاعرون کے درباری تعلقات کی وضاحت کرین، چنانچہ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے مخطوطے کی طرف رجوع کرتے ہین اس مخطوطے مین بھی سب سے قدیم[1] ممدوح سیف الدین عماد الدولہ[2] فرامرز بن رستم بن قارن

---

[1] مونس الاحرار (حبیب گنج - ص ۴۹۳) مین عمادی غزنوی کا ایک قصیدہ برکیارق کے چچا ارغون (م ۴۸۹ھ / ۱۰۹۶ء) راحت الصدور - ص ۱۴۳) کی مدح مین ملتا ہے،

اے برسمن از مشک بجا ازده خالے — مسکین دل من گشت ز خال تو بحالے

شاہ و جہ شاہان ملک ارغون کہ دادہ — در مردے و فرہنگ نظیرے و ہمالے

سید حسن غزنوی (م ۵۵۵ھ / ۱۱۶۰ء) نے اسی کی تقلید مین ایک قصیدہ (مخطوطہ انڈیا آفس نمبر ۱۳۹۵) لکھا جس کا مطلع یہ ہے:-

اے یافتہ از چہرۂ تو حسن کمالے — دادہ ست جمالیت خدا وہ چہ جمالے

[2] اس ممدوح اور اس کے خاندان کے متعلق رابینو کی کتاب مازندران (ص ۱۳۵) اور ظہیر الدین کی

حاکمِ مازندران ہے، اس کی مدح میں متعدد قصیدے ہیں، کیونکہ یہ اس کا خاص ممدوح ہے، بلکہ راحت الصدور، (ص ۲۱۰) نے لکھا ہے کہ شاعر نے اپنا تخلص اسی کے نام (لقب) "عماد الدولہ" کی وجہ کیا تھا، اس ممدوح کی حکمرانی کے متعلق تو کوئی بات تاریخ میں نہیں ملتی، البتہ اس کے باپ شمس رستم بن قارن کی حکومت (مازندران) کے بارے میں کہ وہ سنہ ۵۱۱ھ/۱۱۱۷ء سے سنہ ۵۱۵ھ/۱۱۲۱ء تک تھی حال معلوم ہو سکتا ہے، یہاں شاعر کے مختلف قصائد کے چند ایسے اشعار نقل کرنا مناسب ہوگا اس ممدوح کے القاب کی توضیح ہو جائے،

قطب الملوک شاہِ عماد دول کہ چرخ   ہر ساعتے ز قدرتِ او امتحان برد

شاہ سیف الدین عماد الدولہ کز تعظیم او   از کفِ او ہر چہ خواہد رایگان می افگند

قطبِ ملکان عمادِ دولت   کز حرفِ زمانہ شد مسلّم

سرمایۂ داد و دین فرامرز   کز ہیبتِ او حصارِ[۱] دایم

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۱) تاریخ طبرستان (ص ۲۱۹ بعد) ملاحظہ فرمائیں، ریو (فہرست برٹش میوزیم-۲- کا خیال ہے کہ عمادی کا یہ شعر ظاہر کرتا ہے کہ عماد الدولہ کا باپ فرامرز تھا،

شاہِ فرامرز زاد دولت و دین را عماد   خسروِ مازندران سایۂ نیک اختری

یہی قرات ہمارے مخطوطے میں بھی ہے، لیکن علامہ قزوینی کا خیال (بیست مقالہ-۲-۱ صحیح ہے کہ اس کے پہلے مصرع میں "زاد" کی بجائے "راد" ہونا چاہئے، یہاں بھی یہ عرض کر دینا ہوگا کہ اس شعر کے پہلے جتنے اشعار تمہید میں ہیں، وہ سب کے سب کلیات سنائی (ص ۱۱۰- بمبئی سنہ ۱۳۲۸ھ) میں سنائی سے بھی منسوب ہیں، اور وہ قصیدہ سلطان بہرام شاہ غ (م سنہ ۵۵۲ھ/۱۱۵۷ء) کی مدح میں ہے،

[۱] علی گڑھ کے مخطوطے کی جو نقل راقم الحروف کو مل سکی ہے، اس میں کاتب نے اصل صفحات نہیں دیئے، اس لئے نمبر دینے سے مجبوری ہے،

لیکن یہاں یہ معلوم کرنے کے لئے کہ اس عماد الدولہ کی مدح کس عمادی نے کی تھی، ہم کو اسی مخطوطے کے حسب ذیل اشعار کی طرف رجوع ہونا پڑے گا،

اے مہر تو بر سپہر تمکین | ایمن شدہ از نماز پیشین
یک نکتہ بگوے تا بہ پشت | جبریل امین شود شکرچین
از لطف بخند تا بماند | در پردۂ شرم شکل پروین
سرمایۂ جان عماد دولت | طغار ممالک سلاطین
بے تو نبود کسی و نباشد | مدحے نبود تمام تر زین
بے تو نکند ضمان من جان | سریست درین سخن بہ تضمین
زین است کہ از دلم جدا نیست | ہستی و بدن براو غزنین
جستم ہمہ آرزو بہ تصریح | گفتم ہمہ رمزہا بہ تلقین
آن باد ترا کہ خواست داری | آمین و دراست پیش از آمین

چوتھے شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصیدہ اُسی عماد الدولہ کی مدح میں ہے، اور ساتویں شعر سے یہی وضاحت ہوتی ہے، کہ شاعر غزنین کا ہے یعنی اس ممدوح کی تعریف عمادی غزنوی نے کی تھی، ذیل کے اشعار سے معلوم ہوگا، کہ شاعر ایک سال سے زیادہ عماد الدولہ کے دربار سے وابستہ رہا،

اے کافر عشق تو مسلمان | دے دیو ہوائے تو سلیمان
طاق است بہ عشق تو مجازی | بر طاق نہادہ وصل و ہجران
ہر چند مسلمی تو ادرا | در دولت شہریار ایران
قطب ملکان عماد دولت | سرمایۂ امن و پشت ایمان
شاہے کہ ز حضرتش رسیدہ | نز بر ہمہ کس رسول احسان

عیداست شما و عید پارین رُخ داشت ازین دیار پنہان
ممکن نہ بود بہ ہیچ حالے عید این جا تو در خراسان
عید تو خجستہ باد ہرچند بر من باشد ز عقل تاوان
زیراکہ ہر آنچہ گفتم اول زین قول ہمی شوم پشیمان
ہرچند نبودن سہ فرزند نتوان گفتن بہ وصف یزدان
سودیست زمانہ در گذشتن این را عدم از وجود ایشان
سبحان اللہ شد از تمامے کار تو چنانکہ وصف نتوان
در نعمت تو نکو نہ باشد خوردن غم خاندان ویران

پچھلے شعر سے واضح ہوتا ہے کہ شاعر پچھلے سال کی عید میں وہیں مازندران مین تھا لیکن اس کا ممدوح جیسا کہ ساتویں شعر سے معلوم ہوتا ہے، اس وقت خراسان مین تھا، دسوین شعر مین شاعر اپنے تین لڑکوں کا ذکر کرتا ہے، اور آخر مین اپنے خاندان سے جو غزنین مین ہوگا، اپنی مجبوری ظاہر کر رہا ہے۔

اس ممدوح کی مدح مین متعدد قصیدے ہین جن سے خیال ہوتا ہے، کہ وہ زیادہ عرصہ تک مازندران مین رہا ہوگا، پھر اُس کا مرثیہ بھی ملتا ہے، جس کے کچھ اشعار راحت الصدور (ص ۳۷۲) مین بھی ہین،

درغم یار یار بایستے یا غم را کنار بایستے
تا بسایم ز روزگار مراد مایہ ام روزگار بایستے
عوض چرخ اگر نخواہی یافت باز مانہ شمار بایستے
درسکے غم چو جان بخواہم داد یک چہ باشد ہزار بایستے

همه دوستان یار مکن نیست — بر در صبر بار بایستے
مست و دیوانه چند خواهم بود — زیرک و هوشیار بایستے
این که من خاک شرمسارم از مردم — بخت من شرمسار بایستے
از فریب جان عمادی را — نفسے زینهار بایستے
این همه آرزو بیافتے — حضرت شهریار بایستے
شه فرامرز کز معالی او — اختران را شمار بایستے
چون مدارا نکرد باد مرگ — آسمان بے مدار بایستے

ایک رباعی بھی اسی مضمون پر ہے، جو ریو نے بھی نقل کی ہے،

اکنون که عماد دوله در خاک سود — از دیدۂ من خاک شود خون آلود
در خاک نهاده چون توانم دیدن — آن را که مرا ز خاک برداشته بود

پھر ایک قصیدہ اسی عماد الدولہ کے لڑکے شمس الدولہ کے متعلق ملتا ہے، لیکن یہ ایسا شخص ہے جس کے بارے میں تاریخ خاموش ہے۔ وہ قصیدہ یہ ہے :-

هر کرا عشقت اختیار کند — بے قراری برو قرار کند
گل رخسار تو بدست خیال — دیده را از خواب خوار کند
بوے زلفت به هر کجا که رسد — صفت بوے شهریار کند
شاه شمس عماد دین و دول — که بدو عالم افتخار کند
ملکے خسروے، خداوندے — که کفش طعنه بر بهار کند
آن شهی کز رکاب عالی تو — عقل، فال گوشوار کند
هر چه نقش وجود یافت کز آن — نه رضاے تو خواستار کند

بخداے و رسولؑ و نعمت تو   کہ ازآن نعمتش گزارد کنند

لالہ دل باشد چو در پیشت   قامت خود بخشہ وار کنند

عید را در گرگان بہ میدان تاخت   تا از درگاہ تو دراز کنند

تا کمر سعی تو بہ عید رضا   در گرگان ما امید وار کنند

اگر آخری اشعار سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ وہ عید گرگان مین کبھی ہوئی تھی تو وہ زمانہ ممکن ہے کہ $\frac{۵۲۲}{۱۱۲۸}$ھ کا ہو، بہرحال مازندران کے بعد وہ محمود بن محمد بن ملک شاہ (المتوفی $\frac{۵۲۵}{۱۱۳۱}$ھ) کے دربار مین آیا ہوگا، جہان اُس نے یہ قصیدہ پڑھا ہوگا،

بہ آنی کہ غم بر دل من گماری   من از غم نہ ترسم بیا تا چہ داری

نہ نالم ز غم گرچہ بسیار باشد   ولیکن بنالم ز بے غمگساری

ز خواری بہ ہجر تو سر بر نتابم   کہ رسم قدیم است در ہجر خواری

کہ با تو بس آید کہ ہمچون تو آری   بہ ہرحال در کار خود مرد کاری

بہ آئین نگاری بہ شکرانہ باید   کہ مدح خداوند بر جان نگاری

قسیم درم را و محمود بن غشس   کہ بر چرخ را یش کند بردباری

ہمارے مخطوطے مین اس محمود سلجوقی کے متعلق کچھ اور نہین ملتا، لیکن اُس کے بھائی طغرل بن محمد بن ملک شاہ (م $\frac{۵۲۹}{۱۱۳۴}$ھ) کی مدح مین دو قصیدے ملتے ہین، ایک یہ ہے۔

اے زلف درخت سپہر و اختر   وے روے و لبت بہشت و کوثر

طوطی سیاہ گوشہ بر لب   طاؤس سپید کار در بر

از دوستی رُخ تو مارا   آید غم تو بہ بوے مادر

از ما بپذیر جان اگرچہ   در خورد تو نیست این محقر

چو مدح این کس نباشد　　　آن جا کہ لبِ تو گشت شکر
از خشک لبِ عمادی آخر　　　بشنو غزلے چو چشم او تر
تا تازہ کند حکایتِ تو　　　در بارگہِ شہِ مظفر
سلطانِ سپہر قدر طغرل　　　کز قبضۂ دانش است برتر
خاکِ درِ اوست چرخِ اعظم　　　عشرِ کفِ اوست بحرِ اخضر

لیکن دوسرا قصیدہ اہم ہے، کیونکہ اس سے یہ بھی معلوم ہو سکے گا کہ اسی عمادی (غزنوی) نے طغرل وغیرہ کی مدح کی تھی، وہ قصیدہ یہ ہے:-

دلم از دست بردۂ جانی　　　چہ کنم با تو دوستی جانی
خونِ خود خوردم و بجز اہم خورد　　　از پئے وصلِ تو پشیمانی
جاودان مان کہ فرِّ عشقِ تو بود　　　کہ عمادی شدہ ست سلطانی
آستین بوسِ تو شود گردون　　　گلستان بوسِ شاہِ ایرانی
شاہ طغرل کہ پیش گاہِ ازل　　　آیتے ساختش جہان بانی
شہریارے کہ شحنۂ رایش　　　رفت بالا ز حدِّ انسانی
تنگ حالی نہ وہم پیدا کرد　　　جاہ او در فراخ میدانی
ذرہ وحش جہان بگیرد اگر　　　دامن طبع من نیفشانی
زان نشستی بہ تخت جدّ و پدر　　　تا در آفاق فتنہ بنشانی
ثالث گفتم، اور چہ نتو اند　　　گفتن اندر ثنا ترا ثانی[1]

---

[1] تیہ حسن غزنوی نے ۵۴۰ھ کے قریب مجد الدین ابو الحسن عمرانی کی مدح میں لکھا تھا، جو اسی زمین میں ہے۔
اے کرتن را دل و دل را جانی　　　از دل و جان چہ نکو تر آنی

تیسرے شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ عمادی نے اپنا تخلص اس دربار میں آکر بدل دیا ہے، اور عمادی کی بجائے وہ سلطانی ہوگیا ہے، راحت الصدور (ص ۲۰۹) میں اسی ماذ مرانی مداح (یعنی عمادی غزنوی) کو اس ممدوح سے وابستہ کیا گیا ہے، اور چونکہ اوس کے مؤلف کا زمانہ شاعر سے قریب تھا، اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ وہی عمادی ہوگا، اور وہ طغرل کے دربار میں آگیا ہوگا، نویں شعر میں ممدوح کے والد محمد اور دادا ملک شاہ کے متعلق بھی اشارہ کیا ہے، اسی شعر سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ طغرل کی تخت نشینی کو تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہوگا، جب کہ یہ قصیدہ شاعر نے پیش کیا ہوگا، وہ زمانہ ۵۲۵ھ (۱۱۳۱ء) کا ہوگا،

شاعر کو طغرل سلجوقی کے دربار تک رسائی ایک امیر بابۂ قتلغ کے ذریعہ ہوئی تھی، تاریخ میں اس شخص کا نام بھی نہیں ہے لیکن اس قصیدہ میں اس طرح ہے :-

دست در ہم نمی کند کارم ... پاے مردی نمی کند یارم

چہ کنم قحط مردمی ست آوخ ... با کہ گویم کہ راست کن کارم

مُرد درکاسہ ام کہ قلاشم ... دست برکیسہ ام کہ طرارم

لقبم دادہ اند سلطانی ... چون عمادی چرا چنین خوارم

(بقیہ حاشیہ ص ۲۰۸) انوری نے بھی اسی زمین اور اسی کی مدح میں لکھا تھا :-

دلم اے دوست تو داری دانی ... جان ببر نیز اگر بتوانی

سنائی نے بھی عمادی غزنوی کی تقلید کی تھی، جیسا کہ کلیات (ص ۲۰) میں ہے :- [illegible] عمادی من گشادم این فتح، تعلیقات (ص ۸) میں سنائی کا جو قصیدہ قاضی حسن کے متعلق ہے، اس میں [illegible] عمادی غزنوی نے (مجموعۂ قصائد فارسی [illegible] ص ۲۷۰) جیب [illegible] کیا ہے،

چون سنائی ار ثنا واز خلد خرقہ [illegible] ... تازہ کردا از مدحت قاضی حسن [illegible]

اس کی تفصیل ہم معارف [illegible] ص ۲۰۰ میں [illegible]

جز عمیم جز آن کہ ذرّ ثنا　　بر سر میر بار می بارم
عزّ الدین خدائے مشتلغ آن　　کز انعام او گران بارم
در ہنر خواجہ جہانم ز انک　　بہ غلامی اوست اقرارم
اعتمادم بر آستانۂ تست　　کہ بدو حق عمر نگذارم
جز بہ تقلید تو نہ پذ رفتند　　زیرکان زمانہ اشعارم
از تو سلطان شناختم گرنہ　　من و سلطان کجا سزاوارم
نہ خورم غم چرا خورم کہ توئی　　از پئے ہر مراد غم خوارم

چوتھے شعر مین صاف طور پر کہا گیا ہے کہ یہ نیا لقب (تخلص) "سلطانی" عمادی کی بجائے اختیار کیا گیا ہے، اور چونکہ طغرل کے دربار مین وہ تبدیلی ہوئی ہے، جیسا کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہین، تو ظاہر ہے کہ (شعر ۵-۶) "امیر بار"[1] قتلغ بھی اسی دربار سے وابستہ تھا، اور اسی کی سفارش (شعر نمبر ۱) پر ہمارا شاعر طغرل تک پہنچ سکا تھا،

طغرل کے دربار مین پہنچنے پر اوس کے وزیر قوام الدین ابوالقاسم (م ۵۲۶ھ) کی مدح بھی کی تھی لیکن ایک ہی قصیدہ اس کی مدح مین ملتا ہے، اس لئے اغلب ہے کہ اس کے قتل (۵۲۶ھ) تک مدح سرائی کا موقع[2] کم ملا ہوگا، وہ قصیدہ یہ ہے:-

---

[1] لباب (جلد ۲ ص ۲۶۲-۲۶۷) مین دو قصیدے اور بھی طغرل کی مدح مین ملتے ہین، دوسرے قصیدے مین (لباب ص ۲۶۶ سطر ۱۳) امیر بار کی طرف اشارہ ہے [2] آثار الوزراء (ق ۱۰۳-الف-بانکی پور) مین کچھ اور اشعار اس کی مدح مین عمادی غزنوی کے ملتے ہین، مثلاً:-

گردون توی فرازی چون خواست سحاب　　سلطان توی نشانی چون گویت خبر
از مہر تو ستاند و از کین تو دہد　　ابروئے شام و سحر و چشمان صبح شیر

چشمے کہ ز تو نگار گیرد | در خونِ جگر قرار گیرد
بگرفت مرا غم تو باری | ہر روز چو من ہزار گیرد
در کوے تو ہر شب آسمان را | گیرد غم عشق و زار گیرد
وقت است کہ دہمت عمادی | جان و دل و دیدہ خوار گیرد
چون نام تو گویم از سر شکم | انگشتِ سخن نگار گیرد
بس ہر چہ ترا بدو رساند | از صاحبِ روزگار گیرد
بو القاسم آن کہ از در او | انصاف بہ نام کار گیرد
از دستِ جہان کند قوی تر | دستے کہ بہ زینہار گیرد
اے آنکہ بیک صریر کلکت | پہنائے زمین سوار گیرد
چون شعلہ خشم تو بر آید | ابروے زحل شرار گیرد
با زیست خجستہ نامۂ تو | کز چشم قضا شکار گیرد

اسی طرح ایک قصیدہ اس کے لڑکے جلال الدین کی مدح میں بھی ہے، جو محمد بن محمود بن محمد اور ارسلان بن طغرل، بن محمد وغیرہ کا وزیر ہو گیا تھا، وہ قصیدہ اس طرح شروع ہوتا ہے،

دل و جانم بہ عشق تو شمرند | ہمہ عالم بدین حدیث درند
زلف در روے و لبت نیا میزد | ہمہ از یک دگر شگرف تراند
تو نیاری و لیک از غم تو | ہمہ آفاق یار یک دگر اند
آہوان اندر یں غمزۂ تو | کہ بجز مرغزار جان نچرند
عشق بازانِ روے تو بہ نیاز | مدح سازانِ صدر و ادگرند
مقصد آسمان جلال الدین | کہ دو دستش زجود بار ورند

اے ہنر پرورے، سخا پیشہ — کہ ترا بر زمین ملک شمرند
در زمانہ بدین نظر کہ مراست — شرق و غرب از تو طالع نظرند
خواجگانِ جہان غلام تو اند — گرچہ از تو بسال بیشتر اند

اسی زمانہ میں اس عمادی نے جیسا کہ راحت الصدور (ص ۲۰۹) سے معلوم ہوتا ہے ایک مشہور واعظ عبادی کی مدح بھی کی تھی۔ اس کا پورا نام ابن خلکان نے ذا لمظفر ابو منصور المظفر بن ابی الحسین بن اردشیر ابن ابو منصور العبادی المروزی الواعظ لکھا ہے۔ اس عبادی (المتوفی ۵۴۷ھ) کی مدح میں دو قصیدے ملتے ہیں، پہلا یہ ہے:-

دل می دہیم و دیدہ بہ ہجر نمی رسد — کان می کنیم و تیشہ بہ گوہر نمی رسد
مالش دہیم خاک سیہ را بہ آب سرخ — چون دست ما بہ زردی اختر نمی رسد
بے نامہ ہدایت تو در طریق صبح — پیک سخن بہ منزل باور نمی رسد
بر آستانِ جاہِ تو چرخ ارنہ داد بوس — عذرش قبول کن کہ مگر بر نمی رسد
تعبیر رمز عشق میاموز عقل را — از بہر آن کہ یک کلہ در نمی رسد
شوقِ شراب عشق تو در سر سحرگہے — الا بکام مغز کشور نمی رسد
زنگ درنگ گوہر عبادی آن کہ زاد — صد خیری رسد کہ یکے شہر نمی رسد
بے عقد عنبرینۂ مدحش ز ہیچ ملک — مشک شرف بہ عارض داور نمی رسد
اے خلد مجلسے کہ ترا نیست ہیچ لفظ — کز وے بما معائنہ کوثر نمی رسد
بے چشمۂ صلاح تو در بوستان زہد — لالہ نمی شگوفد و عبہر نمی رسد[1]

اس قصیدے کے سلسلے میں راحت الصدور (ص ۲۰۵) میں جو حکایت درج ہے، اس کا نقل کرنا

۱؎ اس قصیدے کا چوتھا شعر میں نے راحت الصدور کی قرأت کے مطابق نقل کر دیا ہے، ورنہ علی گڑھ کے

بھی مناسب ہوگا، مؤلف لکھتا ہے :-

شنیدم کہ عمادی کہ از شاعران او (طغرل بن محمد بن ملک شاہ) بود، بر عبادی قصیدۂ می خواند کہ شعر :-

رہ می روم و دیدہ بہ رہبر نمی رسد   کان می کنیم و تیشہ بہ گوہر نمی رسد

عبادی بر سر منبر بود، عمادی بدین بیت رسید کہ

بر آستان جاہ تو چرخ ار نہ داد بوس   عذرش قبول کن کہ مگر برنمی رسد

عبادی گفت، امیر عمادی ہر آرزو کہ دارد بخواہد، عمادی ملازم قاضی را با خود داشت، گفت ہزار دینار بشرح قرض محبوسم و موکل این است. وجوہ قرض می باید، عبادی سر فرو برد. یکے از مریدان گفت بود، عبادی سر بر آورد، گفت، امیر عمادی چہ ہزار دینار با قرض دہد، فردا دیگر قرضش باید کہ بخورد، مریدے دیگر گفت، ہزار دیگر بود و عمادی بیاسود"

عبادی کی مدح کے دوسرے قصیدے کے بھی کچھ اشعار نقل کئے جاتے ہیں :-

قد قامت القیامہ کجا عشق داد بار   بل عشق صعب تر ز قیامت ہزار بار

اول قدم کہ عشق پیادہ کند فرود   آخر نفس بسود و شود بر فلک سوار

کشتی کائنات درین بحر غرقہ شد   بے آن کہ اوفتاد و یکے تختہ بر کنار

در زین مت از پہن کہ شست ست بارگی   صف مرد برہنہ کہ سخت است کارزار

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۱) مخطوطہ میں وہ اس طرح تھا :-

بر پایۂ سریر تو گر جان نہ داد بوس   عذرش قبول کن کہ مگر رنمی رسد

اسی تیسرے شعر میں علی گڑھ والے مخطوطے میں "طباق سمع" ہے، لیکن جامعہ عثمانیہ کے مخطوطے (نمبر ۳۰۲، ۱۲۱۰) میں "طرق سمع" ہے،

دست از پئے دعا چو بہاری پس از نماز — سر را دولت بہ پیش شیاطین فگندہ خوار

از خیط ناعبادی اگر خیط بایدت — شو دست زن بہ دامن عبادی استوار

اسی زمانہ میں شاعر کو ایک اور ممدوح عبد الرحمن بن طغایرک ملا ہوگا، یہ سلطان مسعود بن محمد بن ملکشاہ (م ۵۴۷ھ/۱۱۵۲ء) کا ایک امیر تھا، جو سلطان کے اشارہ پر ۵۴۱ھ/۱۱۴۶ء میں مارا گیا تھا، اسی کی مدح میں آٹھ بند کا ایک طویل ترکیب بند ملتا ہے، ہم یہاں اس کے صرف دو شعر نقل کرتے ہیں، جن میں اُس کا نام آیا ہے،

عبد الرحمن کہ گرہ بخواہد — از ہفت سپہر شش بکاہد

عبد الرحمن کہ نوک پیکان — بر دیدۂ مشتری نگارد

ان میں کا پہلا شعر ابن اسفندیار کی تاریخ طبرستان (مترجمۂ براؤن ص ۵۵) میں اس سلسلے میں منقول ہے، کہ عبد الرحمن جس کی مدح شاعر نے اس طرح کی ہے، ایک مرتبہ چند ساتھیوں کے ساتھ اردبیل مقام سے اسپہبد علاؤ الدولہ علی بن شہریار بن قارن (۵۱۱ھ/۱۱۱۷ء تا ۵۳۴ھ/۱۱۴۰ء) کے پاس آیا تھا، اور چند روز مہمان رہ کر واپس چلا گیا تھا،

اسی عبد الرحمن کے لڑکے فخر الدین کی مدح میں بھی ایک قصیدہ ملتا ہے :-

ماہ نگارا رخ نمی نماید یار — بہ سخن راست می نگردد کار

از فریب و عتاب او فریاد — وز حساب و کتاب او زنہار

با دل ست این سخن نہ با قالب — با سرائے سخن نہ با دستار

می پذیرد کنار و بوس ولیک — از پئے عمر کو پذیر فتار

این چنین زندگی کہ آن من ست — می کنم چون عمادی استغفار

وائے این ہمنشین کہ چیست مرا — آرزو زان نگار خوش گفتار

بوسہ لب بخواہ و دست بشو — کافرم گر کنم حدیث کنار

گر لب او ست نیست در سرِ ہست ہم اسپ خدایگان کباد

تخت بخشی زمانہ فخرالدین کز حوالی او گریزد عار

ممکن ہے کہ یہ قصیدہ شاعر نے عبدالرحمٰن کے قتل (۵۴۱ھ / ۱۱۴۶ء) کے بعد لکھا ہو، جب کہ اس کا لڑکا فخرالدین بغداد کی شحنگی سے معزول ہو کر طغال (راحت الصدور ص ۲۳۷ – ۲۳۸) کا حاکم بنا دیا گیا تھا۔

اس کے بعد شاعر ۵۴۵ھ / ۱۱۵۰ء کے قریب وفات پاتا ہے، جیسا کہ ابوالعلاء گنجوی کے ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے:

سخن وران بہ من امروز ا قتدا آرند روا بود کہ منم قدوۂ ہمہ شعرا

چون رفت جان عمادی بہ من گذاشت عماد چو شد روان سنائی بہ من گذاشت سنا

تبارک اللہ پنجاہ و پنج بشمردم بہشت باشد بشمم چو شست گشتہ مرا

بہ مقدسین گشتہ ست پنجۂ عمرم گہِ وداعِ رحیل ست ازین فنا رفتا

سر ملوک منوچہر هر چیر کزد شدہ ست زندہ و فرخندہ خاندان بنا[1]

ان اشعار سے یہ باتیں معلوم ہوتی ہیں:۔

(۱) دوسرے شعر سے ظاہر ہے کہ سنائی غزنوی اور عمادی (غزنوی) اس وقت تک انتقال کر چکے تھے، یہاں یہ بھی عرض کر دینا ضروری ہے کہ دوسرے عمادی (شہریاری) کے اشعار بہت بعد کے عہد تک کے ملتے ہیں، اس لئے ظاہر ہے کہ وہ عمادی غزنوی ہی ہوگا، جس کی وفات کی خبر اس شعر میں ہے،

---

[1] ان اشعار کے متعلق تفصیل ہم معارف (ستمبر ۱۹۳۲ء – ص ۱۹۹) میں دے چکے ہیں، البتہ میں استادی ڈاکٹر ہادی حسن صاحب کی کتاب "فلکی شروانی" دیکھی، اس میں (ص ۵۹) بھی کچھ اشعار ہیں، لیکن سلسلے کے ساتھ نہیں ہیں، اس لئے یہ اشعار ضروری ہیں،

(۲) تیسرے اور چوتھے شعر سے صاف ظاہر ہے کہ ابوالعلاء گنجوی کی عمر اُس وقت ۵۵ سال کی ہو چکی تھی، اور ضعیفی دہانی میں تھی،

(۳) منوچہر خاقان شروان اس وقت زندہ تھا، موسیو خانیکوف (Khanikof) نے تذکرۂ خاقانی (اورینٹل کالج میگزین اگست ۱۹۳۳ء ص ۵۲) میں ابوالعلاء گنجوی کی مفروضہ تاریخ پیدائش سنہ ۵۰۰ھ/۱۱۰۶ء اور سنہ ۴۹۹ھ/۱۱۰۵ء کے درمیان بتائی ہے، اس حساب سے وہ اشعار شاعر کی ۵۵ سالہ عمر میں یعنی سنہ ۵۴۰ھ/۱۱۴۵ء اور سنہ ۵۴۵ھ/۱۱۵۰ء کے درمیان لکھے گئے ہوں گے، یعنی جب کہ عمادی اور سنائی قضا کر چکے تھے، لیکن صحیح یہ ہے کہ سنائی نے سنہ ۵۴۲ھ/۱۱۴۷ء میں معزی کا مرثیہ لکھا تھا اس لئے وہ اشعار یقیناً ۵۴۲ھ کے بعد کے ہوں گے۔

اب دوسری طرف آئیے تو معلوم ہوگا کہ منوچہر جس کی وفات زمبور (Zambour, Manuel - ص ۱۸۲) de Généalogie -) کے قول کے مطابق سنہ ۵۵۰ھ/۱۱۵۵ء ہے، ان اشعار میں ممدوح ہے تو ثابت ہوا کہ وہ اشعار سنہ ۵۵۰ھ کے پہلے اور سنہ ۵۴۲ھ کے بعد کسی وقت اُن شعراء کے انتقال کے بعد لکھے گئے ہوں گے، اور اغلب ہے کہ وہ زمانہ سنہ ۵۴۵ھ ہی کا ہوگا، جب کہ سنائی کی وفات (محققین کے نزدیک) ہوئی تھی،

اب ہم دوسرے شاعر یعنی عمادی شہریاری کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، جو عمادی غزنوی (م ۵۴۵ھ) کے بہت بعد تک زندہ رہا ہے، علی گڈھ والے مخطوطے میں ایک قصیدہ یہ ملتا ہے :-

زان گہ کہ در تصرف این سبز گلشنم   در کام اژدہائے نیاز است مسکنم
در حلق ہمچو حلقۂ دامی شود مرا   ہر دانۂ کہ از پئے صیدے پراگنم
محتاج آب و دانہ نیم از برائے آنک   غم جائے نان و آب گرفتہ ست در تنم
باز سپید دانشنم و در ہمہ جہان   جز آستان شاہ نہ باشد نشیمنم
خسرو ملک طغان کہ ز بس لطف شاملش   از منتِ عطائے وی آسودہ شد تنم

۱؎ یہ قصیدہ دراصل سید حسن غزنوی (م ۵۵۶ھ/۱۱۶۱ء) کی تقلید میں ہے، جس نے ۵۴۵ھ میں لکھا تھا :-

اس قصیدے میں ممدوح ملک طغان ابن ملک مؤید آی آبہ (۵۶۹ھ/۱۱۷۴ء تا ۵۸۱ھ/۱۱۸۵ء) ہے، اس سے ظاہر ہے کہ وہ عمادی غزنوی (المتوفی تا ۵۵۰ھ/۱۱۵۵ء) کا قصیدہ نہیں ہے، بلکہ بہت ممکن عمادی شہریاری کا ہو، کیونکہ مختلف تذکروں میں اُسی سے منسوب ہے، اور ایک ہی مجموعے میں اسی طرح ذیل کا قصیدہ ہے، جو غلطی سے لباب (ج ۲، ص ۲۵۰ بعد) میں عمادی غزنوی کردیا گیا ہے:-

گنبد مشکین شد دست چرخ زیوے بہا غالیہ پیوند گشت باد زرخسار یار
خسرو گردون کمند شاہ جہان پہلوان آن کہ کند کوہ را ہیبت او اشکبار
بر در تو می رود عمر عمادی خوش است گرچہ یقین داند آنک عمر نہ باشد دوبار

یہ قصیدہ آتابک محمد جہان پہلوان (۵۶۸ھ/۱۱۷۲ء تا ۵۸۲ھ/۱۱۸۶ء) کی مدح میں ہے گو کہ علامہ (بیت مقالہ ج ۲ ص ۲۷۹ سطر ۲-۵) کو اس میں شک ہے، غالباً اس وجہ سے کہ جہان پہلوان بھی بادشاہ کا خطاب ہو سکتا ہے، اور انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ

"این مدت طویل برای دورۂ فعالیت شاعر تا اندازۂ نادر است ولے مستبعد نیست عادۃً"

لیکن اُن کا یہ خیال محض اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے بھی ایک ہی عمادی تصور کیا ہے، حالانکہ اس تخلص کے تھے، میرا خیال ہے کہ یہ قصیدہ آتابک محمد جہان پہلوان ہی کی مدح میں ہے، بلکہ بہت بعد کے شہاب الدین غوری کے بھانجے ملک ناصر الدین الب غازی والی ہرات (المتوفی لباب۔ ج ۱، ص ۳۳۱) کی مدح میں بھی چند اشعار اسی عمادی شہریاری سے منسوب ملتے ہیں

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۵) جان می برد بہ عشرت حوران گلشنم دل می کشد بہ خدمت دیوان گلخنم
از سال پانصد و چہل و پنج گوئیا در من نگر کہ معجزۂ عیدِ خودمنم

لباب (ج ۱، ص ۱۸۱-۱۹۱) میں دو اور شاعروں کے اشعار اسی زمین میں ملتے ہیں۔

شمس الدین محمد کی کتاب المعجم (مرتبۂ قزوینی- ص ۴۰۰) میں اس طرح ہیں :-

تا چند ز صحبت مجازی   تا کے سخنانِ نا نمازی
خود قول بود بدین دروغے   خود عشوہ بود بدین درازی
اکنون بارے شکر فراخ ست   یعنی لب لعل آلب غازی

ہمارے مخطوطے میں ان ممدوحین کے علاوہ کچھ اور بھی ہیں، جن کے متعلق تاریخ بالکل خاموش ہے، اسی لئے یہ فیصلہ کرنا بھی دشوار ہے کہ ایسا کونسا کلام کس عمادی کا ہو سکتا ہے، تاہم اُن اشعار کا نقل کر دینا مناسب ہوگا، جن سے اُن کی شخصیتوں پر روشنی پڑ سکتی ہے :-

مشروحِ روحِ منتخب الدہر کز شرف   رایش بر اوج گنبد دوّار می رود
مدحی خود محمدِ نعمان کہ از ہنر   بر سیرتِ محمدِ مختار می رود

چون نسب گوئی امیر ابن الامیر   چون لقب جوئی مجیر ابن النظیر

بہمہ روزگار لاف نجات   از درِ سیدِ امم زدہ ایم

فرق فرقد امام قطب الدین   تکی دین کدام قطب الدین

ناصر الدین پہلوانِ سخن   پہلوان و خدایگانِ سخن

تکیہ گاہ افاضلِ دنیا   آن کہ او را ندیدہ کس ہمتا

از ہر سپاہ می نیاید   جز عز الدولہ شہریارے

عبد الواحد کہ گوش گردون
نشنید چنو زمانہ دارے

ما و ہمایون کفِ عبد الجلیل   نسختِ اقبال ز عین تا بہ لام

عنصرِ دولت محمد شرف الدین   کز کفِ او حاصل بحار بر آمد

۵ عبدالصمد اکرم الخلائق   سرمایۂ بخت جاودانۂ[۵]

۵؎ سید حسن غزنوی کا بھی ایک ممدوح عبدالصمد ہے، جو عباسی ہے :-

گہر نتیجۂ بحر است بر خلاف قیاس   نتیجہ آمد بحرے ز گوہر عباسؓ

ابو المحاسن عبدالصمد کہ بخت او   بنائے دولت او را بدو نہاد اساس

اسی عہد میں عبدالواسع جبلی (م ۵۵۵ھ) کا بھی ایک ممدوح اس نام کا ہے لیکن وہ سید یا علوی ہے :-

عبدالصمد عزیز ملوک و نصیر دین   کز عقل ہست عاقلہ نسل بوالبشر

نور دو سرور چشم و دل حمزہؓ و علیؓ   آن مایۂ بزرگی و پیرایہ ہنر

اس کے متعلق ہم معارف (ستمبر ۱۹۴۶ء) میں دے چکے ہیں، لباب (ج ۲-ص ۱۲۴) میں ادیب صابر کے تین شعر کسی عمادی کے متعلق ملتے ہیں، ممکن ہے کہ وہ غزنوی کے متعلق ہوں،

ہندوستان مین علم حدیث

(بہ سلسلۂ امام شوکانی)

از
مولوی ابو یحییٰ امام خان صاحب نوشہروی

(۲)

امام شوکانی کی ممتاز و مجتہدانہ تصنیف منتقی کی شرح (نیل الاوطار) من اسرار منتقی الاخبار کو اسی نسبت تلمذ و دینی و فنی اعتقاد کے تعلق سے امیر الملک ہی نے چھپوا کر اقصائے عالم مین پھیلایا، متن مین نیل اور حاشیہ پر عون الباری بحل ادلۃ البخاری ہے، یہ نواب صاحب کی تالیف ہے، نسخۂ صدیقی کے بعد ایک مرتبہ نیل الاوطار اور بھی چھپی، مگر اب دونون نایاب ہین،

امام اور نیل الاوطار کے تذکرہ مین امیر الملک کی مملکت علم کے اس باب کا حوالہ قلم کرنا بھی بے محل نہ ہوگا کہ وہ کس طرح ایسی کتابین کہان سے کس طریق سے اور کن حضرات کی وساطت سے حاصل فرماتے تھے، اس کا کچھ حال اپنی ایک مختصر تالیف العلم الخفاق من علم الاشتقاق مین فرماتے ہین، (معارف ج ۲۵ نمبر ۳ ص ۱۶۴) بضمن تنقید المبین اس کا ذکر جناب سید صاحب زاد مجدہٗ کے قلم سے بھی آچکا ہے،

علم الاشتقاق ...... کا یہ باب جو ص ۱۲ سے ۲۵ تک مین پھیلا ہوا ہے، بہت ہی دلچسپ ہے، وہ وہ تمام خط و کتابت من و عن درج ہے، جو اس سلسلہ مین جاری رہی چنانچہ ۲۰، اہل علم تھے، جو امیر ملک کی ہدایت کے مطابق ان جواہرات کی جستجو حجاز مین کرتے رہے، اور معادن نجد سے یہ ہیرے

نکالے گئے، اسی طرح بازار مصر میں اس یوسف گم گشتہ کی تلاش جاری رہی، ہندوستان کے ساحلی علاقوں میں یہ موتی ڈھونڈے گئے؛ اور مولانا علی عباس چریاکوٹی. دکن (دولت خداداد حیدرآباد دکن) میں سرگرم جستجو ہوئے[5] اور ممالک حجاز میں شیخ حسین بن محسن انصاری (۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء) جیسے تیز نظر جوہری قریہ بقریہ نظر جمائے رہے، یہ حضرت نواب کے شیخ فی الحدیث بھی تھے، نورتن صدیقی کے سرخیل یہی عرب شیخ ہیں، ان کے زمانۂ قیام بھوپال میں شاگرد اپنے استاذ سے احادیث کے آخذ میں استمداد کرتے ہیں، ایک ایک حدیث پر شیخ کی خدمت میں کچھ نہ کچھ رقم پیش ہوتی ہے، اللہ اللہ یہ کیسی شاہانہ علم نوازی تھی،

بکوے میکدہ یارب سحر چہ مشغلہ بود!

کہ جوش شاہد و ساقی و شمع و مشعلہ بود!

شیخ گرم ملک کے باشندے ہیں، جلال میں آکر نواب والا جاہ امیر الملک بھوپال سے ایسے الفاظ بھی کہہ دیتے تھے، جو شیخ کے مزاج کے تو موافق تھے، مگر ہندوستان کے ایک والیٔ ریاست کے لئے جو تخت شاہی پر متمکن ہو، سر پہ شاہی چتر، جلو میں خدم وحشم ہوں برداشت کرنا، اس کے غیر معمولی تحمل و برداشت کی دلیل ہے،

درخرابات مغان نور خدا می بینم

وین عجب بین کہ چہ نورے زکجا می بینم،

سر پہ کلاہ و چتری سہی، مگر صفتیں سب درویشانہ تھیں، اور ایسے درویش کہ نرگس ہزاروں سال اپنی بے نوری پر رو کر صدیق الحسن جیسا دیدہ ور پیدا کر سکی،

ہر نکتہ کہ گفتم در وصف آن شمائل

ہر کس شنید او گفتا للہ در قائل

---

[5] علم الاشتقاق..... ص ۱۸ تا ۸۴

اس کے شیخ الحدیث کی زبان سے جو کچھ ادا ہوتا اب لعل شکر خا را سمجھ کر جواب تلخ بھی گوارا کر لیتے،
پھر وہ جہد علم میں اپروان چڑھے تو نعمت علم کے دوش پر کہولت میں بھی عصائے پیری علم ہی ہے،

سر تسلیم من و خاک درمیکدہ ہا
مدعی گر نکند فہم سخن گو سر و خشت

اور ان دو حضرات کی اس خط و کتابت میں سے جو تلاش نوادر کے لئے ہے، صرف جناب شیخ حسین محدث یمنی الانصاری کے توسط سے جو گرانمایہ جواہر دستیاب ہوئے، ان میں نیل الاوطار کی ساتون جلدون کے علاوہ حسب ذیل کتابین تھین،

۱۔ تیسیر البیان للموزعی مجلد ۲
۲۔ قوت المغتذی علی الترمذی للسیوطی
۳۔ حاشیہ علی النسائی
۴۔ ادب الکاتب
۵۔ نثر الجواہر علی حدیث ابی ذر للشوکانی،
۶۔ الدر النضید فی اخلاص کلمۃ التوحید،
۷۔ رسالتین فی رد القول بفناء النار،
۸۔ رسالہ للشوکانی ایضاً فی مذہب السلف من اجزاء الصفات علی ظاہرہا من غیر تاویل،
۹۔ تفسیر ابن القیم، اس نام سے ایک کتاب ملی، جو دراصل علامہ ابن جوزی کی تفسیر مسمی زاد المسیر تھی،
۱۰۔ فتاوی الشوکانی،
۱۱۔ حاشیہ تیسیر الوصول،

۱۲۔ روح الروح،[1]

۱۳۔ فتح الباری مع مقدمہ کا نسخہ فقیہ عمر سندھی کے اخلاف سے حاصل ہوا،

۱۴۔ الدرر الفاخرۃ الشاملہ لسعادۃ الدنیا والآخرۃ

اس کے بعد حضرت شیخ حسین بن محسن محدث الانصاری کی سعی و برکت سے ۱۲ ربیع الاول ۱۲۹۴ھ تک ذیل کے خزائن علم امیر ملک ریاست دین کے قبضہ میں پہنچے،

۱ زاد المعاد .... مجلد ۱،

۲ مجمع الزوائد کا حافظ الہیثمی .... مجلد ۵

۳ جلدین بالاشکتاب، مجلد ۲

۴ شرح انہار علی الازہار للسیوطی مجلد ۲

۵ نہج الغفار علی ضوء النہار للسید محمد الامیر، مجلد ۲

۶ الدرر الفاخرہ للشوکانی، مجلد ۱

۷ شرح تنقیح الانظار للسید محمد الامیر نسخۃ المولف..... مجلد ۱

۸ شرح العمدۃ لابن دقیق العید مع حاشیہ السید محمد الامیر بخط حسن الجمیع، ..... مجلد ۱

۹ النصف الاول ایضاً من العمدۃ للسید الامیر نسخہ ولد المصنف، .... بخط

۱۰۔ فتح الرحمان فیما اشکل منہ آیات القرآن، للقاضی زکریا الانصاری، ..... مجلد ۱

۱۱ طوق الحمامہ شرح القصیدۃ البسامہ شرحین کاملین،....... مجلد ۲

۱۲ کتاب نزہۃ الناظرین فیمن ولی مصر من الخلفاء والسلاطین للشیخ مرعی،

۱۳۔ کتاب السیادۃ للقلعی........... مجلد ۱

---

[1] علم الاشتقاق.... ۲۰۵ تا ۲۱۰ ۵۲ ۔ ص ۵۵ تا ص ۵۶،

۱۴۔ کتاب ما وقع من الغلط للشعراء العرب مع الشرح.... مجلد ۱

۱۵۔ تکملۃ القاموس ترجمہ صاحب العواصم والقواصم مع تلخیص خلاصہ ما فی العواصم تلخیصاً حسناً لحفیدۃ صاحب العواصم...... کراستین

۱۶۔ تکملۃ فتاوی الشوکانی..... مجلد ۱[۱]

امام شوکانی کے ہندوستانی شیوخ سند | اہل شوق کے لئے امام شوکانی کے ان شیوخ سند کا تذکرہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جن کا وطن ہندوستان ہے، اگرچہ یہاں سرو حدیث کے وہ نغمے پیدا نہیں ہوئے جو دوسرے اسلامی ملکوں کی شہرت کا سبب بنے، مگر پھر بھی کہیں نہ کہیں یہ آواز مدھم سی سنائی دے رہی ہے، افسوس یہ ہے کہ فقہ و قیاس کے ہنگاموں میں یہ بھی دب گئی کہ سنانے والے ہی ترک وطن پر مائل ہو گئے (الا ماشاء اللہ ربک) ان مہاجرین وطن میں سب سے پہلے ابو الحسین عبد الغافر غزنوی (م ۵۲۹ھ / ۱۱۳۴ء) اور ان کے صاحبزادے ہیں، جن کا وطن غزنہ تھا، مگر نیشاپوری الفارسی کہلائے[۲] اسی طرح امام حسن صغانی اللاہوری صاحب مشارق الانوار (م ۶۵۰ھ / ۱۲۵۲ء) شیخ ابو الحسن عبد الہادی سندی صاحب حاشیۃ البخاری (م ۱۱۳۹ھ / ۱۷۲۶ء) سید بلگرامی مرتضی الزبیدی (م ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۰ء) شیخ محمد عابد سندی المدنی (م ۱۲۵۷ھ / ۱۸۴۱ء)

---

۱ علم الاشتقاق........ ص ۲۰۰ و ۲۰۱ ۲ شیخ عبد الغافر غزنوی کا ہندوستانی ہونا بر بنائے نص مولانا عبد الحیّ صاحب لکھنوی ہے، غزنہ کے متعلق ہے "من اول بلاد الهند ذكره السمعاني" (الفوائد البہیۃ ص ۳۰) مولانا مرحوم کی تحریر کے مطابق (یعنی فی تذکرۃ الخطابی مؤلف معالم السنن شرح سنن ابی داؤد) فرماتے ہیں،

" ان سے الحاکم ابو عبد اللہ الحافظ و ابو الحسین عبد الغافر الفارسی اور ایک بڑی جماعت نے روایت کی ہے، الحاکم تاریخ نیشاپور میں ذکر کیا ہے۔ (تعلیق المجد ص ۲۴)"

لیکن نواب صاحب نے اس نام: عبد الغافر بن اسماعیل بن عبد الغافر بن محمد الفارسی الحافظ،

شیخ محمد حیات سندی (م ۱۱۶۳ھ / ۱۷۴۹ء) قطب الدین محمد اور سید غضنفر بن سید جعفر یزدانی وغیرہ ہیں

امام شوکانی کے ہندوستانی شیوخ السند حسب ذیل ہیں :-

۱ - قطب الدین محمد بن احمد بن محمد النہروالی (یہ صحیح بخاری میں ۵ واسطوں سے) اور مشارق الانوار صغانی لاہوری میں بھی شیخ السند ہیں،

۲ - قطب الدین محمد بن احمد نہروالی کے والد یعنی احمد بن محمد المذکور[۵۱]

۳ - عبد اللہ بن ملا سعد اللہ اللاہوری (صحیح بخاری میں)[۵۲]

۴ - شیخ ابو الحسن عبد الہادی سندی (م ۱۱۳۹ھ / ۱۷۲۶ء)[۵۳]

۵ - شیخ محمد حیات سندی (م ۱۱۶۳ھ / ۱۷۴۹ء)[۵۴]

۶ - عبد الغافر (ابو الحسین) غزنوی نیشاپوری فارسی (م ۵۲۹ھ / ۱۱۳۴ء)[۵۵]

(بقیہ حاشیہ ص ۲۰۳) سے جن صاحب کا تذکرہ فرمایا ہے، وہ مولانا عبد الحی صاحب کے مسمی زید الغافر نہیں، بلکہ اُن کے پوتے ہیں، جو المفہم شرح غریب صحیح مسلم، وکتاب مجمع الغرائب فی غریب الحدیث کے مؤلف بھی ہیں، ان کا سنہ وفات ۵۲۹ھ / ۱۱۳۴ء ہے، (اتحاف النبلاء المتقین ص ۳۰۲) یہ ابو الحسین عبد الغافر بن اسماعیل بن عبد الغافر نہ تو خطابی کے شاگرد ہو سکتے ہیں، خطابی کا سال وفات ۳۸۸ھ / ۹۹۸ء ہے، (اتحاف النبلاء ص ۲۴۶) اور عبد الغافر (ابو الحسین) حاکم صاحب مستدرک کے ہم سبق بھی نہیں، کہ حاکم کی تاریخ وفات ۴۰۵ھ / ۱۰۱۴ء ہے،

۵۱ اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر للشوکانی ص ۶۰، ۶۹ ۵۲ اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر للشوکانی ص ۶۱ ۵۳ اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر للشوکانی ص ۶۱، ۶۲ ۵۴ اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر للشوکانی ص ۵۰ ۵۵ اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر للشوکانی ص ۵۹ ۵۶ اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر للشوکانی ص ۲۰، ص ۵۰، ص ۳۰

نمبر ۲۳۱، وصفحہ ۴۴ وصفحہ ۶۲، وصفحہ ۷

۷۔ حسین بن ابوالحسینؒ عبدالغافر (المذکور) غزنوی نیشاپوری،

۸۔ سید غضنفرؒ بن سید جعفر نہروالی، مشکوٰۃ و مؤلفات حاجی (مولانا عبدالرحمٰن) میں،

۹۔ میر کلان محدث اکبرآبادی جن کا ذکر سیلسلہ شیوخ ملا علی قاری (جناب فخرالاماثل) مولانا سید سلیمان صاحب نے بھی معارف میں فرمایا ہے[۳] (باقی)

---

[۱] اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر للشوکانی ص ۹۰، وص ۹۹ وص ۳۲ و ۳۳ [۲] معارف ج ۲۲ نمبر ۴ ص ۲۶۶ [۳] اتحاف الاکابر ص: ۹۰،

نماز اور خشوع

از

مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب رفیق دار المصنفین

جس طرح ہر جاندار کے لئے جسم کے ساتھ روح کا ہونا ضروری ہے، کہ اسی پر اس کی زندگی کا مدار ہے، اور روح کے بغیر وہ ایک لمحہ بھی زندہ نہیں رہ سکتا، بالکل یہی حال انسانی اعمال کا ہے کہ اس کے ہر عمل کی ایک روح ہوتی ہے، اگر کوئی عمل اس روح سے خالی ہے تو اس کی نہ کوئی قیمت ہو اور نہ اہمیت،

روح صرف انسانی اعمال میں ہوتی ہے

لیکن انسان اور حیوان کے اعمال میں بڑا فرق ہے، حیوانات چونکہ علم و عقل اور فہم و تدبر سے محروم ہیں، اس لئے کسی کام کے مکلف نہیں، اُن سے افعال کا صدور طبعی طور پر ہوتا ہے، تشریع کو اس میں دخل نہیں ہوتا، اس لئے ان کے اعمال کے صحیح، غیر صحیح، باروح و بے روح ہونے کا بھی کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، لیکن انسان -- کا حال ایسا نہیں ہے، چونکہ اسے علم و عقل اور فہم و تدبر عطا کیا گیا ہے، اس لئے اس کے افعال کے صدور میں تکوین سے زیادہ تشریع کو دخل ہے، اس کے افعال کی نوعیت وہ نہیں ہے، جو حیوانات کی ہے، اس کا ہر عمل طبعی طور پر تشریع کی پابندیوں میں جکڑا ہوا ہے، اس لئے عمل کے صحیح و غیر صحیح اور باروح و بے روح ہونے کا سوال صرف انسان ہی کے اعمال میں پیدا ہوتا ہے، اور وہی اس کا مکلف ہے،

کافر و مومن کے اعمال کا فرق

جس طرح حیوان اور انسان کے افعال میں بہت بڑا فرق ہے، اسی طرح انسان کے دو گروہوں مومن و کافر کے افعال میں بھی کافی فرق ہے،

انسان کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے گو کافر بھی تکلیف شرعی کا مورد ہے، اور اس کی تمام
بدیوں میں جکڑا ہوا ہے، لیکن عملاً چونکہ اس کی زندگی میں تشریع کی کارفرمائی نہیں ہوتی، اور اپنے کو
ی کے سامنے جواب دہ نہیں سمجھتا، اس لئے اسے اپنے اعمال کے صحیح، خالص اور باروح ہونے کی بھی کوئی پروا
ہ ہوتی، لیکن مومن کا حال ایسا نہیں ہے، وہ اپنے کو بالقوہ اور بالفعل دونوں طرح تشریع کے قید
ود میں محسوس کرتا ہے، اس لئے اسے ہر عمل کے وقت اس بات کی بھی فکر ہوتی ہے، کہ اس کا یہ
ل تشریعی پابندیوں کے ساتھ صحیح ہوا یا نہیں ؟ وہ جو عمل کر رہا ہے، اس میں روح بھی پڑ رہی ہے یا نہیں؟
عنداللہ مقبول بھی ہوں گے یا نہیں ؟ اس بنا پر کافر و مومن کے اعمال میں بھی عملاً وہی فرق ہے، جو
نسان و حیوان کے افعال و اعمال میں ہے،

اس سے یہ بات ذہن نشین ہو گئی ہوگی کہ جس طرح انسان کا جسم بغیر روح کے بے حقیقت ہے، اسی طرح اس
عمل بھی بغیر اس کی روح کے لاشۂ محض ہے،

نماز ایک امر تشریعی ہے، اس کے لئے بھی جسم و روح ہے، اس کی ادائگی کے بہت سے ارکانُ
رائط اور اس کے مقبول و صحیح ہونے کے بہت سے اسباب و ذرائع ہیں، اس لئے ایک مومن کا فرض ہے کہ
وہ جب بارگاہ قدوسی میں حاضر ہو، تو ان ضوابط اور ذرائع کا لحاظ رکھے تاکہ اس کا یہ عمل ضائع
ہونے پائے، اور وہ عنداللہ مقبول بھی ہو، یوں تو نماز کے مقبول اور صحیح ہونے کے لئے بہت سے شرائط
رکان اور ضوابط ہیں، مگر سب کی حیثیت یکساں نہیں ہے، بعض کی حیثیت اصل کی ہے، بعض کی فرع کی،
ض جڑ کی حیثیت رکھتے ہیں، بعض برگ و بار کی، لیکن نماز میں جس چیز کو سب سے زیادہ مرکزی حیثیت حاصل ہے
ر جس کے گرد سارے دوسرے ارکان گردش کرتے ہیں، وہ "صفت خشوع" ہے، اس کو نماز سے وہی
سبت اور تعلق ہے، جو روح کو جسم اور غذا کو زندگی سے ہے، اگر نماز اس خشوع سے خالی ہے، تو خدا کے
دوس کے یہاں اس کی کوئی قیمت نہیں،

ہم کو قرآن و حدیث اور فقہ و تصوف کی روشنی میں اس کی حقیقت و ماہیت، اہمیت و فضیلت اور اس کے حصول کے ذرائع معلوم کرنا چاہئیں، اس کے بعد یہ دیکھنا چاہئے، کہ اس صفت سے متصف ہونے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا کیا مقامات اور درجات ہیں،

خشوع کے لغوی معنی ہیں بدن جھکانا، آواز پست ہونا، نظر نیچی ہونا، اور قلب میں خوف کا پیدا ہونا (لسان العرب) یعنی ہر عضو سے عجز و انکسار کا اظہار ہو رہا ہو، قرآن نے خشوع کو ان تمام معنوں میں استعمال کیا ہے،

وَلَوْ أَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰى جَبَلٍ	اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے
لَرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا،	تو تو اوس کو دیکھتا کہ خدا کے خوف
(حشر-۳)	سے دب جاتا،
وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ	اور تمام آوازیں اللہ تعالیٰ کے سامنے
فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا، (طٰہٰ-۱۱)	(مارے ہیبت کے) دب جاوین گی تو
(قمر-۱)	بجز پاؤں کی آہٹ کے کچھ نہ سنے گا،
خُشَّعًا أَبْصَارُهُمْ	اُن کی آنکھیں جھکی ہوں گی،
أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ	کیا ایمان والوں کے لئے اس بات کا
قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ	موقع نہیں آیا، کہ ان کے دل خدا کی نصیحت
مِنَ الْحَقِّ،	کے اور جو دین حق نازل ہوا ہے، اس کے
(حدید-۲)	سامنے جھک جاویں،

مگر یہ سب تو خشوع کے مظاہر ہیں، خشوع کا اصلی مقام قلب ہے، اعضاء و جوارح سے اس کا تعلق صرف اسی قدر ہے، کہ قلب کی اس کیفیت کا اظہار انہی کے ذریعہ ہوتا ہے، قلب میں خشوع و خضوع

خوف ورجاء، ہیبت وجلال کی جو کیفیت پیدا ہوگی، اعضاء سے اسی کا اظہار ہوگا، ایک شخص نماز کے اندر اپنی داڑھی سے کھیل رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا کہ

لو خشع قلبہ خشعت جوارحہ — یعنی اگر اس کے دل میں خوف ہوتا، تو اس کے اعضاء سے بھی خشیت ظاہر ہوتی،

بعض علماء نے خشوع کی تعریف میں لکھا ہے،

والخشوع ھو معنی یقوم بالنفس یظھر عنہ سکون فی الاطراف — خشوع ایک ایسی کیفیت ہے کہ جو دل میں قائم ہو جاتی ہے، اور اس کے ذریعہ اعضاء سے سکون وطمانیت ظاہر ہوتی ہے،

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں :-

الخشوع قیام القلب بین یدی الرب بالخضوع والذل والجمعیۃ علیہ، — خشوع یہ ہے کہ بارگاہ قدوسی میں دل کو عجز ونیاز، جمعیت وسکون سے حاضر رکھا جائے،

خشوع کا پورا مفہوم کسی ایک لفظ سے ادا نہیں کیا جا سکتا، اس کو اس طرح سمجھئے کہ اگر آپ کسی پرہیبت جلال شخص کے سامنے کھڑے ہو جائیں تو اس وقت آپ کے ذہن وجسم پر جو اثر مترتب ہوگا، یا جو کیفیت طاری ہوگی اسی کو عربی میں خشوع کہتے ہیں، نماز میں بندہ اپنے سب سے بڑے مالک الملک کے سامنے کھڑا ہوتا ہے، اس سے زیادہ پرہیبت وپرجلال ذات کونسی ہو سکتی ہے، اس لئے اس کے ذہن وجسم، قلب ودماغ پر اس وقت اس کیفیت کا طاری ہونا یا طاری کرنا ضروری ہے، عبادت کا سب سے بڑا مقصد بھی یہی ہے کہ جب عبد اپنے معبود کے سامنے کھڑا ہو تو اس کی ہر ادا سے عبدیت کا اظہار ہو، جس کا تقاضا عجز ونیاز، تواضع وخاکساری ہے،

نماز میں جن لوگوں پر یہ کیفیت طاری ہوتی ہے، اور جو اس صفت سے متصف ہوتے ہیں، خدا تعالیٰ نے انہی کیلئے دین و دنیا کی فلاح اور جنۃ الفردوس کا وعدہ کیا ہے،

قد افلح المومنون الذین ھم فی	یقیناً ان مسلمانوں نے فلاح پائی جو
صلاتھم خاشعون	اپنی نماز میں خشوع و خضوع رکھتے ہیں
اولٰئک ھم الوارثون الذین	اور ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں
یرثون الفردوس ھم فیھا	جو جنت الفردوس کے وارث ہوں گے،
خالدون، (مومنون - ۱)	وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے،

اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں،

خاشعون، خائفون، ساکنون	یعنی خاشعین فی الصلوٰۃ وہ لوگ ہیں جن کا دل خشیت الٰہی سے لبریز اور جسم پر سکون و طمانیت کی کیفیت طاری ہو،

حضرت ابو درداءؓ اس کی تفسیر کے سلسلہ میں فرماتے ہیں :-

اعظام المقام واخلاص المقال	جب اس کے سامنے کھڑے ہو جائے تو
والیقین التام وجمع الاھتمام	اس کی عظمت سے دل معمور ہو، جو اس سے
یتبع ذٰلک ترک الالتفات	کہا جا رہا ہو، اس میں اخلاص ہو، دل یقین کی دولت سے مالا مال ہو، جمعیت خاطر اور اہتمام ہو، پھر اسی کے ضمن میں ترک التفات

ایک دوسری جگہ قرآن نے جہاں مومنین کی بہت سی صفات بیان کی ہیں، اور ان صفات سے متصف ہونے والوں کے لئے جنت کا وعدہ کیا ہے، ایک صفت خشوع بھی ہے،

والصابرین والصابرات و	صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی
الخاشعین و الخاشعات......	عورتیں اور خشوع رکھنے والے مرد اور
اعد الله لهم مغفرة و اجراً	خشوع رکھنے والی عورتیں...ان کے لئے اللہ
عظیما، (احزاب - ۶)	تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے'

بعض لوگوں پر یہ کیفیت صرف نماز ہی میں نہیں طاری ہوتی، بلکہ ہر وقت طاری رہتی ہے، جہاں محبوب حقیقی کا ذکر چھڑا، اُن کے دل میں خشیت طاری ہوگئی، جہاں ان کا کلام پڑھا گیا، وہ حزن کہ لرزہ براندام ہوگئے،

اللہ تعالیٰ انہی کے بارے میں فرماتا ہے،

اذا یتلیٰ علیهم یخرون للاذقان	اور ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہی روتے ہوئے
و یبکون و یزیدهم خشوعاً (بنی اسرائیل)	اور یہ قرآن ان کا خشوع اور بڑھا دیتا ہے'

سورۂ انبیاء میں انبیاء کے ذکر کے بعد ان کے متعلق بھی یہی ارشاد ہے، کہ

و یدعوننا رغباً و رهباً و کانوا	اور وہ لوگ (انبیاء) امید و بیم کے ساتھ
لنا خاشعین،	ہماری عبادت کرتے ہیں، اور ہمارے سامنے
(انبیاء ۵)	دب کر رہتے ہیں،

صفت خشوع کے پیدا کرنے کے لئے کوشش و مجاہدہ

مگر اس مقام کے حصول کے لئے مسلسل کوشش اور مجاہدہ کی ضرورت ہے جب ذہن و چشم قلب و دماغ پر پورے طور سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ہیبت و جلال کا تصور چھا جائے، اس وقت یہ مقام حاصل ہوتا ہے چنانچہ صحابۂ کرام کو بھی اس وقت تک اس کا مکلف نہیں بنایا گیا، جب تک ان میں اس کی پوری صلاحیت پیدا نہیں ہوگئی،

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اس آیت

الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ و ما نزل من الحق، (حدید ۲)	کیا ایمان والوں کے لئے اس بات کا موقع نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کی نصیحت اور جو دین حق نازل ہوا ہے اُس کے سامنے جھک جائیں،

کی تفسیر کے سلسلہ میں فرماتے ہیں،

ما کان بین اسلامنا و بین عتابنا اللہ تعالیٰ بھذہ الآیۃ الا اربع سنین	یعنی ہمارے قبول اسلام اور اس آیت کے ذریعہ خشوع کے نہ پیدا کرنے والوں کے بارے میں عتاب کے درمیان چار سال کا فصل ہوا،

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں :۔

ان اللہ استبطاء قلوب المومنین فعاتبھم علی راس ثلاث عشرۃ سنین من نزول القرآن[۱]	پہلے اللہ تعالیٰ نے مومنین کے قلوب کو اس کے لئے آہستہ آہستہ تیار کیا پھر نزول قرآن کے تیرہ برس بعد وعید فرمائی،

برائیوں کے زہر سے بچنے کے لئے نماز سب سے بڑا تریاق ہے، انسان دنیا کے کاروبار میں لگا ہوتا ہے، اس کے خیالات پراگندہ ہوتے ہیں ہیں اسی حالت میں جب وہ نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے

---

[۱] پہلی روایت میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے اپنے اسلام اور نزول آیت کے درمیان کا فصل بتایا ہے اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے نزول قرآن اور اس آیت کے نزول کے درمیان کا فصل بتایا ہے اس لئے دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے،

تو اس کے دل و دماغ اور جسم و اعضاء پر ہر قسم کی پابندی عائد ہو جاتی ہے، اس لئے اس پر نماز کی ادائگی بڑی ہی شاق ہوتی ہے، لیکن جو لوگ کہ اس کیفیت خشوع سے سرشار ہوتے ہیں، ان کے لئے یہ تمام دشواریاں آسان ہو جاتی ہیں،

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ	اور مدد لو صبر اور نماز سے اور بیشک وہ
وَاِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ	نماز دشوار ضرور ہے، مگر جن کے قلوب
الَّذِينَ يَظُنُّونَ اَنَّهُمْ مُلَاقُوا	میں خشوع (کی دولت) ہو ان پر کچھ بھی
رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رَاجِعُونَ	دشوار نہیں، وہ خاشعین وہ لوگ ہیں،
	جو خیال رکھتے ہیں اس کا کہ وہ بیشک
	ملنے والے اپنے رب سے اور اسی کی طرف واپس

[illegible]

اس آیت میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ خاشعین کی صفت الذین یظنون انہم ملٰقوا ربہم لائی گئی ہے جس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نماز میں خشوع پیدا کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ بندہ کے ذہن پر جزاء اعمال اور قیامت کی ہولناکیوں کا تصور پورے طور پر چھایا ہوا ہو، اور اسے اس بات کا پورا یقین ہو کہ ایک دن اسے مالک یوم الدین کے سامنے حاضر ہونا ہے، جب تک یہ تصور اس کے ذہن پر چھایا ہوا نہ ہوگا، اس پر خشوع کی پوری کیفیت کا پیدا ہونا مشکل ہے، اس لئے کہ جب اس کا پورا اذعان ہوگا کہ ہم سے جو اعمال صادر ہوتے ہیں، ایک دن ان کا محاسبہ ہوگا، اور ہمیں اس کی جزا یا سزا ملے گی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارے ذہن پر عجز و نیاز، خوف و خشیت کی کیفیت طاری، اور ہماری ساری ذہنی و جسمانی توجہ اسی عمل کی طرف مبذول ہو جائے گی، اور ہم کو محسوس ہوگا کہ ہم اپنے مالک الملک کے سامنے کھڑے ہیں، خشوع کا یہی مقصد اور اس کی یہی روح ہے، کہ بندہ ماسوا سے بالکل کٹ کر پوری عبدیت کے ساتھ خدائے وحدہٗ لاشریک کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے۔

خشوع کے بارے میں ایک نکتہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ خشوع کا مطالبہ تو انسان کے ہر فرد سے ہے، مومن دنیا میں اپنے عجز و انکسار ذلت و مسکنت اور نیازمندی سے (خشوع کے) اس مطالبہ کو پورا کرتا ہے، اس لئے قیامت میں وہ اس کی جزا میں عزت و وقار اور انعام الٰہی سے سرفراز ہوگا لیکن کافر دنیا میں اس مطالبہ کو پورا نہیں کرتا، اس لئے مومن کی اختیاری ذلت و مسکنت اس کی (کافر کی) طرف منتقل کردی جائے گی، اور اس سے یہ مطالبہ قہر و غضب کے ساتھ پورا کرایا جائے گا، مومن سے دنیا میں اس اختیاری ذلت کا مطالبہ عقبیٰ کی عزت کے لئے کیا گیا تھا، کافر نے چونکہ اس کو پورا نہیں کیا، اس لئے اس سے قیامت میں یہ مطالبہ اس کی روسیاہی و رسوائی کی صورت میں پورا کرایا جائے گا، چنانچہ قرآن نے اسے بار بار بیان کیا ہے۔

خشعًا ابصارھم،	(قیامت کے روز) ان کی (کفار) آنکھیں جھکی ہونگی،
خاشعین من الذل ینظرون من طرف خفی،	مارے ذلت کے جھکے ہوں گے، شکستگی سے دیکھتے ہوں گے،
وجوہ یومئذ خاشعۃ	بہت سے چہرے اس روز ذلیل ہوں گے

(باقی)

گلِ رعنا

اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو میں شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے، جس میں آب حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے۔ دکنی سے لے کر حالی و اکبر تک کے حالات،

قیمت:۔ صہ ضخامت:۔ ۵۰۸ صفحہ

"منیجر"

استفسار و جواب

رائے پنڈت چندر بھان برہمن

اور

ان کی تصنیفات

جناب پرسرام وتس صاحب مونگا، ضلع فیروز پور، } "پنڈت چندر بھان برہمن جو حضرت شاہجہان صاحبقران اور ان کے ولی عہد دارا شکوہ کے میر منشی تھے، میرے اجدادمیں سے تھے، ان کی تصانیف نشآت برہمن، چہار چمن، نگار نامہ، گلدستہ، تحفۃ الفصحاٗ، مجموعۃ الفقرار، تذکرۂ فارسی شعراء، وغیرہ نہیں ملتیں، آپ کی وسعتِ مطالعہ اور معلومات کا ذکر میرے مسلمان دوست اکسٹرا اسسٹنٹ صاحب نے کیا، تو میں نے آپ کو تکلیف دی، تحریر فرما دیں کہ میں کہاں کہاں سے ان کتابوں کو اور ان کی کسی سوانحعمری یا تذکرہ کو دیکھ پا سکتا ہوں، وہ ذرائع تحریر فرما دیں تاکہ میں ان کی زیارت کرسکوں، احسان مروت اور مہربانی سے میری دعائیں حاصل کیجئے"

معارف:- گرامی نامہ ملا، خوشی ہوئی کہ رائے پنڈت چندر بھان برہمن کی یاد کو تازہ کرنے والے ان کے اخلاف موجود ہیں، ان شخصیتوں کے نام اور ان کے کارنامے ہندوستان کے اس درخشاں عہد کو یاد دلاتے ہیں جب یہاں ہندو اور مسلمان شیر و شکر تھے، اور اپنے اپنے مذہب پر قائم رہ کر ایک دوسرے سے یگانگی رکھتے تھے، لطف و محبت سے پیش آتے، اور رواداری کے ساتھ ایک دوسرے کے مذہبی

روایتی جذبات واحساسات کا پاس واحترام رکھتے تھے،

راے چندر بھان تخلص برہمن، شاہجہانی دور کے مشہور ارباب قلم میں سے تھے، ان کی جن کتابوں کے نام آپ نے لکھے ہیں، ان میں سے بعض مشہور کتب خانوں میں موجود ہیں، اور اتفاق سے مصنف نے اپنی بعض کتابوں میں اپنی خود نوشت سوانح عمری بھی قلمبند کردی ہے، اور اس کا نسخہ محفوظ رہ گیا ہے[۱] پھر ان کے شعر و ادب کا ذوق رکھنے کی مناسبت سے تذکرہ کی کتابوں میں اُن کے مختصر حالات ملتے ہیں، اور درباری تعلق سے ان کا ذکر بعض سیاسی تاریخوں میں بھی آیا ہے، چنانچہ عمل صالح محمد صالح کنبوہ المتوفی ۱۰۸۵ھ، مراۃ جہان نما شیخ محمد بقا المتوفی ۱۰۹۲ھ، تذکرہ مراۃ الخیال شیر خان لودی (تصنیف ۱۱۰۲ھ) تذکرہ حسینی میر حسین دوست (تصنیف ۱۱۶۳ھ) مخزن الغرائب احمد علی سندیلوی (تصنیف ۱۲۱۸ھ) تذکرہ خوش نویسان غلام محمد ہفت قلمی المتوفی ۱۲۳۹ھ اور نشتر عشق حسین قلی خان عشق میں ذکر آیا ہے،

موجودہ زمانہ کی تصنیفات میں سے امراے ہنود محمد سعید احمد مارہروی طبع ۱۹۱۰ء، ایجوکیشن ان مسلم انڈیا سید محمد جعفر طبع ۱۹۳۶ء "دی ریلیجس پالیسی آف دی مغل ایمپررز" سری رام شرما طبع ۱۹۴۰ء، ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ ڈاکٹر سید عبد اللہ طبع ۱۹۴۲ء میں بھی تذکرہ آیا ہے، ان میں سے اول و آخر الذکر کتابوں میں کسی قدر تفصیل سے ہے،

ان مآخذ خصوصاً ان کی تصنیف چہار چمن (موجود در برٹش میوزیم) سے ان کے مختصر سوانح اور مخطوطات کی فہرستوں سے ان کی کتاب کا حال ذیل میں پیش ہے،

وہ پنجاب کے ایک برہمن خاندان کے چشم و چراغ تھے، ان کے والد کا نام پنڈت دھرم داس تھا، ان کی ولادت لاہور میں ہوئی، اور یہیں نشو و نما پائی، شیر خان لودی نے مرآۃ الخیال میں، اور اس کے

---

[۱] فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۱ ص ۳۹۷ بحوالہ چہار چمن۔

حوالہ سے بعض تذکرہ نگاروں نے ان کا وطن اکبرآباد لکھا ہے[۱]، مگر یہ خود ان کی تصریح کے خلاف ہے، اکبرآباد سے اُن کے گہرے روابط قائم ہو گئے تھے، لیکن جیسا کہ انھوں نے خود لکھا ہے، ان کا مولد و منشا لاہور ہی تھا، ابتدائی تعلیم و تربیت لاہور ہی میں حاصل کی، اور اس دور کے مشہور باکمال ملا عبد الحکیم سیالکوٹی[۲] کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا[۳]، فنِ خطاطی میں بھی کمال حاصل کیا، خطِ نستعلیق کی تحصیل آقا عبد الرشید سے کی تھی، اور خطِ شکستہ کفایت خان سے حاصل کیا تھا، تذکرہ خوشنویساں میں خوش نویس کی حیثیت سے بھی ان کا ذکر آیا ہے[۴]،

تعلیم سے فراغت کے بعد امیر عبد الکریم میر عمارات لاہور و اکبرآباد کی ملازمت سے وابستہ ہوئے[۵]، ان کے بھائی اودے بھان عاقل خان کے دفتر سے تعلق رکھتے تھے، اس تعلق سے ان کو بھی شاہی ملازمت سے وابستگی ہوئی، اور اس زمانہ کے مشہور امیر ملا عبد الشکور شیرازی معروف بہ خطاب افضل خان کے دامن دولت سے وابستہ ہو گئے، افضل خان ترقی کرکے شاہجہان کے پہلے سال جلوس میں "وزیر الکل" کے عہدہ پر سرفراز ہوا تھا، اور پنڈت چندر بھان افضل خان کے کاتب (سکریٹری) کی حیثیت سے خدمت انجام دیتے رہے[۶]، اور قیام لاہور ہی میں رہا،

افضل خان نے ۱۰۴۸ھ میں وفات پائی[۷]، اس کے بعد ہی جب شاہجہان ۱۲ سنہ جلوس شاہجہانی میں لاہور آیا، تو افضل خان کے متعلقین اور وابستگان کو اپنے حضور میں طلب کیا، اس تعلق سے پنڈت چندر بھان کو بھی شاہجہان کی خدمت میں شرف باریابی کا موقع ملا، اس نے خطِ شکستہ میں اپنی ذیل کی

---

۱ تذکرہ مرأۃ الخیال ص ۲۱۳ ۲ برٹش میوزیم کی فہرست میں ملا عبد الکریم چھپا ہے، مگر یہ نسخہ کی غلطی معلوم ہوتی ہے، ان کے استاد کی حیثیت سے دوسرے مآخذ مخزن الغرائب وغیرہ میں ملا عبد الحکیم کا نام مذکور ہے ۳ تذکرہ خوشنویسان ص ۵۵ ۴ عمل صالح (قلمی) ورق ۱۳، ۵ نشتر عشق قلمی جلد ۱ ورق ۹ ۶ ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ ص [illegible] ۷ افضل خان کے سوانح کے لئے دیکھئے مآثر الامراء جلد ۱ صفحہ [illegible]،

رباعی لکھ کر شاہجہان کی خدمت مین پیش کی :-

شاہے کہ مطیع او دو عالم گردد ہر جا کہ سر یست پیش او خم گردد

از بسکہ بدورش آدمی یافت شرف خواہد کہ شرف نسیر آدم گردد

مگر ریو کا خیال ہے کہ برہمن پہلی مرتبہ ۱۰۵۵ھ مین سرہند مین جشن نوروز کے موقع پر جب شاہجہان بدخشان کی مہم کی تیاری مین مصروف تھا، دربار شاہجہانی مین حاضر ہوا، اور اس کا پہلی مرتبہ تعارف کرایا گیا[1] لیکن دونوں روایتون مین کوئی ایسا تضاد نہین، ہو سکتا ہے کہ وہ افضل خان کی وفات کے بعد اس کے عملہ کے ساتھ شاہجہان کے حکم سے دار السلطنت کے عملہ مین شامل کر لیا گیا[2] اور مقرب درباری کی حیثیت سے پہلی مرتبہ سرہند مین جشن نوروز کے موقع پر اپنی نظم سنائی ہو، اور الطاف شاہانہ سے سرفراز کیا گیا ہو،

بہرحال شاہجہان نے اس کو اپنی خدمت کے لئے منتخب کیا، اور اس کے خدمات مرکزی حکومت کے صدر دفتر مین منتقل ہو گئے، وہ رفتہ رفتہ ترقی کر کے "وقائع نویس حضور" کے منصب پر مامور کیا گیا، اب وہ شاہجہان کے دربار مین حاضر رہتا[3] اور روزانہ کے وقائع قلمبند کیا کرتا، ضرورت کے وقت کبھی وہ باہر بھی بھیجا جاتا تھا چنانچہ وہ ایک موقع پر شاہجہان کی طرف سے بیجاپور کے دربار مین بھیجا گیا،[4] دارا شکوہ کو اس سے غیر معمولی انس پیدا ہو گیا تھا چنانچہ اس نے شاہجہان سے کہہ کر اس کے خدمات مستعار حاصل کر لئے، اور وہ دارا شکوہ کا میر منشی مقرر ہو گیا، مگر علامہ سعد اللہ کی وفات کے بعد شاہجہان کو اس کی دوبارہ ضرورت ہوئی تو پھر اس کی خدمات مرکزی حکومت سے

---

[1] امرائے ہنود ص ۱۵۳ [2] فہرست مخطوطات برٹش میوزیم جلد ۲ ص ۸۳۰ [3] چار چمن، در فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۱ ص ۳۹۷۔

[4] مرأة جہان نما ص ۲۱۰ (قلمی) در برٹش میوزیم جلد ۳ ص ۱۰۸۷،

وابستہ ہو گئے۔ شاہجہان نے اس کو راے کے خطاب سے بھی ممتاز کیا[1]، دور حاضر کی اصطلاح میں اس کے عہدہ کو "آفیسر انچارج آف دی دار الانشاء" یا "سکریٹریٹ" سے موسوم کیا گیا ہے[2]۔

وہ شاہجہان کے آخر دور یعنی داراشکوہ کے ساتھ قتل سے پہلے تک اپنے عہدۂ میر منشی پر مامور رہا، اور اپنے قدردان داراشکوہ کی زندگی کے خاتمہ کے ساتھ ہی وہ بھی شاہی خدمت سے سبکدوش ہو گیا، اور بنارس میں جا کر عزلت گزینی کی زندگی اختیار کر لی[3]۔

وفات | بنارس ہی میں اپنی زندگی کے آخری دن پورے کئے، اور وہیں وفات پائی، سال وفات میں اختلاف ہے، مرآۃ جہان نما میں ۱۰۶۸ھ مکتوب ہے، مرآۃ الخیال میں ۱۰۷۳ھ ہے، اور تذکرہ شمع انجمن میں ۱۰۶۸ھ کہا گیا ہے، اول الذکر روایت کو ریو نے ترجیح دیا ہے[4] لیکن یہ قرین قیاس معلوم نہیں ہوتا، ۱۰۶۸ھ میں اورنگ زیب اور داراشکوہ کی لڑائی ہوئی، اور داراشکوہ کا آفتاب اقبال غروب ہوا ہے، چندر بھان نے داراشکوہ کے قتل ہونے یا یوں کہئے کہ عالمگیر کے تسلط حاصل کرنے کے بعد مرکزی حکومت سے اپنا رشتہ منقطع کیا ہے، اس لئے وہ گویا ۱۰۶۹ھ کے آخر میں بنارس آیا، چند سال پہلے عزلت گزینی کی زندگی گذارنے کا ذکر آتا ہے، اس لئے عجب نہیں کہ تذکرۂ مرآۃ الخیال کی روایت صحیح ہو کہ اس نے ۱۰۷۳ھ میں بنارس میں وفات پائی، اور وہیں آخری مراسم ادا ہوئے،

یادگاریں | اولاد میں اپنے ایک لڑکے تیج بھان کا ذکر انشاے برہمن میں کیا ہے، (ورق ۹۷) آگرہ میں اس کی چند یادگار عمارتیں بھی تھیں، ایک خوشنما باغ تعمیر کرایا تھا، جو باغ چندر بھان کے نام سے موسوم ہوا، ایک بڑا تالاب کھدوایا تھا، ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں وہ باغ کسی انگریز کے قبضہ میں

---

[1] مرآۃ جہان نما ص ۸۲، [2] دی لیجس پالیسی آف دی مغل ایمپررز ص ۱۰۱ [3] مرآۃ الخیال ص ۲۱۵،
[4] فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۳ ص ۱۰۰۸، مرآۃ الخیال صفحہ ۲۱۵، تذکرۂ خوشنویسان بر حاشیہ صفحہ ۵۵،

چلا گیا تھا، یہ سکندرہ کی سڑک پر آگرہ اور سکندرہ کے درمیان واقع ہے، اس کا دروازہ سنگ سرخ کا تھا، یہ باغ پھر لالہ سورج بھان کی اولاد کے قبضہ میں چلا گیا تھا،

آگرہ میں پنڈت چندر بھان کی بعض دوسری عمارتوں کے موجود ہونے کا ذکر منشی سیل چند کی تفریح العمارات میں آیا ہے، مگر اب وہ سب ناپید ہو چکی ہیں[1]،

سیرت و کردار | چندر بھان طبعاً مذہبی آدمی تھا، مذہبی مسائل سے دلچسپی رکھتا تھا، مذہبی عقائد پر اس نے بابا لعل داس اور دارا شکوہ کے ایک مکالمہ کا ترجمہ فارسی میں کیا تھا، اور جیسا کہ گذرا، آخر زندگی تیرتھ گاہ بنارس میں گذار دی، اس کو اپنے ہندو ہونے پر فخر تھا، زنار دار کے لقب کو اپنے لئے پسند کرتا تھا، اپنی زنارداری سے اپنا لگاؤ یوں ظاہر کیا ہے،

مرا برشتۂ زنار الفتے خاص است   بہ یادگار برہمن از برہمن ہمین دارم

طبیعت میں سوز و گداز تھا، حاجتمندوں سے ہمدردی کرتا، اور اُن کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے سفارشیں کرتا تھا، اس کے مکاتیب میں اس کی شہادتیں جا بجا موجود ہیں، طبیعت میں مذہبی رواداری بھی تھی، یہاں تک کہ محمد صالح کنبوہ صاحب عمل صالح لکھتا ہے :-

"ہر چند بصورت ہندو است لیکن دم از اسلام می زند،"

اس کے ساتھ اپنے مذہبی عقائد اور ہندوانہ مراسم و روایات کی دل سے قدر کرتا تھا، اس کی جھلک اس کے مکاتیب میں جا بجا موجود ہے، مثلاً اس کا ایک طریقۂ ادا ہے :-

"برہمن عقیدت کیش کہ صندل اخلاص بر جبیں و زنار عقیدت در گلو دارد[2]"

اس طرح وہ ایک خوش خصال نیک دل، روادار اور اپنے عقیدے کا ایک مخلص برہمن تھا

---

[1] امرائے ہنود ص ۱۰۲، وادبیات فارسی ص ۲، [2] ادبیات فارسی ص ۲، بحوالہ عمل صالح، نسخہ عشق، تفریح العمارات، منشآت برہمن،

لب ولہجہ شاعری محمد صالح کنبوہ نے اس کو شاہجہانی عہد کے ممتاز شعراء اور نثر نگاروں میں شمار کیا ہے[51] وہ اپنی نظم ونثر میں سادہ نگاری کو پسند کرتا تھا، صاحب دیوان تھا، تذکرہ حسینی میں ہے:

"دیوانے دارد مشتمل بر بسیار سادہ یادگار گذاشتہ"[52]

کلمات الشعراء کے مصنف کا بیان ہے :-

" بطرز قدیم شستہ وصاف در ہندوان غنیمت بود "

محمد صالح اور بعض دوسرے مصنفین نے لکھا ہے کہ اس نے انشا میں ابوالفضل کا تتبع کیا ہے، مگر یہ پورے طور پر صحیح نہیں ہے، ابوالفضل کے طرز انشا کی کچھ نہ کچھ جھلک اس کی تحریر میں ضرور پائی جاتی ہے مگر اس میں ابوالفضل کی دقت پسندی نہ تھی، اس کا طرز انشا قدیم اسلوب میں صاف وشستہ تھا بلکہ عمومی حیثیت سے اس کی سادہ نگاری کا ایسا شہرہ تھا کہ شیر خان لودی نے داراشکوہ کے اس سے دلچسپی رکھنے پر اس نے بھی تعجب کیا ہے کہ داراشکوہ اور برہمن کے طرز انشا میں زمین وآسمان کا فرق ہے، وہ لکھتا ہے :-

"نسخۂ چار چمن بر مطلب نویسی وسادگی عبارات دے گواہی می دہد، و قماش نظم نیز پوشیدہ است عجب کہ شاہزادہ باآن ہمہ مستعدان کہ در عرصۂ روزگار برنگ آمیزی الفاظ آبدار صفحۂ خاطر ارباب دانش چون شفقہاے موسم بہار ہزار رنگ متلون می ساختند خاطر مبارک بسخن سادہ اش فرود آوردہ بود"[53]

افسوس ہے کہ شیر خان لودی نے اپنے تذکرہ مراۃ الخیال میں چندر بھان کا تذکرہ خوشگوار لب ولہجہ میں نہیں کیا ہے اس نے ایک واقعہ بھی نقل کیا ہے، اور اس کے حوالہ سے دوسرے تذکرہ نگاروں

51 فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۱ ص ۳۹۰ بحوالہ عمل صالح (قلمی) ورق ۷۰۰، ۱۰۱ ، 52 تذکرہ حسینی ص ۳۲
53 تذکرہ مراۃ الخیال ص ۲۱۳، ۲۱۴

خفی بھی اس کو لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ داراشکوہ نے شاہجہان کے سامنے اس کے ذوق شعری کی تعریف کی، شاہجہان کی فرمایش پر اس نے اپنا ایک شعر پڑھا،

مرا دلیست بکفر آشنا کہ چندین بار ۔۔۔ بکعبہ بردم و بازش برہمن آوردم

شاہجہان یہ شعر سن کر چین بجبین ہوا، اہل دربار سے مخاطب ہوا، کہ کوئی اس کو برجستہ جواب دے، افضل خان نے بڑھ کر کہا کہ اگر حکم ہو تو استاد کے ایک شعر سے اس کا جواب دوں بادشاہ نے اشارہ کیا، تو افضل خان نے شیخ سعدی کا مشہور شعر پڑھا،

خر عیسیٰ گرش بمکہ برند ۔۔۔ چون بیاید ہنوز خر باشد[۱]

بادشاہ یہ سن کر شگفتہ ہو گیا، اور چندر بھان غسل خانہ کے دروازہ سے نکل کر چلا گیا، شاہجہان نے داراشکوہ کو فہمایش کی کہ آیندہ ایسے اشعار اس مجلس میں نہ پیش کئے جائیں[۲]

یہ ایک درباری لطیفہ ہو سکتا ہے، لیکن شیر خان نے اس واقعہ کو جس انداز میں قلمبند کیا ہے اور اس پر جو حاشیہ آرائی کی ہے اس کو موزون نہین کہا جا سکتا،

---

[۱] مراۃ الخیال مین اس کی قرات یون ہی ہے، مخزن الغرائب میں ان لفظون میں ہے، جیسے یہ مشہور ہے،

خر عیسیٰ اگر بمکہ رود ۔۔۔ چون بیاید ہنوز خر باشد

[۲] بعض اہل قلم نے اس واقعہ میں افضل خان کے شریک ہونے سے اس پر شبہہ ظاہر کیا ہے، لیکن افضل خان سے مراد وزیر الکل ملا عبد اللہ شکور نہین ہو سکتے کہ ان کا انتقال ۱۰۳۸ھ مین ہو چکا تھا، (مآثر الامرا جلد ۱ ص ۱۰۵) اور جیسا کہ اوپر گذرا چندر بھان کا تعلق دربار شاہجہانی سے افضل خان کی وفات کے بعد ہوا تھا، اس لئے یہان افضل خان سے مراد وہ شاہجہانی امیر ہے، جو شاہجہان کا معتمد خاص تھا، اور نگ زیب اور شاہجہان کے آخری اختلافات کے موقع پر نامہ و پیام مین خلیل اللہ خان کے ساتھ شاہجہان کی طرف سے اورنگ زیب کے پاس گیا تھا، اور آخر وقت تک شاہجہان کا معتمد رہا تھا، (عمل صالح وغیرہ)

شیرخان لودی کا باپ شاہزادہ شجاع کے دربار سے وابستہ تھا، شجاع و دارا شکوہ کا اختلاف معلوم ہے، شاید شیرخان کی اس غیرجانبداری کا سبب کوئی ایسی سیاسی منافرت ہو، جو مصنف کو ورثہ میں ملی ہو، بہر حال شیرخان نے یہ خاص طور پر تصریح کی ہے کہ دارا شکوہ چندر بھان سے غیر معمولی التفات رکھتا تھا، اور اس کی نظم و نثر کا قدردان تھا، اس نے اس کے دیوان سے ایک غزل اپنے تذکرہ میں نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ "راقم الحروف این غزل را در تمام دیوانش انتخاب نمودہ"

کنم ز سادہ دلی بند دیدہ قرگان را ۔۔۔ بہشت حسن تو ان بست راہ طوفان را

جگر نشان شدہ ام باز جائے آن دارد ۔۔۔ کہ لالہ زار کنم دامن و گریبان را

ہمیشہ زلف ترا اضطراب کار ماست ۔۔۔ چگونہ جمع کند خاطر پریشان را

شبے خیال تو آمد بخواب و آسودیم ۔۔۔ وگرنہ ہم نہ کشادیم چشم گریان را

برہمن از تو سخن بے دلیل می خواہم

کہ اعتبار نباشد دلیل و برہان را [1]

احمد علی سندیلوی نے بھی اپنی مخزن الغرائب میں اس کا تذکرہ کسی قدر تفصیل سے کیا ہے لیکن وہ تمامتر مراۃ الخیال سے ماخوذ ہے، کوئی نئی بات نہیں، البتہ ایک شعر کی نسبت جو برہمن کی طرف کی جاتی ہے اس پر شبہہ ظاہر کیا ہے کہ

ببین کرامت بتخانہ مرا اے شیخ ۔۔۔ کہ چون خراب شود خانۂ خدا گردد [2]

سندیلوی کا یہ شبہہ ممکن ہے کہ اس عام روایت کی وجہ سے ہو جو بے سند مشہور ہو گئی ہے کہ کسی پجاری برہمن نے عالمگیر کے سامنے جب اس نے بنارس میں مندر کے توڑنے کا حکم دیا تو اسی موقع پر اس نے برجستہ موزون کرکے عالمگیر کو سنایا، اور وہ شرمندہ ہوا، یہ فسانہ، افسانہ ہی فسانہ ہے، اگر اسی سبب سے سندیلوی نے چندر بھان

۱؎ مراۃ الخیال ص ۲۱۳ تا ۲۱۵ ۔ ۲؎ مخزن الغرائب ورق ۱۵۹-۶۰

سے اس نے اس شعر کو چھین لینا چاہا، تو یہ صحیح نہین، حقیقت یہ ہے کہ

مرا دلیست بکفر آشنا کہ چندین بار بکعبہ بردم و بازش برہمن آوردم

کہنے والا ہی

بہین کرامت بت خانۂ مرا اے شیخ کہ چون خراب شود خانۂ خدا گردد

کہہ سکتا ہے، شاعرانہ شوخ چشمیون سے بڑے بڑے باکمال زاہد شعراء کے دامن محفوظ نہین، تو اگر "کفر آشنا دل" رکھنے پر فخر کرنے والے بیچارے برہمن کی زبان سے یہ شعر موزون ہوا ہو تو کوئی تعجب کی بات نہین ہے۔

تصنیفات چندر بھان برہمن کی حسب ذیل کتابین مختلف کتب خانون مین موجود ہین :-

۱- چہار چمن، کا نسخہ برٹش میوزیم مین ہے کتاب کا نمبر ۱۶۸۶۳ ہے، یہ ۲۰۰ صفحات پر مشتمل ہے، ہر سطر مین ۱۰ سطرین ہین، خط نستعلیق اور تاریخ کتابت یکم رجب ۱۱۲۳ھ ہے، یہ کتاب ۳۰۴ صفحون کے ایک مجموعہ مین ہے، جو چہار چمن، رقعات شیخ ابو الفضل، انوار سہیلی اور کوئی ایک اور مجموعہ مکاتیب پر مشتمل ہے۔

چہار چمن چار بابون مین جن کو چمن سے موسوم کیا گیا ہے، تقسیم ہے، چمن اول مین شاہی دربار کے مختلف جشنون کا مرقع کھینچا گیا ہے، اور ان یادگار موقعون پر مصنف نے جو نظمین پڑھی تھین، ان کو درج کیا ہے، دوسرے چمن مین جو اس نسخہ مین ۱۰ وین صفحہ سے شروع ہوتا ہے، دربار کی شان و شوکت اور شاہجہان کے معمولات یومیہ اس کے نئے دار السلطنت شاہجہان آباد اور مملکت کے اہم صوبون اور شہرون کا حال بیان کیا گیا ہے، تیسرے چمن مین جو ۵۵ وین صفحہ سے شروع ہوتا ہے، مصنف کے سوانح حیات اور اس کے چند مکاتیب درج ہین، اور چوتھے چمن مین جو ۱۰۷ وین صفحہ سے ہے، چند اخلاقی اور مذہبی تخیلات پیش کئے گئے ہین، یہ آخری باب ۲۰۳ صفحہ پر ختم ہوجاتا ہے،

کتاب کا زمانہ تصنیف سنہ ۱۰۶۵ھ کے بعد تقریباً اسی کے لگ بھگ ہے، صفحہ ۵۰ پر ایک واقعہ کا تذکرہ جو اس سنہ مین پیش آیا تھا، ایک تازہ واقعہ کی حیثیت سے کیا گیا ہے،

اس نسخہ کا آغاز چمن اول مشتمل بر سیرابی و شادابی ہمیشہ بہار کے فقرہ سے ہوتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اس کتاب کے مقدمہ کے ابتدائی فقرے موجود نہیں ہیں، برٹش میوزیم میں اس کا دوسرا نسخہ بھی ہے۔ اس کا نمبر ۱۸۹۲ء ہے یہ ۱۲۱ اوراق پر مشتمل ہے، ہر صفحہ میں ۱۳ سطریں ہیں، یہ نسخہ دسمبر ۱۰۲۹ھ کا لکھا ہوا ہے۔ مرتب فہرست نے اس کو شاہجہانی عہد کی تاریخ کے ذخیرہ میں درج کیا ہے، اس میں چمن اول ورق ۳۵، دوم ۳۰، سوم ۴۴ اور چہارم ۱۰۹ سے شروع ہوتا ہے، اس نسخہ کی ابتدا میں ۲۰ اوراق کا ایک مقدمہ بھی ہے۔ یہ مقدمہ ذیل کے فقرے سے شروع ہوتا ہے،

"الحمد للہ .... اگرچہ در عہد سعادت آئین و زمان میمنت قرین الخ"

مصنف نے ایک مکتوب کے ذریعہ اس تصنیف کو بادشاہ کی خدمت میں اس کے نام سے معنون کرکے پیش کیا تھا، یہ مکتوب اس کی دوسری تصنیف انشائے برہمن میں جس کا ذکر آگے آتا ہے، موجود ہے اور چہار چمن کے اس نسخہ میں پہلے نسخہ کے برخلاف سرنامہ کے طور پر نقل کر لیا گیا ہے، اس کا اندازہ اسکے ابتدائی فقرے سے ہوتا ہے، لیکن تعجب ہے کہ برٹش میوزیم کے فہرست نگار ریو کو اس کا اندازہ نہ ہو سکا اور اس نے لکھا،

"اس کا ورق ۲ و ۳، ایک جداگانہ دستی تحریر پر مشتمل ہے جس میں اسی تصنیف کی ایک دوسری تمہید ہے، جو مرزا فخر الدین دہلوی کے نسخہ سے اس میں نقل کی گئی ہے، اس تمہید کی ابتدا اس فقرہ سے ہوتی ہے،"

"چون ادائے شکر نعمت[1] حضرت صمدیت الخ"

مصنف کی دوسری تصنیف انشائے برہمن میں جس میں اس کے مکاتیب جمع کئے گئے ہیں، برہمن کا پہلا مکتوب یہی ہے، اور اسی فقرے سے شروع ہوتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے معنون

---

[1] فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۳ ص ۹۲۵، انشائے برہمن میں نعمت کے بجائے نعمائے آیا ہے۔

کرنے کے لئے جو مکتوب شاہجہان کو لکھا تھا، اور اس کو انشائے برہمن میں داخل کیا تھا کسی صاحبِ ذوق نے اس مکتوب کو اس تصنیف چہار چمن کا سرنامہ بنا دیا، اور اس نسخہ سے چہار چمن کے اس نسخہ میں نقل کیا گیا ہے۔

بہرحال چہار چمن کا زیادہ مکمل نسخہ جس میں سرنامہ اور مقدمہ دونوں موجود ہیں، برٹش میوزیم کا بھی دوسرا نسخہ ہے۔

مؤلف امرائے ہنود نے چندر بھان برہمن کی تحریر کے نمونہ کے طور پر چند صفحے نقل کئے ہیں عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ چہار چمن ہی کے اقتباسات ہیں، ان میں جابجا برہمن کی غزل، رباعی اور بعض قطعات بھی ہیں جن کو اس نے شاہجہان کی خدمت میں وقتاً فوقتاً پیش کیا تھا، ایک غزل کا مطلع ہے،

روئیت بتافت آب دہد آب و تاب را اے از تو صد شرف شرف آفتاب را

مقطع میں ہے :-

یا ان برہمن مدام دعا کن ز روے صدق شاہ بلند اختر گردون جناب را

ایک جگہ لکھتا ہے :-

"وچون این برہمن عقیدت کیش کہ در منشیان این درگاہ آسمان جاہ منسلک است ودر روزہائے عظیم مثل نوروز جہان افروز می گزرانید، در جشن مبارک آئین نیز رباعی خواندہ بغایت خلعت سرفرازی یافت رباعی

در جشن مبارک شہنشاہ جہان شاہنشہ آفاق خدیو گیہان

دریا شدہ از آب گہر روے زمین ہر خانہ شدہ از لعل بدخشان کان"[1]

۲- انشائے برہمن کا تذکرہ اوپر گذرا، مصنف نے شاہجہان اور دوسرے امرا و دولت کو

---

[1] امرائے ہنود ص ۱۸۰

مختلف مزّمنہ ترین سے مختلف موقعوں پر جو خطوط لکھے تھے، ان کو اس میں جمع کیا گیا ہے، خطوط کی ترتیب مکتوب الیہ کی ذاتی وجاہت و مرتبت کے لحاظ سے یکے بعد دیگرے قائم کی گئی ہے، جیسا کہ اوپر گذرا، پہلا خط شاہجہان کے نام سے ہے، جس کے ذریعہ اس نے اپنی تصنیف چہارچمن کو اس کی خدمت میں پیش کیا ہے، اس کا نسخہ بھی برٹش میوزیم میں محفوظ ہے، کتاب کا نمبر ۲۶۱۲ ہے، یہ مجموعہ ۵۰ اوراق پر مشتمل ہے، ہر صفحہ میں ۱۵ سطریں ہیں، خط نستعلیق ہے، کتابت کی تاریخ ۱۱۲۶ھ ہے، اس مجموعہ کا نہ کوئی مقدمہ ہے اور نہ اس کو کسی نام سے موسوم کیا گیا ہے[1]، مرتب فہرست نے "انشاے برہمن" سے موسوم کیا ہے، اس کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی میں بھی ہے، ڈاکٹر سید محمد عبد اللہ نے اس کو منشآت برہمن سے موسوم کیا ہے[2]،

۲- سوال و جواب لعل داس و داراشکوہ کا نسخہ بانکی پور کے کتب خانہ میں ہے، کتاب کا نمبر ۱۴۵ ہے، ہندو فقراء کے مذہبی عقائد پر بابا لعل داس اور شاہزادہ داراشکوہ میں ایک مکالمہ ہوا تھا جس کو سوال و جواب کی صورت میں قلمبند کیا گیا تھا، یہ رسالہ ہندی زبان میں تھا، پنڈت چندربھان نے اس کو فارسی زبان میں منتقل کیا ہے، اس کا آغاز اس فقرہ سے ہے،

"گزشت (؟) سرسری بابا لعل داس و شاہزادہ داراشکوہ کہ درمیان ہر دو عزیزان مذکور شدہ"

پہلا سوال یوں شروع ہوتا ہے،

"در نادر پند چگونہ فرق توان کرد الخ"

بانکی پور کا نسخہ ۲۴ صفر سنہ ۱۲ جلوس محمد شاہی کا مکتوب ہے، خط شکستہ ہے[3]، نیز یہ رسالہ

---

[1] فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۱ ص ۳۹۴ و ص ۳۹۰ [2] ڈاکٹر سید عبد اللہ نے اپنی تصنیف "ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ" (ص ۴۲) میں اس رسالہ پر کسی قدر تفصیل سے بحث کی ہے، تفصیل کے لئے اس کی طرف رجوع کریں، [3] فہرست مخطوطات بانکی پور، ج ۱۶ ص ۱۳۲،

چرنجی لال کی ترتیب و تحشیہ کے ساتھ ۱۸۸۵ء مین دہلی سے چھپ کر شائع ہو چکا ہے، اس کا ایک ملخص بھی کسی نے تیار کیا تھا، جو ایک مجموعہ مین برٹش میوزیم مین موجود ہے، اس کا نمبر ۱۶۹۰ ہے، اس کے سرنامہ مین ہے :-

"انتخاب جواب و سوال بابالال داس و بادشاہ زادہ حق پژوہ دارا شکوہ"

اور رسالہ کا آغاز اس طرح ہے،

"سوال آن کہ راز در دو کلمہ مغلطہ آدم در بہشت میرود"

اس انتخاب کا ایک نسخہ کنگ کالج لائبریری مین بھی موجود ہے، پروفیسر پامر نے اپنی فہرست مین اس کا تذکرہ کیا ہے،[۱]

۴۔ تحفۃ الانوار کا کچھ حصہ برٹش میوزیم کے ایک مجموعہ انتخابات مین پایا جاتا ہے، اس مین چند اخلاقی کہانیان ہین، کتاب ۱۲ بابون مین تقسیم ہے، لیکن تحفۃ الانوار کے مصنف کا نام مذکور نہین، غالباً اس مجموعہ مین برہمن ہی کی کتاب کے اقتباسات لئے گئے ہین، اس مجموعہ کا نمبر ۲۲۴۱۷ ہے، اس مین ۲۰۶ ورق تک تحفۃ الانوار کا حصہ ہے، یہ مجموعہ تقریباً ۱۸۰۵ء کا خط نستعلیق مین لکھا ہوا ہے،[۱]

افسوس ہے کہ پنڈت چندر بھان برہمن کی باقی دوسری کتابون، گلدستہ، نگارخانہ، تحفۃ الفصحاء، مجموعۃ الفقراء اور دیوان برہمن کے متعلق زیادہ چھان بین کرنے کا موقع نہ مل سکا، براہ کرم کسی اور موقع پر یاد دہانی فرمائین، تو کسی فرصت کے وقت مین مزید جستجو کی جائے گی، عجب نہین کہ ان کی بعض اور کتابین ہندوستان ہی کے کتب خانون مین سے کسی جگہ مل جائین اور آپ اپنے مورث اعلیٰ کی مزید ادبی خدمات کو دیکھ کر اپنی آنکھون کو ٹھنڈک پہنچا سکین،

"س"

---

[۱] فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۲ ص ۱۴۰، ۱۸۵۲ء ج ۳ ص ۱۰۱۴،

ادبیات

احوال و مقامات

از جناب انور کرتانی

جو مردِ قلندر ہے فاتح ہے وہی آخر
اسرار و رموز ا دلی تفصیل خودی آخر

سرمایہ حکیمی کا آشوبِ ظن و تخمین!
تقدیرِ فراست ہو آشفتہ سری آخر

بے ذوقِ تمنا ہے افکار کی رنگینی
پُر سوز تھے دل جس سے وہ آگ بجھی آخر

اللہ رے ساقی نے خود تھام لیا مجھکو
یہ لغزشِ مستانہ کام آ ہی گئی آخر

نیرنگ تحیر ہے دنیائے محبت بھی!
اک تشنہ لبی اوّل اک تشنہ لبی آخر

اقوام و ملل جس سے ہوتی ہیں فلک پیما
وہ رمز [illegible] آخر

بیدار اگر دل ہو شاہی ہو فقیری بھی
بن جاتی ہے بال و پر بے بال و پری آخر

اظہارِ تمنا کے انداز کوئی دیکھے!
بلبل کی نوا بھی ہے پھولوں کی ہنسی آخر

ہو جائیں گے خود پیدا اندازِ براہیمی
بتخانۂ آذر ہے تہذیبِ نوی آخر

حشرِ جذبات

جناب ثاقب کانپوری

جذباتِ حُسن و عشق کا طوفان لئے ہوئے
بیخود ہیں اہلِ ہوش یہ سامان لئے ہوئے

روتا ہون آج عشق کی ناکامیون پین
منہ پر رداے گرد بیابان لیے ہوئے

آنکھون کو کیا ضرورتِ نظارۂ چمن
ہر نقش جیب ہے حسن گلستان لئے ہوئے

محو تماشا ہو گیا ہے نظر مین جمالِ دوست
ہر بزم مین ہون دیدۂ حیران لئے ہوئے

اس سے زیادہ اور کرون کیا نگاہِ ناز
خاموش ہون مین لذتِ پیکان لئے ہوئے

برباد یٔ حیات ہی راس آگئی مجھے
اب حسن خود ہے دید کا ارمان لئے ہوئے

یا خود مجھی کو اب نہین احساسِ سوزِ دل
یا انتہاے درد ہے درمان لئے ہوئے

تیری تسلیون سے نہ بڑھ جائے اضطراب
ہون اشکہاے غم تہِ مژگان لئے ہوئے

کچھ تو بتا دے راز مجھے اے ہواے شوق
کیون پھر رہی ہے خاکِ پریشان لئے ہوئے

ممکن نہین ہے دہر مین آزادیٔ حیات
ہر زندگی ہے کاہشِ زندان لئے ہوئے

ثاقب مری نظر مین ہے اُن کی اداے حسن
بیٹھے رہین وہ جلوۂ پنہان لئے ہوئے

عرفانِ حیات

از جناب عرشی شاہ آبادی

درد بغیر زندگی اصل مین زندگی نہین
رنج نہ ہو تو پھر خوشی تکملۂ خوشی نہین

کشتۂ جورِ آسمان سوختۂ کائنات مین
عیش ہی عیش ہو مدام یہ کوئی زندگی نہین

بادۂ شوق ہے بہت ہو تو کوئی حریفِ شوق
میکدۂ حجاز مین آج بھی کچھ کمی نہین

وہ ہین اگر اسی مین خوش صدمۂ غم اُٹھائے جا
اُن کی خوشی خوشی سمجھ اپنی خوشی خوشی نہین

ضبط ہی ضبط ہے تمام عشق سے لیکے حسن تک
آہ بہ لب کبھی ہو غم، وہ غمِ عاشقی نہین

ہے غمِ ہجر جاودان آپ کا یہ خیال ہے
عرشیِ زار کوئی شے دہر کی دائمی نہین

وفیات

کرنول علاقہ مدراس کے ایک عالمِ دین کی وفات

احاطۂ مدراس کا وہ خطہ جس کو اب اندھرا کہنے لگے ہیں، اور جو مدراس اور حیدرآباد دکن کے بیچ میں واقع ہے وہ بھی کبھی اسلام کی قوت کا مرکز تھا، اس میں کرنول نام مشہور مقام ہے، جہاں پہلے ایک نوابی قائم تھی، وہ مٹ چکی ہے، اور اس کا یادگار خاندان حیدرآباد دکن منتقل ہوگیا ہے، وہاں کی اسلامی طاقت کے زوال سے وہاں کے مسلمانوں کی علمی و دینی کیفیت بھی زوال کے قریب پہنچ چکی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کے لئے اپنے ایک بندہ کو مامور فرمایا، ان کا نام مولانا حاجی محمد عمر صاحب تھا، اُن کے علم و فضل اور نیکی و تقویٰ کے سبب سے حاکم و محکوم دونوں طبقوں میں ہر دلعزیزی حاصل تھی، حکومت نے شمس العلماء کے لقب سے ملقب کیا تھا، اور عام مسلمانوں نے بھی اُن کی دینی قیادت اور رہبری کو قبول کیا، موصوف نے اسّی برس کی عمر پائی، اور یہ پوری عمر علوم دینی کی تعلیم و تدریس میں بسر کرکے گذشتہ ۲۰ر جولائی ۱۹۴۴ء کو وفات پائی، ان کی وفات سے اس علاقہ میں علوم قدیمہ کا خاتمہ ہوگیا، مرحوم مولانا احمد حسن صاحب کانپوری رحمۃ اللہ کے ارشد تلامذہ میں تھے، اور جس جلسہ میں ندوہ کی ابتدا کی تحریک کی گئی اُسی میں ان کی دستاربندی ہوئی تھی، ۱۳۱۱ھ میں کانپور سے فارغ ہوکر واپسی کے بعد کرنول میں قیام کیا، اور آخر تک وہیں قیام پذیر رہے، وہاں ایک چھوٹے سے مدرسہ کا انتظام جس کی ماہوار آمدنی پندرہ بیس روپیہ سے زیادہ نہ تھی، اپنے ہاتھ میں لیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے کام میں برکت

دی، مرحوم کے مساعی کی بدولت آج اس کے املاک و عمارات تقریباً تین لاکھ کے مساوی ہیں، آندھرا، اور مدراس علاقہ کے اردو فارسی، وعربی اساتذہ میں تقریباً تین ربع بالواسطہ یا بلاواسطہ ان سے فیض تلمذ رکھتے ہیں، کانپور میں حضرت مولانا تھانوی سے مثنوی پڑھی تھی اور ان کے سلسلہ ارادت میں شامل تھے، مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی سے بھی فیض پایا اور مسلسلیت وغیرہ کی اجازت لی تھی، افسوس ہے کہ وہ گنجینۂ علم مفقود ہوگیا، رنج اس بات کا ہے کہ یہ جگہ کچھ ایسی خالی ہوئی ہے کہ اب اس کے پر ہونے کے آثار نہیں، اسلاف کی زندگی کا نمونہ تھے، باوجود ہر طرح کے آرام کے ہمیشہ خود اختیاری فقر کی زندگی پسند کی اور دنیاوی املاک میں سے نہ زمین چھوڑی نہ مکان اور نہ نقد ہمیشہ یہی آرزو رہی کہ دنیا سے ایسے روانہ ہوں کہ ترکہ کا حساب نہ دینا پڑے، وہی بعینہٖ پیش آیا، رحمہ اللہ،

ندوۃ العلماء کے اغراض و مقاصد سے واقف تھے، اور اصلاح نصاب کے مسئلہ سے متفق تھے، اسی لئے انھوں نے اپنے مدرسہ میں بہت سی اصلاحات جاری کیں، اور مدرسہ کو پرانے علوم کے ساتھ نئے طرز و طریق سے آشنا کیا، مرحوم نے اپنا لائق جانشین چھوڑا، افضل العلماء ڈاکٹر مولوی عبد الحق صاحب پرنسپل محمڈن کالج مدراس کو مرحوم نے پہلے عربی علوم پڑھا کر عالم بنایا، پھر افضل العلماء کا عربی امتحان مدراس یونیورسٹی سے دلاکر انگریزی پڑھائی اور انکو ایم اے کرا دیا، فراغت کے بعد وہ محمڈن کالج مدراس میں پہلے استاد مقرر ہوئے پھر چند سال ہوئے کہ لندن جاکر علم تفسیر پر ریسرچ کرکے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی، اور اب وہ محمڈن کالج مدراس کے پرنسپل ہیں، اور خوشی کی بات یہ ہے کہ اپنے باپ سے علم و عمل دونوں کی برکت حاصل کی ہے؛

مرحوم سے مجھ سے مدراس کے سفر میں کئی مرتبہ ملاقات کا شرف حاصل ہوا، بڑے نیک و صالح اور متقی بزرگ تھے، وعظ بھی فرمایا کرتے تھے، سادہ بیان تھا تکلف و تصنع سے تمام تر بری تھے، اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی نوازشوں سے سرفراز فرمائے، اور جس مدرسہ کو انھوں نے اپنی روحانی یادگار چھوڑا ہے، وہ اُن کی جسمانی یادگار کے زیر سایہ قائم و باقی رہے، "س"

باب التقریظ والانتقاد

طوفانِ محبت

مصنفہ نواب ہوش یار جنگ ہوش بلگرامی، ملنے کا پتہ، کتابخانہ، عابد روڈ حیدرآباد دکن، قیمت عہ، دعہ، مجلد،

اردو شاعری آج کل جس دور سے گذر رہی ہے، اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ امید نہ تھی کہ اب اصنافِ شاعری میں سے کوئی پرانی قسم کی مثنوی لکھ کر پیش کریگا، اب ناولوں، رومانوں، چھوٹی کہانیوں کے عہد میں کس کو ہمت ہوگی کہ وہ نظم کے ان دو مصرعوں میں حسن و عشق کا کوئی افسانہ چھیڑیگا، یہی سبب ہے کہ آج اس زمانہ میں جب کہ غزل کہنے والے ہزاروں لاکھوں ہیں حسن و عشق کی مثنوی کہنے والا ایک بھی نہیں، اس ماحول میں جناب ہوش بلگرامی کی مثنوی "طوفانِ محبت" کو دیکھ کر جو ابھی ابھی حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی ہے بڑا تعجب ہوا،

بلگرام کی سرزمین کو شعر و سخن اور علم و ادب کے ساتھ جو فطری مناسبت ہے، وہ ظاہر ہے اس فطری مناسبت اور ذاتی صلاحیت کے علاوہ جناب ہوش کی بڑی خوش قسمتی یہ ہے کہ انھوں نے نواب عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی کے سایۂ عاطفت میں جگہ پائی، نواب صاحب مرحوم نہایت مشکل پسند نقادِ فن تھے، جس کا اندازہ ان کے انتخاباتِ دیوانِ میر سے ہوگا،

ہوش صاحب نے اپنی اس مثنوی کی طرح اپنے عہدِ ادب کے آغاز ہی میں ڈالی تھی، اس کے بعد

زمانہ کے انقلابات نے اون کو کہاں کہاں پہنچایا، مگر وہ حسن و عشق کے اس صحیفہ کو جہاں گئے اپنے سینہ سے لگائے رہے، یہاں تک کہ غالباً ربع صدی کے بعد اب وہ صحیفہ چھپ کر منظر عام پر آیا ہے،

مثنوی، ۹۲ صفحوں میں تمام ہوئی ہے، شروع میں مصنف کا منثور دیباچہ ہے، جس میں صنف مثنوی کی خصوصیات، اور اپنی اس مثنوی کے مقاصد بیان کئے ہیں، اس کے بعد جناب نیاز صاحب فتحپوری کا مقدمہ ہے جس میں مثنوی اور صاحب مثنوی کا تعارف ہے، اس کے بعد مثنوی کا آغاز ہوتا ہے،

مثنوی کا آغاز بدستور حمد باری تعالیٰ سے ہوا ہے، جس کا عنوان "اعتراف عبدیت" ہے، جس کا طرز تعبیر حکیمانہ ہے، اس کے بعد عشق کے بجائے جو اکثر موہوم حقیقت ثابت ہوئی ہے، مصنف نے "محبت و مودت" کے مناقب بیان کئے ہیں، اور اس کے بعد "لذت درد" کے عنوان سے بارگاہ الٰہی سے محبت و مودت کی دولت مانگی گئی ہے، صفحہ ۱۶ سے قصہ کا آغاز ہوتا ہے، غدر سے کچھ پہلے کی دلی کا قصہ ہے، ایک خاندان کے افراد بچھڑتے ہیں، اور پھر بخت و اتفاق سے حسن و عشق کی راہ سے ایک دوسرے سے ملتے ہیں، قصہ نہایت مختصر پلاٹ بالکل سادہ ہے، باتیں تمام تر فطری ہیں، نہ سحر و جادو ہے، نہ طلسمات ہے، نہ کہیں مبالغہ کا طوفان نہ غلو کا بیان ہے، نہ دور از کار تشبیہیں ہیں، نہ لفظوں کا ضلع جگت ہے، اور نہ کہیں بے شرمی اور بے حجابی کے مضامین ہیں، حالانکہ یہی وہ عنوانات ہیں جو ہماری پرانی مثنویوں کے اصلی عناصر ہیں، لیکن جہاں تک فن شاعری کا تعلق ہے، اس کی ہر چیز معیاری ہے، مصرعے حشو و زوائد سے پاک، قافیے آورد سے خالی، بولی صاف زبان نکھری ہوئی، تعقید اور اغلاق سے بری، اور خیالات کے لحاظ سے تمام تر حکمت و موعظت اور ان من الشعر لحکمة کی مثال، حسن و عشق کے بیان میں بھی کہیں متانت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹا ہے، اور کوئی ایسا سماں نہیں دکھایا گیا، جہاں چشم ادب کو شرم سے نگاہ نیچی کرنی پڑے، بلکہ جگہ جگہ دین و اخلاق کے ایسے موتی اس میں بکھیرے ہیں، جو مصنف کے ذخیرۂ ادب کی لازوال دولت ہیں، اور مثنوی کا آخری حصہ تو سراسر تبلیغی ہے،

مصنف کے کلام کی روانی قافیوں کی برجستگی، فارسی ترکیبوں کی دلآویزی، اور مضمون کی بلندی کا

اندازہ ان چند اشعار سے ہوگا،

ستارے سے پلکوں پہ کچھ آگئے
زباں رُک گئی ہونٹ تھرا گئے

بدل کر رہیں گے یہ لیل و نہار
پھر آئے گی اک دن چمن میں بہار

میں ہر چند خود ہوں رہینِ ستم
اسیرِ بلا کشتۂ رنج و غم

نہیں مجھ سا گم کردہ منزل کوئی
کوئی ناخدا ہے نہ ساحل کوئی

یہ حالت بھی اک دن بدل جائیگی
گھڑی رنج و درماں کی ٹل جائیگی

خواجہ میر اثر وغیرہ اساتذۂ مثنوی کی پیروی میں مصنف نے بھی مثنوی کی اسی بحر میں غزلیں کہہ کر شامل کی ہیں، ایک غزل ہے،

لہو ہو کے آنکھوں سے بہ جائے دل
کسی کا کسی پر اگر آئے دل

فقط حسن کی مسکراتی رہی
میں کہتا رہا ہائے دل ہائے دل

کبھی آکے اسے کاش وہ دیکھتے
اُجڑتی ہوئی میری دنیائے دل

کہوں کچھ تو شرم و فا روک دے
جو خاموش بیٹھوں تو گھبرائے دل

کسی کے تصور میں کھو جائیے
اسی طرح شاید بہل جائے دل

تغافل کے صدقے یہ پوچھے کوئی
کہاں تک مصیبت سہے جائے دل

محبت کا یہ کیف اترے نہ ہوش
الٰہی نہ اب ہوش میں آئے دل

مصنف کی طبعی نفاست پسندی کے مطالبہ کو طباعت کے اہتمام کرنے والوں نے بھی پورا کیا ہے، اعلیٰ درجہ کا کاغذ، خوش نما ٹائپ، خوبصورت انگریزی جلد،

"ض"

مطبوعات جدیدہ

احکام قرآنی از جناب ایم عبدالرحمٰن خان صاحب ناشر ایم نثار اللہ خان صاحب نمبر ۲۲ ریلوے روڈ، لاہور، حجم ۲۷۰ صفحے، تقطیع چھوٹی قیمت سے ؏

جناب مصنف اس سے پہلے بھی قرآن مجید کی خدمت کے سلسلہ مین اپنی بعض مفید کتابین شائع کرا چکے ہین، "احکام قرآنی" کے نام سے ان کی نئی کتاب شائع ہوئی ہے، اس مین قرآن مجید کی آیات مع ترجمہ مختلف عنوانون کے تحت منتخب کر کے مختلف بابون مین درج کی ہین، یہ آیات کریمہ مسلمانون کی زندگی کے مختلف شعبون عقیدہ وعمل، عبادت وحقوق عباد، اور اخلاق ومعاشرت سے وابستہ ہین، اگر ابواب مختلف [illegible] عبادات اوامر ونواہی اخلاق وحقوق، معاشرت، وتجارت وغیرہ مین تقسیم کئے [illegible] اور انہین تحتانی عنوانون کے ساتھ ایک جامع عنوان کے تحت درج کیا جاتا تو کتاب مین زیادہ جامعیت اور اس سے استفادہ کرنے مین مزید سہولت حاصل ہوتی، بایں ہمہ اس تصنیف مین قرآن مجید کے احکام کا ایسا خلاصہ آگیا ہے، جو مسلمانون کی حیات کا دستور بن سکتا ہے، ضرورت ہے کہ مسلمانون کے حلقہ مین اسکی عام اشاعت ہو کہ وہ اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکین، کتاب پر حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ اور دوسرے علمائے کرام نے حوصلہ افزا تقریظین بھی لکھی ہین،

[illegible] Cabinet Mission and [illegible] (وزارتی مشن اور ما بعد)

از جناب شیخ محمد اشرف صاحب حجم ۲۲۴ صفحے، کاغذ اور چھپائی بہتر، قیمت سے، پتہ: شیخ محمد اشرف کشمیری بازار لاہور،

شیخ محمد اشرف انگریزی کتابوں کی طبع و اشاعت میں ہندوستان کے ناشرین میں امتیاز حاصل کر چکے ہیں، وہ مختلف موضوعوں پر قابلِ قدر کتابیں انگریزی زبان میں شائع کرتے رہتے ہیں، ان کی نئی کتاب عنوان بالا سے شائع ہوئی ہے، اور اس مکتبہ کی خصوصیات کی حامل ہے، اس میں وزیر اعظم اٹیلی کے اعلان سے لیکر کانگریس کے عارضی حکومت میں داخل ہونے تک ہندوستان کی سیاسی حالت کی روداد یکجا کی گئی ہے، جس کے مختلف ابواب میں وزارتی وفد کے ورودِ ہند، گفتگو کے آغاز اور اس کے مختلف مراحل کو دکھایا گیا ہے، اور مختلف سرکاری اعلانات، لیگ، کانگریس، وائسرائے، اور وزارتی وفد کے باہمی مراسلات، لیگ اور کانگریس کے سکریٹری اعلانات، مجالس کی کارروائیاں، اور مختلف لیڈروں کے مختلف موقعوں پر شائع کرائے ہوئے بیانات وغیرہ کو یکجا کیا ہے، اس طرح اس سلسلہ کی تقریباً سب ہی ضروری چیزیں اس میں آگئی ہیں، اور خصوصاً حوالہ (ریفرنس) کے لئے یہ ایک اچھا مجموعہ تیار ہو گیا ہے، امید ہے کہ اس کو پسند کیا جائے گا،

انگلستان اور بین الاقوامی زر کے منصوبے — مترجمہ جناب محمد احمد خان صاحب بی اے، حجم ۵۲ صفحے، قیمت ۸؍، پتہ:- انڈیا بک ہاؤس، عابد روڈ حیدرآباد دکن،

بین الاقوامی مسئلہ زر کو طے کرنے کے لئے حکومت انگلستان نے لارڈ کینز کی سرکردگی میں تجاویز مرتب کرائی تھیں، تاکہ بین الاقوامی تجارت کو زر کے بدلتے ہوئے حالات کے اثرات سے بچایا جا سکے، چنانچہ موصوف نے بین الاقوامی مجلسِ حساب کے قائم کرنے کے لئے اپنی تجویزوں کا خاکہ تیار کیا تھا، جس کو دنیا کے ماہرین اقتصادیات کے غور و فکر کے لئے شائع کیا گیا تھا، زیر نظر رسالہ انہی تجاویز کا اردو ترجمہ ہے، ترجمہ صاف، سلیس اور رواں ہے،

امریکہ اور بین الاقوامی زر کے منصوبے — مترجمہ جناب عطاء الرحمن صاحب علوی بی اے، حجم ۴۰ صفحے، قیمت ۸؍، پتہ:- انڈیا بک ہاؤس، عابد روڈ، حیدرآباد دکن،

بین الاقوامی مسئلہ زر پر انگلستان کی طرح امریکہ میں بھی تجاویز مرتب کی گئی تھیں، تاکہ ان پر مشترکہ

غور و فکر کیا جا سکے، زیر نظر رسالہ میں امریکہ کی تجاویز کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے یہ ترجمہ بھی صاف سلیس اور عام فہم، اقتصادیات سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یہ دونوں رسالے دلچسپ اور مفید ہوں گے،

حقائق الاسلام (حصہ اول) از جناب حافظ محمد سرور صاحب کوہاٹی، حجم ۲۲۴ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت سے ر پتہ :- دفتر جماعت اسلامیہ، نزد محلہ جمعہ خان کوہاٹ، صوبہ سرحد،

حقائق الاسلام میں مصنف نے انسانوں کی تخلیق اور انبیاء کرام کی بعثت کے مقاصد کو واضح کرکے اسلام کے بنیادی عقائد و تعلیمات کو پیش کیا ہے، پھر انہی عقائد و تعلیمات کی روشنی میں انسانی سیرت و کردار اور اخلاق حسنہ و رذیلہ کا جائزہ لیا گیا ہے، اور صدر اول کے مسلمانوں کی سیرت کی بلندی اور رفتہ رفتہ پستی کی طرف مسلمانوں کی رجعت کو دکھایا ہے، اور اس کے اسباب و علل کو نمایاں کیا ہے، پھر بتایا ہے کہ اسلام نام ہے ایمان و عمل صالح کا، اور مسلمانوں کی زندگی کو اسی پیمانہ پر اترنا چاہئے، آخر میں کفر و اسلام میں ایک دوسرے سے امتیاز دکھا کر مسلمانوں کو کفریہ عقائد، اعمال اور تعلیمات سے اجتناب کرنے کی تلقین کی گئی ہے، مباحث پر اظہار خیال اور طرز ادا میں کچھ پھیلاؤ زیادہ ہو گیا ہے، اگر انھیں سمیٹ کر اختصار و جامعیت کے ساتھ قلمبند کیا جاتا تو کتاب کے افادی پہلو زیادہ نمایاں ہوتے، بایں ہمہ یہ تصنیف عام اسلامی حلقہ کے لئے مفید ہوگی، امید ہے کہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے گا،

مقدمۂ مشکوٰۃ شریف، ترجمہ جناب مولوی خواجہ محمد علی صاحب ناشر مکتبہ اسلامی، لاہور، حجم ۱۱۱ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت :- ۸ر

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ کا مقدمۂ مشکوٰۃ حدیث کے طلبہ کے لئے شمع راہ کا کام دیتا ہے، یہ مقدمہ اونھوں نے اپنی شرح مشکوٰۃ کے لئے لکھا تھا، مگر اس قدر مقبول ہوا کہ مشکوٰۃ کے مطبوعہ نسخوں کا جزء بن گیا، اس میں علم حدیث کے مبادی بڑے اختصار و جامعیت سے بیان کئے گئے ہیں، مترجم نے اس کو طلبہ کی آسانی کے لئے شگفتہ اردو میں منتقل کر دیا ہے، اور

ترجمہ کے ساتھ اصل عربی متن کو بھی چھاپ دیا ہے، مترجم نے دیباچہ مین مشکوٰۃ اور اس کی شرحون کا حال بیان کیا ہے، اس سلسلہ مین بعض مسامحتین سرزد ہوگئی تھین، جن کی تصحیح مترجم نے کرلی ہے،

حکومتِ الٰہیہ کے قیام کی دعوت | ازحضرت مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہٗ، ناشر ادارۂ دعوۃ الحق بیگم بازار کوچہ گھانس منڈی، حیدرآباد دکن، حجم ۱۶ صفحے قیمت :- ۳ر

معارف، مئی ۱۹۴۲ء مین حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی کا ایک خطبۂ صدارت جو جمعیۃ علماء صوبۂ بمبئی کے اجلاس مین پڑھا گیا تھا، شائع ہوا تھا، اس کے بعض حصہ کو ناشر نے "حکومتِ الٰہیہ کے قیام کی دعوت" کے نام سے رسالہ کی صورت مین شائع کیا ہے، اور اپنی طرف سے مضمون مین تحتانی سرخیان قائم کی ہین، سیاست کے موجودہ بحران مین اس کا مطالعہ بیحد مفید ہوگا،

اسلام کا سیاسی نظریہ اور فلاحِ عالم | ازجناب حکیم محمد اسحاق صاحب سندیلوی، حجم ۴۵ صفحے، قیمت :- ۸ر پتہ :- دارالاشاعت نشاۃ ثانیہ حیدرآباد دکن،

مصنف نے اس رسالہ مین دکھایا ہے کہ اسلامی ریاست کی روح عبدیت اور اتباعِ امرالٰہی ہے، اور اسی کی تاسیس سے دنیا کی فلاح وابستہ ہے،

روحانی اقوال مرتبہ جناب حافظ سکندر بخت صاحب حجم ۱۱۲ صفحے، قیمت ۱۲ر، پتہ منیجر کتبخانۂ عابد روڈ حیدرآباد دکن،

اس رسالہ مین مختلف دینی و اخلاقی عنوانون پر مختلف احادیث، آثار اور بزرگان دین کے ملفوظات یکجا کئے گئے ہین، اور ان سے مختلف مذہبی اوامر و نواہی اور سبق آموز پند و نصائح پیش کئے گئے ہین،

اہلبیت، مصنفہ مولوی ابوالمرجان محمد فضل اللہ صاحب مبارکپوری، پتہ :- صوفی پیرہ

مبارکپور، ضلع اعظم گڈھ، حجم ۴۴ صفحے، قیمت ۴ر

مصنف نے اس رسالہ مین کتاب وسنت کے دلائل سے ثابت کرنا چاہا ہے، کہ اہلِ بیت سے مراد صرف ازواج مطہرات ہین، نیز عصمت اہلِ بیت کے عقیدہ کا رد کیا ہے،

راہِ سلوک از مولوی حکیم سید محمد طہٰ صاحب کمال، ندوی، پتہ :- آبگلہ، ڈاکخانہ، جنیاد گنج ضلع گیا، حجم ۲۰ صفحے، قیمت درج نہین،

مصنف نے دکھایا ہے کہ اولیائے صالحین سے محبت رکھ کر ان کا اتباع کرنے ہی سے راہِ سلوک طے ہوتی ہے،

وسیلۃ النجاۃ از مولانا سید شاہ امیر الدین مرحوم :- پتہ :- سعید برادرس پبلشرز الہ آباد، حجم ۴۴ صفحے، قیمت :- ۴ر

وسیلۃ النجاۃ مین نماز کے مستحبات، مختلف اعمالِ صالحہ کے فضائل اور اوراد و اشغال کے طریقے مختلف احادیث و آثار کے متن مع ترجمہ سے مختصراً بیان کئے گئے ہین،

مقاصدِ قرآن، از مولوی سید صبغۃ اللہ صاحب بختیاری، حجم ۲۰ صفحے، قیمت ۱۲ر، پتہ :- مکتبہ نشاۃ ثانیہ، حیدرآباد، دکن،

اس رسالہ مین قرآن مجید کی تعلیمات دلنشین انداز مین پیش کی گئی ہین، اور نتیجہ کے طور پر دکھایا ہے، کہ ایمان باللہ و روز آخر اور عمل صالح آسمانی مذاہب کی مشترک تعلیم ہے، دوسری قومون نے ان کو بھلایا، تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو نازل فرمایا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پیش فرماکر نوعِ انسانی کو اس کے قبول کرنے کی دعوت دی۔ اس رسالہ کا مطالعہ اور اس کی عام اشاعت مفید ہوگی،

"س"

اور تاریخی کتابین

تاریخ اخلاق اسلام، جلد اول، اس مین اسلامی اخلاق کی پوری تاریخ، قرآن پاک اور احادیث کے اخلاقی تعلیمات اور پھر اسلام کی اخلاقی تعلیمات پر مختلف حیثیتون سے نقد و تبصرہ ہے،

مصنفہ: مولانا عبد السلام ندوی، ضخامت ۴۷۰ صفحے،

قیمت: ؏ ۸

ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہین، ہندوستان کی قدیم تاریخی کتابون مین مرتب طور پر ہندوستانی مسلمانون کے تعلیمی نظام اور ان کے مدرسون اور تعلیمگاہون کا حال معلوم کرنا چاہین تو نہین مل سکتا، مولوی ابو الحسنات مرحوم نے نہایت تلاش و تحقیق کے بعد ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہون پر معارف مین ایک مقالہ لکھا تھا جس کو اہل نظر نے بے حد پسند کیا، اب دار المصنفین نے اسی مقالہ کو کتابی صورت مین نہایت اہتمام سے شائع کیا ہے،

ضخامت ۱۳۴ صفحے، قیمت: ۱۲ر

مختصر تاریخ ہند، مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی نے یہ تاریخ مدرسون اور طالب علمون کے لئے اس غرض سے لکھی ہے کہ ہندو اور مسلمان فرمانرواؤن نے ہندوستان کے بنانے مین جو کام کئے ہین، اور جو عظیم الشان خدمات انجام دی ہین، وہ طالب علمون کو بلا تفریق مذہب و ملت معلوم ہو جائین،

اس کتاب کو گورنمنٹ بہار نے اپنے سرکاری مدرسون مین بھی جاری کر دیا ہے، اور حکومت یو پی نے اس کے ۵۰۰ نسخے سرکاری لائبریریون کے لئے خریدے ہین، ضخامت: ۲۰۰ صفحے، قیمت: ؏ ۸

ہماری بادشاہی، ہمارے چھوٹون بچون کے نصاب مین کوئی ایسی کتاب نہ تھی جو ان کو تیرہ سو برس کی قومی تاریخ سے باخبر کر سکے، یہ کتاب اسی ضرورت کو سامنے رکھکر لکھی گئی ہے، یہ ان تمام بڑی بڑی سلطنتون کی مختصر اور آسان تاریخ ہے جو گذشتہ صدیون مین مسلمانون نے دنیا کے مختلف حصون مین قائم کین،

ضخامت: ۲۰۰ صفحے، قیمت: ؏ ۸

ہندوستان کی کہانی، ہندوستان کی تاریخ کا یہ چھوٹا سا رسالہ نہایت آسان اور سہل زبان مین لکھا گیا ہے، تاکہ مکتبون اور ابتدائی مدرسون کے بچے اس کو آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکین، اور ان کو معلوم ہو جائے کہ وہ کون تھے اور اب کیا ہین، ضخامت ۷۶ صفحے، قیمت: ؏ ۸

مرتبہ: مولوی عبد السلام قدوائی، ندوی،

مقدمۂ رقعات عالمگیر، اس مین اسلامی فن انشار اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغۂ انشار کی تفصیل ہے، اور پھر عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود عالمگیر کے خطوط و رقعات کی روشنی مین تنقیدی بحث کی گئی ہے،

۳۹۰ صفحے، قیمت: للعہ

رقعات عالمگیر، اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط و رقعات جو زمانۂ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہین، اس جلد مین جمع کئے گئے ہین، ان سے ادب، سیاست اور تاریخ کے بیسیون حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، مرتبہ: سید نجیب اشرف ندوی ایم اے،

ضخامت: ۴۸۰ صفحے،

قیمت: ؏ ر

سوانح

سیرت عائشہؓ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالات زندگی اور اُن کے مناقب و فضائل اخلاق اور اُن کے علمی کارنامے اور اُن کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر اُن کے احسانات، اسلام کے متعلق اُن کی نکتہ سنجیاں، اور معترضین کے جوابات، قیمت: ہے، ضخامت ۳۲۹ صفحے، طبع سوم با اضافہ حواشی، (از مولنا سلیمان ندوی)

سیر عمرؓ بن عبد العزیز

حضرت عمرؓ بن عبد العزیز خلیفہ اموی کے سوانح حیات اور اُن کے مجددانہ کارنامے، ضخامت ۲۰۲ صفحے، قیمت: ۶؍ از مولنا عبد السلام ندوی،

حیات امام مالکؒ

امام مالکؒ کی سوانح عمری، علم حدیث کی مختصر تاریخ، فقہ مدنی کی خصوصیت اور علم حدیث کی کتاب موطائے امام مالکؒ پر تبصرہ، قیمت:- عہ، (۱۰۶ صفحے) از مولانا سید سلیمان ندوی،

الغزالی

امام غزالیؒ کی سوانح عمری اور ان کا فلسفہ اور علم کلام، اخلاق اور تصوف میں اُن کے مجددانہ کارنامے ضخامت ۲۳۵ صفحے، قیمت: عہ از مولنا شبلی رحمۃ اللہ علیہ،

تابعین

علم و عمل اور مذہب و اخلاق مین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سچے جانشین اور ان کے تربیت یافتہ تابعین کرام رضی اللہ عنہم تھے، اور صحابۂ کرامؓ کے بعد اُن ہی کی زندگی مسلمانون کے لئے نمونۂ عمل ہو سکتی ہے، اس مین اکابر تابعینؒ کے سوانح اُن کے علمی، مذہبی، اخلاقی، اور عملی مجاہدات اور کارنامون کی تفصیل ہے، مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی، ضخامت:- ۵۶۰ صفحے، قیمت:- للعہ

(پرنٹر و پبلشر صدیق احمد)

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۱ اپریل ۱۹۴۷ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت: پانچ روپیے سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ

سلسلۂ تاریخ اسلام

اردو میں اسلامی تاریخ پر کوئی ایسی جامع کتاب نہیں تھی جس میں تیرہ سو سال کی تمام اہم اسلامی حکومتوں کی سیاسی، علمی، اور تمدنی تاریخ ہو، اس لئے دارالمصنفین نے تاریخ اسلام کا ایک پورا سلسلہ خاص اہتمام سے مرتب کرایا ہے جس کے بعض حصے چھپ گئے ہیں اور بعض زیر طبع ہیں، اور اکثر زیر تالیف و تکمیل ہیں، جو بتدریج جیسے جیسے حالات مساعد ہوں گے شائع ہوتے رہیں گے،

تاریخ اسلام حصۂ اوّل (عہد رسالت و خلافت راشدہ)
اس میں آغاز اسلام سے لیکر خلافت راشدہ کے اختتام تک کی مفصل مذہبی، سیاسی و تمدنی اور علمی تاریخ ہو (زیر طبع)،
ضخامت: ۴۰۰ صفحے، قیمت: سے ۳ر

تاریخ اسلام حصۂ دوّم، (بنو امیہ) اس میں اموی حکومت کی صدسالہ سیاسی و علمی و تمدنی تاریخ کی تفصیل ہے،
ضخامت ۴۰۴ صفحے، قیمت: سے ۳ر

تاریخ اسلام حصۂ سوم، (تاریخ بنی عباس جلد اوّل)
اس میں خلیفہ ابوالعباس سفاح ۱۳۲ھ سے خلیفہ ابو اسحٰق متقی اللہ ۳۳۳ھ تک دو صدیوں کی بہت مفصل سیاسی تاریخ ہے، ضخامت ۵۰۴ صفحے، قیمت: للعہ

تاریخ اسلام حصۂ چہارم (تاریخ بنی عباس جلد دوم)
اس میں خلیفہ مستکفی باللہ کے عہد ۳۳۳ھ سے آخری خلیفہ مستعصم باللہ ۶۵۶ھ تک خلافت عباسیہ کے زوال و خاتمہ کی سیاسی تاریخ ہے،
ضخامت ۴۳۴ صفحے، قیمت: صہ ر
(مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی)

تاریخ دولت عثمانیہ حصۂ اوّل، اس میں عثمان اوّل سے مصطفیٰ رابع تک سلطنت عثمانیہ کے چھ سو برس کے کارناموں کی تفصیل ہے، ضخامت: ۵۰۰ صفحے
قیمت: سے ۴ر

تاریخ دولت عثمانیہ حصۂ دوم، سلطنت عثمانیہ کے عروج و زوال کی تاریخ اور اس کے نظامی اور تمدنی کارناموں کی تفصیل از محمود ثانی ۱۲۲۳ھ/۱۸۰۸ء تا جنگ عظیم ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء
ضخامت: ۴۶۸ صفحے، قیمت: صہ ر
مرتبہ مولوی محمد عزیر صاحب ایم اے علیگ سابق رفیق دارالمصنفین اعظم گڑھ،

تاریخ صقلیہ جلد اوّل، اس میں صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملوں کی ابتدا، حکومت کا قیام، اور عہد بعہد کی ترقیوں اور عروج کی پوری اور مفصل داستان ہے،
۵۴۶ صفحے، قیمت: للعہ

تاریخ صقلیہ حصۂ دوم، یہ سسلی کے تمدنی و علمی ترقیوں کا مرقع ہے، جس میں عہد بعہد کے مفسرین، محدثین، فقہاء، ادباء و شعراء کے مفصل حالات اور ان کی تصنیفات کا ذکر ہے،
۵۰۰ صفحے، قیمت: للعہ
مرتبہ: مولانا سید ریاست علی ندوی،

مسعود علی ندوی — منیجر — دارالمصنفین اعظم گڑھ

جلد ۵۹ ماہ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ اپریل سنہ ۱۹۴۷ء عدد ۴

مضامین

شذرات

ہندوستان مین مسلمانون کی حکومت کے زوال کے ساتھ ہی ان کی اجتماعی زندگی اور مذہبی تنظیم کا شیرازہ ایسا بکھر گیا، کہ ملت کے پورے نظام مین ابتری و پراگندگی پھیل گئی، نصف صدی پہلے سے مسلمانون نے حکومت سے نظر التفات کی التجائین کرکے اپنی اجتماعی شیرازہ بندی کی بار بار کوششین کین، مگر وہ کامیاب نہ ہوسکے، مجالس قانون ساز مین بھی انھون نے انفرادی کوششون سے اپنی تمدنی و مذہبی ضرورتون کے لئے مختلف بل پیش کئے، مگر اُن کا نتیجہ بھی کچھ اطمینان کے قابل نہین نکلا، معارف نے آج سے اٹھائیس برس پہلے حکومت کو ان مسائل کی طرف توجہ دلائی تھی، مگر نہ حکومت ہی نے ادھر توجہ کی، اور نہ مسلمانون نے،

ہندوستان کے اسلامی عہد مین صدر جہان کا منصب انہی ضرورتون سے قائم تھا، اس کی نگرانی مین مسلمانون کے مذہبی احکام و فرائض انجام پاتے تھے، اس عہد کے خاتمہ کے بعد برطانوی حکومت کے ابتدائی زمانہ مین بھی یہ عہدے قائم رہے، اور دیسی ریاستون مین برائے نام سہی آج بھی موجود ہین، حیدرآباد کے صدر الصدور یا ناظم امور مذہبی کا منصب، یا بھوپال مین دار القضا کا محکمہ پچھلے ہی دور کی نشانیان ہین، پھر ہندو ریاستون مین بڑودہ کے "قاضی" گوالیار کے "مفتی" اور برطانوی ہند مین بنگال کے "قاضی نکاح" بیسوین صدی مین بھی وہان کے سرکاری عہدہ دار ہین، اور اگر یورپی سلطنتون کے زیر اثر ممالک کی مثال لائی جائے، تو الجزائر، ٹیونس، اور طرابلس وغیرہ کے مذہبی امور کے ادارے اب تک چلے جا رہے ہین،

خلافت کی تحریک و امارتِ شرعیہ کی تاسیس مین اسی نظام کو دوبارہ قائم کا خیال غالب تھا، مگر افسوس ہے کہ ایک بیرونی

حکومت نے مسلمانوں کی زندگی کی اس بڑی ضرورت کا احساس نہین کیا لیکن اب جبکہ ایک نئے ہندوستان کا آفتاب طلوع ہو رہا ہے اور اسلامی اکثریت اور اسلامی اقلیت کے صوبون مین مسلم لیگ اور کانگریس کی حکومتین قائم ہین، اور ملک کے لئے ایک نئے نظام اساسی کا خاکہ تیار کیا جا رہا ہے یہی وہ وقت ہے جب اس مسئلہ پر بھی سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے، اب ۱۹۳۵ء ایکٹ کی ماتحت حکومتین چراغ سحری ہین جون ۱۹۴۸ء تک نیا ہندوستان اپنے نئے رنگ روپ مین سامنے آنے والا ہے، ہندوستان کا آیندہ نظام خواہ جیسا بھی ہو اس کے نقشہ مین جس اعتبار سے جس قسم کے رنگ بھی بھرے جائین بہرحال وہ آج برطانوی ہند سے ایک مختلف ہندوستان ہوگا، اسلامی اکثریت کے صوبون مین اسلامی طاقت غالب ہوگی اس لئے وہان اس نظام پر غور کرنے کی ضرورت سے کسی کو انکار نہ ہوگا لیکن اسلامی اقلیت کے صوبے بھی مسلمانون کی اس ضرورت سے چشم پوشی نہین کر سکتے،

———— •◦•<(•)>•◦• ————

ہمین اس سلسلہ مین قضاۃ کا تقرر کرنا ہے، کہ نکاح وطلاق اور خلع کے مقدمون کا شرعی احکام کے مطابق فیصلہ ہو سکے، مسجدون کے آباد ہونے کا نظام بنانا ہے، کہ ان کے لئے ائمہ وخطیب مقرر کرنے کی سہولتین حاصل ہون پھر مذہبی اوقاف کے انتظام کو نئی شکل مین لے آنا ہے، یہ اور اس قسم کی ساری ضرورتین شیخ الاسلام ہی کی مرکزی مسند سے پوری کیجا سکتی ہین ، ضرورت ہے کہ صوبون مین اور اگر متحد مرکزی حکومت بنے تو مرکز مین امور مذہبی کے انتظام کے لئے ایک مستقل شعبہ قائم کیا جائے، جو پوری تنفیذی قوت کے مالک ہونے کے ساتھ وہ صوبہ یا مرکز کی حکومت کا ایک شریک جزء ہو، مگر وہ صوبہ یا مرکز کے حکمران طبقہ مین سے صرف مسلم عناصر سے وابستہ ہے اور صوبہ کی اسمبلی کے مسلمان ممبرون کے سامنے جوابدہ ہو، اس کے ساتھ اس شعبہ کا صدر حکومت کے کابینہ کا ایک رکن یا وزیر ہو،

———— •◦•<•:•>•◦• ————

اگر اقلیت کے صوبون مین مسلمانون کو با عزت زندگی کے ساتھ رہنا ہے، تو انھین اکثریت کے صوبون کے مسائل کے ساتھ خاص طور پر ان مسائل پر بھی غور کرنا ہے اکہ ان صوبون مین ان کی اجتماعی زندگی کی پراگندگی

کا خاتمہ ہو، آزاد ہندوستان میں ہر مذہب و ملت کی مذہبی آزادی و ثقافتی تحفظ کا اعلان بار بار دہرایا گیا ہے، اب ان کاغذی اعلانوں کی آزمایش کا وقت آپہنچا ہے، اس قسم کے کسی مذہبی شعبہ کا قیام مسلمانوں کے لئے خواہ وہ اکثریت کے صوبوں میں ہوں، یا اقلیت کے، ان کی اہم دینی و اجتماعی ضرورت ہے، اس لئے اگر موجودہ ناپائیدار حکومتوں سے کسی زکوٰۃ یا بیت المال بل کو منظور کرانے کی کوششوں کے بجائے ملک کے ممتاز علماء و ارباب فکر وسیع پیمانہ پر نظام حکومت سے منسلک ایک مذہبی شعبہ کی داغ بیل ڈالنے کی ایک اسکیم مرتب کرنے پر اپنا وقت صرف کریں، تو زیادہ مناسب ہوگا۔

اس اسکیم کے ضروری اجزا میں شرعی مسائل و احکام کا اجراء و نفاذ کرنا اور اسلامی اوقاف، مساجد، دینی درسگاہیں، دارالافتاء، دارالقضاء اور ان کے ماتحت نکاح، طلاق، خلع، تفریق، شفعہ، وراثت، رویت ہلال، رمضان و عیدین کی تاریخ کی تعیین اور انتظام حج وغیرہ کے وسائل مہیا کرنا، داخل ہونگے، پھر اسی شعبہ کے ماتحت عشر و زکوٰۃ و صدقات اور عمومی اوقاف کے محاصل کو دینی شرائط کے مطابق وصول کرنا، اور ان کو شرعی حدود و قیود کے مطابق صرف کرنا ہوگا، یہ اور ایسے ہی بیسیوں مسائل میں جو ہماری اجتماعی ضرورتوں کے لئے ہماری شیرازہ بندی کے منتظر ہیں، نیز یہ بھی اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ شرعی محاصل اور شرعی مصارف کے اشتراک سے اس صیغہ کے سارے مصارف پورے کئے جا سکتے ہیں، اور مرکز یا کسی صوبہ کے خزانہ پر جداگانہ مالی بار کے پڑنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا ہے، امید ہے کہ ملک کے ارباب فکر اس مسئلہ پر اپنی توجہ مبذول فرمائیں گے،

اس وقت اصل ضرورت اسی نوعیت کے کسی مسودۂ قانون کی ہے، امید ہے کہ اسلامی اخبارات خواہ وہ جس سیاسی مسلک کے ہوں اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں اور گوشوں کو ارباب فکر رہنماؤں اور عام مسلمانوں کے سامنے لائیں گے،

مقالات

اقبال کا فلسفۂ خودی

از

مولانا عبدالسلام ندوی

"مولانا عبدالسلام صاحب ندوی آج کل ڈاکٹر اقبال پر ایک مکمل تصنیف کی ترتیب میں مصروف ہیں، ذیل میں اس کا ایک حصہ جس میں اقبالؒ کے فلسفۂ خودی پر تفصیل سے نظر ڈالی گئی ہے، پیش کیا جاتا ہے"

"س"

خودی اخیر دور میں ڈاکٹر صاحب کی شاعری کی شہرت اسی فلسفہ کی بدولت ہوئی، اور اس کی تشریح ایک مضمون نگار نے اس طرح کی ہے،

"صوفی کہتے ہیں کہ چیونٹی بنو تاکہ لوگ تمھیں پاؤں کے نیچے روند کر زندان ہست و بود سے نجات دلائیں، بھڑ نہ بنو کیونکہ اگر بھڑ بنو گے تو خواہ مخواہ کسی کو ڈنک مارو گے، وہ بیچارہ درد سے چیخنے چلانے لگے گا، اور ممکن ہے کہ اس کی بددعا سے تم بلکہ بھڑوں کی تمام قوم قہر الٰہی کی مستوجب بن جائے، بھیڑ بنو تاکہ لوگ تمھارے بالوں سے گرم کپڑے بنا کر موسم سرما کی شدت سے اپنے تن بدن کو محفوظ کر سکیں، اور تمھارے گوشت سے اپنا پیٹ بھر سکیں، بھیڑیا نہ بنو کیونکہ اگر بھیڑیا بنو گے تو ناچار روزانہ کئی جانوروں کو ہلاک کرو گے، اور ان کی بددعائیں لوگے، مچھلی بنو

تاکہ آدمی تمھیں پکڑ پکڑ کر کھا نہ جائیں، اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالیں، نہنگ نہ ہو، ورنہ انسانوں

اور مچھلیوں کی ہلاکت کا باعث ہوگے، اور یہ فعل نہایت قبیح ہے، وغیرہ وغیرہ"

علامہ اقبال کہتے ہیں کہ چیونٹی نہ ہو ورنہ لوگ تمھیں پاؤں کے نیچے کچل کر مار ڈالیں گے؛

بھڑ یا ہو اور جو کوئی سامنے آئے، اسے ڈنک مار دو، بیٹر نہ ہو، ورنہ لوگ تمھیں مار کر کھا جائیں گے،

بھیڑیا ہو تاکہ جو کوئی ملے اُسے ہڑپ کر جاؤ، اور آدمی ملے تو اُسے چٹ کر جاؤ، شبنم کا قطرہ نہ ہو،

شیر یا چیتا ہو، سانپ ہو، اژدہا ہو، عقاب ہو، شہباز ہو، الغرض اگر جمادی زندگی پسند ہو

تو پتھر ہو تاکہ کسی کا سر توڑ سکو، حیوانی جامہ میں رہنا چاہو تو کسی قسم کا کوئی درندہ بن جاؤ

تاکہ باقی جانوروں کو چیر پھاڑ سکو، سست عناصر صوفیوں کی باتیں نہ سنو، وہ اپنی جان

کے بھی دشمن ہیں، اور تمھاری جان کے بھی"[۱]

لیکن یہ ڈاکٹر صاحب کے فلسفہ خودی کی نہایت غلط اور خطرناک تشریح ہے، نہ ہمارے صوفیہ

ایسا کہتے، اور نہ ڈاکٹر صاحب انسانوں کو موذی جانور بننے کی تعلیم دیتے، اُن کے فلسفہ کی حقیقت

صرف اس قدر ہے کہ اخلاقی فضائل کی دو قسمیں ہیں،

۱۔ ایک ایجابی، مثلاً خودداری، دلیری، آزادی، حق گوئی، بلند ہمتی، استقلال، عزم و ثبات،

وقار، صبر و سکون، مطالبۂ حق، جد و جہد، سعی و محنت وغیرہ وغیرہ،

۲۔ دوسری سلبی، مثلاً زہد و تقشف، توکل، قناعت، تواضع و خاکساری، عفو و درگذر، حلم و بردباری

وغیرہ وغیرہ،

ہمارے صوفیہ نے فضائل اخلاق کی ان دونوں قسموں میں سے صرف سلبی اخلاق کو اختیار کیا تھا

چنانچہ ایک صوفی کا قول ہے،

---

[۱] نیرنگ خیال اقبال نمبر ص ۲۴۴، ۲۴۵،

"جو شخص شرف کے اعلیٰ درجہ کو پہنچنا چاہتا ہے، اوس کو سات چیزون کے مقابلہ مین سات چیزون کو اختیار کرنا چاہئے، یعنی (۱) احتیاج کو دولتمندی (۲) بھوک کو شکم سیری (۳) پستی کو بلندی (۴) ذلت کو عزت (۵) خاکساری کو غرور (۶) غم کو خوشی (۷) اور موت کو زندگی کے مقابلے مین،

نٹشے نے مسیحی اخلاق پر جو اعتراضات کئے ہین، وہ اسی دوسرے قسم کے سلبی اخلاق سے تعلق رکھتے ہین، لیکی نے تاریخ اخلاق یورپ کی دوسری جلد مین لکھا ہے، کہ

" انکسار اور فروتنی کا وصف تمام تر مسیحیت کا پیدا کردہ ہے،...... اور گو یہ وصف بھی ایک زمانہ تک نہایت موزون و مناسب رہا تاہم تمدن کی روز افزون ترقی کی رفتار کا آخر تک ساتھ نہ دے سکا، ترقی تمدن کے لئے لازمی ہے، کہ قوم مین خودداری، اور حریت کے جذبات موجود ہون، اور انکسار و تواضع اس کے دشمن ہین، خانقاہانہ طرز زندگی کا بھی مثل فوجی طرز زندگی کے اقتضا یہ ہے، کہ استبدادی حکومت ہو تاہم سپاہیون مین تو پھر بھی فی الجملہ خودی و خودداری موجود ہوتی ہے لیکن اسے بالکل مٹا دینا جو خانقاہانہ زندگی کا مطمح نظر تھا کسی طرح ترقی تمدن کے حق مین مفید نہین پڑ سکتا تھا، اور پھر بڑے بڑے زاہدون مین تو اس جذبہ سے اور فضائل پیدا ہوتے بھی رہتے ہین، لیکن عوام مین تجربہ سے معلوم ہوا کہ انکسار بالکل غلامانہ زندگی کے مرادف ہو جاتا ہے"۔

ان دونون قسمون کے علاوہ اخلاق کی دو قسمین اور ہین،

۱۔ ایک انفرادی مثلاً تجرد اور عزلت گزینی وغیرہ،

۲۔ دوسرے اجتماعی مثلاً، دیانت، امانت، مہمان نوازی، حاجت برآری اور حسن معاشرت وغیرہ،

ان دونون قسمون مین سے بھی ہمارے صوفیہ نے زیادہ تر انفرادی اخلاق اختیار کئے، اور

اجتماعی اخلاق مین زیادہ تران اخلاق کو انتخاب کیا جن کی بنیاد ضعف پر قائم ہے، مثلاً رحم و احسان ایک اجتماعی وصف ہے، اور اُن سے بڑے بڑے اجتماعی کام لئے جا سکتے ہین، مثلاً

۱- غلامون کی آزادی مین حصہ لینا، اور اس کے لئے جد و جہد کرنا،

۲- شفاخانے اور محتاج خانے کھولنا،

۳- مریضون کی خدمت و تیمارداری، اور مردون کی تجہیز و تکفین کرنا،

۴- قتل و خونریزی اور لوٹ مار سے ملک کی حفاظت کرنا،

۵- زمانۂ جنگ مین بادشاہون کے درمیان مصالحت کرا کے ملک کو جنگ کے نقصانات سے بچانا،

۶- حکام کو ظلم و تشدد سے روکنا،

۷- مجرمون کو رہا کرانا،

۸- یتیمون اور بیواؤن کی مدد کرنا،

۹- رفاہِ عام کے چھوٹے چھوٹے کام کرنا مثلاً بھولے ہوؤن کو راستہ دکھانا،

۱۰- غلط کار آدمیون کو کام کرنے کا صحیح طریقہ بتانا، بے روزگارون کو روزی سے لگانا، ملا کر آ کشتی چلانا، یا سبیل لگانا وغیرہ وغیرہ،

لیکن عیسائی مذہب جو اپنے زہد و تقشف کی وجہ سے صوفیانہ روش سے بہت زیادہ مشابہ ہے، اس معاملہ مین ہمارے صوفیون سے بازی لے گیا ہے، اور بہت سے پادریون اور راہبون نے جیسا کہ تاریخ اخلاق یورپ مین بتفصیل مذکور ہے، یہ تمام اخلاقی خدمتین انجام دی ہین، لیکن ہمارے صوفیہ کے رحم و ہمدردی مین اس قسم کی اخلاقی کوششون کا بہت کم سراغ ملتا ہے، کیونکہ جب کسی مذہب مین رہبانیت کا عنصر زیادہ شامل ہو جاتا ہے، تو اس کے پیرو ؤن سے اس قسم کے اخلاقی فضائل سلب ہو جاتے ہین، عیسائی پادریون نے بھی اُسی وقت یہ تمام خدمتین انجام دی تھین، جب ان پر رہبانیت کا بہت زیادہ غلبہ

نہین ہوا تھا لیکن ہمارے صوفیون کے لطف و احسان کی صورت یہ تھی کہ وہ جانورون کو آزار دینے سے اجتناب کرتے تھے، یہان تک کہ موذی جانورون کو بھی نہین ستاتے تھے، چنانچہ ملا عبدالرحمان جامی نفحات الانس مین لکھتے ہین :-

"امیر چہ سفال فروش کژدم از دکان برداشتے وبہ پارہ بر وے وآنجا گذاشتے، مردے وقت خوش گشت فرشتہ خود را دید وے را گفت چہ باید کرد تا کسے شما را بہ بیند گفت ہیچ جانور را نبایدآزرد آن مرد ہیچ جانور را نمی آزرد فرشتہ را می دید، روزے مورچہ وے را بگزید چیزے بروے زد مورچہ بیفتاد پس ازان ہرگز فرشتہ را ندید"[1]

خواجہ عثمان ہارونی کے ملفوظات مین ہے کہ

"ہرکہ دو مادہ گاو ذبح کند یک خون کردہ باشد وہرکہ چار مادہ گاو ذبح کند دو خون کردہ باشد وہرکہ دہ گوسفند ذبح کند یک خون کردہ باشد"[2]

حدیثون مین بھی اگرچہ جانورون پر رحم کرنے کا حکم موجود ہے لیکن موذی جانور اس سے مستثنیٰ ہین، اور جانورون کے ذبح کرنے کی کوئی ممانعت نہین، بہرحال ہمارے صوفیہ کا اخلاقی نظام زیادہ تر سلبی اور انفرادی فضائل تک محدود ہے، اور امام غزالی نے احیاء العلوم مین انہی اخلاقی فضائل سے بحث کی ہے، اس لئے جو لوگ عزلت گزینی اور خلوت نشینی کی زندگی بسر کرتے ہین، وہ تو ان کی اخلاقی کتابون سے فائدہ اٹھا سکتے ہین لیکن مدبرین سیاست یعنی وزراء و سفراء کو اُن سے کوئی اخلاقی فائدہ نہین پہونچ سکتا لیکن اسلام کا نظام اخلاق صرف انہی فضائل تک محدود نہین ہے بلکہ اوس نے اپنی جامعیت کی بنا پر ایجابی، سلبی، انفرادی اور اجتماعی ہرقسم کے اخلاق کی تعلیم دی ہے، اور ان مین بظاہر جو تضاد نظر آتا ہے، اوس کو اس طرح رفع کر دیا ہے کہ سب کے

---

[1] نفحات الانس بحوالہ مآثر الکرام جلد اول ص ۱۳۰،

مواقع الگ الگ کردیئے ہین، مثلاً عام زندگی مین تواضع وخاکساری کی تعلیم اس طرح دی ہے،

ولا تمش فی الارض مرحاان اللّٰہ	اور زمین پر اترا کر نہ چل (کیونکہ) خدا کسی
لا یحب کل مختال فخور (لقمان - ۲)	اترانے والے شیخی خورے کو پسند نہین کرتا،

لیکن جہان خاکسارانہ روش اختیار کرنے سے انسان کا ضعف ظاہر ہوتا ہے، وہان اسلام نے قوت کے اظہار کا حکم دیا ہے، چنانچہ جب صحابہ حجۃ الوداع کے لئے آئے تو چونکہ مدینہ کے وبائی بخار نے ان کو کمزور کر دیا تھا، اس لئے کفار نے طنزاً کہا کہ محمدؐ اور ان کے اصحاب ضعف کی وجہ سے خانۂ کعبہ کا طواف نہین کر سکتے، اس پر آپ نے صحابہ کو حکم دیا، کہ طواف کا تین چکر اکڑ کر کرین تاکہ مشرکون پر ان کی طاقت کا اظہار ہو، یہ سنت آج تک باقی ہے، جس کو رمل کہتے ہین، اور جس کے معنی اکڑ کر چلنے کے ہین،

قوت کے اظہار کا اصلی موقع جہاد مین پیش آتا ہے، اور اس موقع پر اسلام نے خاکساری کے بجائے کبر وغرور کو پسند کیا ہے، چنانچہ حدیث مین ہے کہ بعض غرور کو خدا ناپسند اور بعض کو پسند کرتا ہے، جنگ وصدقہ کے موقع پر اترانا خدا کو پسند ہے، اور ظلم وفخر پر اترانا ناپسند[۱]،

حضرت ابودجانہؓ ایک نہایت بہادر صحابی تھے، وہ غزوۂ احد مین شریک ہوے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تلوار کو ہاتھ مین لے کر فرمایا، کہ کون اس تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرے گا؟ بہت سے صحابہ آپ کی طرف بڑھے لیکن آپنے وہ تلوار کسی کو نہین دی، یہان تک کہ حضرت ابودجانہؓ اٹھے اور کہا کہ اس کا حق کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ "دشمن پر اس کو اس قدر چلاؤ کہ ٹیڑھی ہو جائے، بعض روایتون مین ہے کہ مسلمان پر اس کو نہ چلانا، اور کافر سے نہ بھاگنا، انھون نے کہا کہ مین اس کا حق ادا کرون گا، اب آپنے ان کو وہ تلوار عنایت فرمائی، اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے

---

[۱] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الخیلاء فی الحرب،

تلوار لے کر اکڑتے تنتے ہوے چلے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ متکبرانہ چال دیکھی تو فرمایا، کہ اس موقع کے سوا خدا ہر جگہ اس چال کو نا پسند فرماتا ہے[1]،

اسلام نے عام طور پر اجتماعی اخلاق کی تعلیم دی ہے، چنانچہ حدیث شریف مین ہے، کہ جو مسلمان لوگون سے میل جول پیدا کرتا ہے، اور ان کی پہنچائی ہوئی تکلیفون کو برداشت کرلیتا ہے، وہ اس مسلمان سے بہتر ہے جو لوگون سے میل جول نہین پیدا کرتا، اور ان کی پہنچائی ہوئی تکلیفون کو نہین سہتا[2]، لیکن بعض حالتون مین انفرادی اخلاق کی تعلیم بھی دی ہے،

خیر مال المسلم غنم یتبع بھا	مسلمان کا بہترین مال وہ بکریان ہین
شعف الجبال ومواقع القطر	جن کو وہ پہاڑون کی چوٹیون اور
یفر بدینہ من الفتن[3]،	شاداب مقامات پر چراتا ہے، اور اس
	طرح اپنے دین کو فتنون سے محفوظ
	رکھنے کے لئے اس کو لے بھاگتا ہے،

اس قسم کی اور بھی متعدد حدیثین ہین، لیکن محدثین نے تصریح کر دی ہے کہ اس قسم کی عزلت گزینی صرف اس حالت مین جائز ہے، جب ملک گیری کی ہوس مین باہم مسلمانون مین خانہ جنگی ہو جائے اور ایک مسلمان اس کا فیصلہ نہ کرسکے کہ اس مین کونسا فریق حق پر ہے، یا یہ کہ وہ اس فتنہ کے ازالہ کی طاقت نہ رکھتا ہو، ورنہ عام حالات مین مسلمانون سے میل جول رکھنا، اخلاقی حیثیت سے افضل ہے، لیکن بہرحال اسلام کی اخلاقی تعلیمات کی وسعت ہر قسم کے ایجابی سلبی، انفرادی اور اجتماعی اخلاق کو شامل ہے، اور ڈاکٹر صاحب نے اسی اسلامی نظام اخلاق کی تعلیم دی ہے، اور ان کے مختلف محل و مواقع متعین کر دیئے ہین،

---

[1] اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ تذکرہ حضرت ابو دجانہ رض [2] ترمذی کتاب الزہد ص ۴۱۲ [3] بخاری کتاب الفتن،

قلندران کہ بہ تسخیر آب و گل کوشند　　ز شاہ باج ستانند و خرقہ می پوشند
بجلوت اند و کمندے بہ مہر و مہ پیچند　　بخلوت اند و زمان و مکان در آغوشند
بروز بزم سراپا چو پرنیان و حریر　　بروز رزم خود آگاہ و تن فراموش اند

زندگی انجمن آرا و نگہدار خود است　　اے کہ در قافلۂ بے ہمہ شو با ہمہ رو
تو فروزندہ تر از مہر منیر آمدہ　　آنچنان زی کہ بہ ہر ذرہ رسانی پرتو

مصافِ زندگی میں سیرتِ فولاد پیدا کر　　شبستانِ محبت میں حریر و پرنیاں ہو جا
گزر جا بن کے سیلِ تند رو کوہ و بیاباں سے　　گلستاں راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہو جا

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت　　یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلماں
جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم　　دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

اے پیرِ حرم رسم و رہِ خانقہی چھوڑ　　مقصود سمجھ میرے نوائے سحری کا
اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت　　دے ان کو سبق خود شکنی خود نگری کا

ہو حلقۂ یاراں تو ہو بریشم کی طرح نرم　　رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

لیکن یہ اسلامی نظامِ اخلاق صرف اُس وقت قائم ہو سکتا ہے، جب انسان کو اپنی خودی کی حقیقت واضح طور پر معلوم ہو جائے، اس لئے ڈاکٹر صاحب نے خودی کو اپنی شاعری کا ایک مستقل موضوع قرار دیا ہے، اور مثنوی اسرار خودی میں سادہ طور پر اس کی حقیقت بتائی ہے، لیکن اثبات خودی کے تمام مقدمات اس میں مذکور نہیں ہیں، اس لئے ہم ان کے پورے مجموعۂ کلام سے ان تمام مقدمات کو اخذ کرکے اس موقع پر درج کرتے ہیں،

(۱) خودی اثبات خودی کے لئے جن مقدمات کی ضرورت ہے ان میں پہلا مقدمہ خود خودی ہے، یعنی یہ کہ خود خودی کوئی چیز ہے یا نہیں ؟ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک یہ مقدمہ بدیہی ہے، اور خود

انسان کے اندر سے ایک آواز آتی ہے کہ "مین ہون"

من از بود و نبود خود خموشم اگر گویم کہ ہستم خود پرستم
ولیکن این نوائے سادۂ کیست؟ کسے در سینہ می گوید کہ ہستم

قدیم فلاسفہ نے بھی یہ استدلال کیا ہے کہ انسان پر بہت سے حالات ایسے گذرتے ہین کہ اس کو اپنے تن بدن کا ہوش نہین رہتا لیکن باوجود اس کے وہ یہ جانتا ہے کہ "مین ہون" اور اس سے انھون نے یہ ثابت کیا ہے کہ روح جسم سے الگ کوئی چیز ہے، ابھی ہم کو اس سے بحث نہین کہ روح کی حقیقت کیا ہے؟ لیکن بہرحال فلاسفہ قدیم بھی اس مسئلہ مین ڈاکٹر صاحب کے ہم خیال ہین کہ مین یا "انا" کا وجود بدیہی ہے؛

ڈاکٹر صاحب نے خودی کے وجود پر ایک فلسفیانہ استدلال بھی کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز مین شک کیا جا سکتا ہے،

توان گفتن جہان رنگ و بو نیست زمین و آسمان و کاخ و کو نیست
توان گفتن کہ خوابے یا فسونے است حجاب چہرۂ آن بیچگونیست
توان گفتن ہمہ نیرنگ ہوش است فریب پردہائے چشم و گوش است

لیکن با این ہمہ جو چیز دنیا کی تمام چیزون مین شک کرتی ہے، اس کا وجود یقینی ہے شک کے معنی سوچنے کے ہین، اور سوچنے کے معنی ہونے کے ہین لیکن مین سوچتا ہون اس لئے مین ہون، اب

اگر گوئی کہ من وہم و گمان است نمودش چون نمود این و آن است
بگو با من کہ دارائے گمان کیست؟ یکے در خود نگر آن بے نشان کیست؟
خودی پنہان ز حجت بے نیاز است یکے اندیش و دریاب این چہ راز است
خودی را حق بدان باطل مپندار خودی را کشت بے حاصل مپندار[۱]

---

[۱] ماخوذ از مفتاح اقبال ص ۹-۱۰۰-۱۱،

لیکن یہ خودی بذاتِ خود پیدا نہیں ہوئی ہے، بلکہ اس کا پیدا کرنے والا خدا ہے،

خودی را از وجودِ حق وجودے خودی را از نمودِ حق نمودے

نمیدانم کہ این تابندہ گوہر کجا بودے اگر دریا نبودے

اس موقع پر خدا کی ذات کے لئے انھون نے وہی دریا کا لفظ استعمال کیا ہے، جو صوفی شعراء عام طور پر استعمال کرتے ہیں لیکن صوفیون سے اس مسئلہ مین الگ ہو گئے ہین کہ انسان اس دریا کا ایک قطرہ ہے بلکہ اس کو گوہر تابندہ قرار دیا ہے تاکہ خدا کی عظمت و شان کے ساتھ انسان کی خودداری بھی قائم رہے، دریا اور گوہر دونون لازم و ملزوم ہین، اس لئے انسانی خودی کا وجود خدا کے بغیر ہو ہی نہین سکتا،

از ہمہ کس کنارہ گیر صحبتِ آشنا طلب ہم ز خدا خودی طلب ہم ز خودی خدا طلب

زمن گو صوفیانِ با صفا را خدا جویانِ معنی آشنا را

غلامِ ہمتِ آن خود پرستم کہ از نورِ خودی بیند خدا را

کرا جوئی؟ چرا در پیچ و تابی؟ کہ او پیداست تو زیرِ نقابی

تلاشِ او کنی جز خود نہ بینی تلاشِ خود کنی جز او نیابی

لیکن باوجود اس احتیاج و ارتباط کے وہ مسئلۂ وحدۃ الوجود کے قائل نہین، بلکہ اُن کے نزدیک انسانی خودی خدا کی ذات سے بالکل الگ ایک مستقل چیز ہے،

خودی روشن ز نورِ کبریائی است رسائی ہائے او از نارسائی است

جدائی از مقاماتش وصالش وصالش از مقاماتِ جدائی است

وصالِ ما وصالِ اندر فراق است کشودِ این گرہ غیر از نظر نیست

گہر گم گشتۂ آغوشِ دریاست ولیکن آب بحر آبِ گہر نیست

اور اس کو اسی انفرادی استقلال کے ساتھ قائم رہنا چاہئے، صوفیہ کہتے ہین، کہ اس کو

ذاتِ خداوندی میں جذب ہوجانا چاہئے، لیکن ڈاکٹر صاحب ایک نہایت عمدہ شاعرانہ تشبیہ کے ذریعہ سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ خودی کو بذاتِ خود قائم رہ کر اپنے نظری اقتضاءات کو پورا کرنا چاہئے، اگر وہ شبنم کا قطرہ ہے، تو اس کو پھولوں کی پنکھڑیوں پر گرنا چاہئے، سمندر میں گر کر موتی نہیں بننا چاہئے، اس مضمون کو اس طریقہ سے ادا کرتے ہیں، کہ لوگوں نے شبنم سے صوفیانہ لہجہ میں کہا،

گفتند فرود آے ز اوجِ مہ و پرویز   برخود زن و با بحرِ پُر آشوب بیامیز

با موجِ در آویز

نقشِ دگر انگیز

تابندہ گہر خیز

لیکن شبنم نے جواب دیا،

من عیش ہم آغوشیِ دریا نخریدم   آن بادہ کہ از خویش رباید نچشیدم

از خود نہ رمیدم

ز آفاق بریدم

بر لالہ چکیدم

انسانی خودی کے علاوہ کائنات کی بھی ایک خودی ہے،

ہر چیز ہے محوِ خود نمائی   ہر ذرہ شہیدِ کبریائی

اور اجزاے کائنات کی خودی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑھنا، ابھرنا، نشو و نما حاصل کرنا اور اپنی مخفی صلاحیتوں کو روبکار لانا چاہتی ہے،

چہ لذّت یارب اندر ہست و بود است   دلِ ہر ذرہ در جوشِ نمود است

شگافد شاخ را چون غنچۂ گل   تبسم ریزہ از ذوقِ وجود است

بگردون فکر تو دارد رسائی   ولے از خویشتن نا آشنائی

یکے بر خود کشا چون دانہ چشمے   کہ از زیر زمین نخلے برآئی

ہر گہر نے صدف کو توڑ دیا   تو ہی آمادۂ ظہور نہیں

کائنات کی خودی کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنے گرد و پیش کی چیزون کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے،

من بگل گفتم بگو اے سینہ چاک   چون بگیری رنگ و بو از باد و خاک

گفت گل اے ہوشمند رفتہ ہوش   چون پیامے گیری از برق خموش

جان بہ تن مارا ز جذب این و آن   جذب تو پیدا و جذب ما نہان
(تار وئیڈیو)

۲۔ شرف انسان اثبات خودی کا یہ دوسرا مقدمہ ہے، ہمارے صوفیہ بھی انسان کی فضیلت کو تسلیم کرتے ہین، لیکن ان کے نزدیک نفس انسانیت اس فضیلت کا سبب نہین ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان خدا کا پرتو ہے،

راز دو جہان و مردہ و زندہ آن   از خود بشنو کہ ترجمانی ہمہ را

ما پرتو نور بادشاہ ازلیم   فرزند نہ ایم آدم و حوا را

لیکن ڈاکٹر صاحب انسان کو خدا سے الگ جیسا کہ ہم پہلے مقدمہ مین بیان کر چکے ہین، ایک مستقل ہستی مانتے ہین اس لئے اُن کے نزدیک اس کو جو شرف حاصل ہو وہ محض انسانیت کی وجہ سے، اور انسانی فضیلت کا یہی بلند درجہ ہے، جس کو ڈاکٹر صاحب نے مختلف شاعرانہ انداز مین بیان کیا

(۱) انسان کو تمام کائنات پر فضیلت حاصل ہے،

عالم آب و خاک و باد سِر عیان ہے تو کہ مین   وہ جو نظر سے ہے نہان اس کا جہان تو کہ مین

تو کفِ خاک و بے بصر مین کفِ خاک خود نگر   کشت وجود کے لئے آب روان تو کہ مین

(۲) وہ فرشتوں پر بھی فضیلت رکھتا ہے، فرشتے اگرچہ آسمان سے بھی پرے رہتے ہیں، لیکن ان کی نگاہ بھی انسان ہی کا نظارہ کرتی ہے،

فرشتہ گرچہ بروں از طلسم افلاک است
نگاہ او بہ تماشائے این کف خاک است

اور انسان کو ان پر جو فضیلت ہے وہ خودی کی وجہ سے ہے

بہ نوریان ز من پا بگل پیامے گوے
حذر ز مشت غبارے کہ خویشتن نگر است

(۳) انسان کا وجود ایک لازوال چیز ہے، زمانہ کی گردش اس کو فرسودہ نہیں کرسکتی،

لحد میں بھی یہی غیب و حضور رہتا ہے ‏ اگر ہو زندہ تو دل ناصبور رہتا ہے
مہ و ستارہ مثال شرارہ یک دو نفس ‏ مے خودی کا ابد تک سرور رہتا ہے
فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا ‏ ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

(۴) انسان خدا کا اصلی مقصد ہے، اور وہ اس کی تلاش میں سرگردان رہتا ہے، اس مضمون کو ڈاکٹر صاحب نے سادہ طور پر یوں بیان کیا تھا،

خدا ہم در تلاش آدمے ہست

لیکن ایک مسلسل غزل میں ڈاکٹر صاحب نے اس مضمون کو نہایت لطیف شاعرانہ انداز میں بیان کیا ہے، صوفی کہتے ہیں کہ ہر چیز میں خدا کا نور جلوہ گر ہے اور ہم کو ہر چیز میں اس کے جلوہ کو دیکھنا چاہئے، ڈاکٹر صاحب بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں لیکن الٹ کر کہتے ہیں کہ خدا ہر چیز میں اس لئے جلوہ گر ہوتا ہے، کہ انسان کو اس کی تلاش کرے،

ما از خدائے گم شدہ ایم او بجستجو است ‏ چون ما نیاز مند و گرفتار آرزو ست

گاہے بہ برگ لالہ نویسد پیام خویش
گاہے درون سینۂ مرغان بہ ہاو ہوست

در نرگس آرمید کہ بیند جمال ما
چندان کرشمہ دان کہ نگاہش بگفتگوست

آہے سحرگہے کہ زند در فراق ما
بیرون و اندرون زبر و زیر و چارسواست

ہنگامہ بست از پئے دیدار خاکیے
نظارہ را بہانہ تماشاے رنگ و بوست

پنہان بذرہ ذرہ و نا آشنا ہنوز
پیدا چو ماہتاب و بآغوش کاخ و کوست

در خاکدان ما گہر زندگی گم است
این گوہرے کہ گم شدہ مائیم یا کہ اوست

غرض یہ وہ بلند رتبہ ہستی ہے، کہ جب پیدا ہوئی تو عالم مین زلزلہ آگیا، اور زمین سے آسمان تک ایک غلغلہ بر پا ہوگیا،

نعرہ زد عشق کہ خونین جگرے پیدا شد
حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد

خبرے رفت زگردون بہ شبستان ازل
حذر اے پردگیان پردہ درے پیدا شد

آرزو بیخبر از خویش بآغوش حیات
چشم وا کرد و جہان دگرے پیدا شد

فطرت آشفت کہ از خاک جہان مجبور
خودگرے، خود شکنے، خودنگرے پیدا شد

زندگی گفت کہ در خاک تپیدم ہمہ عمر
تا ازین گنبد دیرینہ درے پیدا شد

(۳) تسخیر فطرت اثبات خودی کا یہ تیسرا مقدمہ ہے، اور پہلے دونون مقدمات کا تتمہ بلکہ نتیجہ ہے، پہلے مقدمہ مین یہ ثابت ہوچکا ہے، کہ کائنات کی خودی اپنے گرد و پیش کی چیزون کو جذب کرتی ہے، اور نسان بھی چونکہ کائنات ہی کا ایک جزو ہے، اس لئے اس مین بھی قدرتی طور پر یہ قوتِ جاذبہ موجود ہے، یکن چونکہ وہ کائنات مین جیسا کہ دوسرے مقدمہ مین ثابت کیا گیا ہے، سب سے بلند تر ہستی ہے اس لئے ل مین یہ قوت اور بھی کامل ترین طریقہ سے پائی جاتی ہے، اور وہ صرف اپنے گرد و پیش ہی کو نہین، ہ تمام دنیا کو اپنے اندر جذب کرنا چاہتی ہے،

خودی کی جلوتوں میں مصطفائی — خودی کی خلوتوں میں کبریائی
زمین و آسمان و کرسی و عرش — خودی کی زد میں ہو ساری خدائی

جس بندۂ حق بین کی خودی ہوگئی بیدار — شمشیر کے مانند ہے برندہ و براق
اس مرد خدا سے کوئی نسبت نہیں تجھ کو — تو بندۂ آفاق ہے وہ صاحب آفاق

دو گیتی را بہ خود باید کشیدن — نباید از حضور خود رمیدن
نگہ باید و خود بیار آورد — کہ پیدا جہان چار سو را
مے آشامے کہ دل کردند ہش — بخویش اندر کشید این رنگ بو را

کمال زندگی خواہی؟ بیاموز — کشادن چشم و جز بر خود نہ بستن
فرو بردن جہان را چون دم آب — طلسم زیر و بالا در شکستن
جہان رنگ و بو دانی و لے دل چیست میدانی — مے کز حلقۂ آفاق سازد گرد خود ہالہ

لیکن اس قسم کی مکمل خودی صرف اسلام پیدا کر سکتا ہے، اس لئے

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے — مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

اسی جاذبیت کا دوسرا نام تسخیر فطرت ہے، اور اس کی مختلف صورتیں ہیں،

(۱) ایک صورت تو وہ ہے جس میں انسان کی جد و جہد کو کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ خود خدا وند تعالیٰ نے قدرت کی تمام بڑی بڑی طاقتوں کو انسان کا مسخر اور فرمانبردار بنا دیا ہے، اور ان کے ذریعہ سے انسان پر اپنا احسان جتایا ہے سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا، اس قسم کی دوسری آیتوں میں تسخیر کی یہی صورت مذکور ہے اور ڈاکٹر صاحب نے نہایت سادہ طور پر اس کی تشریح اس طرح کی ہے،

نہ تو زمین کے لئے ہے نہ آسمان کے لئے — جہان ہے تیرے لئے تو نہیں جہان کے لئے

لیکن اس مضمون کو ایک مستقل نظم میں جس کی سرخی روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے نہایت

پرجوش شاعرانہ انداز مین بیان کیا ہے،

کھول آنکھ زمین دیکھ فلک دیکھ فضا دیکھ　　مشرق سے اُبھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ
اس جلوۂ بے پردہ کو پردون مین چھپا دیکھ　　ایامِ جدائی کے ستم دیکھ فضا دیکھ
بے تاب نہ ہو معرکۂ بیم و رجا دیکھ

ہین تیرے تصرف مین یہ بادل یہ گھٹائین　　یہ گنبدِ افلاک یہ خاموش فضائین
یہ کوہ، یہ صحرا، یہ سمندر، یہ ہوائین　　تھین پیشِ نظر کل تو فرشتون کی ادائین
آئینۂ ایام مین آج اپنی ادا دیکھ

سمجھے گا زمانہ تری آنکھون کے اشارے　　دیکھین گے تجھے دور سے گردون کے ستارے
ناپید ترے بحرِ تخیل کے کنارے　　پہنچین گے فلک تک تری آہون کے شرارے
تعمیرِ خودی کر اثرِ آہِ رسا دیکھ

۲- دوسری صورت وہ ہے جس مین انسان اپنی جسمانی قوت اور سعی و محنت کے ذریعہ سے فطرت کی قوتون کو مسخر کرتا ہے، اور اس نظم کے آخری دو بندون مین اسی طرف اشارہ ہے۔

خورشیدِ جہان تاب کی ضو تیرے شرر مین　　آباد ہے اک تازہ جہان تیرے ہنر مین
جچتے نہین بخشے ہوے فردوس نظر مین　　جنت تری پنہان ہے ترے خونِ جگر مین
اے پیکرِ گل کوششِ پیہم کی جزا دیکھ

نالندہ ترے عود کا ہر تار ازل سے　　تو جنسِ محبت کا خریدار ازل سے
تو پیرِ صنم خانۂ اسرار ازل سے　　محنت کش و خونریز و کم آزار ازل سے
ہے راکبِ تقدیرِ جہان تیری رضا دیکھ

(۳) تیسری صورت وہ ہے جس مین انسان اپنی عقلی طاقت سے فطرت کو مسخر کرتا ہے،

عقل بدام آور د فطرتِ چالاک را
اہرمنِ شعلہ زاد سجدہ کند خاک را

اگرچہ ڈاکٹر صاحب نے اکثر مقامات پر عقل کی مذمت کی ہے، لیکن اس سے وہ عقل مراد ہے جو محض خیالی پلاؤ پکا کر قوتِ عمل کو ضعیف کرتی ہے،

من آن علم و فراست با پرِ کاہے نمی گیرم   کہ از تیغ و سپر بیگانہ سازد مرد غازی را
بہر نرخے کہ این کالا بگیری سود مند افتد   بزور بازوئے حیدر بدہ ادراک رازی را

لیکن جو عقل قوتِ عمل کو تیز کرتی ہو ڈاکٹر صاحب اس کے مخالف نہیں، بلکہ موید ہیں یعنی وہ فلسفہ کے مخالف ہیں، سائنس کے نہیں، چنانچہ شاہ امان اللہ خان کو اس کی طرف اس طرح توجہ دلاتے ہیں،

زندگی جہد است و استحقاق نیست   جز بعلم انفس و آفاق نیست
گفت حکمت را خدا خیر کثیر   ہر کجا این خیر را بینی بگیر
سید کل صاحبِ ام الکتاب   پردگیہا بر ضمیرش بے حجاب
گرچہ عین ذات را بے پردہ دید   ربِ زدنی از زبانِ او چکید
علم اشیا علّم الاسماستے   ہم عصا و ہم ید بیضاستے
علم اشیا داد مغرب را فروغ   حکمتِ او ماست می بندد ز دوغ
جانِ ما را لذتِ احساس نیست   خاک رہ جز ریزۂ الماس نیست
علم و دولت نظم کارِ ملت است   علم و دولت اعتبار ملت است
آن یکے از سینۂ احرار گیر   وان دگر از سینۂ کہسار گیر
دشنہ زن در پیکر این کائنات   در شکم دارد گہر چون سومنات
لعل ناب اندر بدخشان تو ہست   برق سینا در قہستانِ تو ہست

(۴) چوتھی صورت وہ ہے جس میں انسان روحانی طاقت سے فطرت کو مسخر کرتا ہے، اور یہ صرف اولیاء و انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے، اور یہ قوت نہ جسمانی طاقت سے پیدا ہوتی، نہ عقل وعلم سے حاصل ہوتی، بلکہ صرف عشق سے پیدا ہوتی ہے،

از محبت چون خودی محکم شود   قوتش فرمانده عالم شود
پنجۂ او پنجۂ حق می شود   ماه از انگشت او شق می شود

۴ - مسئلۂ خیر و شر، اثبات خودی کا یہ چوتھا مقدمہ ہے اور اس مسئلہ کے متعلق حکمائے اسلام کے نظریات یہ ہیں:

۱- خیر ایجابی اور شر ایک سلبی چیز ہے، یعنی دنیا میں خیر کا وجود تو ہے، لیکن شر کا وجود نہیں،

۲- خیر شر پر غالب ہے اور خیر کی تعداد و مقدار شر سے زیادہ ہے، دنیا میں اگرچہ مرض کا وجود ہے، لیکن صحت اس سے زیادہ پائی جاتی ہے، دنیا اگرچہ رنج و غم سے خالی نہیں لیکن خوشی اور مسرت کا وجود ان سے زیادہ ہے لیکن اس کے بالکل برعکس محمد بن زکریا رازی کے نزدیک شر وجودی اور خیر سلبی ہے یعنی لطف و مسرت کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے، کہ رنج والم زائل ہو جائیں، کھانے پینے کی لذت کے معنی صرف یہ ہیں، کہ بھوک اور پیاس کی تکلیف سے نجات مل گئی، یہی حال اور تمام لذتوں کا ہے کہ وہ کسی نہ کسی تکلیف اور رنج والم کا ازالہ ہیں، اور شوپنہار کا فلسفہ بھی یہی ہے کہ دنیا میں واقعی جو چیزیں موجود بالذات ہیں، وہ دکھ مصیبت اور حاجت ہیں، ان سے کبھی وقتی طور پر چھٹکارا مل جایا کرتا ہے، تو اسی مہلت کا نام انسان نے خوشی یا مسرت رکھ چھوڑا ہے[۱]، وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ درد والم ایجابی ہیں، اور لذت و مسرت محض سلبی، مسرت یا لذت ہمیشہ کسی خواہش کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، خواہش یعنی احتیاج ہر لذت کے پیچھے پائی جاتی ہے جوں ہی خواہش کی تشفی ہو جاتی ہے، لذت موقوف ہو جاتی ہے، لہذا تشفی یا مسرت دراصل کسی احتیاج یا درد سے نجات پانی ہے[۲]، اس بنا پر

کائنات کی انتہائی حقیقت کے قلب میں شر ہی شر پایا جاتا ہے، زندگی کا مایۂ خمیر ہی شر ہے، تمام چیزیں شر ہیں، یعنی جو بھی چیز وجود رکھتی ہے، وہ شر ہے[۱] امام رازی نے بھی زکریا رازی کی تائید کی ہے، اور لکھا ہے کہ عام طور پر جو چیز دنیا میں پائی جاتی ہے، وہ یا تو رنج والم ہے یا رنج والم کا ازالہ ہے، ان میں بعض آلام تو نہایت قوی ہوتے ہیں، مثلاً امراض، اور بعض ضعیف جن سے انسان کو کسی حالت میں نجات نہیں مل سکتی، مثلاً غم و فکر، خوف و اندیشہ، غصہ و ندامت، بزدلی، اور کاروبار کی فکر، بدبو، ناگوار چیزوں کا دیکھنا، مکھی مچھر اور کھٹملوں کی تکلیفیں جن کا کوئی شمار نہیں کیا جا سکتا، اس سے حکمائے دونوں پہلے نظریے غلط ثابت ہوتے ہیں، نہ دنیا میں خیر کا وجود ہے، نہ خیر شر پر غالب ہے، بلکہ اس کے برخلاف رنج والم کو لذتوں پر غلبہ حاصل ہے، قرآن مجید سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ، ہم نے انسان کو تکلیف میں پیدا کیا،

اور تفسیر کبیر میں امام صاحب کی رائے کے مطابق اس آیت کی تفسیر یہ کی گئی ہے، کہ اس دنیا میں کوئی لذت نہیں ہے، بلکہ جس چیز کو لذت خیال کیا جاتا ہے، وہ کسی تکلیف سے بچنے کی ایک صورت ہے، کھانے اور پہننے کی لذت، بھوک، سردی اور گرمی کی تکلیف سے بچنے کا نام ہے، اس لئے انسان کے لئے صرف دو چیزیں ہیں، یا تکلیف یا تکلیف سے بچنا، اور اس آیت کے یہی معنی ہیں، اس بنا پر تخلیق انسانی کا مقصد حصول لذت نہیں ہے، کیونکہ لذت کا وجود ہی نہیں ہے، بلکہ صبر و استقلال کے ساتھ تکلیفوں کا مقابلہ کرنا اور دوسروں کو تکلیفوں سے نجات دلانا ہے، اور اس پوری سورہ میں تخلیق انسانی کا یہی مقصد بتایا گیا ہے،

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ وَلِسَانًا وَّشَفَتَیْنِ	کیا ہم نے انسان کو دو آنکھیں اور زبان
وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا اَدْرٰىكَ	اور دو ہونٹھ نہیں دیئے، اور اس کو (نیکی
مَا الْعَقَبَةُ، فَكُّ رَقَبَةٍ، اَوْ اِطْعَامٌ	بدی) کے دونوں رستے (بھی) دکھا دیئے
فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ، یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ	پھر بھی وہ گھاٹی ہو کر نہیں نکلا اور (آپ غیر

---

[۱] قنوطیت یعنی فلسفۂ یاس از میر ولی الدین ص ۲،

اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ، ثُمَّ كَانَ
مِنَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ
وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ،
(بلد - ۱)

تم کیا سمجھے کہ گھاٹی (سے ہماری) کیا (مراد)
ہے (گھاٹی سے مراد ہے کسی کی) گردن کا
(غلامی یا قرض کے پھندے سے) چھڑا دینا
یا بھوک کے دن یتیم کو (خاص کر جب وہ
اپنا) رشتہ دار (بھی ہو) یا محتاج خاک نشین
کو (کھانا) کھلانا (تو جو ناحق کی تنگی مانتا ہے
چاہئے تھا کہ اس گھاٹی میں سے ہو کر
گذرتا) اس کے علاوہ ان لوگوں کے (زمرہ)
میں ہوتا، جو ایمان لائے، اور ایک دوسرے
کو صبر کی ہدایت کرتے رہے، اور نیز ایک
دوسرے کو (خلق خدا) پر رحم کرنے کی[۴]

(ترجمہ فتح محمد)

اسی مقصد کو فلسفیانہ طریقے پر اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے، کہ تخلیق انسانی کا مقصد حصول لذت نہیں، بلکہ انسانی شخصیت کا تحقق و کمال ہے، جو کائنات کے ساتھ توافق پیدا کرنے کی وجہ سے حاصل ہو سکتا ہے، لیکن ایسی دنیا کا تصور ناممکن ہے، جہاں روحیں ترقی و تکمیل پا کر شخصیت کا تحقق تو کر سکیں لیکن جہاں نہ درد و غم ہو اور نہ رنج و تعب، نہ حزن و ابتلا ہو، اور نہ آزمائش و بلا، غیر تشفی خواہشات ان کی سوزش و تکلیف، امراض و قوائے فطری کی کورانہ بے رخی سے پیدا ہونے والی عذاب ناک اذیتیں، آسمانی بلائیں و آفتیں، یہ سب محرکات ہیں، جو انسان کے صبر و ہمت کو آزماتے ہیں، اور اس کو مصائب کا مقابلہ کرنے پر آمادہ کرتے ہیں، بھوک، جنسی محبت، پدری شفقت، اجتماعی واکتسابی جبلتوں کے بغیر جو انسان کے سینوں میں تشفی کے لئے موجزن ہوتے ہیں، انسان نہ فطرت پر غلبہ حاصل کر سکتا ہے،

اور نہ شخصیت کا تحقق کر سکتا ہے، اوس کی ابتدائی اشتہارات اوس کو محنت و مشقت پر آمادہ کرتی ہیں، اور محنت و مشقت سے سائنس کے اور راحت کے سامان پیدا ہوتے ہیں، اور یہ فطرت پر زیادہ غلبہ کا باعث ہوتے ہیں، اور یہی فن ادب، سائنس اور حیات معاشری کے لطیف اغراض و غایات کے نشوونما تشفی کا سبب بنتے ہیں، اس کی خواہشات اوس کو خاندان وجماعت کی تخلیق پر آمادہ کرتی ہیں، ہماری اور خشکی، سمندر اور ہوا کی معاندانہ قوتوں کا مقابلہ اس کی فکر عمل اور معاشری اشتراک کی قوتوں کو ترقی دیتا ہے، ہماری مشترکہ قسمت گو صبر و عمل کے دائرے سے بھی باہر کیوں نہ ہو، دوستی و محبت کے جذبات کو برانگیختہ کرتی ہے، اس طرح انسان ظاہراً شکست سے فتحمندی حاصل کرتا ہے، ان قوتوں پر غلبہ و تسلط پاتا ہے، جو اس کے خلاف برسرِ جنگ نظر آتی ہیں[1]۔ (باقی)

---

[1] تفوحیت از میر ولی الدین ص ۷۰، ۷۱،

اعلان

۱۔ معارف سے متعلق ہر طرح کی خط و کتابت اور ارسالِ زر کے وقت براہ کرم نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیں، ورنہ تعمیل کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی،

۲۔ معارف ہر مہینہ کی ۱۵ر تاریخ کو پوری پابندی کے ساتھ شائع ہوجاتا ہے اس لئے رسالہ نہ پہنچنے کی اطلاع ۳۰ر تاریخ تک دفتر میں آجانی چاہئے، ورنہ اس کے بعد اطلاع موصول ہونے پر پرچہ بہ قیمت ارسال ہوگا،

"منیجر"

نماز اور خشوع

از

مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

(۲)

حدیث و آثار میں خشوع کی اہمیت و فضیلت

اوپر حدیث گذر چکی ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نماز میں اپنی داڑھی سے کھیل رہا تھا، یہ فعل چونکہ خشوع کے منافی تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

لوخشع قلبہ لخشعت جوارحہٗ[1] اگر اس کا قلب خشوع سے متاثر ہوتا تو اس کے اعضاء پر بھی اس کے آثار نمایاں ہوتے،

ایک مرتبہ آپ جماعت کے ساتھ نماز ادا فرما رہے تھے کہ کچھ لوگوں سے نماز میں ایسے افعال سرزد ہوئے جو خشوع کے منافی تھے، آپ نے نماز کے بعد ارشاد فرمایا کہ

واللہ لا یخفی علی رکوعکم و خشوعکم[2] خدا کی قسم مجھ سے تمہارا رکوع و خشوع پوشیدہ نہیں ہے،

---

[1] روح المعانی ج۵ [2] بخاری باب الخشوع فی الصلوٰۃ،

مسند احمد ابن حنبل میں فضیل ابن عباسؓ سے ایک روایت ہے، جس سے خشوع کے مظاہر کی پوری تصویر سامنے آجاتی ہے آپ نے ارشاد فرمایا،

الصّلوٰة مثنیٰ مثنیٰ تشهد فی	رات کی نماز دو دو رکعت پڑھو، پھر چاہئے
کلّ رکعتین و تضرع وتخشع	کہ ہر دو رکعت پر تشہد پڑھو، اور گریہ و
وتمسکن ثم تقنع یدیک الی	زاری خشوع وخضوع کے ساتھ اپنے رب
ربّک ...... تقول یا رب یا رب	سے ہاتھ اٹھا کر کہو اے میرے رب، اے
فمن لم یفعل ذٰلک فقال	میرے پروردگار، اور جو شخص ایسا نہیں کرتا،
فیه قولا شدیدا[۲]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے
	میں بڑی سخت وعید فرمائی ہے،

اس حدیث کی تشریح کے سلسلہ میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ لفظ تخشع سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کے اندر یہ کیفیت نہ پیدا ہو، تو بہ تکلف اسے یہ کیفیت پیدا کرنا چاہئے؛[۳]

ایک حدیث میں ہے،

لا صلوٰة لمن لم یتخشع[۴]	جو شخص نماز میں بہ تکلف بھی خشوع نہ پیدا کرے اس کی نماز نہیں ہوتی،

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے قریب دنوں سے جو پہلی چیز اٹھا لی جائے گی وہ خشوع ہے،[۵]

دوسری روایت میں ہے :-

اوّل شئ یرفع من هذه الامة	اس امت سے پہلی چیز جو سلب کی جائے گی

---

[۱] اس سے مراد رات کی نماز ہے، جیسا کہ بخاری میں ابن عمرؓ سے روایت ہے [۲] مسند فضیل بنؓ عباسؓ ترمذی باب التخشع [۳] الفتح الربانی تبویب مسند احمد [۴] مسند الفردوس [۵] الجامع الصغیر،

الخشوع حتی لا تری فیھا خاشعا — وہ خشوع کی دولت ہے،

صحاح میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ

اللھم انی اعوذ بک من قلب — اے اللہ میں غیر خاشع قلب سے پناہ

لا یخشع[1] — چاہتا ہوں،

آپ رکوع میں اکثر یہ الفاظ فرمایا کرتے،

خشع لک سمعی وبصری ومخی — اے اللہ تیرے لئے میرے کان، آنکھیں،

وعظمی، — دماغ اور ہڈیاں سب جھک گئے ہیں

ان روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں خشوع پیدا کرنے کی بار بار ترغیب و تاکید فرماتے، اور صحابہ کو اس کے سلب ہو جانے سے خوف دلایا کرتے تھے، اور بغیر خشوع قلب کی نماز سے پناہ مانگا کرتے تھے،

ہمیں اپنی نمازوں کا بھی جائزہ لینا چاہئے کہ اس میں یہ صفتیں پیدا ہو رہی ہیں یا نہیں، اور ہم اس کے بدلہ اجر و ثواب، فلاح و سعادت کے مستحق ہوں گے، یا زجر و توبیخ، عذاب و عتاب کے،

صحابہ اور خشوع | قرآن و حدیث کے احکام کے سامنے سر نیاز جھکا دینا، کمال ایمان کی دلیل اور سب سے بڑی سعادت ہے، صحابہ کرام کی سب سے بڑی خصوصیت اور فضیلت یہی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی زبان سے جو کچھ اور جس طرح سنتے تھے، اپنی زندگی کو اسی کے مطابق ڈھال لیتے تھے، ادھر کوئی آیت نازل ہوئی، ادھر صحابہ کے عمل سے اس کی تفسیر ہونے لگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ ارشاد فرمایا صحابہ نے اسے عملی جامہ پہنا دیا، زبان مبارک سے کوئی حکم صادر ہوا، اور صحابہ اس کا نمونہ بن گئے، اب ہم کو صحابہ کرام کی عملی زندگی میں اسی خشوع کی تفسیر دیکھنی چاہئے کہ ان کی نمازوں میں اس صفت خشوع

[1] ترمذی، نسائی، الجامع الصغیر

کی کہاں تک کارفرمائی تھی، اور ان کی پوری زندگی پر اس کا کیا اثر تھا، اور پھر غور کریں کہ عملی تعلیمات کے علاوہ انھوں نے نظری تعلیمات کے کیا کیا نقش چھوڑے ہیں۔

مجاہد روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عبد اللہ بنؓ زبیر جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے، تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک لکڑی کا ٹکڑا یا ستون ہے، جو بے حس و حرکت کھڑا ہے، اس حالت کو دیکھکر وہ کہا کرتے تھے، کہ

وکان یقال ذالک الخشوع[۱] اسی کو خشوع کہا جاتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے متعلق روایت ہے کہ جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ایک کپڑا ہے، جو زمین پر ڈال دیا گیا ہے، کانہ ثوب ملقی؛

ان کے متعلق دوسری روایت ہے کہ

کان اذا قام الی الصلوٰۃ نعض فیھا صوتہ ویدہ وبصرہ، جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے، تو بدن، آواز، آنکھ ہر چیز سے تواضع وخشوع کا اظہار ہوتا تھا،

حضرت عامر بن عبد اللہؓ کے متعلق مروی ہے کہ وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے، اور لڑکیاں دف بجایا کرتی تھیں، مگر ان کو بالکل خبر نہیں ہوتی تھی۔[۲]

حضرت عبد اللہ بن سلام کے متعلق مشہور ہے کہ ان پر ہر وقت آثار خشوع طاری رہتے تھے،

حضرت حذیفہؓ فرمایا کرتے تھے، کہ

اول ماتفقدون من دینکم الخشوع وآخر ماتفقدون من الصلوٰۃ تم اپنے دین سے پہلی چیز جو ضائع کروگے وہ خشوع ہے، اور سب آخر میں نماز

---

[۱] فتح الباری ص ۲۰۹، [۲] مجمع الزوائد جلد ۲ صفحہ ۱۳۶،

وتنتقض عری الاسلام عروۃ عروۃ[۱]،	کی ظاہری صورت اسی طرح آہستہ آہستہ اسلام کی تمام بنیادی چیزیں ترک ہوجائینگی،

ایک دوسری روایت میں ہے،

ورب مصل لاخیر فیہ اوشک ان تدخل مسجد الجماعۃ فلا ترى فیہ خاشعا	بہت سے نمازیوں میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی اور قریب ہی ایک زمانہ آئیگا کہ تم مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھوگے اور پوری جماعت میں ایک شخص بھی خشوع کرنے والا نظر نہ آئیگا

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے بھی اسی قسم کی ایک روایت ہے، حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ منبر پر کھڑے ہوکر فرمایا کہ ایک شخص ہے کہ اسلام کی حالت میں اس کے بال سفید ہوگئے ہیں، مگر ایک وقت کی نماز بھی اس نے اللہ کے لئے مکمل نہیں پڑھی، لوگوں نے پوچھا یہ کیسے؟ آپنے فرمایا :-

لا یتم خشوعھا وتواضعھا واقبالہ علی اللہ عز وجل فیھا[۲]،	وہ نماز میں خشوع وخضوع پورے طور سے پیدا نہیں کرتا، اور نہ اپنی پوری توجہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف منہ دل رکھتا ہے

خشوع کا تعلق قلب سے ہے | اوپر عرض کیا گیا ہے کہ خشوع قلبی کیفیت کا نام ہے، اعضاء سے اس کا تعلق صرف اسی قدر ہے کہ وہ اس کیفیت کے مظاہر ہیں، صحابہ کے اقوال سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے،

حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ گردن جھکائے ہوئے نماز پڑھ رہا ہے، آپنے فرمایا کہ

یاصاحب الرقبۃ ارفع رقبتک	اے گردن نیچی کرنے والے اپنی گردن کو اٹھا،
لیس الخشوع فی الرقاب وانما الخشوع فی القلوب[۳]،	خشوع گردن کے اندر نہیں ہے، بلکہ وہ دلوں میں ہوتا ہے،

---

۱ حاکم اور احمد نے روایت کی ہے۔ ۲ روح المعانی تفسیر سورۂ مومنون ۳ احیاء العلوم ص ۲۲ جلد ۳ ۴ ملخص السالکین جلد ۱ ص ۲۹۵

یعنی خشوع کا تعلق قلب سے ہے، اس میں تواضع، خاکساری اور عاجزی ہونی چاہئے، گردن و جسم کے جھکانے اور توڑنے مروڑنے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے،

حضرت عائشہؓ نے چند نوجوانوں کو دیکھا کہ وہ بیماروں کی طرح بہت جھک کر چل رہے ہیں، آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ "ناسک" اور زاہد کہے جاتے ہیں، آپ نے فرمایا:۔

کَانَ عمر بن الخطاب اذا مشی اسرع	عمر بن خطابؓ جب چلتے تھے، تو تیز چلتے تھے،
واذا قال اسمع واذا ضرب اوجع	جب بولتے تو بلند آواز کہ سامع سن لے اگر
واذا اطعم اشبع وکان ھو	کسی کو سزا دیتے تھے، تو سخت سزا دیتے تھے،
الناسک حقًا،[۱]	اگر کھانا کھلاتے تھے تو پیٹ بھر کھانا کھلاتے
	تھے، اور وہ یقینًا ناسک تھے،

خشوع نفاق | اگر کسی شخص کے قلب میں خشوع نہ پیدا ہو، اور محض اپنے اعضاء جسم سے صرف دیا کے لئے اس کا اظہار کرتا ہو تو احادیث و آثار میں ایسے خشوع کو خشوع نفاق سے تعبیر کیا گیا ہے، اور اس سے پناہ مانگی گئی ہے،

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

تعوذوا باللہ من خشوع النفاق[۲]،	خشوع نفاق سے اللہ کی پناہ مانگو،

صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ خشوع نفاق کیا چیز ہے، آپ نے ارشاد فرمایا،

خشوع القلب والبدن ونفاق القلب[۳]	بدن جھکا ہوا ہو مگر قلب میں اس کیفیت کا اثر نہ ہو

حضرت حذیفہؓ فرمایا کرتے تھے، کہ خشوع نفاق سے بچو، لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ خشوع نفاق کیا ہے، آپ نے فرمایا:۔

۱؎ مدارج السالکین جلد ۱ ص ۲۵۵ ۲؎ درمنثور تفسیر سورۂ مومنون ۳؎ ایضاً،

ان تری الجسد خاشعا والقلب — تم دیکھو کہ بدن سے تو خشوع کا اظہار

لیس بخاشع [1] — ہو رہا ہو مگر قلب میں یہ خشوع نہ ہو،

حضرت ابو درداءؓ سے بھی اسی قسم کی ایک روایت ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ لوگوں سے کہا،

استعیذوا باللہ من خشوع النفاق [2] — خشوع نفاق سے اللہ کی پناہ مانگو،

خشوع کے منافی افعال | اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا تعلق خشوع کے مقام، اس کی اہمیت اور فضیلت سے تھا، آیندہ سطروں میں خشوع کے مظاہر بیان کئے جاتے ہیں اور یہ کہ کون کون سے افعال منافی خشوع ہیں، کہ ان کے کرنے سے نماز کی اس کیفیت میں فرق آتا ہے،

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے مرض الموت میں نزع سے کچھ دیر پہلے لوگوں سے کہا کہ مجھے بٹھاؤ، میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک امانت رکھ گئے تھے، اسے میں تم لوگوں تک پہنچا دینا چاہتا ہوں، پھر آپ نے یہ الفاظ فرمائے،

لا یلتفت احدکم فی صلاتہ — نمازی کو چاہئے کہ نماز میں ادھر ادھر متوجہ

فان کان لابد بہ فاعلا ففی — نہ ہو، اگر اسے مجبوراً ایسا کرنا پڑے تو پھر

غیر ما افترض اللہ تعالیٰ علیہ — غیر فرض نماز میں کر سکتا ہے، اور کپڑے یا

وترک العبث شیئاً او شئ من — بدن سے نہ کھیلے، اور اس کے علاوہ جتنی

جسدہ لا والکادمنا فانہ للخشوع — چیزیں خشوع کے منافی ہیں ان سے گریز کرو،

مستدرک حاکم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ابتداءً نماز میں آسمان کی طرف نظر اٹھایا کرتے تھے، اس پر آیت نازل ہوئی۔

اَلَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِہِمْ خَاشِعُوْنَ، — جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں،

---

[1] درمنثور تفسیر سورۂ مومنون [2] مدارج السالکین [3] روح المعانی درمنثور

اس کے بعد سے آپ اور صحابۂ کرام نظریں سجدہ گاہ کی طرف رکھنے لگے، اور سر کا اٹھانا کمر پر ہاتھ رکھنا وغیرہ بھی چھوڑ دیا،

مستدرک حاکم اور بیہقی میں ایک دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی آیت خشوع کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا

الخشوع فی القلب وان تلین	خشوع کا مقام قلب ہے اور خشوع کا
کنفک للمرء المسلم ولا تلتفت	مظہر یہ بھی ہے کہ تمھارے ہاتھ سے کسی مسلمان
فی صلاتک،	کو تکلیف نہ پہونچے، اور نماز میں ادھر ادھر

اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں ادھر ادھر دیکھنا کسی چیز سے شغل کرنا، اور اپنی توجہ کو دوسری طرف منعطف کرنا، یہ سب خشوع کے منافی افعال ہیں، اور اسی کے برعکس نگاہ نیچی رکھنا اپنی توجہ اللہ کی جانب رکھنا، اعضاء پر سکون کی کیفیت طاری کرنا، یہ سب اس کے مظاہر ہیں،

ام رومان فرماتی ہیں، کہ حضرت ابوبکرؓ نے ایک روز مجھے نماز میں ادھر ادھر مائل ہوتے دیکھا تو اتنے زور سے ایک کونچا دیا اور ڈانٹا کہ قریب تھا کہ میں اپنی نماز توڑ دیتی، پھر انھوں نے کہا،

سمعت رسول اللہ صلی اللہ	میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ کہ
علیہ وسلم اذا قام احدکم	آپ نے فرمایا کہ جب تم سے کوئی نماز کے لئے
فی الصلاۃ فلیسکن اطرافہ لا یتمیل	کھڑا ہو تو چاہئے کہ اپنے اعضاء کو پرسکون
تمیل الیہود فان سکون الاطراف	رکھے، یہود کی طرح نماز میں ادھر ادھر
فی الصلاۃ من تمام الصلاۃ،	مائل نہ ہو اس لئے کہ سکون اعضاء تکملۂ

نماز میں سے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے ایک روز فرمایا،

انی احب لك ما احب لنفسی — یعنی جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں، وہ
لا تفرقع اصابعك وانت — تمھارے لئے بھی پسند کرتا ہوں، نماز
تصلی۔ — یعنی اپنی انگلیاں نہ چٹخایا کرو،

صاحب البدائع والصنائع اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں :-

لان فیه ترك الخشوع، — اس لئے کہ یہ فعل خشوع کے منافی ہے،

اس سے پہلے کہا جا چکا ہے کہ خشوع کا تعلق تو قلب سے ہے، مگر چونکہ اعضاء وجوارح سے اس قلبی کیفیت کا اظہار ہوتا ہے، اس لئے اعضاء وجوارح سے بھی کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہونا چاہئے جو اس قلبی کیفیت کے خلاف ہو، بلکہ نماز میں سارے اعضاء پر وہی کیفیت طاری ہونی چاہئے، جو ایک غلام پر اپنے آقا کے حضور میں عرض حاجت کے وقت ہوتی ہے، ذہن حاضر، نظر نیچی، اعضاء پر سکون وسکوت، غرضیکہ سارے بدن سے ذلت ومسکنت، عاجزی وخاکساری کے آثار نمایاں ہونے چاہئیں عرض حاجت کے وقت تضرع وزاری اور التجا کا پیکر بن جاؤ، روئے گڑگڑائے، اگر کسی شخص پر یہ کیفیت نہ بھی طاری ہو، تو وہ بتکلف اس کے پیدا کرنے کی کوشش کرے،

علماء وصوفیہ کے نزدیک خشوع کی تعبیر | اوپر قرآن وحدیث اور آثار صحابہ سے خشوع کے مفہوم کو واضح کیا گیا ہے، آیندہ یہ دیکھنا ہے کہ علماء وصوفیہ کے نزدیک خشوع کا مفہوم کیا ہے

خشوع کا تعلق پوری زندگی سے | صوفیہ کے نزدیک خشوع کا تعلق صرف نماز ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق زندگی کے ہر شعبہ، اور ہر لمحۂ حیات سے ہے، تسلیم ورضا، انابت وخشیت، عاجزی وانکساری تواضع وتذلل کی جو کیفیت نماز کے وقت ہوتی ہے، وہی اٹھتے بیٹھتے، چلتے، پھرتے، کھاتے پیتے ہونی چاہئے اور اس کا ثبوت، اسوۂ نبوی اور آثار صحابہ سے بھی مل سکتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک صحابیہ بیان فرماتی ہیں،

رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متخشعًا ... میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عاجزی

فی الجلسة ارعدت من الفرق (شمائل ترمذی) گوٹ مارے بیٹھے دیکھا تو رعب سے کانپ اٹھی

اس سے معلوم ہوا کہ خشوع صرف نماز ہی میں نہیں ہوتا، بلکہ اس کا تعلق زندگی کے ہر ہر لمحہ سے ہے؛ صحابہ کرام کے متعلق بھی احادیث و آثار میں کان خاشعًا علیہم اثر الخشوع وغیرہ کا جو لفظ آتا ہے اس سے بھی خشوع کا یہی عام مفہوم مراد ہوتا ہے، حضرت عبد اللہ بن سلام کے متعلق حضرت ابوہریرہؓ صحابی بیان فرماتے ہیں، کہ میں مدینہ آیا، تو عبد اللہ بن سلامؓ کو دیکھا کہ وہ مجلس میں بہت ہی تواضع و انکسار کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، ابوہریرہ کے اصل الفاظ یہ ہیں، جالسًا فی حلقة متخشعًا علیہ سیما الخیر[1]

حضرت علیؓ ھم فی صلاتھم خاشعون[2] کی تفسیر میں فرماتے ہیں،

هو الخشوع فی القلب وان تلین	خشوع یہ ہے کہ قلب میں خوف و خشیت،
کنفک للمرء المسلم وان لا	اور مسلمانوں سے نرم خوئی رکھو (اور اس کا
تلتفت فی الصلاۃ.	ایک گوشہ یہ ہو کہ) نماز میں ادھر ادھر نہ دیکھو

صوفیۂ کرام نے جو اس صفت کے عملی نمونہ ہیں، خشوع کی اسی روح کو سمجھ کر اس کی ایسی تعبیر کی ہے کہ اس کے اندر زندگی کا ہر کام حقوق اللہ سے متعلق ہو خواہ حقوق العباد سے آجاتا ہے لیکن چونکہ اس کا اصلی محور نماز ہی ہے، اور اس کی پوری مشق دربار الٰہی کی حاضری کے بعد ہی ہوتی ہے، اس لئے اس کی تشریح بھی اسی کے ضمن میں ہوتی ہے؛

اس لئے یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اگر کوئی شخص خشوع کی اس عام تشریح سے دھوکا کھا کر بغیر نماز ادا کئے ہوئے اس کو پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگے تو وہ اس صفت سے متصف نہیں ہو سکتا، اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے نمازوں میں یہ کیفیت پیدا کی جائے اس کے بعد آگے قدم بڑھایا جائے

---

[1] اصابہ ذکر عبد اللہ بن سلام [2] وہ اپنی نمازوں میں خشوع رکھتے ہیں۔

ورنہ اس کی مثال اس شخص کی ہو گی، جو بغیر کسی زینے اور سہارے کے مکان کی اوپری منزل جانے کی کوشش کرتا ہے،

اب علماء، صوفیہ اور ائمہ کے اقوال اور ان کی عملی زندگی سے اس کی تشریح کی جاتی ہے،

امام احمد بن حنبل اپنے رسالہ الصلوٰۃ وما یلزم فیہا میں تحریر فرماتے ہیں :۔

ویستحب للرجل اذا اقبل الی المسجد	جب کوئی شخص مسجد میں آنے کا ارادہ کرے
ان یقبل بخوف ووجل وخشوع	تو اُسے چاہئے کہ خوف وخشیت، تواضع
وخضوع،	وانکسار کے ساتھ آئے،

پھر اسی رسالہ میں دوسری جگہ اس کی اور تصریح فرماتے ہیں،

ان العبد اذا خرج من منزلہ	جب کوئی بندہ اپنے گھر سے مسجد آنے لگے تو
یرید المسجد انما یاتی الجبار	اُسے سمجھنا چاہئے کہ وہ خدائے وحدہٗ لاشریک کے
الواحد القہار العزیز وان کان	سامنے آرہا ہے، اور یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ وہ
لا یغیب عن اللہ حیث کان	جہاں بھی ہوگا، خدا سے پوشیدہ نہیں ہو سکتا،
ولا یعزب عنہ تبارک وتعالیٰ	اور نہ آسمان وزمین کا کوئی ذرہ یا اس سے بڑی
مثقال حبۃ من خردل ولا اصغر	یا چھوٹی چیز اس کی قدرت وعلم سے باہر ہو سکی
من ذالک ولا اکبر فی الارضین	ہے....... (اور اسے یہ بھی غور کرنا چاہئے
السبع ولا فی السموات السبع،...	کہ) وہ اللہ کے گھروں میں سے ایک گھر میں
.... وانما یاتی بیتاً من بیوت اللہ	آرہا ہے جس میں ضروری ہے کہ اسی کا ذکر
یجب ان ترفع ویذکر فیہا اسمہ	اور اسی کا چرچا کیا جائے،
...... فاذا خرج من منزلہ فلیحدث	(جب وہ ایسے عظمت مقام پر جارہا ہے تو اسے

نفسہ تفکراو اذنا بغیر ما کان فیہ قبل ذلک ..... ولیخرج بوقار فان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر بذلک .... فانہ کل من تواضع للہ عز وجل وخشع وخضع وذل للہ عز وجل کان ازکی لصلاتہ واحری لقبولہا،

اپنے مکان سے نکلتے ہی اپنے دل ودماغ کو دنیا کی تفکرات سے جس میں وہ اس سے پہلے پڑا تھا ہٹا لینا چاہئے (اور اپنے تمام ارادوں اور اپنی توجہات کو اس ذات قدوسی کے مقامِ کمال میں لگا دینا چاہئے) اور ارشاد نبوی کے مطابق پورے وقار اور سنجیدگی کے ساتھ وہاں پہنچنا چاہئے، اس لئے کہ جو جتنا ہی خشوع وخضوع کے ساتھ اس دربار میں حاضری دے گا، اتنی ہی اس کی نماز بہتر اور قبولیت سے قریب ہوگی.

.... فاذا قام احدکم فی صلاتہ فلیعرف اللہ عز وجل فی قلبہ بکثرۃ نعمہ علیہ واحسانہ الیہ وان اللہ عز وجل قد وقرہ نعما وانہ اوقر نفسہ ذنوبا طلبا بالغ فی الخشوع والخضوع للہ عز وجل

اور جب وہ نماز کے لئے کھڑا ہو تو اسے سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالی نے اپنے احسان واکرام سے اُس کو سرتاپا ڈھانک لیا ہے، اور اس نے ہر نعمت سے اس کو نوازا ہے مگر اس نے گناہوں سے اپنے نفس کو نہایت کثیف اور بوجھل کر دیا ہے، پس ان دونوں پہلوؤں پر نظر ڈالتے ہی اُسے خشوع وخضوع، تواضع وانکسار کا پیکر بن کر اس سے مغفرت طلب کرنا چاہئے،

وقد جاء الحديث ان الله اوحى	حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام
الى عيسى بن مريم اذا قمت بين	سے یہ فرمایا کہ جب تم میرے سامنے عبادت
يدى فقم مقام الحقير الذليل	کے لئے کھڑے ہو تو اپنے نفس کو پورے
الذام لنفسه فانها اولى بالذم	طور پر حقیر و ذلیل سمجھو، اور جب مجھ سے دعا
فاذا دعوتنى فادعنى واعضاؤك	کے لئے ہاتھ اٹھاؤ تو اس وقت سارے
تنتقض وقد جاء الحديث ان	اعضاء تواضع کی وجہ سے گویا بے حس و حرکت
الله اوحى الى موسى نحو	ہو جائیں، اسی طرح موسیٰ علیہ السلام
ذالك،	کے متعلق بھی ایک حدیث میں آیا ہے۔

(باقی)

---

[1] ص ۱۴ و ص ۱۵،

ہندوستان میں علم حدیث

از

مولوی ابویحییٰ امام خان صاحب نوشہروی

(۳)

اب تک صرف تشبیب تھی، ہندوستان میں علم حدیث بسلسلۂ امام شوکانی کے اس عنوان پر جس کی تجدید عزیز فاضل مولوی عطاء اللہ صاحب حنیف فیروز پوری نے (اہل حدیث امرتسر، ۲۹ر مارچ سنہ ۱۹۴۶ء ص ۵) فرمائی، مفاد یہ ہے کہ ہندوستان میں امام شوکانی کے تلامذہ بلا فصل میں مولینا منصور الرحمٰن صاحب دہلوی کا نام ہے، یہ مولوی عبد الوہاب دہلوی (م سنہ ۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۲ء) کے اجازہ حدیث میں آتا ہے، اس کی تحقیق مقصود ہے،

مولانا عبد الجلیل صاحب سامرودی (گجراتی) نے اپنے والد مولانا محمد ہاشم (م سنہ ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء) کا اجازہ مولانا منصور الرحمان بن شیخ عبد اللہ بن الشیخ نواب جمال الدین انصاری دہلوی (متوطن ڈھاکہ) سے ثبت فرمایا ہے، (اہل حدیث ۱۲ر اپریل سنہ ۱۹۴۶ء ص ۷) متضمن بہ تذکرہ تلمذ شاہ عبد الحیٔ بڈھانوی م سنہ ۱۲۴۳ھ / ۱۸۲۷ء[1] امام شوکانی کے ہندوستان میں بلا واسطہ شاگرد یہ اصحاب ثلاثہ ہوئے، یعنی شیخ عبد الحق بنارسی مولانا منصور الرحمان

---

[1] اس کی توثیق نواب والاجاہ یوں فرماتے ہیں "..... والفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ داین کتاب در ہند بتقالب طبع رسیدہ اول کسے کہ آنرا در ہند آورد و مولوی عبد الحی مرحوم اند وایشان در سفر حج از وے سند فن حدیث ہم بطریق اجازہ وبالکتابۃ حاصل نمودہ بودند" (اتحاف النبلاء ص ۲۰۹)

دہلوی، شاہ عبدالحی بڈھانوی، مگر ہنوز،

ہر کس نگہے دارد ہر کس سخنے دارد

در بزم تو می خیزد افسانہ ز افسانہ

اب امام کے چوتھے شاگرد کا ذکر جناب عبدالرحمن صاحب، (بی اے) نے کیا ہے، کہ شہید راہ خدا مولانا ولایت علی صادق پوری (اولٰئک الذین صدقوا و اولٰئک ھم المتقون) (م ۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۲ء) امام شوکانی سے انتساب فی السند رکھتے تھے، اس کا تذکرہ مولانا عبیداللہ صاحب مرحوم نے اپنی کتاب "شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک" میں کیا ہے، لیکن موصوف نے کسی ماخذ کا حوالہ نہیں دیا ہے، اس لئے یہ محتاج توثیق رہ گیا ہے[1]، لیکن یہ صحیح نہیں، اس اجازہ کا پورا ذکر الدر المنثور فی تراجم اہل صادق پور میں آیا ہے، چنانچہ مولینا ولایت علی صاحب کے تذکرہ کے ضمن میں مذکور ہے :-

"کہ معظمہ میں پہنچ کر آپ نے عبداللہ سراج محدث سے سند حدیث حاصل کی، عبداللہ سراج فرماتے تھے، کہ مولانا نے حدیث کے لفظوں کی سند مجھ سے لی، اور معانی کی سند میں نے مولانا سے حاصل کی"،

بعد از حج آپ ملک یمن، نجد، عسیر، مسقط، حضرموت، مخا، حدیدہ میں دورہ و سیر کرتے رہے، اور قاضی علی شوکانی سے بھی جن کی ولادت ۱۲۰۷ھ / ۱۷۹۲ء اور وفات ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء میں واقع ہے، سند حدیث حاصل کی، اور ان کی چند تصنیفات درۃ البہیہ وغیرہ اُن سے لیں، اور ملک عرب سے بسواری جہاز مراجعت کرکے کلکتہ پہنچے"[2]

ہندوستان میں امام شوکانی کے پانچویں شاگرد بلا واسطہ جن کا نشان منزل امیر الملک بھوپال کے صدقہ ملا، وہ شیخ محمد عابد سندی (م ۱۲۵۷ھ / ۱۸۴۱ء) ہیں، اور ان کا ذکر ساداتِ اخیار قریہ جو میں کیا ہے، چنانچہ

---

[1] اخبار اہل حدیث امرتسر بابت ۲۷ راپریل ۲۶ء [2] الدر المنثور فی تراجم اہل صادق پور، ص ۱۲۲

تقصار جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار میں بسلسلہ تذکرہ سید شاہ حسین علی، سید احمد سعید کالپوی کے متعلق مذکور ہے:-

"میر سید احمد بن میر سید محمد کالپوی، وارث ولایت محمدیہ و حامل رایت احمدیہ است از عنفوان نشو و نما فروغ رشد و نور ولایت از جبین ہمایون می تافت....."[1]

سید حسین شاہ اسی صلب سعید سے ہیں، اور شیخ سندی کے اجازہ عن الشوکانی کے لئے اسی خاندان کے ایک خیر الاخلاف بزرگ ہیں مختصر سا شجرہ سبب وضاحت ہوگا، یعنی

۱- میر سید محمد ترمذی کالپوی — م ۱۰۷۱ھ / ۱۶۶۰ء

۲- میر سید احمد — م ۱۰۸۴ھ / ۱۶۷۳ء

۳- شاہ فضل اللہ — م ؟ ھ

۴- سید سلطان ابو سعید — م ۱۱۴۷ھ / ۱۷۳۴ء

۵- سید احمد سعید — م ۱۱۷۷ھ / ۱۷۶۳ء

۶- سید شاہ حسین علی — م ۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۴ء

۷- سید شاہ ابو سعید خیرات علی — م ۱۲۴۷ھ / ۱۸۳۱ء

۸- سید شاہ ظہور محمد — م ۱۲۸۸ھ / ۱۸۷۱ء

حضرات چوره کا مختصر تذکره | میر سید محمد ترمذی کالپوی کے متعلق مذکور ہے:-

"اصل ایشان از سادات ترمذ ست آباء کرام او در جالندر از توابع لاہور سکونت داشتند پدرش میر ابو سعید در کالپی طرح اقامت ریخت اوے در عنفوان تحصیل بخدمت شیخ یونس کہ عالم عامل و محدث کامل بود تلمذ کرد، و تا مطول تفتازانی گذرانید، و اجازت حدیث فرا گرفت......" و تتمہ کتب تحصیل

[1] تقصار جیود الاحرار ۲۰۵-۲۰۶

قدرے پیش مولانا عمر جاجموی واکثرے درحلقہ درس شیخ جمال اولیاء کوڑوی گذرانید ...."

نیز از او گفتہ کہ وے درآخر عمر عیسوی المشہد بود و در مقام قطبیت کبری متمکن گردید و یعنی چنانچہ احیاء اموات از عیسیٰ علیہ السلام واقع میشد احیاء قلوب از ایشان واقع شد"

"از مصنفات شریفہ تفسیر سورہ فاتحہ در دواخ بعبارت عربی، ورسالہ تحقیق روح واسرار الحق دارش والسالکین ورسالہ نی و رسالہ عقائد صوفیہ ورسالہ عل وعمول ورسالہ واردات است ودر سنہ ۱۰۰۶ھ وفات شد رحمہ اللہ تعالیٰ"[1]

میر سید احمد بن میر سید محمد کالپوی کے متعلق ہے :-

"وارث ولایت محمدیہ و حامل رایت احمدیہ ست از عنفوان نشو و نما فروغ رشد و نور ولایت از جبین ہمایون می تافت .... ابتدار حال دامن بی باکستاب دانش صوری بزدند واز حسائی تا بعضا وی نزد شیخ محمد افضل الہ آبادی گذرانیدند"[2]

۳- شاہ فضل اللہ بن میر سید احمد کا حال یوں مذکور ہے :-

"فرزند ایشان شاہ فضل اللہ جمع دانش صورت و معنی بودند وبر روش پدر و جد بزرگوار قدمے راسخ داشتند"[3]

۴- سید سلطان ابو سعید پسر شاہ فضل اللہ کے متعلق فرماتے ہیں :-

"بعد ایشان سلطان ابو سعید فرزند ایشان جانشین پدر شدند، صاحب دوام حضور وذوق سرور بودند و عرفان تخلص می کردند از نتائج طبع والا است"

دیروز کہ دل رفت ز کاشانہ ما لیلیٰ گویا برون شد از خانۂ ما

امروز شنیدم انا لیلیٰ می گفت کلبانگ دگر شنو ز دیوانۂ ما

---

[1] نفحات حیوۃ الاحرار ..... ص ۲۰۵ و ۲۰۶، [2] ایضاً ص ۲۰۷، [3] ایضاً ص ۲۰۸

وفات ایشان در ۱۱۴۴ھ/۱۷۳۱ء بوده ، «یدرفن الفردوس» تاریخ وفات است[1]"

۵ - سید احمد سعید بن سید سلطان ابو سعید :-

"بعده سید احمد سعید فرزند ایشان زیب افزاے سجادۂ آباے کرام و خضر راه سرگشتگان بادیه غرام آمد میر آزاد می نویسند که چون فقیر بار اول حجاز قیض طراز زنگام بر آمد در موضع چوره این طرف دریاے جمن عبور افتاد صحبت بابرکت ایشان را دریافت[2]"

"میر آزاد بلگرامی در علی پور چوره او را دیده بود که متقدم سال وفات ۱۱۴۴ھ/۱۷۳۱ء بجرویت ماده تاریخ وفات این مصرع باشد:

آوازشد زغیب که فی جنتی دخل[3]"

۶ - سید شاہ حسین علی بن سید احمد سعید کالپوی ، (جنھوں نے کالپی سے چورہ میں طرح اقامت ڈالی) کے متعلق ہے ،

"سید حسین علی بیعت بر دست والد خود کرده در حل اقامت مع الاستقامت در قریۂ چوره انداخت ، انتقال وے در ۱۱۹۹ھ/۱۷۸۴ء بوده در مدرسه دفن شد «محقق سالک» ماده تاریخ وفات است[4]"

(۷) سید شاہ ابو سعید معروف بہ سید شاہ خیرات علی فرزند شاہ حسین علی کا ذکر یوں آیا ہے :-

"در ۱۱۶۳ھ/۱۷۵۰ء از عدم بعرصه گاه وجود قدم نهاد «آفتاب سیادت اکبر» ماده تاریخ ولادت شریف است . . . . . .

"اکابر مارہره از مریدان او ، مثل حافظ علی رضا بن شاه بوندی بن شاه برکات و سید سلطان العالم و سید صاحب عالم هم ایشان با وے بیعت کردند و هم از پیش وے مجاز گردیدند"

۱؎ تقصار جیود الاحرار ...... ص ۲۰۹ ۲؎ ایضاً ... ص ۲۰۷ ، ۳؎ ایضاً ص ۲۱۱ ۴؎ ایضاً ، ص ۲۱۰ .

"میرزا حسن علی محدث لکھنوی نیز در طریقۂ علیہ نقشبندیہ ابو العلائیہ مرید جناب ایشان گردید، وہم جناب ایشان از میرزا صاحب سند و اجازت کتب مرویۂ علم حدیث ستاندند"

ع ما ہم غنیمتیم شما ہم غنیمت اید،

انتقال برکت اشتمال سید خیرات علی در ۱۲۴۲ھ اتفاق افتاد"

پھر سید شاہ خیرات علی اور نواب والا جاہ کے والد (رحمہم اللہ تعالیٰ) کی ملاقات اور چونکہ قرابت داری کے متعلق مذکور ہے :-

"والد مرحوم محرر سطور را با ایشان ملاقات و محبت بود، از ایشان پنج فرزند ماندند یکے سید نور محمد کہ بعد از پدر عالی قدر سجادہ آبار کرام را زیب و زینت بخشیدند، در حسن خلق و تواضع و مہمان نوازی با خلق و خشوع و خضوع یافاق آیتی بود وفات ایشان در ۱۲۶۴ھ رو داد

"کلا ان کتاب الابرار لفی علیین" مادہ این وصال ست"

"فرزند بزرگ ایشان سید شاہ کاظم علی موصوف بودند بصفات حسنہ از خلق حسن و اشتغال بذکر و فکر، والد مرحوم دختر خواہر خود را درحبالۂ نکاح ایشان داد، محرر سطور بارہا با ایشان در وطن و در کدورہ و در بھوپال برخورد، پیر نورانی بودند در زندگی در ۱۲۹۵ھ بجوار رحمت حق آسودند با لجملہ خالی از کیفیت سلوک نبودند و در عسر و یسر بخندہ پیشانی و لطافت و ظرافت طبع میگذرانیدند [1]"

۸۔ حضرت سید شاہ ظہور محمد (م ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء: تقصار ...... ص ۲۱۲ سطر ۲) کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:

"......... فرزند دوم سید شاہ خیرات علی قدس سرہ حضرت شاہ ظہور محمد رحمہ اللہ تعالیٰ بودند"

---

[1] تقصار جیود الاحرار، ص ۲۱۰

"ولادت ایشان بسنہ ۱۲۱۳ھ / ۱۷۹۸ء صورت بست لفظ ظہور مہدی مادہ تاریخ سال مذکور است باتفاقاً این تاریخ ہمت ایشان در تقوی و زہد و معرفت و عبادت بسیار بلند افتادہ بود، علوم رسمیہ و فنون عرفیہ را در وطن و لکھنو بحلقۂ درس مولوی ولی اللہ و مولوی حیدر لکھنوی از فضلاے فرنگی محل اکتساب فرمودند، و طریقۂ بیعت بخدمت پدر بزرگوار خویش بجا آوردہ، اجازت یاب گردیدند"

"در سفر دہلی کتب علوم دینیہ را از فقہ و حدیث وجز آن از خدمت شہرۂ آفاق مولوی محمد اسحاق مہاجر مکیؒ تحصیل نمودند، و سالیکہ شاہ عبدالعزیز دہلوی و شاہ غلام علی مجددیؒ بجوار رحمت الٰہی انتقال کردند، جناب ایشان رونق بخش دار العلم دہلی بودند، و در نماز جنازۂ این بزرگواران شریک ماندند"

و نیز کتب سنت مطہرہ را مثل صحیحین و موطا مالک و بلوغ المرام نحو آن از میرزا حسن علی محدث لکھنوی شاگرد شاہ عبدالعزیز دہلوی سند کردند و اجازت سلسلہ حدیث بدست آوردند "میل خاطر ایشان بسوے عمل بالحدیث بیشتر بود، در سنہ ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۵ء محمل سفر حجاز بعزیمت بر بستند، و با برادر خرد خود حافظ سید سلطان احمد خویش میر سید علی قنوجی مراحل مسافرت پیمودند و بعد از ادائے فریضۂ حج زیارت مسجد نبوی و مرقد مطہر مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم چہار دہ ماہ در جوار حرمین شریفین بسر آوردند و اکتساب انواع فیوض و برکات از علماء و مشائخ آنجا پرداختند، از ان جملہ قرأت صحیحین ست کہ این ہر دو اصل اصیل دین مبین را بر شیخ علامہ محمد عابد سندی مدنی، شاگرد قاضی القضاۃ اسمٰعیل قطر ساتی امام الائمہ محمد بن علی شوکانی رحمہما اللہ تعالٰی گذرانیدند، و سند سلسلہ علیہ سنت مطہرہ بہم رسانیدند"[1]

---

[1] تقصار جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار ص ۲۱۱

الغرض شیخ محمد عابد سندی مدنی ہندوستان میں امام شوکانی کے پانچویں شاگرد و بلا واسطہ ہیں،

نکتہ اوج تام پر ماہ تمام آگیا یعنی وہ چاند حسن کا برسر بام آگیا

شیخ عابد سندی کے متعلق ارشاد ہے،

"وَھٰذا الشیخ محمد عابد کانَ	شیخ محمد عابد علامہ فقیہ و محدث تھے،
شیخاً علامۃ فقیھا محدثاً سکن	مدینہ میں سکونت اختیار فرمائی اُ"
المدینۃ وولی ریاسۃ علمائھا	یہان کے علمار کے سرخیل سمجھے گئے،
...وتوفی الشیخ محمد عابد یوم	انھون نے یوم دوشنبہ ماہ ربیع الاول
الاثنین من شھر ربیع الاول	۱۲۵۷ھ میں وفات پائی اور بقیع مین
۱۲۵۷ھ ودفن بالبقیع کذا ذکرہ	دفن کئے گئے،

(ابجد العلوم ص [illegible])

یون تو امیر الملک نواب سید صدیق حسن خان کے سراپاے صدق وحسنہ کے لئے ابھی ایک دفتر درکار ہے، تاکہ

تم کو بھی ہم بتائین کہ مجنون نے کیا کیا فرصت کشاکش غم ہجران سے گر ملے

مگر اب اس داستان کو ہم یہین ختم کرتے ہین، "وآخر دعوانا الحمد للہ رب العالمین"

اعلان

یکم جنوری ۱۹۴۲ء سے مستقل تاجرون کے لئے کمیشن بجائے ۱۵ فیصدی اور دوسری مطبوعات پر ۲۰ فیصدی کر دیا گیا ہے، اب اس کے متعلق خط وکتابت بے سود ہوگی،

"منیجر"

لفظ فتنہ اور قرآن مجید

از

مولوی داؤد اکبر صاحب اصلاحی استاذ مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور

قرآن پاک مین یہ لفظ بشکل فعل اور بصورت اسم متعدد جگہ آیا ہے۔ اور بہت سی چیزون کو مختلف جہات سے فتنہ کہا گیا ہے، چونکہ یہ لفظ باعتبار معنی بہت سے پہلوؤن کا حامل ہے، اس لئے ہم اس کی تحقیق کرنی چاہتے ہین، اور تعیین کے ساتھ بتانا چاہتے ہین، کہ فلان فلان مقام مین اس کے یہ معنی ہین، اور اس مین یہ پہلو ہے تاکہ قرآن مجید کے طلبہ کو مطالعۂ قرآن کے وقت اس کے مفہوم کی تعیین مین سہولت ہو،

عربی زبان مین لفظ فتنہ کے اصلی معنی آزمانے اور پرکھنے کے ہین چنانچہ لسان العرب مین جو لغت کی اہم کتاب ہے، ازہری اور صحاح جوہری کے حوالے سے اس کی حسب ذیل تشریح درج ہے :-

الازهری وغیره جماع معنی الفتنة الابتلاء والامتحان والاختبار واصلها ماخوذ من قولك فتنت الذهب والفضة اذا اذبتهما بالنار لتميز الردی من الجيد وفی الصحاح اذا ادخلته النار لتنظر ما جودته ودينار مفتون: (لسان العرب جلد ۱۷ ص ۱۹۳)	ازہری وغیرہ کہتے ہین کہ فتنہ کے اصلی معنی آزمانے اور پرکھنے کے ہین، اور دراصل یہ لفظ فتنت الذہب الفضۃ" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی یہ ہین کہ چاندی سونے کو آگ پر اس لئے تپایا جائے کہ کھوٹا کھرا الگ الگ ہوجائے، اور صحاح جوہری مین بھی اس لفظ کی اصل یہی قرار دی گئی ہے، اور دینار کی صفت مفتون اسی

مذکورۂ بالا تشریح سے معلوم ہوا کہ ائمۂ اہلِ لغت کا اس پر اتفاق ہے کہ فتنہ کے اصل معنی کسی دھات کا آگ مین تپا کر اس کا کھرا کھوٹا الگ کرنا ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن نے اسے کن کن معانی مین استعمال کیا ہے، اور ان معانی کا اصل اشتقاقی معنی سے کیا تعلق ہے؟ اس کے لئے ضرورت ہے کہ اولاً ان معانی کا احاطہ کیا جائے جن مین یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے، پھر اس اصل معنی سے مناسبت معلوم کیجائے۔

لفظ فتنہ کے معانی قرآن پاک مین

قرآن پاک کے استقصا سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر وہ چیز جو انسان کی عقل اور اس کے عزم کے لئے وجہ امتحان اور آزمائش ہو، فتنہ ہے، دوسرے لفظون مین یون سمجھئے کہ وہ تمام چیزین جو انسان کی عقل و ضمیر اور اس کے عزم و استقامت مین ضعف کا باعث ہون اور جن کی بنا پر حق و صداقت کی راہ پر قائم رہنا دشوار ہوجائے، فتنہ ہین، اس معنی کے اعتبار سے مال و دولت بھی فتنہ ہے کیونکہ اس کی فراوانی مین کم لوگ ایسے ہوتے ہین جن کا عقلی توازن ٹھیک رہتا ہے، فقر و فاقہ بھی فتنہ ہے اس لئے کہ اس سے دوچار ہونے کی صورت مین بھی بہت کم ایسے نکلتے ہین کہ راہِ حق پر جن کا قدم استوار رہتا ہو، اور خدا کی مرضی پر صابر و شاکر رہتے ہون، اور جائز و ناجائز کی تمیز ترک نہ کر دیتے ہون، عہدہ و منصب بھی فتنہ ہے کہ اس سے عموماً غرور پیدا ہوجاتا ہے، عہدہ دار اپنے کو خادم کے بجائے مخدوم سمجھتا ہے، اولاد بھی فتنہ ہے کیونکہ اس کے آرام و راحت کے لئے انسان جائز و ناجائز کے حدود توڑ دیتا ہے، بیوی بھی فتنہ ہے اس کی محبت بسا اوقات صحیح مذہب و یقین سے انحراف کا باعث ہوتی ہے، کسی صحیح مسلک اور عقیدہ سے پھیرنے کے لئے جبر و تشدد کرنا بھی فتنہ ہے، کہ اس مین اہلِ حق کی حق پرستی اور عزیمت کا کھلا ہوا امتحان ہے، کافر کی خوشحالی بھی فتنہ ہے کہ یہ صورت حال مومن کے لئے بڑی وجہ ابتلا ہے، منافق کی وہ تدبیر اور روش بھی فتنہ ہے جو اہلِ حق کے خلاف وہ عمل مین لاتے ہین، کہ اس سے حق پرستون کی آزمائش شدید سے شدید تر ہوجاتی ہے، ذیل مین ہم ان آیتون کو جن مین لفظ فتنہ آیا ہے، الگ الگ سرخیون کے تحت لکھتے ہین جس سے لفظ کے معنی اور پہلو دونون متعین ہو رہین گے، مثلاً

۱- راہ حق سے پھرنے کے لئے جبر و تشدد برتنے کو فتنہ سے تعبیر کیا گیا،

۱- وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ
وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ
وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ
عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ
فِيهِ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ كَذَٰلِكَ
جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ، فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ
غَفُورٌ رَحِيمٌ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ
فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنِ انْتَهَوْا
فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ

اور انھیں جہاں پاؤ قتل کرو، اور جہاں سے
انھوں نے تمھیں نکالا ہے، تم بھی نکالو، اور
فتنہ قبیح ہونے میں قتل سے بھی بڑھ کر ہے، اور
ان سے مسجد حرام کے پاس جنگ نہ کرنا یہاں تک
کہ وہ تم سے اس میں جنگ کریں، پس اگر وہ
تم سے جنگ کریں تو تم انھیں قتل کرو،
کافروں کی یہی پاداش ہے پس اگر وہ
باز آجائیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے،
اور ان سے جنگ کرو، یہاں تک کہ فتنہ
کا قلع قمع ہو جائے، اور دین (اطاعت)
اللہ کے لئے ہو جائے پس اگر وہ باز آجائیں
تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں۔

(بقرہ - ۲۴)

۲- يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ
قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ
عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ
عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ
وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ

وہ تم سے حرمت والے مہینہ میں جنگ
کرنے کی بابت سوال کرتے ہیں کہدو اس میں
جنگ کرنا بڑا ہے، اور اللہ کی راہ سے
لوگوں کو روکنا اور خدا کا انکار اور مسجد
حرام سے روکنا اور حرم کے مستحقین کو اس سے
نکالنا خدا کے نزدیک اس سے بدتر ہے،

عن دینکم ان استطاعوا (البقرۃ - ۲۱۷)

فتنہ قتل سے بھی بڑھ کر قبیح ہے، اور وہ (کفار) برابر تم سے جنگ کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ تمھیں تمھارے دین سے پھیر دیں اگر انھیں اس پر قابو ہو جائے۔

۳ - فما آمن لموسیٰ الا ذریۃ من قومہ علیٰ خوف من فرعون و ملائھم ان یفتنھم وان فرعون لعال فی الارض وانہ لمن المسرفین وقال موسیٰ یقوم ان کنتم آمنتم باللہ فعلیہ توکلوا ان کنتم مسلمین فقالوا علی اللہ توکلنا ربنا لا تجعلنا فتنۃ للقوم الظالمین (یونس - ۸۳ - ۸۵)

ونجنا برحمتک من القوم الکافرین

پس موسیٰ کی تصدیق بجز اس کی قوم کے کچھ نوجوانوں کے اور کسی نے نہ کی، بسبب اس کے کہ انھیں فرعون اور آل فرعون سے اندیشہ تھا کہ انھیں فتنہ میں مبتلا کرے گا، اور بلاشبہہ فرعون سرزمین مصر میں اودھم مچائے ہوئے تھا اور وہ سرپھروں میں سے تھا، اور موسیٰ نے کہا اے لوگو! اگر تم خدا پر ایمان رکھتے ہو تو اس پر بھروسہ کرو اگر تمھارے اندر اسلام ہے، پس انھوں نے کہا خدا ہی پر ہمارا توکل ہے، اے پروردگار ہمیں

۴ - ربنا لا تجعلنا فتنۃ للذین کفروا، واغفر لنا ربنا انک انت العزیز الحکیم، (ممتحنہ - ۵)

اے پروردگار ہمیں کافروں کا تختہ مشق نہ بنا، اور اے پروردگار ہمیں بخش دے بیشک تو غلبہ والا حکمت والا ہے،

۵ - ثم ان ربک للذین ھاجروا

پھر بیشک تیرا پروردگار ان لوگوں کو

مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا
وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا
لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ، (نحل - ۱۱۰)

جنھوں نے مظلومیت اور فتنہ میں مبتلا کئے جانے کے بعد ہجرت کی اور جہاد کیا اور ثابت قدم رہے، بخشنے والا مہربان ہے

۶- وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ
عَلَىٰ حَرْفٍ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ
بِهِ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انْقَلَبَ
عَلَىٰ وَجْهِهِ خَسِرَ الدُّنْيَا وَ
الْآخِرَةَ ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ
الْمُبِينُ،
(حج - ۱۱)

اور لوگوں میں بعض ایسے ہیں، جو خدا کی پرستش کنارے پر ہو کر کرتے ہیں، اگر اُسے کچھ مال ہاتھ لگتا ہے، تو اس سے مطمئن ہو جاتا ہے، اور اگر کسی آزمائش سے دوچار ہو جاتا ہے، تو اپنے منہ کے بل برگشتہ ہو جاتا ہے، ایسا کرکے دنیا و آخرت دونوں میں خسران کا مستحق ٹھہرا لیتا ہے، اور یہی کھلا ہوا خسران ہے،

۷- الٓمّٓ أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا
أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ
وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ
فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا
وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ،
(۱-۳ عنکبوت)

کیا لوگ اس خیال میں ہیں کہ صرف آمنّا کہنے سے چھوڑ دیئے جائیں گے، اور اُن کی آزمائش نہ ہوگی، حال یہ ہے کہ اُن سے پہلے لوگوں کو ہم نے پرکھا، پس خدا ان لوگوں کو جو صادق ہیں، اور انھیں جن کے قول و فعل میں مطابقت نہیں ہوگی

۸- وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا
بِاللَّهِ فَإِذَا أُوذِيَ فِي اللَّهِ جَعَلَ

اور لوگوں میں بعض ایسے ہیں جو آمنّا کہتے ہیں، پس جب اللہ کی راہ میں ستائے

فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ وَ
وَلَئِنْ جَاءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُولُنَّ
اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ
بِمَا فِي صُدُورِ الْعَالَمِينَ،
(۱۰ - عنکبوت)

ایذا دی جاتی ہے، تو انسانوں کے ہاتھوں
جو ایذا اسے پہنچتی ہے اُسے عذابِ الٰہی کے
مثل ٹھہراتا ہے، اور اگر تیرے پروردگار
کی طرف سے فتح و نصرت حاصل ہوتی ہے، تو
کہتا ہے، ہم تمہارے ساتھ ہیں، کیا خدا
لوگوں کے سینوں میں جو کچھ ہے، اس

۹- اِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَ
الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ
عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ
الْحَرِيقِ، (بروج - ۱۰)

بلاشبہ جن لوگوں نے مسلمان مردوں اور
مسلمان عورتوں کو فتنہ میں مبتلا کیا، پھر
وہ اس سے باز نہ آئے، ان کے لئے جہنم کا
عذاب ہے، اور بھڑکنے والی آگ کا دکھ ہے،

۱۰- وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ
وَّيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا
فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ،
(انفال - ۳۹)

اور ان سے جنگ جاری رکھو، یہاں تک کہ
فتنہ کا قلع قمع ہو جائے، اور پورے طور
سے اطاعت خدا کے لئے ہو جائے، پس
اگر وہ باز آجائیں، اور تائب ہو جائیں تو
جو کچھ وہ کر رہے ہیں، خدا کی نگاہ میں ہے

۱۱- وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ
عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوا مِنَ
الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ
الَّذِينَ كَفَرُوا اِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا

اور جب تم سفر میں ہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں
کہ نماز میں قصر کرو، اگر تمہیں اس کا خطرہ ہو
کہ کافر تمہیں فتنہ میں مبتلا کر دیں گے
بلاشبہ کفار تمہارے کھلے ہوئے دشمن ہیں

۳- وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ (انفال)

اور کفار بعض بعض کے ولی ہین، اگر تم لوگ ایسا نہ کروگے تو زمین مین فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا،

اوپر جو آیتین درج کی گئی ہین، ان مین ہر جگہ یہ لفظ مخالفین حق کی تشدد آمیز مخالفتون اور مزاحمتون پر مشتمل ہے، بالفاظ دیگر باطل پرستون کے ہاتھون اہلِ حق پر جو نوع بہ نوع کے مظالم اختلاف عقیدہ اور اختلاف مسلک کی بناپر ڈھائے جاتے ہین تاکہ وہ اپنے عقیدہ اور مسلک سے باز آجائین اس کی تعبیر اس لفظ سے کی گئی ہے،

(باقی)

حیاتِ شبلی
حصۂ اوّل

یہ کتاب تنہا علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانحمری ہی نہین، بلکہ ان کی وفات ۱۹۱۴ء تک ایک تہائی صدی کی ہندوستان کے مسلمانون کی مذہبی سیاسی، علمی تعلیمی، ادبی اصلاحی، اور دوسری تحریکون اور سرگرمیون کی مفصل اور دلچسپ تاریخ بھی ہے، شروع مین جدید علم کلام کی نوعیت اس کی حیثیت اور اس سے متعلق علامہ شبلی مرحوم کی علمی خدمات پر تبصرہ ہے، پھر خلجی اور تغلق کے زمانہ سے کے کر انگریزی حکومت کے آغاز تک صوبۂ آگرہ و اودھ کے مسلمانون کی علمی و تعلیمی تاریخ کو بڑی تلاش و جستجو سے مرتب کیا ہے، اور اس عہد کے تمام قابل الذکر اکابر اور خود مولنا کے بعض ہم عہد و ہم عصر علما، کے حالات بھی بڑی محنت سے جمع کئے گئے ہین، ...... ضخامت مع مقدمہ اور دیباچہ وغیرہ کے ۹۰۰ صفحے بڑا کاغذ اور طباعت اعلیٰ، قیمت غیر مجلد علاوہ محصولڈاک، صرف ۱۶ر، مجلد للعہ

"منیجر"

ملا فصیح الدین پھلواروی جامع فتاوی عالمگیری

از

جناب عون احمد صاحب قادری

دسمبر اور جنوری کے معارف مین حافظ مجیب اللہ صاحب کا مضمون "فتاوی عالمگیری اور اس کے موئفین" نظر سے گذرا، جب تک یہ مضمون ختم نہ ہوا تھا خیال تھا کہ پھلواری کے وہ بزرگ جنھون نے اس کی تدوین مین شرکت کی ہے، ان کا بھی ذکر آئے گا، مگر جنوری کا پرچہ دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ صاحب مضمون کو اس کا علم نہین ہے کہ پھلواری کے کوئی فاضل بھی اس کی تالیف مین شریک رہے ہین اور اگر علم ہے تو ان کا تفصیلی حال معلوم نہین، اس لئے ذیل کی سطرین برائے اشاعت پیش ہین،

ملا فصیح الدین جعفری ملا فصیح الدین کا وطن بہار کا ایک مردم خیز قصبہ پھلواری تھا وہ اہل پھلواری کے مورث اعلیٰ حضرت امیر عطاء اللہ جعفری کے پرپوتے تھے تحصیل علم کے لئے دہلی گئے اور ملا عوض وجیہہ کے حلقۂ درس مین شامل ہوکر تکمیل کی سلطان عالمگیر اورنگ زیب کا عہد تھا، استاد دربار شاہی کے ممتاز لوگون مین تھے ملا فصیح الدین اپنے استاد کے ذریعہ عالمگیر کے دربار مین پہونچے اور اپنے تبحر علمی کی بنا پر فتاوی عالمگیری کی تدوین مین شریک کئے گئے اور سلطان اورنگ زیب عالمگیر نے ان کی علمی قابلیت اور جوہر ذاتی کی قدر کرکے مدد معاش مین ایک سوبیس ۱۲۰ بیگہہ آراضی اور ایک روپیہ یومیہ خرچ کے لئے عطا فرمایا،

جب دہلی سے اپنے وطن پھلواری واپس آئے تو اپنے آبائی مدرسہ مین درس دینا شروع کیا ان کے آبائی مدرسہ کا تذکرہ بھی اگلی کتابون مین ملتا ہے، یہ مدرسہ مسجد سنگی سے اتر جانب تھا اس مین

حضرت امیر عطاء اللہ کی اولاد سے علماء و فضلا درس دیا کرتے تھے، یہ مدرسہ ۱۲۷۲ھ تک نہایت عروج کے ساتھ آباد رہا،

ملا فصیح الدین کا حلقۂ درس بہت وسیع تھا، پھلواری کے متقدمین علماء میں ان کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جاتا ہے، ان کے تلامذہ کی تعداد کثیر تھی، ارشد تلامذہ میں موصوف کے چاروں صاحبزادے اور قاضی حیات فرید اور ملا غلام شرف الدین قابل ذکر ہیں،

بڑے لڑکے ملا صبیح الدین ان کے بعد مسند درس پر بیٹھے اور بہت سے لوگوں نے ان سے علمی فیض حاصل کیا، ان کے بعد اس مسند پر ان کے بھانجے ملا مبین جعفری بیٹھے جو بیک واسطہ استاذ الکل ملا نظام الدین فرنگی محلی کے شاگرد تھے، ملا مبین کے بعد ملا فصیح الدین کی مسند درس کچھ دنوں خالی رہی، پھر ان کے بھائی ملا معین کے پوتے مولانا حافظ عبد الغنی اس پر جلوہ افروز ہوئے اور ساٹھ برس تک اس مسند پر درس دیتے رہے،

ملا فصیح الدین نے ۱۱۱۹ھ میں وفات پائی، اور مسجد سنگی کے شرقی جانب مقبرہ میں مدفون ہوئے۔

رَحِمَہُ اللّٰہُ رَحْمَۃً وَّاسِعَۃً،

ملا فصیح الدین کے صاحبزادے ملا صبیح الدین کے نام سلطان عالمگیر کی طرف سے جو فرمان تھا اس میں اس کا تذکرہ موجود ہے، فرمان طویل ہے اس کا وہ حصہ نقل کرتا ہوں۔

"درین وقت میمنت اقتران فرمان والاشان واجب الاذعان صادر شد کہ یک روپیہ یومیہ از خزانۂ بلدۂ عظیم صوبہ بہار و یکصد و بست بیگہ زمین از پرگنہ پھلواری مضاف صوبہ بہار در مدد معاش بصلائے تدوین فتاوی بنام ملا شیخ فصیح الدین مقرر بود الحال بمتعلقان ملا مذکور متوفی بلا قید اسامی دیدہ و دانستہ حسب الضمن مقرر شد"۔

یہ فرمان ملا فصیح الدین کے انتقال کے بعد (۱۱۱۹ھ) ۱۵ رجب دوشنبہ ۱۱۲۰ھ میں تجدید کیا گیا تھا

ملا فصیح الدین کے نام جو فرمان تھا اس میں بھی ان کی شرکت کا ذکر تھا مگر وہ ضائع ہوگیا،

(۲)

از جناب مولوی سید شاہ غلام حسنین صاحب ندوی پھلواروی

حضرت ملا فصیح الدین جعفری پھلواروی کا جامعین فتاویٰ عالمگیری میں ہونا یہاں کے خاندانی روایات پر مبنی ہے اور یہ روایت تحریر میں بھی آئی تو بہت بعد میں، ان کے ہم عصروں میں سے یا ان کے متصل مولفین میں سے کسی کا نوشتہ موجود نہیں ہے، اس زمانہ کا عام مذاق یہ تھا کہ تذکروں میں بزرگوں کے محض کشف و کرامات کو منضبط کرلینا کافی سمجھتے تھے،

لیکن پھر بھی اہل علم خاندان میں جو روایت مسلسل چلی آرہی ہو وہ بالکل بے اصل اور غیر وقیع نہیں ہوسکتی، اس خاندان کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے روایت کے وزن کا اندازہ ہوسکتا ہے،

اس خاندان کے مورث خواجہ امیر عطاء اللہ عہد ہمایونی و اکبری میں یہاں آکر مقیم ہوئے، خاندانی روایت کے بموجب تو یہ وزرائے شاہی میں تھے لیکن وہاں ان کی کوئی اہم حیثیت ضرور تھی،

ابوالفضل کے اکبرنامہ میں بضمن وقائع ۹۶۱ھ خواجہ عطاء اللہ کا نام بھی ایک جگہ پر مذکور ہے، خدابخش خان صاحب مرحوم کی لائبریری میں شاہان و وزرائے مغلیہ کے ساتھ ایک مرقع امیر عطاء اللہ کا بھی البم کی شکل میں موجود ہے، شیر شاہی خاندان کی تباہی کے بعد مغل سلاطین نے رہتاس سے لے کر راج گیر تک پٹنہ کے جنوب میں بہت سے مغل، شیوخ اور راجپوت خاندان مختلف مناصب کے ساتھ آباد کر دئے تھے تاکہ پٹھانوں کو سر اٹھانے کا موقع نہ دیں، اسی زمانہ میں خواجہ عطاء اللہ بھی دہلی سے یہاں آئے یہ عبداللہ ابن جعفر طیار رضی کی اولاد سے تھے، اسی لئے یہ خاندان جعفری کہلاتا ہے، امیر عطاء اللہ نے یہاں سنگ سرخ کی ایک مسجد بنوائی جو اب تک پھلواری شریف کی جامع مسجد ہے جہاں جمعہ و اعیاد کی سب سے بڑی جماعت ابھی تک ہوتی ہے، اور خاکسار راقم الحروف کے زیر تولیت ہے، اسی مسجد میں ملا فصیح الدین

درس و افتا کا مشغلہ رکھتے تھے، اور اسی سے متصل ان کا مزار بھی ہے، چنانچہ شاہ عالم اول فرزند و جانشین عالمگیر نے از روئے فرمان مجریہ سنہ ۱۱۲۰ھ ملا فصیح الدین کے لئے وظیفہ مقرر کیا تھا جو از روئے پروانگی و مہر "اخلاص خان" ملا صاحب موصوف کے فرزندون کو ملا تھا اس کی عبارت مندرجہ ذیل ملاحظہ ہو :-

"... ملا مذکور شاگرد اخوند ملا عوض وجیہہ ... متوطن قصبہ پھلواری سرکار و صوبہ بہار فاضل و متوکل است نیم روپیہ یومیہ و بست بیگھہ[1] زمین مدد معاش از سابق دارد دیگر و دعاگوئی کند امیدوار از تفضلات" و یومیہ مسجد بآن قصبہ بنا کردۂ جد مشار الیہ مقرر است نیم روپیہ یومیہ بدستور اصل و بست بیگھہ زمین مزروع اضافہ مرحمت شد و نیم روپیہ یومیہ مسجد مذکور دیدہ و دانستہ"

اس فرمان سے ظاہر ہو گا کہ ملا فصیح الدین شہنشاہ عالمگیر کے ہم عصر تھے اور فاضل متعارف تھے نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ خاندان کئی پشت سے دربار شاہی سے متعلق تھا،

پس فتاویٰ عالمگیری کے جمع کرنے مین انھون نے بھی کچھ خدمت انجام دی ہو تو کوئی تعجب کی بات نہین ہے، بلکہ ایسا ہونا بہت ہی قرین قیاس ہے، تاریخ تو بہت سے خاندانی رواجون، روایتون اور انفرادی نوشتون، دفینون اور سفینون کو اکٹھا کر کے بنائی ہی جاتی ہے، پھر پھلواری کے ذی علم و معتمد خاندان کی روایت تاریخ کا ماخذ کیون نہین بن سکتی ہے،

---

[1] معارف "یک روپیہ و یک صد و بست بیگھہ زمین" (؟)

تلخیص و تبصرہ

"وجود باری تعالیٰ"(۱)

از

جناب خواجہ احمد فاروقی، ایم اے، لکچرار، عربک کالج، دہلی

ماریسن (A. Cressy Morrison) کی جو نیویارک کی سائنس اکاڈمی کا صدر رہ چکا ہے، تازہ تصنیف "انسان الگ کھڑا نہیں رہ سکتا" (Man Does not Stand alone) ابھی حال میں نیویارک سے شائع ہوئی ہے، اس کتاب کے مطالعہ نے میرے دل و دماغ پر عجیب و غریب اثر ڈالا، مجھے مناسب معلوم ہوا کہ اس میں وجود باری تعالیٰ پر جس انداز میں گفتگو کی گئی ہے اس کو معارف کے ناظرین تک بھی پہنچاؤں، ذیل میں اس عنوان پر اس کی تحریر کی ضروری تلخیص پیش ہے، وہ لکھتا ہے کہ

"ابھی سائنس کا آفتاب پوری طرح افق سے طلوع نہیں ہوا، لیکن جیسے جیسے اس کی روشنی بڑھتی جاتی ہے، یہ حقیقت بھی آشکارا ہو رہی ہے، کہ اس دنیا کی تخلیق ایک زیرک اور ہوشمند خالق کے ہاتھوں ہوئی ہے، ڈارون کے انتقال سے اب تک اس نوّے برس میں مہتم بالشان ایجادات و انکشافات ہوئے ہیں، لیکن وہ سب وجود باری تعالیٰ کی نفی کے بجائے اس کے اثبات کا یقین دلاتے ہیں، زندگی کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے، ان میں ایک باہمی رابطہ اور تعلق ہے، یہ تعلق محض اتفاقی نہیں ہے، بلکہ بڑی دانائی اور حکمت سے قائم کیا گیا ہے، مثلاً زمین اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ

کے حساب سے گھومتی ہے، اگر وہ صرف سو میل فی گھنٹہ کے حساب سے گردش کرتی، تو ہمارے دن اور ہماری راتیں دس گنی زیادہ بڑی ہو جاتیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ سورج کی گرمی ہماری کھیتیوں کو جلا ڈالتی اور رات کو جو کچھ پھوٹتیں پالے سے ماری جاتیں،

سورج ہماری زندگی کا سرچشمہ ہے، اس کی سطح کا ٹمپریچر ۱۲۰۰۰ ڈگری فارن ہائٹ ہے، ہماری زمین اس سے ایسے صحیح اور مناسب فاصلہ پر واقع ہوئی ہے، کہ آفتاب کی تمازت ہمیں ٹھیک مقدار میں حاصل ہوتی ہے، وہ نہ کم ہے، اور نہ زیادہ، اگر آفتاب کی شعاع افشانی میں بقدر نصف کے کمی ہو جاتی تو ہم جم کر مر جاتے، یا اگر اس کی تمازت اور ضو افگنی بقدر نصف کے زیادہ ہو جاتی، تو ہم جل کر کباب ہو جاتے،

زمین کا خم یا ڈھلان ۲۳ ڈگری کا ہے، اس سے موسمی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں، اور اگر کرۂ ارض اس طرح اوپر کو اٹھا ہوا نہ ہوتا تو سمندر کی بھاپ شمال اور جنوب کی طرف جاتی، اور ہزاروں لاکھوں برف کی چٹانیں قائم ہو جاتیں، اسی طرح اگر چاند موجودہ فاصلہ کے بجائے ۵۰ (پچاس) ہزار میل دور ہوتا، تو مد و جزر اتنا سخت ہوتا، کہ دن میں دو دفعہ سارے براعظم پانی میں ڈوب جایا کرتے، اور بڑے بڑے پہاڑ صرف غلط کی طرح مٹ جاتے،

اگر زمین کا پرت (قشرارض) دس فٹ اور موٹا ہوتا، تو ہمیں آکسیجن مطلق میسر نہ آسکتی، اور یہ ظاہر ہے کہ آکسیجن کے بغیر زندگی محال ہے، اسی طرح اگر سمندر چند فٹ اور گہرا ہوتا، تو کاربن اور آکسیجن دونوں جذب ہو جاتے، اور نباتات مطلق نہ اُگ سکتی، یا اگر کرۂ ہوا کچھ زیادہ ہلکا ہوتا تو شہاب ثاقب ہر وقت زمین سے ٹکراتے رہتے، اور ہر جگہ آگ لگاتے رہتے،

یہ اور اس قسم کی بے شمار مثالیں اس صانع حقیقی کی حکمت اور دانائی کی سب سے بڑی شہادتیں ہیں، اور بتاتی ہیں کہ زندگی کا ان چیزوں سے رابطہ محض اتفاقی نہیں ہے،

زندگی کیا ہے؟ یہ راز اب تک کسی کو نہیں معلوم ہو سکا، اس کی نہ پیمایش ہو سکتی ہے، نہ اس کا

کچھ وزن ہے، لیکن اس میں قوت ضرور موجود ہے، اُگنے والا پودا پتھر کو توڑ کر نکل آتا ہے، اسی زندگی کی قوت نے پانی، خشکی اور ہوا پر قبضہ کر لیا ہے، عناصر پر اسی کی حکمرانی ہے، یہی تمام زندہ چیزوں کی صورت گری کرتی ہے، ہر پتی کو بناتی ہے، اور ہر پھول کو رنگ بخشتی ہے، وہ ہر چڑیا کو محبت کا گانا سکھاتی ہے، چھوٹے چھوٹے کیڑوں کو بھی وہ گوناگوں آوازیں عطا کرتی ہے، یہی زندگی ہے جو پھلوں اور مسالوں کو ذائقہ اور گلاب کو خوشبو دیتی ہے، وہ پانی اور کاربن کو شکر اور لکڑی میں تبدیل کر دیتی ہے، اور اس طرح آتنا آکسیجن پیدا کرتی ہے جو جانوروں کے سانس لینے کے لئے ضروری ہے،

ذرا اس پروٹو پلازم (یا مادۂ اولی) کے تقریباً نظر نہ آنے والے قطرے کو دیکھئے، جو شفاف ہے، اور جیلی کی مانند ہے، جو حرکت کر سکتا ہے، اور اپنی قوت (energy) سورج سے حاصل کرتا ہے، یہ چھوٹا سا قطرہ اپنے اندر زندگی کا جرثومہ چھپائے ہوئے ہے، اور اسے اتنی قدرت ہے، کہ وہ اس زندگی کو دوسری چھوٹی بڑی زندہ چیزوں کو تقسیم کر سکتا ہے، اس نازک قطرہ کی قوت نباتات، حیوان اور انسان سے زیادہ ہے، اس لئے کہ زندگی اسی کے ذریعہ آئی ہے، یہ زندگی کس نے پیدا کی؟ آتشیں چٹان اور بے نمک سمندر اس کو پیدا نہیں کر سکتے تھے،

چھوٹی سی سامن (Salmon) مچھلی سمندر میں برسہا برس گزار دیتی ہے، لیکن پھر اسی دریا میں پہنچ جاتی ہے، جہاں وہ پیدا ہوئی تھی، اور لطف یہ ہے کہ وہ معاون دریا کے اسی راستہ سے جاتی ہے جس سے آئی تھی، آخر اس کو یہ سمجھ کہاں سے آئی؟ اگر آپ اس کو کسی اور معاون دریا میں پہنچا دیں، تو اس کو فوراً معلوم ہو جائے گا، کہ یہ غیر جگہ ہے، اور وہ اس کی پوری کوشش کرے گی کہ اصل دریا میں پہنچ جائے،

ایسے ہی بام مچھلی (eel) کا معاملہ ہے، یہ بالغ ہوتے ہی تالابوں اور دریاؤں سے ترک سکونت کرتی ہیں، اور یورپ والیاں تو ہزاروں میل کا سفر کرکے برمودا (Bermuda

کے بچے کران سمندر مین پہنچتی ہین یہین ان کے بچے ہوتے ہین، اور یہین وہ مر جاتی ہین لیکن لطف یہ ہے کہ ان کے بچے انھین دریاؤن اور تالابون مین پہنچتے ہین، جہان سے اُن کے والدین آئے تھے، کوئی امریکی بام مچھلی آج تک یورپ مین نہین ملی، اور کوئی یورپی ایل امریکہ کے سمندر مین نہین پائی گئی،

یورپ کی بام مچھلی دوسری جگہون کے مقابلہ پر ایک سال بعد بالغ ہوتی ہے تاکہ وہ اس وسیع و عریض سمندر کا سفر طے کر سکے،

کیا خدا کے سوا کوئی اور ہے، جو یہ سمجھ دے سکتا ہے؟ یہ چیزین مادۂ قبول یا مطابقت پذیری، (Adaptation) سے نہین آسکتین

انسان کو اللہ نے عقل دی ہے، وہ صدیون کے تجربات کا حامل ہے، کوئی جانور دس کے معنی نہین بتا سکتا، یہ شرف انسان کو حاصل ہے، اگر جبلت کو بانسری کے سُر سے تشبیہ دی جاسکے، تو کہا جاسکتا ہے کہ انسانی ذہن مین تمام راگ راگنیون کے سُر محفوظ ہین، یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالمگیر زندگی عقل کا ایک حصہ ہمین بھی عنایت فرمایا ہے،

Genes اتنے چھوٹے ہوتے ہین کہ اگر تمام انسانون کے (Genes) کو ایک جگہ جمع کر لیا جائے، تو وہ چھچی بھر سے بھی کم ہون گے، لیکن، اس کے باوجود خوردبین سے بھی نظر نہ آنے والے (Genes) اور ان کے ساتھی، (Chromosomes) ہر زندہ خلیہ مین رہتے ہین، اور وہی انسان حیوان اور نباتات کی خصوصیات کے ذمہ دار ہین، حیرت ہے کہ (Genes) کسی طرح ہمارے اسلاف کے تمام ورثہ کو بند کر لیتے ہین، اور ہر ایک کی نفسیات کو اتنی چھوٹی سی جگہ مین محفوظ رکھتے ہین، اللہ کے وجود کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا، کہ بیس کھرب انسانون کی انفرادی خصوصیات ایک جگہ آسکتی ہین،

نشو و نما کا عمل خلیہ سے شروع ہوتا ہے، جو (Genes) کا حامل ہے، اس (Genes)

میں لاکھوں اجزاے لاتجزیٰ ( ) رہتے ہیں، اور وہی ساری زندگی پر حکمرانی کرتے ہیں
یہ صرف خدا ہی کا کارنامہ ہوسکتا ہے،

ناگ پھنی کا پیڑ آسٹریلیا میں حفاظت کے طور پر لگایا گیا تھا، وہاں کوئی کیڑا اس کا دشمن نہیں تھا
نتیجہ یہ ہوا کہ یہ اتنا پھیلا کہ انگلستان سے زیادہ رقبہ پر اس کا قبضہ ہوگیا، اس سے کھیتوں کو سخت نقصان پہنچا
ماہرین حشریات نے بالآخر ایک کیڑا دریافت کیا، جو صرف ناگ پھنی کھاتا تھا، اور بلا وقت پیدا ہوتا تھا
آسٹریلیا میں اس کا کوئی دشمن بھی نہیں تھا، چنانچہ اس جانور نے غیر ضروری پیداوار پر قابو پالیا اور آسٹریلیا
سے یہ مصیبت رفع ہوگئی، اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی روک تھام ہر جگہ رکھی ہے،

جلدی سانس لینے والے کیڑے دنیا میں زیادہ کیوں نہیں ہیں، ؟ اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ اُن
کے آدمی کی طرح پھیپھڑے نہیں ہوتے، وہ نلکی کے ذریعہ سانس لیتے ہیں، جب یہ کیڑے بڑے ہوجاتے
ہیں، ان کی نلکیاں اُن کے جسم کی نسبت سے نہیں بڑھتیں، اسی وجہ سے ان کی نسل زیادہ نہیں
پھیل سکی، اگر یہ روک تھام نہ رکھی جاتی، تو انسان کا زندہ رہنا محال ہوجاتا، اور ایک بھڑ شیر کے
برابر ہوجاتی،

ذرا نباتات کی دنیا پر بھی ایک نظر ڈالئے، کون ہے جو ان خوبصورت پھولوں کو اگاتا ہے
کون ہے جو ہلکی ہلکی بارش سے ان کی آبیاری کرتا ہے ؟ کون ہے جو اُن کو رنگ و بو عطا کرتا ہے؟
کون ہے جو اُن کی نرم و نازک پتیوں کو پھیلاتا ہے ؟ گلاب کا پھول اپنی باصرہ نواز سرخی
اور سوسن کا پھول اپنی درخشاں سفیدی کس طرح اس خاک تیرہ رنگ سے حاصل کرتے ہیں ؟
کیسے ایک ننھے سے بیج میں سارا پودا چھپا ہوتا ہے؟ کون ہے جو ان پودوں کو پھولنے پھلنے کا وقت
بنا دیتا ہے آم سے کبھی شفتالو نہیں پیدا ہوتا، اور شفتالو سے کبھی آم نہیں پیدا ہوتا، یہ اللہ کی قدرت
کے کچھ کم کرشمے ہیں ؟

خدا کے وجود کا ادراک صرف انسان ہی کرسکتا ہے، اور کوئی نہیں، وجود باری تعالیٰ کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا، ؟ جب انسان کا صحت مند تخیل، روحانی حقیقت بن جاتا ہے، تو اُسے ذرہ ذرہ میں خدا کا جلوہ نظر آنے لگتا ہے، اور اس پر باری تعالیٰ کی حکمت اور کائنات کے سربستہ راز کھلنے لگتے ہیں،

استفسار و جواب

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کا نسب نامہ

جناب سید ولی محمد صاحب نقشا،
گورنمنٹ ہائی اسکول ہوشیارپور

گرامی نامہ موصول ہوا، جواباً عرض ہے کہ یہ مضمون مضامین مالک میں کتابی صورت میں شائع ہو چکا ہے یہ مضمون گمراہ کن ہے، اس کی تردید ضروری ہے، خود حضرت نے اپنے قصیدہ میں فرمایا ہے کہ میں حسنی حسینی سید ہوں، وغیرہ، آپ سے تحریک کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس مقالہ سے جو غلط فہمی ہوئی ہے، اس کی تردید کلیۃً ہو جائے، معارف کے جس پرچہ میں شائع ہو، اس کی ایک کاپی مجھے ارسال فرمادیں،

معارف:۔ میں پچھلے عریضہ میں عرض کر چکا ہوں کہ وہ دلائل میری نظر سے نہیں گذرے جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے نسب کے متعلق کسی نے کچھ لکھے ہیں، اور نہ اتنی فرصت ہے کہ ملک کے مختلف گوشوں میں جو کوئی نئی بات کہتا پھرے خواہ وہ کتنی ہی بے سند ہو، اس کی تردید اپنے اوپر فرض کرلیجائے، اہل نظر کی نگاہوں میں ایسی تحریریں خود وقعت نہیں رکھتی ہیں، اور نہ اُن کے رد کی ضرورت سمجھی جاتی ہے، اس لئے مجھے آپ اس سے معاف فرمائیں،

البتہ آپ کی تشفی کے لئے آپ سے عرض ہے، کہ حضرت شیخ علیہ الرحمہ کا نسب نامہ جو معتبر ماخذ میں ہے، اس سے ان کی سیادت واضح ہے، نسب نامہ درج ذیل ہے،

"الشیخ عبدالقادر بن ابی الصالح عبداللہ بن جنکی دوست بن ابی عبداللہ بن یحیی بن محمد بن داؤد بن موسی بن عبداللہ بن موسی الجوزی بن عبداللہ المحض بن الحسن المثنی ابن الحسن بن علی بن ابی طالب الجیلانی،

یہ مذکورہ بالا نسب نامہ شذرات الذہب فی اخبار من ذہب" (جلد ۴ ص ۱۹۸) سے نقل کیا گیا ہے، جو اتفاقاً اس عریضہ کی تسوید کے وقت میز پر موجود ہے، اس کی تصدیق متقدم و متاخر دیگر تصنیفات سے بھی کی جا سکتی ہے،

مثلاً یافعی المتوفی ۷۶۸ھ کی مرآۃ الجنان میں بھی یہی نسب نامہ محض بعض ناموں کے جزئی فرق کے ساتھ موجود ہے، حضرت شیخ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے ۵۶۱ھ میں وفات پائی ہے (ابن اثیر حوادث ۵۶۱ھ و دیگر کتب تراجم) یافعی کا زمانہ اُن سے کچھ زیادہ دور نہیں، پھر یافعی سے ایک صدی پہلے شیخ نورالدین شطنوفی کی بہجۃ الاسرار لکھی گئی ہے، اس کا پورا نام بہجۃ الاسرار و معدن الانوار فی مناقب السادۃ الاخیار من المشائخ الابرار ہے، اس کا زمانۂ تصنیف ۶۶۳ھ ہے یعنی شیخ عبدالقادر علیہ الرحمہ کی وفات سے سو سال کے اندر یہ کتاب تصنیف پائی ہے۔ اور اس میں حضرت شیخ عبدالقادر کو سادات اخیار میں شمار کر کے سب سے پہلے انہی کا تذکرہ کیا گیا ہے، اور اس میں ان کا لفظاً بہ لفظاً وہی نسب نامہ ہے جس کو یافعی نے نقل کیا ہے، (کشف الظنون ج ۱ ص ۲۰۲، ترجمہ مرآۃ الجنان ج ۳ ص ۳۵۰،)

اسی طرح متاخرین میں شیخ محمد بن یحیی تاذفی حنبلی المتوفی ۹۶۳ھ نے اپنی قلائد الجواہر

مین اور شیخ عبد الوہاب شرانی المتوفی ۹۷۳ھ نے اپنی الطبقات الکبری مین شیخ کا یہی نسب نامہ قبول کیا ہے، جس کا سلسلہ حضرت حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم پر تمام ہوتا ہے، (حاشیہ مرآۃ الجنان ج ۳ ص ۳۵۰، والطبقات الکبری ج ۱ ص ۱۰۸)

اس طرح اگر استقصاء سے دیکھا جائے تو شیخ عبد القادر علیہ الرحمہ کی وفات جس صدی مین ہوئی، اس کے بعد سے ہر صدی کی مشہور و مستند کتب تذکرہ و تاریخ مین انہین سادات مین شمار کیا گیا ہے، اور جزئی نامون کے فرق کے ساتھ وہی نسب نامہ نقل ہوتا آرہا ہے، جو ساتوین صدی کی تصنیف مین بھی موجود ہے، اس لئے متقدمین و متاخرین کے ان بیانون کا رد نہین کیا جا سکتا، عقلی قیاس آرائیان تاریخی حقائق کو بدل نہین سکتین،

یہ صحیح ہے کہ بعض شاذ روایتین ایسی بھی ہین جن مین حضرت شیخ عبد القادر علیہ الرحمہ کی سیادت سے انکار کیا گیا ہے لیکن یہ خیال شریف مین رہے، کہ اس خانوادہ کو نسبی سیادت کے ساتھ ایک قسم کی مذہبی و روحانی سیادت کا شرف بھی حاصل ہو گیا تھا، اور اس زمانہ مین متصوفین کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو چکا تھا جس نے تصوف کو اپنی دنیا طلبی کا ذریعہ و وسیلہ بنا لیا تھا، اس لئے اگر معاصرانہ چشمک سے کسی نے اس خانوادہ کی سیادت پر طعن کیا ہو تو وہ اعتبار کے لائق نہین، ان معترضین نے حضرت شیخ کے نسب نامہ مین جنگی دوست کے نام کے موجود ہونے سے اپنا مدعا ثابت کرنا چاہا ہے کہ یہ عجمی نام ہے لیکن عجیب قسم کا اعتراض ہے، عرب اور ان کے جو خانوادے عجم مین آکر رہ گئے ہیں، اگر ان کے جدید وطن کے اثر سے ان کے خاندان کے کسی نام مین عجمیت آگئی ہو، تو یہ کونسی ایسی بات ہے کہ اس کی بنیاد پر ان کے عرب ہونے سے انکار کر دیا جائے، آپ کو ایسے بیسیون خانوادون کے شجرے مل سکتے ہین، جو عرب سے نکلے، اور ان کے نامون مین عجمیت کا اثر آگیا،

پھر یہ بھی ذکر کرنے کے لائق ہے کہ حضرت شیخ عبد القادر علیہ الرحمۃ کے شجرہ نسب مین جنگی دوست

نام جو آیا ہے وہ بظاہر نام ہونے کے بجائے لقب یا عرف معلوم ہوتا ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ شذرات الذہب اور مراۃ الخیال کے نسب ناموں میں ناموں کے بعض جزئی فرق پائے جاتے ہیں ان میں سے ایک شذرات الذہب میں اسی نام جنگی دوست "کا اضافہ بھی ہے، یہ اضافہ نہ یافعی کی مراۃ الخیال میں ہے نہ بہجۃ الاسرار میں نہ قلائد الجواہر میں ہے، اور نہ شعرانی کی طبقات میں اس کا ذکر آیا ہے، اس لئے یہ خیال ہو سکتا ہے کہ جنگی دولست "کوئی مستقل نام ہونے کے بجائے" شیخ ابو صالح یا ابو عبداللہ کا لقب ہوا جس کو بعض مورخین نے ایک مستقل نام تصور کر لیا، اور اس کی بنیاد پر حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کی سیادت و غیر سیادت کی بحث چھڑ گئی، اور پھر یہیں سے شیعہ اہلِ قلم کو موقع ملا، انھوں نے اس کو غیر معمولی طور پر اچھالا، ورنہ درحقیقت یہ ساری بحثیں لغو ہیں، کہ دراصل یہ موضوع ہی سرے سے ایسا نہ تھا، کہ اس کی تحقیق و اثبات پر ہم اور آپ وقت صرف کرتے، مگر محض آپکے بابار کے اصرار کے باعث یہ چند سطریں لکھی پڑیں، بہرحال آپکے ارشاد گرامی کی تعمیل ہو جائے گی، اور پچھلے اور اس عریضہ کو ملا کر زیر ترتیب معارف میں چھپنے کو دیدیا جائے گا،

والسلام "س"

علامہ مرتضیٰ زبیدی

مولوی ابوالقاسم صاحب فاروقی حنفی
بحری آباد ضلع غازی پور

علامہ مرتضیٰ زبیدی بلگرامیؒ کے مکمل حالات و سنہ ولادت و وفات مع اسامی تصانیف مطبوعہ و غیر مطبوعہ مطلوب ہیں، و نیز یہ کہ کیا علامہ موصوف کے دو نام ہیں، محمد مرتضیٰ و عبدالرزاق؟ اور کیا علامہ موصوف شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے شاگرد ہیں؟ اگر ہیں تو

بثبوت میں تاریخ وسیر کی کوئی عبارت پیش کی جاسکتی ہے جو اُن کے شاگرد ہونے کے لئے نص قاطع کا حکم رکھتی ہو، وینز موصوف کے مفصل وجبسوط حالات کن کن کتابوں میں ملیں گے،

امید ہے کہ خدمت علم کے پیش نظر اوقات گرامی کا کچھ حصہ اس پر صرف فرماکر شاکر ہونیکا موقع عنایت فرمادین گے، فقط

والسلام

معارف:۔ آپ کی یاددہانی بار بار ملتی گئی آپکے استفسارون میں جو دوسرا سوال باقی رہ گیا تھا، اس کا مدت کے بعد جواب دے رہا ہون، علامہ مرتضیٰ زبیدی کے مختصر سوانح وسنین، اور مؤلفات کا حال درج ذیل ہے :۔

مرتضیٰ زبیدی کے نام سے شہرت حاصل ہوئی، پورا نام ونسب شیخ ابوالفیض سید محمد بن محمد بن عبد الرزاق ہے، ان کا خاندان واسط سے ہندوستان مین آیا، اور بلگرام مین سکونت اختیار کی، ان کی پیدائش بلگرام مین ۱۱۴۵ھ مین ہوئی، وہین نشو ونما پائی، اور علمائے وقت سے علوم کی تحصیل کی، اُن کے شیوخ مین شیخ محمد فاخر الہ آبادی اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمہ کے نام آتے ہین، انھون نے اپنے شیوخ کا معجم بھی لکھا تھا، ان کی تعداد تین سو سے متجاوز ہے، اس معجم مین حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کا اسم گرامی بھی موجود ہے، اس لئے اس نسبت مین کسی شبہہ کی گنجائش نہین، اور نہ مزید تحقیق کی ضرورت ہے،

وہ ہندوستان سے یمن تشریف لے گئے، اور مقام زبید مین مدتون مقیم رہے، اسی نسبت سے زبیدی کہے گئے، حج کی سعادت بار بار حاصل کی، اس سلسلہ مین مکہ معظمہ مین مصر کے شیخ وقت سید عبدالرحمن عبدروس سے شرف نیاز حاصل ہوا، اور ان کے حلقہ ارادت مین داخل ہوگئے، پھر اس نعمت سے ۱۱۶۷ھ مین مصر وارد ہوے، اور مصر کو اپنا مرکز رکھکر مختلف دیار و امصار کی سیر کی، اور وہان کے شیوخ سے علم حدیث اور دوسرے فنون کی مزید تحصیل کی، پھر درس وتدریس اور تصنیف وتالیف مین زندگی گذاری،

ماہ شعبان ۱۲۰۵ھ مین مصر مین طاعون مین مبتلا ہوکر وفات پائی، اور مشہد سیدہ رقیہ مین دفن کیے گئے،
بجز تصنیفات کے کوئی نسلی اولاد ان کی یادگار نہ تھی،

ان کی تصنیفات مین زیادہ شہرت قاموس کی شرح تاج العروس کو حاصل ہوئی، یہ دس ضخیم جلدون مین ہے، اور ۱۴ سال مین تصنیف پائی تھی، اس کی تصنیف ۱۱۸۱ء مین اختتام کو پہونچی، اس کی خوشی مین علمی جشن منایا اس تصنیف کے عالم اسلامی مین ان کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی، اور انکے علم وفضل کا چرچا دور دور پھیلا، اُن کے علم وفضل کے سلاطین قدردان تھے، حجاز، ہندوستان مین شام، عراق، مغرب اقصیٰ، ترکی، سوڈان اور الجزائر کے سلاطین نے ان کی قدرافزائی کی،

ان کی تصنیفات کی مجموعی تعداد تقریبًا ایک سو ہے، ان مین کچھ مطبوعہ اور کچھ غیر مطبوعہ ہین، مطبوعہ کتابین حسب ذیل ہین :-

۱- **تاج العروس** کا پہلا نسخہ ۱۲۸۶ھ مین مطبع الوہبیہ مصر مین چھپا، مگر مکمل نہ ہوسکا، صرف پانچ جلدین چھپ کر رہ گیئن، دوسری مرتبہ ۱۳۰۷ھ مطبعہ خیریہ مصر نے اس کو دس جلدون مین شائع کیا، اس کے آخر مین مصنف کے مختصر سوانح حیات بھی درج ہین جن مین اُن کے علمی خدمات کا ذکر بھی آیا، اور بیشتر تصنیفات کے نام لکھے ہین،

۲- **اتحاف السادۃ المتقین**، یہ امام غزالی کی احیاء العلوم کی شرح ہے، احیاء العلوم پر علامہ مرتضیٰ زبیدی کے بعض ہمعصرون نے کچھ اعتراضات کئے تھے، اس مین اُن کے جوابات دیئے گئے ہین، یہ کتاب پہلے ۱۳۰۲ھ مین فاس سے ۱۳ جزوون مین اور ۱۳۱۱ھ ہجری مین مطبعہ المیمنہ سے ۱۰ اجزا مین چھپی ہے،

۳- **بلغۃ الغریب فی مصطلح آثار الحبیب**، مطبع مصر ۱۳۲۶ھ

۴- **تنبیہ العارف البصیر علی اسرار الحزب الکبیر**، یہ شیخ ابوالحسن شاذلی کی حزب

کی شرح ہے ۱۳۲۳ھ میں مطبعہ سعادۃ سے شائع ہوئی،

۵۔ عقد الجواهر المنیفه فی ادلة مذهب الامام ابی حنیفه طبع اسکندریہ ۱۲۹۲ھ

۶۔ نشوة الارتیاح فی بیان حقیقة المیسر و القداح طبع لیدن ۱۳۰۳ھ،

ان کتابوں کا ذکر معجم المطبوعات میں بھی آیا ہے، (ج ۲ ص ۲۶۶) ان کی حسب ذیل غیر مطبوعہ کتابیں کتب خانہ مصر میں موجود ہیں:۔ (۷) مختصر العینی (۸) اسانید الکتب الستة الصحاح (۹) کشف اللثام عن آداب الایمان والاسلام (۱۰) رفع الشکوی وترویح القلوب فی ذکر ملوک بنی ایوب (۱۱) معجم الشیوخ (۱۲) الفیة السند، (الاعلام جلد ۳ ص ۹۸۳)

"س"

سیرۃ عائشہؓ

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالاتِ زندگی اور ان کے مناقب و اخلاق اور ان کے علمی کارنامے، اور اُن کے اجتہادات اور صنفِ نسوانی پر اُن کے احسانات، اسلام کے متعلق ان کی نکتہ سنجیاں اور معترضین کے جوابات،

قیمت ۱ے ضخامت ۳۲۹ صفحے، (طبع سوم باضافہ حواشی)

سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ

حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ اموی کے سوانح حیات اور ان کے مجددانہ کارنامے،

قیمت:۔ عا (جدید ایڈیشن)

"منیجر"

وفیات

حکیم حبیب الرحمٰن مرحوم ڈھاکہ

ڈھاکہ کے متعدد دوستوں کے خطوط سے یہ معلوم کرکے بڑا افسوس ہوا کہ بنگال کے جادونگار ادیب اور نادرۂ روزگار طبیب شفاء الملک حکیم حبیب الرحمٰن نے یکم ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ کی شب میں ضغطۂ دم (بلڈ پریشر) کی بیماری میں سترسٹھ برس قمری سے اڑسٹھ اور شمسی سے چھیاسٹھ برس کی عمر میں دفعۃً وفات پائی۔ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی اپنے والانامہ میں لکھتے ہیں،

"آپ کو وفیات لکھنے میں ملکہ ہے، ایک اور وفات نامہ معارف میں لکھ دیجئے، آپکے اور میرے مخلص دوست حکیم حبیب الرحمٰن صاحب کا یکم ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۳ر فروری ۱۹۴۷ء کی شب میں دفعۃً بلڈ پریشر بڑھ جانے سے انتقال ہوگیا، اِنّا لِلّٰہ،

مرحوم حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ابتدائی صرف ونحو کے شاگرد اور بڑے عاشق تھے، علامہ شبلی کے دوستوں میں تھے، مسلم لیگ کی جب بنیاد ۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ میں رکھی گئی اور نواب سر سلیم اللہ خان اس کے صدر ہوئے تو مرحوم جوائنٹ سکریٹری ہوئے تھے، علم طب حکیم عبدالمجید خان صاحب سے حاصل کیا، اور اس میں کمال کا درجہ پایا، بنگال میں اس وقت ان کے درجہ کا کوئی طبیب نہیں سنا گیا، ڈھاکہ میں طبیہ کالج قائم کیا، اور بڑی ہمت سے اس کو چلاتے رہے، گورنمنٹ نے شفاء الملک کا خطاب دیا، جس کو

(لیگ کی تحریک کی بنا پر) ستمبر مین واپس کر دیا،

اُن کے اس کالج سے بہت سے اطبا پیدا ہوئے، اور اب بھی سلسلۂ درس جاری ہے، اُدھر

خدا کرے برابر جاری رہے،

مولانا شبلی مرحوم مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس کے سلسلہ مین ۱۹۰۶ء مین ڈھاکہ تشریف لے گئے تھے، وہان سے وہ دو دوستون کے نام ہم لوگون کے لئے تحفہ مین اپنے ساتھ لائے، ایک کا نام مرزا فقیر محمد صاحب اور دوسرے کا حکیم حبیب الرحمٰن، مولانا مرحوم کے بعد ان دونون کی دوستی و محبت کا سلسلہ اس حقیر راقم الحروف کی طرف منتقل ہوا، مرزا صاحب کا مدتون سے پتہ نہین، خدا جانے وہ جیتے بھی ہین یا نہین، حکیم صاحب مرحوم نے اخیر تک دوستی نباہی، اُن کے اخلاق کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ جن دوستون سے ان کی دوستی رہی، اس کو وہ اخیر تک بکمال احتیاط و اہتمام نباہتے رہے،

خط و کتابت کی معرفت تو مولانا شبلی مرحوم کے عہد سے شروع ہو چکی تھی، مگر ملاقات جسمانی کی نوبت ۱۹۳۰ء کے آل انڈیا اورینٹل کانفرنس کے سالانہ اجلاس کے موقع پر پٹنہ مین آئی، اس کے بعد بارہا وہ ڈھاکہ بلاتے اور اس کے لئے ڈھاکہ یونیورسٹی کے تعلق سے نئی نئی تقریبین پیدا کرتے رہے، مگر جانا اور ملنا نصیب نہ ہوا

مرحوم نسباً فاروقی اور وطناً یاغستانی علاقہ یوسف زئی کے باشندہ تھے، ان کے والد اخوند محمد شاہ صاحب مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردون مین تھے، لکھنؤ سے ڈھاکہ اپنے ماموں محمد نعمان صاحب مرحوم کے یہان آئے، اور یہین شادی کرکے بس گئے، اور اس تقریب سے سرحد ہند کی یہ دولت بنگال کی قسمت مین آئی،

حکیم صاحب مرحوم کی تعلیم جیسا کہ حسن معصومی صاحب (لکچرر فلسفۂ اسلام ڈھاکہ یونیورسٹی) نے مجھے لکھا ہے، آگرہ اور بہار مین ہوئی، مگر جیسا کہ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے ڈھاکہ سے لکھا ہے، کہ ان کی تعلیم کا بڑا زمانہ کانپور مین گذرا، کچھ درسیات اپنے والد سے حاصل کئے، ابتدائی صرف و نحو کے کچھ اسباق جیسا کہ پہلے گذرا

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ سے پڑھے، جب حضرت والا رحمہ اللہ کانپور مین درس دے رہے تھے، جس کا خاتمہ ۱۳۱۵ھ مین ہوا، اور زیادہ تر تعلیم مولانا محمد اسحاق صاحب بردوانی سے حاصل کی، معقول مولانا احمد حسن صاحب کانپوری، اور مولانا عبد الوہاب صاحب بہاری سے پڑھی، جب وہ کانپور مین رہتے تھے، حدیث مولانا مفتی لطف اللہ صاحب علی گڈھی، اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے ایک شاگرد سے حاصل کی، اور اجازت لی، طب حکیم عبد المجید خان صاحب دہلوی المتوفی ۱۹۰۱ء سے پڑھی، اور اس مین کمال کا درجہ حاصل کیا، ۱۹۰۲ء مین وہ تعلیم سے فارغ ہوکر ڈھاکہ لوٹے اور ایک طبیب کی حیثیت سے اپنی زندگی شروع کی، مرحوم کی تعلیم تمام تر پرانے طرز کی ہوئی تھی، مگر فطرت کے خزانہ سے وہ ایک ذہین و لطیف دماغ اپنے ساتھ لائے تھے، اپنے اسی فطری ذوق کی مدد سے تاریخ وادب کی کتابین پڑھین اور طب کے بعد جن فنون سے ان کو ذوق رہا وہ بھی تاریخ وادب تھے، اور اسی سلسلہ سے وہ مولانا شبلی کے حلقۂ ارادت مین داخل ہوے، چنانچہ ۱۹۰۶ء اُن کی زندگی کے لئے بڑی اہمیت کا سال ہے، اسی سال مولانا شبلی سے ملاقات ہوئی، باتون باتون مین انھون نے مولانا شبلی کے سامنے یہ تجویز پیش کی، کہ حاجی خلیفہ کی کشف الظنون کی طرح ہندوستان کے ہر صوبہ کی تصنیفات پر ایک محققانہ کتاب لکھی جائے، مولانا نے اُن کے اِس خیال کی تحسین کی، اور بنگال کا حصہ اُن کے سپرد کیا، حکیم صاحب مرحوم کے اکثر خطون مین اُن کی اس تصنیف کے تذکرے ہوا کرتے تھے، بنگال سے متعلق "ثلاثۂ غسالہ" کے نام سے ایک کتاب اور اُن کے زیر قلم تھی، "ثلاثہ غسالہ" کا نام انھون نے حافظ شیراز کی اُس غزل سے لیا تھا، جس کو حافظ نے سلطان بنگالہ کے نام لکھکر بھیجا تھا،

زین قند پارسی کہ بہ بنگالہ می رود

اسی غزل کا ایک ٹکڑا ہے "ثلاثۂ غسالہ می رود" الفارق اور حیات سقراط ان کی طالب العلمی کے رسالے ہین، اُن کی دوسری تصنیفات کے نام مساجد ڈھاکہ، ڈھاکہ اب سے پچاس برس پہلے،

شعرائے ڈھاکہ وغیرہ ہیں، آخری تصنیف آسودگان ڈھاکہ ہے، جو ابھی ۱۹۴۶ء کے اخیر میں چھپ کر شائع ہوئی جس میں بزرگان ڈھاکہ کے مزارات کی تحقیق، اور تذکرے ہیں، اس کے بعد آسودگان ڈھاکہ کا مصنف خود ڈھاکہ کی خاک میں آسودہ ہوگیا،

اُن کی ادبی تاریخ کا آغاز بھی ۱۹۰۶ء سے ہوتا ہے، اس سال انھوں نے ڈھاکہ سے المشرق کے نام سے ہفتہ وار رسالہ نکالا، پھر جادو کے نام سے ایک اور ادبی وعلمی رسالہ جاری کیا، معارف کے ابتدائی پرچون میں بھی اُن کے بعض مضامین چھپے ہیں،

مرحوم کے قلم میں بڑی لطافت تھی، محمد حسین آزاد کی نقالی کسی سے نہ ہوسکی، لیکن تھوڑی بہت اگر کسی سے ہوئی، تو عجیب بات ہے کہ وہ بنگال ہی کے جادوگران ادب سے ہوسکی، ان میں پہلا نام نواب نصیر حسین خان خیال (کلکتہ) کا اور دوسرا حکیم حبیب الرحمن (ڈھاکہ) کا ہے، افسوس ہے کہ ان کی طبی مصروفیتوں نے اُن کے ادبی کارناموں کو اُبھرنے کا موقع نہیں دیا، اور اُن کی یہ قوت انشا پردازی پوری طرح ظاہر نہ ہوسکی،

ان کو اردو ادب اور بنگال کی تاریخ سے خاص ذوق تھا، اور تاریخ کے تعلق سے قدیم سکون کے جمع کرنے کا شوق تھا، چنانچہ اُن کے جمع کردہ سکون کا پہلا مجموعہ اس وقت ڈھاکہ کے عجائب خانہ آثار قدیمہ میں ہے، جس کا تاریخوار کیٹلاگ بھی چھپ کر شائع ہوچکا ہے، اس کے بعد جو سرمایہ ان کے پاس جمع ہوا، اس کو دار المصنفین کے نام منتقل کرنے کا بارہا ارادہ انھوں نے کیا، مگر یہ ارادہ پورا نہ ہوا،

مرحوم طبیب اور حاذق طبیب تھے، تیافہ اور نباضی میں کمال رکھتے تھے، صورت دیکھکر اور صرف حال سن کر مرض بتا دیتے تھے، حضرت حکیم الامت کی علالت کا حال مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی سے سن کر مرض کی تشخیص کی، اور دوا تجویز کی، جب تھانہ بھون سے خطرناک حالت کی اطلاع آئی، تو کہا کہ اب دوا بیکار ہے، معلوم ہوتا ہے کہ وقت آخر آپہنچا، اور بآخر جیسا انھوں نے کہا ویسا ہی ہوا،

مرحوم کی حذاقت کا ایک واقعہ مجھ سے متعلق ہے کئی سال کی بات ہے میں نے ریڈیو پر ایک تقریر کی، مرحوم نے ڈھاکہ سے لکھا میں نے ریڈیو پر آپ کی آواز سنی جو آپکے ضعفِ قلب کا اعلان کر رہی تھی، اس کی جلد خبر لیں، چنانچہ چند ہی روز کے بعد مجھے اسی قسم کے ایک سخت مرض کا سانحہ پیش آیا، جس سے اللہ تعالیٰ نے چارہ گری فرمائی،

مگر آہ! وہ مسیحا نفس جو دوسروں کو موت کے پنجہ سے چھڑایا کرتا تھا، آخر وہ دن بھی آیا جب خود اس کے پنجہ میں گرفتار ہوا، مرحوم کو کئی مہینوں سے اپنے اس آنے والے حادثہ کا خیال تھا، جنوری ۱۹۴۷ء میں بعض دوستوں سے کہہ چکے تھے، کہ میں جب جاؤں گا، دفعۃً جاؤں گا، جس دن حادثہ پیش آیا، متعدد مریضوں کو جا کر دیکھا، مغرب بعد نشستگاہ میں بیٹھ کر دوستوں سے باتیں کیں، ہنستے بھی رہے، ہنساتے بھی رہے، اور اسی سلسلہ میں فرمایا، کہ آج مولانا عثمانی ڈھاکہ میں نہیں، اس کی فکر ہے، ان کو اپنی حالت سے اندازہ ہو رہا تھا، کہ کوچ کی منزل قریب ہے، اس لئے کچھ وصیتیں بھی کر چکے تھے، جن میں ایک یہ تھی کہ میری نماز مولانا ظفر احمد تھانوی پڑھائیں، اور اگر وہ نہ ہوں تو پیرجی عبد الوہاب مہتمم مدرسہ اشرف العلوم پڑھائیں، چنانچہ تقدیر یہی تھی، کہ مولانا عثمانی اس دن کہیں باہر تھے، تین بجے شب کو قلب کا دورہ پڑا، ڈاکٹر کے لئے آدمی گیا، جیسے ہی اُس نے چوکھٹ پر قدم رکھا ہے، مسافرِ عالمِ بالا کے سفر پر روانہ ہو گیا، آناً فاناً خبر شہر میں پھیل گئی، صبح کو تجہیز و تکفین عمل میں آئی، جنازہ میں اتنا مجمع تھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ڈھاکہ میں شاید ہی کسی کے جنازہ میں ایسا مجمع ہوا ہو، حسب وصیت پیرجی عبد الوہاب نے نماز پڑھائی، جو لال باغ کی شاہی مسجد میں ہوئی، اور ڈھاکہ کے ایک بزرگ کے احاطہ مزار میں سپرد خاک کئے گئے،

مرحوم کے سانحۂ وفات پر شہر میں کہرام ہے، عام و خاص سب ہی متاثر ہیں، اہلِ قلم طبقہ پر مرحوم کی وفات کا جو اثر ہوا، وہ ان دو عربی مرثیوں سے ظاہر ہے جو ڈھاکہ کے دو بزرگوں نے لکھکر بھیجے ہیں، جیسی! دوستوں نے تمہارے لئے مرثیے لکھے، احباب نے تمہارے فراق میں آہ جگر سوز کھینچی،

جاننے والون نے تمھارے اوصاف گنائے، ماننے والون نے تمھارے احسانات یاد کئے، اگر تم اوس دنیا مین ہو، جہان اس دنیا کی مدح و ستایش کی حکایتین نہین پہنچتین، مغفرت کی دعائین، تمھارے لئے ہین، غفور رحیم اُن کو قبول فرمائے،

"س"

مرثیہ

از

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی

یا عین جودی بدمع غیر منجمد — علی الحبیب وقد وارَوْہ فی اللحد

قد الحد واحکمۃ فہما وتجربۃ — لکل عرض من الاسقام فی الجسد

قد الحد واعون اہل الضرّ قاطبۃً — قد الحد الیوم حقاً زینۃ البلد

ما کان احسنہ خلقا ومکرمۃ — وکان یبذل للمولیٰ بذات ید

ما کان اصوبہ رأیا ومشورۃ — وکان منطقہ احلیٰ من الشہد

ما کان الزمہ للعلم نابغۃ — للقوم والملۃ البیضاء کالعضُد

کان الحبیب الی قلبی وصورتہ — تجول فی العین عند النوم والسہد

من کان یدعی شفاء الملک امجدیا — لہ شفاء فواحزنا فی کبدی

یارب فاغفر لہ وارزقہ منزلۃ — کریمۃ عجباً فی عیشۃ رغد

یارب نوّر لہ فی قبرہ ابداً — واجعلہ فی خیر من یُہدیٰ الی الرشد

حبیب رحمان مغفور لہ کرمًا
۱۳۶۳ھ
یزداد حقًّا علیہ آخر الابد
۱۳۶۶ھ

مرثیہ (۲)

از مولانا محفوظ الکریم صاحب ممتاز المحدثین ڈھاکہ

(فقید داکہ)

أتزوق (داکۃ) بعد فقد حبیبہا " او تشتفی البنخال " بعد طبیبہا
طفئت مناثر علمہا و ذکائہا وخبت معارفہا لفقد لبیبہا
جاءت جہین بنعیہ فاغرورقت مقلٌ تمجّ دمائہا بشکیبہا
الطبُّ أجہش بالبکاء تیتّما، والعبقریۃ تحیہا النجیبہا
اما الخطوب فابہجت بسرورہا ظفرت باوفر حظہا ونصیبہا
ذہب الفقید وبعد یتکر الدجیٰ کالشمس یجوابیں بعد مغیبہا
ذہب الفقید، فقید کل معارف ومفاخر فذ وحی رواء خصیبہا
وضعوہ فی رمس وتمرع روحہ عند الملائک فی جمال قشیبہا

اللہ انزلہ محل کرامۃ،
تسقیہ رحمۃ بجود صبیبہا،

مطبوعاتِ جدیدہ

مکالماتِ افلاطون مترجمہ جناب ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب شائع کردہ انجمن ترقی اردو ہند، دہلی، حجم ۵۰۴ صفحے قیمت للعہ

افلاطون کی معیاری تصنیفات مین سے "ریاست" کے بعد اس کی یہ دوسری تصنیف ایک ذمہ دار و کہنہ مشق مترجم کے قلم سے اردو زبان مین منتقل ہوئی ہے، اس مین افلاطون کے آٹھ مکالمے ہین جن مین بیشتر سقراط کی زبان سے ادا کئے گئے ہین، ترجمہ کی زبان سلیس، روان اور بے ساختہ ہے، مترجم نے اپنے مقدمہ مین ان مکالمات کے ادبی و فلسفیانہ خصوصیات کو دکھایا ہے، مکالمات نہایت لطیف اور خوشگوار مباحث پر ہین، انھین معیاری ڈرامہ سے بھی موسوم کیا جا سکتا ہے، مباحث مین خیالات کی فراوانی تازگی اور شگفتگی پائی جاتی ہے، اس کتاب سے اردو کی معیاری کتابون مین ایک مفید اضافہ ہوا ہے،

محسن کتابین مرتبہ مولانا محمد عمران خان صاحب ندوی، ناشر مکتبہ جمعیۃ التعاون دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، حجم ۲۰۰ صفحے تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ قیمت مجلد ۲ غیر مجلد عار

رسالہ الندوہ کے جدید دور مین ایک مستقل عنوان "ہماری محسن کتابین" قائم کیا گیا تھا، اور ملک کے مشہور اہلِ علم و اربابِ قلم کو ان کتابون پر لکھنے کی دعوت دی گئی تھی جن کے مطالعہ سے انھون نے اپنے علمی و ادبی اور عملی زندگی مین کوئی مستقل اثر قبول کیا ہو، چنانچہ اس موضوع پر مختلف اربابِ علم وقتاً فوقتاً اپنے ذاتی تجربے اور تاثرات قلمبند کرتے گئے، اور وہ الندوہ مین شائع ہوتے رہے، لائق مرتب نے ان مضامین کو زیر تبصرہ مجموعہ مین ترتیب دیدیا ہے، یہ مجموعہ خصوصاً نوجوانون کے لئے بیحد مفید ہوگا، کہ وہ اپنے پیشرؤن

کے تجربات سے فائدہ اٹھاسکیں، اور ان آزمودہ کتابوں کے مطالعہ سے اپنے علمی استعداد کے بڑھانے اور اپنے علمی ذوق کے بنانے میں کام لے سکیں، امید ہے کہ اس مجموعہ سے فائدہ اٹھایا جائے گا،

چند ہمعصر، از مولوی عبد الحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی، حجم ۲۰۰ صفحے

قیمت:- عہ، پتہ:- دفتر انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی،

مولوی صاحب کی یہ کتاب مقبول عام ہو چکی ہے، اس میں حضرت مینائی، جسٹس سید محمود، پروفیسر مرزا حیرت، مولوی عزیز مرزا، مولوی سید علی بلگرامی، مولوی حمید الدین علیہ الرحمہ، اور خواجہ غلام الثقلین وغیرہ کی زندگی کے ایسے حالات قلمبند ہو گئے ہیں، جو کسی دوسری جگہ نہیں ملتے، دوسری طرف خود مصنف کے نصف صدی پہلے کے طرز تحریر اور علمی و ادبی رجحانات نیز ان میں عہد بعہد کی تبدیلیوں کا اندازہ ہوتا ہے، اچھا ہوتا اگر ان مضامین پر نظر ثانی بھی کر لی گئی ہوتی، کہ کم سے کم ارباب تراجم کی علمی خدمات و تصانیف کا تذکرہ مکمل ہو جاتا، کہ نصف صدی کے ان ارباب کمال پر علٰحدہ سے پھر کون قلم اٹھائے گا، نیز وہ جامعیت کہاں سے پیدا ہو سکے گی، جو ایک واقف حال ہم نشین کے قلم سے ممکن ہے،

مسلمانوں کا حصہ سائنس اور کلچر کی ترقی میں | (Muslim conleibution. - To Seienu and culture.

از جناب محمد عبد الرحمن خان صاحب، حجم ۴۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت عہ، پتہ:- شیخ محمد اشرف کشمیری بازار، لاہور،

اس مختصر کتابچہ میں سائنس اور دوسرے عقلی علوم میں مسلمانوں کے دور ترقی کا جائزہ اختصار کے ساتھ لیا گیا ہے، اور اس سلسلہ میں عباسیوں، آل بویہ اور فاطمیین وغیرہ کے دور کے علمی کارناموں اور سائنٹفک ترقیوں کا ذکر آیا ہے، اور مختلف فنون کے باکمال ماہرین کے خدمات گنائے گئے ہیں، اور دکھایا ہے، کہ نئے دور کی علمی ترقیاں دراصل اسی اسلامی عہد کی علمی ترقیوں کی رہین منت ہیں، کہ ان کی

ترقی کی دیوار انہی بنیادون پر اٹھائی گئی ہے، رسالہ مختصر ہونے کے باوجود پر معلومات، مفید اور کارآمد ہے،

تجدید خوشنویسی، از جناب محمد عبد الرحمٰن صاحب فیضی، حجم ۷۰ صفحے، قیمت ۸ر، پتہ:-

عادل برادرس نمبر ۱۷۴، اوینیو روڈ، بنگلور سٹی،

منشی محمد عبد الرحمٰن صاحب فیضی فن خطاطی کی خدمت کا جذبہ رکھتے ہین، زیر تبصرہ رسالہ انھون نے خوشنویسی کی تعلیم کے لئے لکھا ہے، رسالہ کے شروع مین فن کتابت کی مختصر تاریخ بیان کی گئی ہے، اس کے بعد فن خوشنویسی کو ترقی دینے کی کوششون کے سلسلہ کی بعض تقریرون اور اعلانون کو یکجا کیا گیا ہے، ۲۵ وین صفحہ سے اصل رسالہ شروع ہوتا ہے، ابتدا مین فن خوشنویسی کے بنیادی معلومات درج کئے ہین، پھر ابجد کی تقطیع سے وصلی نویسی تک درجہ بدرجہ کی تقطیع کے نمونے درج ہین، رسالہ مین بعض سیاسی مسائل پر غیر متعلق اور غیر ضروری بحثین بھی آگئی ہین، امید ہے کہ رسالہ خصوصاً صوبہ مدراس کے نومشق خوشنویسون کے لئے کارآمد ہوگا،

رسالہ ہمایون کا سلور جوبلی نمبر، مرتبہ جناب میان بشیر احمد صاحب بی اے و جناب یوسف ظفر صاحب بی اے، حجم ۲۰۴ صفحے، کاغذ اچھا، لکھائی چھپائی بہتر، سرورق خوشنما، قیمت:- عہ، پتہ:-

دفتر ہمایون، نمبر ۳، لارنس روڈ، لاہور،

رسالہ ہمایون کو اردو کے ادبی رسالون کے سرتاج ہونے کا فخر حاصل ہے، اوس نے اپنی متین اور یکسان سنجیدہ روش کے ساتھ اپنی زندگی کے پچیس سال پورے کر لئے، اس چوتھائی صدی مین اس کے ہاتھون بڑی میانہ روی سے اردو کی بیش قیمت خدمتین انجام پائی ہین، اس نے اپنی پچیس سالہ زندگی کو کامیابی سے طے کرنیکی خوشی مین اپنی سلور جوبلی منائی ہے، اور اپنے قدردانون کو سلور جوبلی نمبر کا تحفہ پیش کیا ہے جس مین ملک کے ممتاز ادیبون نے اپنی قلمی اعانت سے حصہ لیا ہے، ہم عزیز معاصر کی خوشی مین شریک ہوتے ہین، اور اس کے جوبلی نمبر کا خیر مقدم کرتے ہین، امید ہے کہ یہ نمبر قدردانون کے حلقہ مین ہاتھون ہاتھ لیا جائیگا،

"ر"

اور تاریخی کتابین

تاریخ اخلاق اسلام، جلد اول، اس مین اسلامی اخلاق کی پوری تاریخ، قرآن پاک اور احادیث کے اخلاقی تعلیمات اور پھر اسلام کی اخلاقی تعلیمات پر مختلف حیثیتون سے نقد و تبصرہ ہے،
مصنفہ: مولانا عبد السلام ندوی، ضخامت ۲۷۶ صفحے،
قیمت: ۴؎

ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہین، ہندوستان کی قدیم تاریخی کتابون مین مرتب طور پر ہندوستانی مسلمانون کے تعلیمی نظام اور ان کے مدرسون اور تعلیمگاہون کا حال معلوم کرنا چاہین تو نہین مل سکتا، مولوی ابوالحسنات مرحوم نے نہایت تلاش و تحقیق کے بعد ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہون پر معارف مین ایک مقالہ لکھا تھا جس کو اہل نظر نے بے حد پسند کیا۔ اب دار المصنفین نے اسی مقالہ کو کتابی صورت مین نہایت اہتمام سے شائع کیا ہے،
ضخامت ۱۳۴ صفحے، قیمت: ۱۲؍

مختصر تاریخ ہند، مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی نے یہ تاریخ مدرسون اور طالب علمون کے لئے اس غرض سے لکھی ہے کہ ہندو اور مسلمان فرمانرواؤن نے ہندوستان کے بنانے مین جو کام کئے ہین، اور جو عظیم الشان خدمات انجام دی ہین، وہ طالب علمون کو بلا تفریق مذہب و ملت معلوم ہو جائین،
اس کتاب کو گورنمنٹ بہار نے اپنے سرکاری مدرسون مین بھی جاری کر دیا ہے، اور حکومت یوپی نے اس کے ۵۰۰ نسخے سرکاری لائبریریون کے لئے خریدے ہین، ضخامت: ۲۰۰ صفحے، قیمت: عہ

ہماری بادشاہی، ہمارے چھوٹون بچون کے نصاب مین کوئی ایسی کتاب نہ تھی جو ان کو تیرہ سو برس کی قومی تاریخ سے باخبر کر سکے، یہ کتاب اسی ضرورت کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے، یہ ان تمام بڑی بڑی سلطنتون کی مختصر اور آسان تاریخ ہے جو گذشتہ صدیون مین مسلمانون نے دنیا کے مختلف حصون مین قائم کین،
ضخامت: ۲۰۰ صفحے، قیمت: عہ

ہندوستان کی کہانی، ہندوستان کی تاریخ کا یہ چھوٹا سا رسالہ نہایت آسان اور سہل زبان مین لکھا گیا ہے، تاکہ مکتبون اور ابتدائی مدرسون کے بچے اس کو آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکین، اور ان کو معلوم ہو جائے کہ وہ کون تھے اور اب کیا ہین، ضخامت ۷۶ صفحے، قیمت: عہ
مرتبہ: مولوی عبد السلام قدوائی، ندوی،

مقدمۂ رقعات عالمگیر، اس مین اسلامی فن انشار اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغۂ انشار کی تفصیل ہے، اور پھر عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر، خود عالمگیر کے خطوط و رقعات کی روشنی مین تنقیدی بحث کی گئی ہے،
۳۹۷ صفحے، قیمت: للعہ

رقعات عالمگیر، اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط و رقعات جو زمانۂ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہین، اس جلد مین جمع کئے گئے ہین، ان سے ادب، سیاست اور تاریخ کے بیسیون حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، مرتبہ: سید نجیب اشرف ندوی ایم اے،
ضخامت: ۴۸۷ صفحے،
قیمت: ۳؎

سوانح

سیرت عائشہؓ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالات زندگی اور اُن کے مناقب و فضائل و اخلاق اور اُن کے علمی کارنامے اور اُن کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر اُن کے احسانات، اسلام کے متعلق اُن کی نکتہ سنجیاں اور معترضین کے جوابات، قیمت: ہے، ضخامت ۳۲۹ صفحے، طبع سوم با اضافہ حواشی، (از مولانا سید سلیمان ندوی)

سیر عمرؓ بن عبد العزیز

حضرت عمرؓ بن عبد العزیز خلیفۂ اموی کے سوانح حیات اور اُن کے مجددانہ کارنامے، ضخامت ۲۰۲ صفحے، قیمت: ۶؍ ، از مولانا عبد السلام ندوی،

حیات امام مالکؒ

امام مالکؒ کی سوانح عمری، علم حدیث کی مختصر تاریخ، فقہ مدنی کی خصوصیت اور علم حدیث کی کتاب موطاء امام مالکؒ پر تبصرہ، قیمت: عہ، (۱۰۶ صفحے) از مولانا سید سلیمان ندوی،

الغزالی

امام غزالیؒ کی سوانح عمری اور ان کا فلسفہ اور علم کلام، اخلاق اور تصوف میں اُن کے مجددانہ کارنامے ضخامت ۲۳۵ صفحے، قیمت: عہ، از مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ،

تابعین

علم و عمل اور مذہب و اخلاق میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سچے جانشین اور ان کے تربیت یافتہ تابعین کرام رضی اللہ عنہم تھے، اور صحابۂ کرامؓ کے بعد اُن ہی کی زندگی مسلمانوں کے لئے نمونۂ عمل ہو، اس میں چھیانوے اکابر تابعینؒ کے سوانح اُن کے علمی، مذہبی، اخلاقی، اور عملی مجاہدات اور کارناموں کی تفصیل ہے، مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی

ضخامت: ۵۰۰ صفحے، قیمت: للعہ

(پرنٹر و پبلشر صدیق احمد)

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۱ مئی سنہ ۱۹۴۷ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت: پانچ روپیہ سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ

سلسلۂ تاریخ اسلام

اردو مین اسلامی تاریخ پر کوئی ایسی جامع کتاب نہین تھی جس مین تیرہ سو سال کی تمام اہم اور قابل ذکر حکومتون کی سیاسی علمی اور تمدنی تاریخ ہو اس لئے دار المصنفین نے تاریخ اسلام کا ایک پورا سلسلہ خاص اہتمام سے مرتب کرایا ہے، جس کے بعض حصے یہ ہین اور بعض زیر طبع ہین، اور اکثر زیر تالیف و تکمیل ہین، جو بتدریج جیسے جیسے حالات مساعد ہون گے شائع ہوتے رہین گے،

تاریخ اسلام حصہ اوّل (عہد رسالت و خلافت راشدہ)
اس مین آغاز اسلام سے لیکر خلافت راشدہ کے اختتام تک کی مفصل مذہبی، سیاسی و تمدنی اور علمی تاریخ ہے (زیر طبع)
ضخامت: ۷۰۴ صفحے، قیمت: سے

تاریخ اسلام حصہ دوم (بنو امیہ) اس مین اموی حکومت کی صد سالہ سیاسی و علمی و تمدنی تاریخ کی تفصیل ہے،
ضخامت ۴۷۴ صفحے، قیمت: سے

تاریخ اسلام حصہ سوم (تاریخ بنی عباس جلد اوّل)
اس مین خلیفہ ابو العباس سفاح ۱۳۲ھ سے خلیفہ ابو اسحٰق متقی للہ ۳۳۳ھ تک دو صدیون کی بہت مفصل سیاسی تاریخ ہے، ضخامت ۵۰۰ صفحے، قیمت: للعہ

تاریخ اسلام حصہ چہارم (تاریخ بنی عباس جلد دوم)
اس مین خلیفہ مستکفی باللہ کے عہد ۳۳۳ھ سے آخری خلیفہ مستعصم باللہ ۶۵۶ھ تک خلافت عباسیہ کے زوال و خاتمہ کی سیاسی تاریخ ہے،
ضخامت ۴۳۲ صفحے، قیمت: صہ

(مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی)

تاریخ دولت عثمانیہ حصہ اوّل، اس مین عثمان اوّل سے مصطفیٰ رابع تک سلطنت عثمانیہ کے چھ سو برس کے کارنامون کی تفصیل ہے، ضخامت: ۵۰۰ صفحے
قیمت: سے

تاریخ دولت عثمانیہ حصہ دوم، سلطنت عثمانیہ کے عروج و زوال کی تاریخ اور اس کے نظامی اور تمدنی کارنامون کی تفصیل، از محمود ثانی ۱۲۲۳ھ ۱۸۰۸ء تا جنگ عظیم ۱۳۳۷ھ ۱۹۱۹ء
ضخامت: ۶۸۴ صفحے، قیمت: صہ

مرتبہ مولوی محمد عزیر صاحب ایم اے علیگ سابق رفیق دار المصنفین اعظم گڈہ،

تاریخ صقلیہ جلد اوّل، اس مین صقلیہ کے جغرافی حالات سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملون کی ابتدا، حکومت کا قیام، اور عہد بعہد کی ترقیون اور عروج کی پوری اور مفصل داستان ہے،
۵۴۶ صفحے، قیمت: للعہ

تاریخ صقلیہ حصہ دوم، یہ سسلی کے تمدنی و علمی ترقیون کا مرقع ہے، جس مین عہد بعہد کے مفسرین، محدثین، فقہا، ادبا و شعرا کے مفصل حالات اور ان کی تصنیفات کا ذکر ہے،
۵۰۰ صفحے، قیمت: للعہ

مرتبہ: مولانا سید ریاست علی ندوی،

مسعود علی ندوی — منیجر — دار المصنفین اعظم گڈہ

جلد ۵۹ ماہ جمادی الثانی ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۴۷ء عدد ۵

مضامین

شذرات

ہندوستان میں مسلمانوں کے صدیوں کے میل جول سے جو تمدن پیدا ہوا اس کے مفید نتائج سے انکار نہیں کیا جا سکتا، انصاف پسند غیر مسلم ہندوستانی مورخین نے اپنی تصنیفات میں ان کا اعتراف کیا ہے، "انفلوئنس آف اسلام آن انڈین کلچر" وغیرہ میں اس کی مثالیں دیکھی جا سکتی ہیں،

خوشی کی بات ہے کہ اس دور میں بھی جب کہ ہندو مسلمانوں کی منافرت سیاسی اسباب کے تحت اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے مفید اثرات کو قبول کرنے میں پس و پیش نہیں کیا جاتا، ابھی حال میں ہندو لا کمیٹی (جو مرکزی اسمبلی کی طرف سے مقرر کی گئی تھی) کی رپورٹ شائع ہوئی ہے، اس میں ہندو عورتوں کو طلاق و وراثت وغیرہ کے جن حقوق کے دیئے جانے کی سفارش کی گئی ہے ان کا سرچشمہ نہ وید کی تعلیمات اور ہندو شاستر میں ہے، نہ یورپ کی بڑھتی ہوئی حقوق نسواں کی تحریک میں، بلکہ وہ اسی چارٹر سے ماخوذ ہے جس کو اسلام نے عورتوں کے بنیادی حقوق کے طور پر منظور کیا ہے، کیا یہ ہندوستان میں ہندو اور مسلمانوں کی یکجا زندگی کا ایک خوشگوار ثمرہ نہیں ہے،

لیکن یہ کیسی حسرت کی بات ہے کہ ہمارے پڑوسی ہمارے آئین کو سامنے رکھ کر اپنی معاشرتی اصلاح کے لئے قدم اٹھا رہے ہیں لیکن آج خود مسلمان عورتیں ہندوستان میں محض بعض فقہی معذوریوں کی وجہ سے اپنے بہت سے حقوق سے محروم ہیں، معارف کے اس نمبر میں نئی صورت حال کی ایک پرانی دستاویز کے عنوان سے یوپی اسمبلی کی مسلم میرج کمیٹی کی رپورٹ شائع کی جا رہی ہے، اس سے ان مصیبت زدہ مسلمان عورتوں کا حال آشکارا ہوگا، امید ہے کہ مسلمان ارباب بصیرت اس کو غور سے پڑھیں گے اور ان مشکلات کو حل کرنے کے لئے کوئی مناسب و مستحکم قدم اٹھائیں گے،

ہندوستان کے برطانوی دور حکومت میں یہاں کے علم و ادب کا قیمتی سرمایہ بھی یہاں سے انگلستان لیجایا گیا جس کو اس سرزمین

میں سلاطین و امراء کے مختلف خانوادوں اور ارباب ذوق اہل علم نے صدیوں میں یکجا کیا تھا، برطانوی عہدداروں نے ان کتابوں کے منتقل کرنے کا منظم سلسلہ انیسویں صدی کے آغاز سے شروع کیا، ۱۸۰۷ء میں جانسن رچرڈ کے ہاتھوں بعض ذخیرہ منتقل کیا گیا، پھر ۱۸۰۹ء میں وارن ہیسٹنگز نے اپنے اہتمام میں کتابیں انگلستان پہنچائیں، پھر اسی سال گیکوار بڑودہ کا کتب خانہ لیجایا گیا، ۱۸۱۱ء میں ولیم اردن نے بھی قیمتی کتابیں منتقل کیں، پھر ۱۸۳۵ء میں فورٹ ولیم کالج کے بند کئے جانے کے بعد اس کا پورا کتب خانہ یہاں سے وہاں پہنچا دیا گیا، اسی طرح ۱۸۳۷ء میں سرجان ملکم کے ہاتھوں بھی مخطوطات کا بہترین ذخیرہ منتقل کیا گیا، بایں ہمہ اس وقت تک یہاں کے اہم شاہی کتب خانوں سے قیمتی نوادر محفوظ تھے، چنانچہ ۱۸۵۴ء میں اسپرنگر نے اودھ کے شاہی کتب خانوں کی فہرست لکھنؤ میں مرتب کی تھی، ان میں دس ہزار قلمی کتابیں موجود تھیں، یہاں تک کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد دہلی کے شاہی کتب خانہ پر ہاتھ ڈالنے کی جسارت کی گئی اور ۱۸۵۸ء میں بیش بہا علمی نوادر بھی انگلستان پہنچا دیئے گئے، اس طرح ہندوستان میں بولی اور سمجھی جانے والی مختلف زبانوں عربی، فارسی، سنسکرت، اردو، ہندی، مرہٹی، گجراتی، تلیگو اور تامل وغیرہ کی بہترین قلمی کتابیں انگلستان چلی گئیں، اور ہندوستان کو اپنے علم و ادب کے مایۂ ناز سرمایہ سے تہی دامن ہو جانا پڑا، انگلستان میں ان میں سے کچھ نوادر برٹش میوزیم میں داخل کر دیئے گئے اور بیس ہزار سے مخطوطات کا ذخیرہ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں رکھ لیا گیا، نیز بہت سے فنی و تاریخی دستاویزات اور نوادر بھی رکھے گئے جو ہندوستان خصوصاً اسلامی عہد کی تاریخ، آثار اور روایات کے حامل ہیں،

ہندوستان کے بدلتے ہوئے سیاسی حالات کے تحت انڈیا آفس کے ختم کئے جانے کا زمانہ قریب رہا ہے، اس سلسلہ میں یہ بات موجب طمانیت ہے کہ یہاں کے ارباب حل و عقد نے اس ملک کے ان قیمتی مخطوطوں، دستاویزوں اور بیش قیمت نوادر کو اس موقع پر فراموش نہیں کیا اور ان کے یہاں واپس لانے کی گفتگو کا سلسلہ انگلستان کے ارباب سیاست سے جاری ہو گیا ہے اور ان گفتگوؤں کے نتیجہ میں ان کی واپسی کا یقین دلایا گیا ہے، ضرورت ہے کہ اس سلسلہ میں ان نوادر پر خاص طور پر نظر رکھی جائے، جو برٹش میوزیم میں دیدیئے گئے ہیں کہ وہ مخطوطات جو کبھی ہماری ملکیت میں رہ چکے ہوں وہ خواہ برٹش میوزیم میں ہوں یا انڈیا آفس میں ان سب کا یہاں واپس آنا چاہئے کہ یہ انمول جواہر ہماری علمی، ادبی اور لسانی ترقیوں میں غیر معمولی معاون ہوں گے اور ہم صحیح طور پر

اُن سے فائدہ اُٹھا سکین گے اور پھر یہ ہماری لئے باعث مسرت ہوگا کہ ہماری صدیوں کی دولت گم گشتہ ہمین دوبارہ مل گئی،

ابن ہبل المتوفی ۵۶۰ھ کی المختار فی الطب علمی حلقون مین شہرت رکھتی ہو طب اسلامی کے عروج کے دور میں اس کتاب کو غیر معمولی مقبولیت حاصل رہ چکی ہو حسن اتفاق سے اس کا ایک نادر مکمل اور صحیح نسخہ دارالمصنفین مین موجود تھا، دائرۃ المعارف حیدرآباد نے اس نسخہ کو اساس بناکر اس کو المختارات فی الطب کے نام سے چار جلدون مین تصحیح و تحشیہ کے ساتھ شائع کیا ہو یہ جلدین دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن سے مل سکتی ہین،

صوبہ بمبئی مین اردو کی علمی تعلیمی اور ادبی تحریکون کی رہنمائی کی خدمت ایک مرکزی مجلس انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ انجام دے رہی ہو یونیورسٹی میں اردو کے امتحانون کی توسیع ایم اے اور پی ایچ ڈی کی تیاری کرنے والے طلبہ کی رہنمائی ایک مکمل اردو کتب خانہ کا قیام ایک علمی رسالہ کا اجرا قلمی اور نایاب اردو کتابون کا حصول اور ان کی اشاعت کا انتظام کرنا اور مختلف یونیورسٹیون مین اردو ادب پر کام کرنے والون سے رابطہ قائم کرنا اس مجلس کے فرائض مین داخل ہو اور یہ باعث مسرت ہو کہ حکومت بمبئی نے اس انجمن کے لئے دس ہزار روپے سالانہ کی امداد منظور کر لی ہو جس سے اس کو اپنے فرائض کے ادا کرنے مین سہولت حاصل ہو گی، جو لوگ اردو کے سلسلہ مین اپنی علمی و ادبی تحقیقات مین اس مجلس سے مدد لینی چاہین، وہ پروفیسر سید نجیب اشرف صاحب ندوی ایم اے آنریری ڈائرکٹر انجمن اسلام اردو انسٹی ٹیوٹ سے نمبر ۲۹ ہارن بی روڈ بمبئی نمبر ا کے پتہ پر مراسلت کرسکتے ہین،

سندھ یونیورسٹی کے قیام و تاسیس کی تحریک بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہی ہو اب اس کی داغ بیل ڈالی جا چکی ہو اور یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی کہ اس یونیورسٹی کی باگ ڈور پروفیسر عبد الحلیم کے آزمودہ کار ہاتھون مین دی گئی ہو، وہ وائس چانسلر بنائے گئے ہین، یہ وائس چانسلر کے فرائض وہ بڑے حسن و خوبی سے مسلم یونیورسٹی مین انجام دے چکے ہین، موصوف نے اپنے اس نئے عہدہ کی ذمہ داری سنبھال لی ہو توقع ہو کہ ان کی سرپرستی مین یہ یونیورسٹی ترقی کے مدارج کو جلد طے کرے گی،

خوشی کی بات ہو کہ ہمارے پرانے رفیق کار مولانا ابو الجلال صاحب ندوی مدراس مین چند سال مختلف علمی و تعلیمی زندگی گذارنے کے بعد اب پھر ہمارے درمیان آگئے ہین، اور اپنے علمی مشاغل مین مصروف ہین، خصوصاً نوجوان رفقاے دارالمصنفین کی علمی رہنمائی کرنے مین اُن کے مفید خدمات انجام پائین گے،

مقالات

نئی صورتِ حال کی ایک پرانی دستاویز

تیس برس کا زمانہ گذر گیا، ۱۹۳۶ء میں یوپی کی مجلس قانون ساز میں ڈاکٹر شفاعت احمد خان کی تحریک سے ایک کمیٹی بنائی گئی تھی جس کا نام مسلم میرج کمیٹی تھا، اور جس کا مقصد مسلمانوں کے نکاح و طلاق کے معاملات پر غور اور نکاح و طلاق کو درج رجسٹر کرنے کیلئے ایک قانون کا بنانا تھا، اس کمیٹی کے صدر سر شاہ سلیمان مرحوم تھے، اور اس کے ممبروں میں ڈاکٹر شفاعت احمد خان، اور مجلس قانون ساز کے چند مسلمان ممبر اور بعض رؤسا تھے، مسئلہ چونکہ مذہبی نوعیت کا تھا، اس لئے اس میں چند علماء ممبر بنائے گئے تھے، جن میں مولانا کفایت اللہ صاحب دہلوی اور مولانا نعیم الدین صاحب مرادآبادی اور مولانا قطب الدین صاحب فرنگی محلی وغیرہ اور یہ خاکسار شریک تھا، کمیٹی نے لکھنؤ میں اپنے متعدد اجلاس کئے، اور بہت سے علماء اور معززین کی شہادتیں لی گئیں، اور آخر اس کی رپورٹ تیار کی گئی، اور وہ مجلس قانون ساز میں پیش کی گئی،

اس رپورٹ کا جو حشر ہوا اس کا نتیجہ حافظ شیرازی کی زبانِ غیب نے ان لفظوں میں سنایا ؏

این دفتر بے معنی غرق مے ناب اولی

بہرحال کمیٹی کے سارے ممبروں کا اتفاق کسی ایک نقطہ پر نہ ہو سکا، اس لئے کمیٹی کے ان ممبروں نے جو اس کی ضرورت کے قائل تھے، اپنی الگ رپورٹ تیار کی تھی، جس کی تحریر و تیاری کی خدمت

خاکسار کے سپرد ہوئی، اور اس پر مولانا کفایت اللہ صاحب، مولانا قطب الدین صاحب اور خاکسار نے دستخط کئے، اس رپورٹ کی نقل مدت سے میرے پاس پڑی ہوئی تھی، اپریل کے شذرات کو دیکھکر خیال آیا کہ کیوں نہ اس ساز کو پھر چھیڑا جائے، کہ ملک میں اس وقت جس نئے ہندوستان کے خاکہ کی تیاری ہے، اس میں مسلمانوں کی اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کا مناسب وقت آپہنچا ہے ان اوراق میں جو خیالات ظاہر کئے گئے ہیں، اور مسلمانوں کی اس اجتماعی ضرورت کو جس طرح پورا کرنے کا خیال پیش کیا گیا ہے، وہ تخیل و تصور کے لحاظ سے نہیں، بلکہ اس لحاظ سے نظر ڈالنا چاہئے کہ اضطرار و احتیاج کی حالت میں ممکن سے ممکن عملی صورت کیا ہو سکتی ہے،

یہ نقشہ آج سے بیس سال پہلے کا ہے، اس وقت حالات میں بہت کچھ تغیر ہے، خیالات میں بھی تبدیلیاں ہوگئی ہیں، اور بہت سی ناممکن باتیں ممکن معلوم ہو رہی ہیں اس صورت میں یہ نقشہ بدل کر اور زیادہ مکمل شکل میں سوچا جا سکتا ہے، اور اس کے نقائص کو دور کیا جا سکتا ہے،

سید سلیمان ندوی

اندراج نکاح وطلاق

اور

تقرر قضاۃ

نکاح وطلاق کو سرکاری طور پر درج رجسٹر کرانے کا مسئلہ درحقیقت بڑی اہمیت رکھتا ہے، لیکن صرف اندراج کی بحث ہی اہم نہیں ہے، بلکہ نکاح وطلاق کے متعلق بہت سی انتظامی باتیں اس سے بھی زیادہ اہم ہیں جن کے بغیر مسلمان سخت دشواریوں اور مذہبی مضرتوں میں مبتلا ہیں خصوصاً لڑکیوں اور ان کے والدین اور اولیاء کے لئے بہت زیادہ مصیبت ہے، بہرحال اس وقت ہمارے سامنے نکاح و طلاق کے اندراج کا مسئلہ ہے، اور ہم اپنی بحث کو اسی مسئلہ سے شروع کرتے ہیں،

سب سے اول اس کی تصریح کر دینی ضروری ہے، کہ شریعت اسلامیہ کے اصول و احکام کی بنا پر نکاح و طلاق کی صحت کے لئے کتابت اور اندراج رجسٹر کی ضرورت نہیں،

مذہبی طور پر زبانی ایجاب و قبول (بشرائط مقررہ و معتبرہ) صحت نکاح کے لئے اور زبانی الفاظ طلاق (بشرائط مقررہ و معتبرہ) وقوع طلاق کے لئے کافی ہیں،

کوئی نکاح صرف اس وجہ سے کہ وہ لکھا نہیں گیا یا رجسٹر سرکاری میں درج نہیں ہوا، اور کوئی طلاق صرف اس وجہ سے کہ وہ لکھی نہیں گئی یا سرکاری رجسٹر میں درج نہیں ہوئی، ناجائز اور باطل قابل انکار نہیں قرار دیا جا سکتی،

اور کوئی ایسا قانون جو نکاح و طلاق کی اس حیثیت پر اثر انداز ہو، قبول نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ اسلامی حکم کے خلاف ہوگا،

ہاں نکاح و طلاق کے اندراج کو صحت نکاح و طلاق کے لئے غیر ضروری تسلیم کرتے ہوئے اس حیثیت سے یہ مسئلہ زیر بحث آ سکتا ہے، کہ آیا اندراج جائز و مفید ہے یا نہیں پس ابتدائی طور پر اس مسئلہ کے دو پہلو ہیں،

ایک یہ کہ اس قسم کا اندراج مفید اور نافع ہے، اور اس کو رواج دینا مناسب ہے، اور جس قدر لوگ اس پر عمل کریں اتنا ہی فائدہ ہے، اس کا نام اختیاری اندراج ہے،

دوسرا یہ کہ چونکہ اس اندراج میں بہت سی مصلحتیں ہیں، بڑی حد تک مقدمات سے نجات ملتی ہے، نکاح کے ثبوت اور دین مہر کی تعیین میں سہولت ہوتی ہے، اس لئے اس کو لازمی طور پر جاری کر دیا جائے اس کا نام جبری اندراج ہے،

جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے شریعت اسلامیہ کو نہ صرف یہ کہ اس پر اعتراض نہیں، بلکہ اس کے نزدیک وہ پسندیدہ اور مستحسن بھی ہے، عملی پہلو کے لحاظ سے اسلامی سلطنتوں اور ہندوستانی مسلم ریاستوں

میں اس پر کم و بیش عمل درآمد بھی رہا ہے، اور اب بھی موجود ہے،

قرآن پاک کی آیات ذیل سے بھی اس اندراج کے بہتر اور مستحسن ہونے پر استدلال کیا گیا ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ	اے ایمان والو! جب تم کوئی ادھار کا
بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ	معاملہ کرو، جس کا ادا کرنا وقت مقررہ
وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ	پر ہو تو اس کو لکھ لیا کرو، اور چاہیے کہ ایک
وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا	لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھے، اور لکھنے والا
عَلَّمَهُ اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي	لکھنے سے جیسا کہ اللہ نے اس کو سکھایا انکار
عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ	نہ کرے، اور جس پر حق آتا ہو یعنی جس کو دینا ہو
وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا فَإِنْ كَانَ	وہ لکھوائے اور وہ اپنے پروردگار اللہ سے ڈرے
الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا	اور حق میں سے کچھ کم نہ کرے، اور اگر جس کو
أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ	دینا ہو، وہ ناسمجھ یا ضعیف ہو یا لکھوا نہ
وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ	سکتا ہو تو اس کا ولی اس کی طرف سے
مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ	اس کو انصاف سے لکھوائے، اور اپنے
فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ	مردوں میں سے دو گواہ بنالو، اگر دو مرد
مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا	نہ ہوں تو ایک اور دو عورتیں، یہ گواہ
فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى ط وَلَا	ان گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرو،
يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا وَلَا	کہ ایک عورت بھولے تو دوسری اس کو
تَسْأَمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ	یاد دلائے، اور گواہوں کو جب بلایا جائے ع ۲۶
كَبِيرًا إِلَى أَجَلِهِ ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ	تو وہ انکار نہ کریں، اور اس معاملہ کے

عِنْدَ اللّٰہِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَۃِ وَاَدْنٰی اَلَّا تَرْتَابُوْا (بقرہ ۳۹)

تاوقت مقرر لکھ لینے میں خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، تم سستی نہ کرو، یہ خدا کے نزدیک انصاف سے زیادہ قریب اور شہادت کے لئے زیادہ درست اور تمھارے شک میں نہ پڑنے کے لئے زیادہ مناسب صورت ہے،

ان آیات میں ہر اوس مالی معاملہ کے اندراج و تحریر کی ہدایت کی گئی، جو ادھار اور موجل ہو یعنی جس کا ادا کرنا آیندہ کسی وقت پر محول ہو، جس میں دین مہر موجل بھی داخل ہے، چنانچہ احکام القرآن امام ابوبکر رازی حنفی المتوفی سنہ ۳۷۰ھ میں ان آیات کی تفسیر میں ہے،

وعلی ھٰذا الکل دین ثابت موجل فھو مراد بالآیۃ سواء کان من ابدال المنافع او الاعیان نحو الاجرۃ المؤجلۃ فی عقود الاجارات والمھر اذا کان مؤجلاً وکذٰلک الخلع،

اور اس بنا پر ہر ثابت اور مؤجل دین اس آیت میں مراد ہے، عام اس سے کہ وہ اشیار کے منافع کا بدل دین ہو یا خود اشیار کی ذات کا، مثلاً وہ موجل زرمعاوضہ جو اجاروں کے معاملوں میں یا مہر میں ہو، جب کہ مہر موجل ہو، اور اسی طرح خلع کا معاملہ،

(جصاص ج ۱ ص ۴۸۳ مطبوعہ مصر)

قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی اندلسی المتوفی سنہ ۵۴۳ھ اپنی کتاب احکام القرآن میں حنفیہ کا مسلک لکھتے ہیں :-

قال اصحاب ابی حنیفۃ عموم قولہ تعالیٰ اذا تداینتم بدین الیٰ اجل مسمّی یدخل تحتہ المھر الی اجل

اصحاب ابوحنیفہ کہتے ہیں، کہ اس آیت کے عموم میں مہر موجل بھی داخل ہے (یعنی اس کو لکھنا چاہئے)

(احکام القرآن ج ۱ ص ۱۲۲ مطبوعہ مصر)

احادیث میں نکاح و طلاق و خلع وغیرہ کی تحریر و کتابت کا کوئی واقعہ مذکور نہیں ہے، اس کی اصلی وجہ یہ ہے، کہ اس زمانہ میں مہر فی الفور ادا کر دیا جاتا تھا، تاخیر نہیں کی جاتی تھی، یعنی مہر معجل کا دستور اور رواج زیادہ تھا، مہر مؤجل کا آنا نہ تھا، نیز ان کی اخلاقی حالت قابلِ وثوق تھی، اس لئے اس عہد میں تحریر و کتابت کی حاجت نہیں پڑی، مگر جیسے جیسے زمانہ بدلتا گیا، اور حالات متغیر ہوتے گئے، ان امور میں تحریر و کتابت کا طریقہ بھی مزید ثبوت کے طور پر رواج پذیر ہوا، چنانچہ مشہور محدث امام نسائی المتوفی ۳۰۳ھ نے اپنی سنن میں تابعیون سے اُن عبارتون کے نمونے نقل کئے ہین، جو شرکت و تجارت اور مالی معاملات میں لکھی جاتی تھین، اسی ضمن مین تفریق و خلع نامہ کی کتابت کی یہ عبارت نقل کی ہے، جس کا سرنامہ یا عنوان یہ ہے تفریق الزوجین عن مزاوجتھما یعنی زن و شو کا اپنی زوجیت سے علٰحدہ ہونا"، اوس کے بعد اس خلع نامہ کے لکھنے کا پورا خاکہ نقل کیا ہے، (کتاب المزارعۃ والوثائق صفحہ ۱۵، سنن نسائی مطبوعہ نظامی) اس تحریر کی ابتدائی سطرین یہ ہین :-

ھذا کتاب کتبتہ فلانۃ بنت	یہ وثیقہ ہے جس کو فلان عورت، فلان بن
فلان بن فلان فی صحتہ منھا وجواز	فلان کی لڑکی نے بحالت صحت اور ہوش
امرھا لفلان بن فلان بن فلان	وحواس فلان بن فلان کو لکھ کر دیا، کہ میں
انی کنت زوجۃ لک۔۔۔	تمھاری بیوی تھی،

فقہ کی کتابون میں بھی اس قسم کی عبارتون کے خاکے دیئے گئے ہین جن مین قاضی کسی متنازع فیہ واقعۂ نکاح یا طلاق یا خلع میں تحریری سند زوجین کو یا ان میں سے ایک کو لکھ کر دیا کرتا تھا، چنانچہ فتاوی عالمگیری کی چھٹی جلد مین کتاب المحاضر والسجلات کے تحت نکاح و طلاق و خلع کی تحریر و اندراج کی عبارتون کے وہ نمونے نقل کئے ہین، جن کو قاضی سند کے طور پر لکھ کر دیتا تھا، پھر اسی کتاب کی اسی جلد کے باب کتاب الشروط فصل دوم مین نکاح اور فصل سوم مین طلاق کے اندراج و تحریر کے خاکے دیئے گئے ہین کہ باپ جب اپنی

بالغ لڑکی کا نکاح اپنی ولایت سے کرے، تو یہ عبارت لکھی جائے، اور جب لڑکی نابالغ ہو تو یہ عبارت لکھی جائے، باپ کے علاوہ دوسرے اولیاء یہ عبارت لکھوائیں، غلام کی طرف سے یہ، اور لونڈی کی طرف سے یوں لکھا جائے،

اسی طرح طلاق کے مختلف اقسام کے الگ الگ وثائق کے نمونے دیئے گئے ہیں، خلع کی صورت یوں لکھی ہے، کہ امام ابوحنیفہؒ اور اُن کے پیرو اماموں میں اوس کی صورت تحریر کے بعض الفاظ میں اختلاف ہے،

فان كانت المرأة مدخولة واراد الرجل ان يكتب بذلك كتابا يكتب: هذا الكتاب لفلان بن فلان يعني الزوج من فلانة بنت فلان هكذا كان يكتب ابوحنيفة واصحابه رحمهم الله تعالى وكان الخصاف والطحاوي والسمتي وهلال وابو زيد الشروطي رحمهم الله تعالى يزيدون في ذلك زيادة فيكتبون هذا الكتاب لفلان يعني الزوج كتبت له فلانة بنت فلان،........

جب عورت سے ہمبستری ہو چکی ہو، اور مرد لکھنا چاہے، تو یوں لکھے یہ فلان بن فلان یعنی شوہر فلان عورت بنت فلان کی، اسی طرح ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد لکھا کرتے تھے، اور خصاف اور طحاوی اور سمتی اور ہلال اور ابوزید شروطی اس میں کچھ اور بڑھاتے تھے، وہ اس طرح لکھتے تھے، یہ فلان یعنی شوہر کے لئے وہ تحریر ہے جو فلان عورت بنت فلان نے اوس کے لئے لکھی،

اسی طرح اسی کتاب کی اسی جلد کی فصل ۱۳ مین فی الوکالات کے زیر عنوان وثیقہ نویسی کا وہ طریقہ درج ہے، جبکہ وکیل بالنکاح لکھا کرتا ہے،

وکلت المسماة فلانة بنت	مسماة فلان عورت بنت فلان بن فلان
فلان بن فلان فلانا واقامته	نے اپنی طرف سے فلان شخص کو اپنا وکیل
مقام نفسها فی تزویجها من فلان	بنایا صحیح وکیل بنایا، اور اس کو اپنا قائم
ابن فلان علی صداق کذا ادرهما	مقام کیا، کہ وہ اس کا نکاح فلان بن
وکالة صحیحة وان فلانا قبل	فلان سے اتنے درہم کے دین مہر پر کردے
هذه الوکالة قبولا صحیحا ذلک	اور وکیل مذکور فلان نے اس وکالت
بتاریخ کذا ثم یکتب،	کو صحیح طور سے قبول کیا، اور یہ فلان تاریخ
بسم الله الرحمن الرحیم، هذا	بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ تحریر ہے کہ فلان
ما تزوج فلان فلانة بتزویج	مرد فلان عورت سے اس عورت کے وکیل
وکیلها فلان ایاه بالمهر المذکور	فلان شخص کی معرفت اس مہر پر نکاح
فی صدر الکتاب وهو کذا نکاحا	کیا جو شروع تحریر مین مذکور ہے صحیح اور
صحیحا جائزا بمحضر جماعة من	جائز نکاح پسندیدہ اور عادل گواہون
الشهود العدل والمرضیین،	کی ایک جماعت کی موجودگی مین،

اس سے آگے بڑھکر یہ ہے کہ بعض فقہا نے کتابت نکاح کو شہادت کی توثیق کی غرض سے مستحب اور مستحسن قرار دیا ہے، شامی جلد ثانی کتاب النکاح مین ہے،

واما الکتابة ففی عتق المحیط یستحب	لیکن کتابت تو محیط کے باب العتق مین ہے
ان یکتب العتق کتابا ویشهد علیه	کہ مستحب یہ ہے کہ آزاد کرنے والا ایک تحریر

صیانۃ عن التجاحد کما فی الخزانۃ بخلاف سائر التجارات للحرج لانها مما یکثر وقوعها و ینبغی ان یکون النکاح کالعتق لانه لا حرج فیه،

لکھ دے، اور اوس پر گواہ بنا دے تاکہ انکار کرنے والے کے انکار سے اس کو محفوظ کر دیا جائے، جیسا کہ کتاب الخزانہ مین ہے، برخلاف عام خرید و فروخت کے کہ اس مین کتابت سے معاملات مین تنگی ہو گی، کیونکہ یہ معاملے ہر وقت واقع ہوتے رہتے ہین، اور مناسب یہ ہے کہ عتق کی طرح نکاح بھی ہو کیونکہ اوس کے تحریر کرنے مین بھی تنگی نہین،

ان تمام تصریحات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نکاح و طلاق کا کسی کتاب مین درج کرانا احکام مذہبی کے خلاف نہین، بلکہ مستحب اور مستحسن ہے، اور نکاح و طلاق کے مزید ثبوت کا باعث اور مسلمانون کو بہت سے نزاعات اور مقدمات کی تباہی و بربادی سے بچانے کا سبب ہوگا، باایں ہمہ یہ ظاہر ہے کہ عدم اندراج سے نکاح و طلاق کے بذریعہ زبانی شہادتون کے ثبوت کے عام شرعی قاعدہ مین کوئی مداخلت نہ ہوگی، اور نہ ہو سکتی ہے،

ہم لوگون مین سے جن کو طلاق و نکاح کے معاملات سے بحیثیت مفتی یا وکیل کے سابقہ پڑا کرتا ہے ان کو پہلے سے یہ معلوم تھا لیکن اب کمیٹی کے عام ممبرون پر بھی شہادتون سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ مسلمانون کے معاملات طلاق و نکاح کا کوئی نظام نہ ہونے سے ان کو صدہا مشکلات اور دقتون کا سامنا ہے، اور اس سے مسلمانون کو بے حد تکلیفین پہنچ رہی ہین، ان مشکلات اور دقتون کی مختلف نوعیتین ہین، اور اُن سب پر غور کرنا، اور ان کا علاج سوچنا ہمارا فرض ہے،

۱- چونکہ نکاح خوان قاضی کے لئے علمی صفات کی کوئی قید نہین ہے، اس لئے ہر کس و ناکس اس

فرض کو ادا کر دیتا ہے، اور جہالت کی وجہ سے ایسے نکاح کر دئے جاتے ہیں، جو شرعاً جائز نہیں جس کا نتیجہ مسلمانوں کی عزت و آبرو کے علاوہ ان کے خاندانی نسل اور ترکہ و وراثت پر پڑتا ہے، رضاعت کے پیچیدہ اصول سے وہ واقف نہیں ہوتے، رشتوں میں حلال و حرام کا فرق نہیں کر سکتے، عدت میں نکاح کر دینے کے مجرم ہوتے ہیں، طلاق کی بھی مختلف صورتوں کے نہ سمجھنے کے باعث کبھی ظاہری مطلقہ اور حقیقۃً غیر مطلقہ کا نکاح دوسرے سے کر دیتے ہیں، اولیاء کے باہمی فرق مراتب اور ان کے اختیارات کے عدم واقفیت کے باعث بہت سی غلطیاں کرتے ہیں، اور وہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرتے رہتے ہیں، بالآخر وہ مقدمات کی صورت میں متعلقہ خاندانوں اور عدالت دونوں کے لئے مصیبت کا باعث ہوتے ہیں،

۲- چونکہ شریعتِ اسلامی میں نکاح و طلاق کے نفس انعقاد اور وقوع کے لئے شہادتوں کا درج تحریر ہونا ضروری نہیں ہے، اور لوگ عموماً بے پروائی کے ساتھ گواہوں کا انتخاب کرتے ہیں، اور پھر یہ بھی دستور ہے کہ تبرک کے لئے عموماً بڑے بوڑھے اور بزرگ اس خدمت کے لئے منتخب ہوتے ہیں، اور عموماً ان معاملات میں جھگڑے نکاح کی ایک مدت کے بعد بلکہ زوجین میں سے ایک کی وفات کے بعد پیش آتے ہیں، اس وقت یا تو گواہ مر جاتے ہیں، یا ہوش و حواس اور حافظہ کھو بیٹھتے ہیں، اس لئے ایک مدت کے بعد نکاح کے ثبوت میں سخت دقتیں پیش آتی ہیں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دینِ مہر کے تحریری نہ ہونے کے باعث تعین رقم کی دشواریاں پیش آتی ہیں، اور صوبہ کے بعض حصوں میں عدالتوں کو اپنے قانون کے ماتحت دینِ مہر کی رقم میں اپنے قیاسات سے کام لے کر مداخلت کرنی پڑتی ہے، اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ دوسرے تحریری قرضوں کے مقابلہ میں یہ بے تحریر قرضہ ناقابلِ ثبوت ہو کر ساقط کر دیا جاتا ہے،

۳- شریعتِ اسلامیہ میں متعدد صورتیں ایسی ہیں جن میں عورتوں کو مردوں سے علٰحدگی اور تفریق کی یا نکاح کے فسخ کرانے کی اجازت دی گئی ہے لیکن ان تمام صورتوں کے لئے یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ

وہ مسلمان قاضی وقت کی قضا اور فیصلہ سے ہون جس کے ہاتھ مین تنفیذی طاقت اور قوت ہو، مثلاً بالغہ لڑکی جس کا نکاح باپ کے اور دادا کے سوا کسی اور نے کر دیا ہو وہ بلوغ کے بعد اپنے اس نکاح کو ناپسند کرکے رد کر سکتی ہے، مگر اس کے لئے مسلمان قاضی کے حکم و فیصلہ کی ضرورت ہے، اسی طرح اگر کسی عورت کا شوہر کم از کم چار برس سے مفقود الخبر ہے، تو وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے، مگر اس کے لئے بھی قاضی مسلم کی اجازت شرط ہے، ایسے ہی اگر کوئی عورت خلع کرانا چاہتی ہے، تو وہ بھی مسلمان قاضی ہی کی محتاج ہے، نیز اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو نان و نفقہ نہین دیتا، تو وہ بعض صورتون مین شوہر سے الگ ہو سکتی ہے، مگر قاضی مسلم کے فیصلہ کے بغیر نہین، غرض عورت کی طرف سے ہر علٰحدگی، اور تفریق کے لئے ایسے مسلمان قاضی کی ضرورت ہے، جو تنفیذی طاقت اور قضا کا اختیار رکھتا ہو، چونکہ گورنمنٹ نے جب سے قاضیون کے نظام کو برطرف کرکے موجودہ عدالتون کا نظام قائم کیا، ان معاملات کو زیر غور نہین رکھا، اس لئے اس کو غالباً مسلمانون کی ان مشکلات کا اندازہ نہین ہوا، حالانکہ مسلمان عورتون کو صد درجہ تکلیفین اور دقتین درپیش ہین، گواہون مین سے اکثر اصحاب نے جن کو ان معاملات سے تعلق ہے، ان دقتون کا ذکر کیا ہے، اور بعض قابل شرم اور بعض نہایت بے رحمانہ اور بعض نہایت سنگدلانہ واقعات کو انھون نے بیان کیا، جو موجودہ کمیٹی کے اختیار سے باہر ہونے کے سبب سے تحریر مین نہ آسکے، تاہم حالت ایسی دردناک ہے کہ کسی ملک کی گورنمنٹ اس کو نظر انداز نہین کر سکتی،

مولانا عنایت اللہ صاحب فرنگی محلی کے جواب مین یہ مذکور ہے کہ صرف ایک فرنگی محل مین ماہوار دس پندرہ فتوی اس قسم کے پیش آتے ہین، جن مین بااختیار مسلمان قاضی کی ضرورت پیش آتی ہے، ہمارے صوبہ مین فرنگی محل کے علاوہ ندوۃ العلماء لکھنؤ اور نیز بدایون، بریلی، دیوبند، سہارنپور، کانپور، جونپور، اعظم گڈھ وغیرہ مین بھی دار الافتاء ہین، اگر ان مین سے ہر جگہ کی تعداد یکجا کر لی جائے، تو یہ کس قدر زیادہ ہو جائیگی،

نیز ایک دوسرے گواہ مولانا ابوبکر محمد شیث صاحب جونپوری فاروقی ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی

کے جوابات ملاحظہ کیجئے جن میں وہ بیان کرتے ہیں، کہ اُن کے علم میں اس قسم کے بکثرت معاملات ہر سال پیش آتے رہتے ہیں، اور مسلمانوں کے ہاتھوں میں ان کا کوئی علاج نہیں ہے، اسی طرح دوسرے گواہوں کے بیانات ہماری تصدیق کریں گے،

موجودہ زیر تجویز قانون سے پہلی اور دوسری شکلیں بہت حد تک دور ہو جائیں گی لیکن تیسری مشکل کے حل میں موجودہ صورت میں کوئی مدد نہیں مل سکتی، اور اس کے متعلق باوجود شدتِ احساس کے ہم اس لئے کوئی تفصیل نہیں کر سکتے، کہ اس کا علاج موجودہ کمیٹی کی وسعت اور اختیار سے خارج ہے لیکن چونکہ خوش قسمتی سے گورنمنٹ نے مسلمانوں کی ان پریشانیوں اور مصیبتوں کو محسوس کر کے جو نکاح وطلاق کے اندراجات نہ ہونے سے پیش آتی ہیں، اُن کے ازالہ کی جانب توجہ کی ہے، اور اس کے جوانب و اسباب پر غور کرنے کے لئے یہ کمیٹی مقرر کی ہے، اس لئے کمیٹی کو حق ہے کہ عدم اندراج کی مضرتوں کے ساتھ ساتھ ان مضرتوں اور مصیبتوں کو بھی روشنی میں لے آئے، جو عدم اندراج کی مصیبتوں سے بدرجہا زیادہ سخت اور تباہ کن ہیں اور گورنمنٹ سے درخواست کرے کہ جس طرح اوس نے ان دقتوں کے ازالہ کی جانب توجہ فرمائی ہے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ اوس کو اپنی مسلمان رعایا کی اس پریشانی اور مصیبت کو رفع کرنے کی سعی کرنی چاہئے، جو اختیار مسلم قاضی کے نہ ہونے کی وجہ سے رات دن پیش آرہی ہے، اور جس نے مسلمان لڑکیوں کی زندگی تلخ کر دی ہے،

ہماری رائے میں اگر گورنمنٹ مسلمان مظلوم لڑکیوں کی اس ناقابل برداشت مصیبت کو رفع کرنے کے لئے حسب ذیل صورتوں میں سے کوئی صورت اختیار کرے، تو مسلمانوں کی بہت بڑی مشکل حل ہو جائیگی،

ا۔ مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ ان تمام قاضیوں کو ایک مرکزی نظام میں لاکر پورے صوبہ میں مسلمانوں کے نکاح و طلاق کے لئے ایک علٰحدہ محکمۂ قضا قائم کر دیا جائے جس کو ان معاملات میں حق فیصلہ ہو تو یہ ساری مشکلات دور ہو جائیں گی، اور تمام چیزیں مرتب صورت میں ہو جائیں گی، عدالتیں بھی بہت سے مقدمات سے بچ جائیں گی رجسٹری آفس بھی نئی ذمہ داریوں سے محفوظ رہے گا،

۲۔ اگر بالفعل یہ ممکن نہ ہو تو اس مشکل کے حل کی آسان صورت یہ ہے، کہ قاضیوں کو ان معاملات کے لئے وہ اختیارات دیئے جائیں، جو آنریری منصفوں کو حاصل ہیں، تاکہ وہ اپنے اختیارات سے اس مشکل کو دور کر سکیں،

یہ یاد رہے کہ موجودہ عدالتیں اس مشکل کو اس لئے حل نہیں کر سکتی ہیں، کہ ان مسائل میں شرع اسلامی کے رو سے غیر مسلم حاکم کا فیصلہ جائز نہ ہوگا، ورنہ ایسے مسلمان حاکموں سے اس کے فیصلے کرائے جا سکتے ہیں، جو قانون شرع سے واقف نہ ہوں، تیسری صورت یہ ممکن ہے کہ

۳۔ ہر ضلع میں کسی ایک مسلمان حاکم کو جس نے ان مسائل کا خاص امتحان پاس کیا ہو ایسا اختیار دیا جائے جس کے رو سے وہ ان مشکلات کا حل کر سکے،

مسلمانوں کے ان معاملات کے لئے خود ہندوستان میں اسلامی حکومتوں کے زمانہ میں خاص محکمہ تھا جس کا افسر اعلیٰ صدر جہان (قاضی القضاۃ) کہلاتا تھا، اسی کا اثر ہے، کہ آج بھی ہندوستان کی اسلامی ریاستوں میں یہ عہدہ کسی نہ کسی صورت میں قائم ہے، بلکہ اس ملک کی ہندو ریاستوں تک نے بھی اپنی مسلمان رعایا کے لئے اس قسم کے قاضی اور مفتی مقرر کر رکھے ہیں، پھر تعجب ہے کہ ہندوستان کی حکومت نے کیوں اس بارہ میں اپنا فرض محسوس نہیں کیا،

مسلمان سلطنتوں میں آج بھی یہ عہدے قائم ہیں، بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ امریکہ نے فلپائن میں فرانس نے شمالی افریقہ کی نوآبادیوں میں اور روس نے اپنی سلطنت میں مسلمانوں کے لئے اس نظم کو قائم رکھا ہے، کہ بغیر اس کے ان کی معاشرتی زندگی قائم رہنی مشکل ہے، اس لئے ہمارے صوبہ کو جو اسلامی آبادی کا علمی اور تمدنی مرکز ہے، اس کی طرف پیشقدمی مناسب ہو،

اسی سلسلہ میں سوال کی دوسری شق بھی سامنے آجاتی ہے، اور وہ یہ کہ کیا نکاح و طلاق کا جبری طور سے درج رجسٹر کرانے کا حکم از روئے شرع اسلام جائز ہو سکتا ہے۔

اسلام ایک ایسا مذہب ہے، جو صرف چند عقائد، عبادات اور اخلاقی احکام ہی کا مجموعہ نہیں ہے،

بلکہ وہ خود ایک منظم قانون اور شریعت ہی جو شخص مسلمان ہوتا ہے، اس کے لئے صرف چند عقائد اور اخلاقی احکام کا تسلیم کرنا، اور چند رسوم و اعمال کا بجالانا ہی کافی نہین ہے، بلکہ ضروری ہے، کہ اوس کی زندگی، اور زندگی کا ہر معاملہ اس کے قانون اور شریعت کے مطابق ہو، اسلامی فقہ، پوری قوم، ملک بلکہ سلطنت کے تمام پیش آنیوالے معاملات پر محیط ہی اور ایسے اصول بنادیئے گئے ہین جن کی مدد سے پیش آنے والے واقعات کا بھی جواب دیا جا سکتا ہو،

اس بنا پر ایک مسلمان کے لئے ناممکن ہے کہ وہ مسلمان رہکر اپنی مقدرت اور استطاعت کے باوجود اسلامی قانون کو چھوڑکر اپنے اوپر کوئی دوسرا قانون لازم کرے، اور خود اپنی رضامندی سے اس کو قبول کرے، یہی وجہ ہے، کہ دنیا کی تمام سلطنتوں نے اپنی مسلمان رعایا کی اس مذہبی معذرت کو قبول کیا ہے، اور اُن کے لئے ان کے مذہبی قانون کو برقرار رکھا ہے، اور ہر جگہ اُن کے مذہبی قوانین کے اجراء کے لئے ایک خاص اسلامی صیغہ اپنے ماتحت قائم کر رکھا ہے، ہندوستان مین بھی ابتدائی انگریزی عملداری مین تقریباً اسی طرح عمل درآمد تھا، چنانچہ اوس زمانہ مین انگریز حکام کو اسلامی قانون کو بتانے کے لئے متعدد مذہبی مشیر ہوتے تھے، اور اسی ضرورت کے لئے فارسی زبان مین فقہ اسلامی پر انگریزی قانون کے رنگ مین متعدد کتابین لکھی گئی ہین، جو اب تک موجود ہین، اور اسی عمل درآمد کا ایک بگڑا ہوا نقشہ ہے جو بنگال وغیرہ مین نکاح خوان قاضیون کی صورت مین باقی ہی، اس وقت بھی ہندو ریاستون مین اسی اصول کی بنا پر مسلمانون کے لئے مسلمان قاضی مقرر ہوتے ہین، جو مسلمانون کے مذہبی معاملات کا تصفیہ کرتے ہین،

الغرض صورتِ حال یہ ہے کہ غیر اسلامی ملکون مین اور خصوصاً ایسے ملک مین جہان پہلے ان کی حکومت رہی ہو، اور پھر اتفاق زمانہ سے دوسری غیر اسلامی سلطنت وہان قائم ہوگئی ہو، جو ایسی مہربان ہو کہ مسلمانون کے مذہبی مراسم ادا کرنے مین خلل انداز نہ ہو، اور اُن کے مذہبی قوانین مین مداخلت نہ کرے، تو بھی اوس ملک کے مسلمانون پر فرض ہے، کہ وہ اس سلطنت سے اس بات کی درخواست کرین کہ وہ

اپنی طرف سے ایک مسلمان والی مقرر کرے، اور وہ مسلمان والی اپنی طرف سے مسلمانون کے معاملات کو طے کرنے کے لئے اور ان کے نظام مذہبی کو برقرار رکھنے کے لئے قضاۃ مقرر کرے، ان قضاۃ کا فیصلہ در حکم نافذ ہوگا، اور قابلِ تسلیم و اطاعت ہوگا، اگر یہ درخواست قبول نہ ہو سکے، تو مسلمانون پر واجب ہے کہ وہ باہمی رضامندی اور اتفاق سے کسی ایک شخص کو منتخب کر کے اپنا قاضی بنا لین، اور اس کے احکام اور فیصلون کو تسلیم کرین،

یہ تو اس معاملہ مین فقہ کی اصلی صورت ہے، جس کا تعلق صرف نکاح و طلاق سے نہین ہے، بلکہ مسلمانون کے تمام نزاعی اور قانونی معاملات سے ہے، لیکن چونکہ تمام قانونی معاملات مین سے نکاح و طلاق اور ان کے متعلقات کی حیثیت اسلام کی نظر مین صرف ایک قانونی معاملہ کی نہین ہے، بلکہ مذہبی معاملہ کی بھی ہے، ان کا ایک رُخ قانونی معاملہ کا ہے، تو دوسرا رُخ مذہبی عبادات کا ہے، اور یہ ایسے مسائل ہین، جن کا تعلق مسلمانون کی عزت و آبرو، زن و شو کے صحیح اور غیر صحیح ہونے، اولاد کے جائز اور ناجائز ہونے، ترکہ اور وراثت کے استحقاق و عدم استحقاق وغیرہ سے ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ ان معاملات کو شریعتِ اسلامی کے مطابق طے ہونے کی پوری کوشش کی جائے،

ہندوستان کی گورنمنٹ نے اس ملک مین مسلمانون کے لئے ان معاملات مین انہی کا مذہبی قانون تسلیم کیا ہے، جس کا نام محمڈن لا ہے، لیکن سب سے بڑی دقت جو ان معاملات مین مسلمانون کو پیش ہے وہ یہ ہے کہ عدالتون اور اُن کے حاکمون کا مسلمان ہونا ضروری نہین ہے، ایسی صورت مین خواہ کسی قدر محمڈن لا کے مطابق وہ فیصلہ ہو اسلام کی نظر مین وہ اس وقت تک نافذ العمل نہین ہو سکتا، جب تک وہ کسی مسلمان حاکم و قاضی کی عدالت سے فیصل نہ ہو، انگریزی عدالتون کے بعض ایسے عام اصول متعلق شہادت وغیرہ ہین، جو اسلامی قانون سے مطابق نہین ہین، جن کی وجہ سے یہ نکاح و طلاق کے نیم مذہبی اور نیم قانونی معاملات صحیح اسلامی قانون کے مطابق فیصل نہین ہونے پاتے،

آج کل محتاط اور مذہبی مسلمان گورنمنٹ کی عدالتوں کے قوانین سے مجبور ہو کر یہ صورت اختیار کرتے ہیں، کہ کسی معزز شخص یا مستند عالم کو ثالث مان کر اوس کے فیصلہ کو تسلیم کرتے ہیں، مگر چونکہ ان کے فیصلے قانونی حق تنفیذ نہیں رکھتے، اس لئے شوہروں پر اور دوسرے متعلقہ اشخاص پر ان کی پابندی ضروری نہیں رہتی،

اس صورت حال کا سب سے بدترین منظر غریب مسلمان عورتوں کی حالت ہے، جو ظالم سفاک بے درد، شوہروں سے کسی حالت میں نجات نہیں پا سکتیں، حالانکہ شریعت اسلامیہ نے اُن کے تمام حالات کا لحاظ رکھا ہے: اور خیار بلوغ فسخ اور تفریق کی متعدد صورتیں ایسی رکھی ہیں جن کے ذریعہ سے وہ ایسے شوہروں سے نجات پا سکتی ہیں، ہر وہ لڑکی جس کا نکاح نابالغی میں اس کے باپ یا دادا کے سوا کسی ولی نے کسی سے پڑھا دیا ہو، بالغ ہونے کے بعد وہ اختیار کامل رکھتی ہے: کہ وہ اپنے اس نکاح کو فسخ کر دے، مگر ان تمام صورتوں میں جماعتی نظام کو قائم رکھنے کے لئے اسلامی شریعت نے قاضی کی منظوری اور فیصلہ کو ضروری قرار دیا ہے، لیکن ہندوستان میں مسلمانوں کی جو کیفیت ہے، اس کی بنا پر ان تمام صورتوں کے دروازے مسلمان والدین، اور لڑکیوں اور عورتوں کے لئے بند ہیں: اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے، کہ ہندوستان کے مسلمان کس قدر معاشرتی تکلیف اور مصیبت کے شکنجہ میں گرفتار ہیں، اور موجودہ صورت میں اس سے نجات پانے کی اُن کے پاس کوئی تدبیر نہیں ہے،

خوش قسمتی سے اس وقت ایک ایسی صورت حال ہمارے سامنے ہے جس سے ایک طرف مسلمانوں کی ان مشکلات کا حل ہو جاتا ہے، اور دوسری طرف اس خاص مسئلہ یعنی نکاح و طلاق کے لازمی طور سے درج تحریر کرانے اور اسی قسم کے دوسرے احکام متعلقہ کے صادر کرنے کے لئے جن سے مسلمانوں کے فائدہ اور منفعت اور اسلامی مصالح کی رعایت مد نظر ہو، ایک صحیح شکل پیدا ہو جاتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ حکومت مسلمانوں کے لئے ایک مرکزی محکمۂ قضا، اور اضلاع اور تحصیلوں میں اوس کی شاخوں

کا قیام منظور کرے،

تحریر نکاح و طلاق کے جبری قرار دینے میں فقہی حیثیت سے دو اعتراضات ہیں، ایک یہ کہ یہ درج و تحریر شرعًا صرف مستحب پسندیدہ ہے، فرض و واجب نہیں، کسی شرعی اختیار کے بغیر کسی تبرع اور استحباب کو واجب میں نہیں بدلا جا سکتا، یہ شرعی اختیار صرف امام مسلمین کو پہنچتا ہے، کہ وہ مسلمانوں کی مصلحتوں کی بنا پر اپنے زمانہ میں کسی قانون کو جو اصل میں غیر واجب ہو، واجب قرار دیدے اسکی مثالیں احکام اسلامی میں موجود ہیں، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، اُن ملکوں میں جہاں امام نہیں یعنی غیر مسلم حکومت ہی، وہاں کے مسلمانوں پر فرض ہے، کہ وہ سب متحد ہوکر اپنے اوپر کسی ایک والی یعنی قائم مقام امام کا انتخاب کر لیں، ایسی غیر مسلم حکومت اگر صرف خراج وصول کرکے مسلمانوں کو اپنے معاملات میں خود مختار قرار دیدیتی ہے، یا یہ کہ وہ اندرونی معاملات میں مداخلت کرنا چاہتی ہے تو پہلی صورت میں مسلمانوں پر از خود ایسے والی کا انتخاب اور تقرر آسان ہے، دوسری صورت میں مسلمانوں پر یہ کوشش فرض ہے، کہ وہ اس غیر مسلم حکومت سے مطالبہ کریں کہ وہ اپنی طرف سے ایک مسلمان والی اُن پر مقرر کرے، اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو مسلمانوں پر یہ ضروری ہے کہ وہ متحد ہوکر اپنی رضامندی سے قاضی کا انتخاب کریں، جو اُن کے معاملات کا فیصلہ کرے، اور احکام اسلامی کا اجرا کرے،

غرض غیر مسلم حکومت میں مسلمانوں کے لئے اُن کی وسعت اور استطاعت کے مطابق، اپنے معاملات کے نظم و نسق و ترتیب اجرا کے لئے حسب ذیل تین شکلیں ہیں،

۱- اگر ممکن ہو تو مسلمان خود اپنی طرف سے متفق و متحد ہوکر ایک والی کا انتخاب کریں، اور وہ قاضیوں کا تقرر کرے گا،

۲- یہ نہ ہو سکے تو اس غیر مسلم حکومت سے مطالبہ کیا جائے، کہ وہی اُن پر ایک مسلمان والی مقرر کردے،

یہ مسلمان والی پھر قاضیوں کا تقرر کرے،

۳- یہ بھی نہ ہو تو مسلمان اپنی باہمی رضامندی سے قاضی ہی کا انتخاب کریں، یہ تینوں شکلیں فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں،

۱- اذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منه کما هو فی بعض بلاد المسلمین غلب علیهم الکفار کقرطبة فی بلاد المغرب الآن وبلنسیة وبلاد الحبشة واقروا المسلمین عندهم علی مال یؤخذ منهم یجب علیهم ان یتفقوا علی واحد منهم یجعلونه والیا فیولی قاضیا او یکون هو الذی یقضی بینهم وکذا ان ینصبوا لهم اماما یصلی بهم الجمعة،

(فتح القدیر)

اگر کسی ملک میں مسلمان حاکم نہ ہو، اور نہ اُس شخص کا وجود ہو، جو قاضی کا تقرر کر سکے، جیسا کہ مسلمانوں کے بعض ان ملکوں کا حال ہے جن پر غیر مسلم اب قابض ہو گئے ہیں، جیسے ملک مغرب میں آج کل قرطبہ اور بلنسیہ اور حبشہ کہ انھوں نے مسلمانوں کو اپنے یہاں رہنے کی اجازت خراج و محصول ادا کرنے پر دیدی ہے، ایسے ملکوں کے مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے میں سے کسی ایک شخص پر متفق ہو کر اس کو اپنا والی بنالیں، اور وہ والی کسی کو قاضی بنائے، یا وہی والی قضاء کا کام بھی کرے، اور ایسا ہی ضروری ہے، کہ وہ امام مقرر کرلیں جو ان کو جمعہ

۲- بلاد علیها ولاة کفار یجوز للمسلمین اقامة الجمع و

۲- ایسے ملک میں جن پر غیر مسلم حاکم ہیں، مسلمانوں کو جمعہ قائم کرنا درست ہے،

يصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين
ويجب عليهم ان يلتمسوا واليا
مسلما۔
(عالمگیری و رد المحتار عن المبسوط)

۲۔ كل مصر فيه والٍ مسلم
من جهة الكفار يجوز منه اقامة
الجمع والاعياد واخذ الخراج و
تقليد القضاء وتزويج الايامى
لاستيلاء المسلم عليهم۔۔۔
۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ واما
في بلاد عليها ولاة كفار
فيجوز للمسلمين اقامة الجمع و
الاعياد ويصير القاضي قاضيا
بتراضي المسلمين ويجب
عليهم طلب والٍ مسلم،
(رد المحتار)

اور ایسے ملک میں مسلمانوں کی رضامندی
سے قاضی، قاضی ہو جائے گا، اور اس ملک
کے مسلمانوں پر واجب ہوگا کہ وہ حکومت
سے کسی مسلمان والی کے تقرر کا مطالبہ کریں،

۲۔ ہر وہ ملک جس میں غیر مسلموں کی طرف
سے کوئی مسلمان والی مقرر ہو، اوس والی
کی طرف سے جمعہ اور عیدین کی نماز کا قیام
درست ہے، اور اسی طرح خراج لینا، اور
قاضیوں کا مقرر کرنا، اور بیواؤں کا نکاح
اس کی اجازت سے اس لئے درست ہے
کہ اوس نے مسلمانوں کو ان پر حاکم بنایا ہے،
۔۔۔۔۔۔۔ لیکن اون ملکوں میں جن پر غیر مسلم
والی مقرر ہیں، مسلمانوں کے لئے جمعہ اور عیدین
کی نمازیں درست ہیں، اور قاضی مسلمانوں
کی رضامندی سے قاضی ہو جائے گا، اور وہاں
کے مسلمانوں پر واجب ہے کہ حکومت سے
کسی مسلمان والی کا مطالبہ کریں،

ہندوستان میں مسلمانوں کے معاملات کے نظم و نسق و ترتیب اور احکام کے اجراء اور قضاء
کے لئے تینوں مذکورۂ بالا شکلوں میں سے ایک شکل اختیار کرنی پڑے گی، ہندوستان میں مختلف

مذہبوں اور قوموں کی ایسی مخلوط آبادی ہے جس کا لحاظ کرکے یہاں کی غیر مسلم حکومت کو خاص مسلمانوں کے لئے ایک مستقل مسلمان والی کے تقرر کو منظور کرنا تقریباً ناممکن ہے، اس بنا پر اگر کوئی صورت ممکن ہو تو وہ یہ ہے کہ مسلمان اپنی رضامندی سے ایک قاضی کا انتخاب کریں، اور اس قاضی کو تنفیذ کی طاقت اور قوت حاصل ہونے کے لئے ضروری ہے، کہ حکومت اس انتخاب کو قبول کرے، اس بنا پر اگر اس صوبہ کے مسلمان ایک قاضی القضاۃ کا انتخاب کریں، اور گورنمنٹ اس کو منظور کرے، اور یہ قاضی القضاۃ مسلمانوں کی رضامندی اور گورنمنٹ کی منظوری سے اضلاع اور تحصیلوں میں قاضیوں اور نائب قاضیوں کا تقرر کرے تو تمام مشکلات کا حل ہوجاتا ہے،

اس قاضی اعلیٰ کا احکام اسلامی کے اجرار معاملات کے تصفیہ اور مصالح مسلمین کی بنا پر بعض مستحب جائز قانونی امور کا واجب گروانا ممکن ہے،

اس تفصیل سے واضح ہوگا کہ شریعت اسلامی کے کسی جائز اور مستحب قانونی امر کو واجب اور لازم قرار دینے کی کیا شکل ہے؟ اگر اس شکل کو اختیار کیا جائے، تو اس شکل (درج نکاح کو لازمی قرار دینا) کے حل ہونے کے علاوہ مسلمانوں کے نکاح و طلاق و فسخ وغیرہ کی تمام دقتیں رفع ہوجائیں گی،

مسلمان غیر مسلم حکومتوں میں جہاں کہیں بھی آباد ہیں، یا گذشتہ صدیوں میں چین، ہندوستان، روم، جہاں کہیں بھی اسلامی قبضہ سے پہلے آباد تھے، اسی نظام کے ماتحت وہ ان غیر مسلم حکومتوں میں آباد تھے، اور تاریخ اور سفرناموں میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے، ہندوستان پر اسلامی قبضہ سے پہلے سواحلِ ہند میں راجاؤں کے ماتحت جو مسلمان رہتے تھے، ان کے اس نظام کے مسلمان افسر اعلیٰ کا نام ہنرمنہ ہوتا تھا جس کو راجہ مسلمانوں کی مرضی سے ان پر مقرر کرتا تھا، اور آج بھی فلسطین، شام، تونس، الجیریا، حتیٰ کہ روس اور فلپائن میں بھی یہی صورت ہے، بلکہ خود ہندوستان کی اسلامی حتیٰ کہ

ہندو ریاستوں میں بھی اس پر عمل ہے،

قاضیوں کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کے تمام امور و معاملات میں احکام اور فیصلے جاری کریں، بلکہ حکومت وقت جس قدر اور جتنے اختیارات، اور حقوق اور جن معاملات تک ان کے اختیارات کو محدود کرنا چاہے کرسکتی ہے، چنانچہ کتب فقہ میں یہ جزئیہ مذکور ہے،

وَمنها (ای من احکام القضاۃ)	اور قاضیوں کے احکام میں سے ایک یہ ہے
صحة تعليقه واضافته وتقييده	کہ والی اپنے قاضی کے زمانہ اور مکان کی
بزمانٍ ومكانٍ،	تعین کر دے (یعنی یہ کہ اس کے قضا کے
(بحرالرائق)	حدود کہاں تک ہوں گے، اور کب تک رہیں گے)
ولو استثنى حوادث فلان	اسی طرح یہ بھی درست ہے، کہ بعض قسم کے
لا يقضي فيها ولو قضى لا ينفذ	معاملات کو مستثنیٰ کر دے، اگر قاضی
(بحرالرائق)	ان مقدمات کا فیصلہ کریگا جن میں اس کو قاضی نہیں بنایا گیا، تو وہ فیصلہ نافذ نہیں ہوگا،
اذا قلد السلطان رجلاً قضاء	اگر امام کسی شخص کو کسی خاص شہر کا قاضی
بلدة كذا لا يصير قاضياً في سواد	بنائے، تو وہ شخص اس شہر کے اطراف کا
تلك البلدة ما لم يقلد قضاء	قاضی نہ ہوگا، جب تک امام یہ تصریح
البلدة ونواحيها،	نہ کر دے کہ وہ اس شہر اور اس کے اطراف
(عالمگیری)	کا بھی قاضی ہے،
واذا علق السلطان الامارة	اگر امام امیر کی امارت یا قضاء کو بعض
والقضاء بالشرط واضافها الى	شرطوں سے محدود کر دے، اور اس کو کسی

ووقت فی المستقبل	آیندہ زمانہ کی طرف نسبت کردے تو یہ
فان ذلک جائز وکذا اذا قلد السلطان	جائز ہے، اور اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ
رجلا قضاء یوم یجوز ویتاقت	اگر سلطان کسی شخص کو کسی خاص دن کا
فلو ذا قید لا بالمکان یجوز و	قاضی بنا دے، تو وہ اسی دن کا قاضی
یتقید بذلک المکان وکذا	ہوگا، اور اگر کسی خاص مقام کی قید لگا دے
یجوز استثناء سماع بعض الحکومات	تو اسی مقام کا قاضی ہوگا، اور ایسا ہی
	اگر بعض مقدمات کی سماعت کا اختیار
(عالمگیری)	نہ دے، تو یہ بھی جائز ہے،

اس لئے اگر موجودہ حالت میں ان قاضیوں کے اختیارات نکاح و فسخ و طلاق اور ان کے متعلقات تک محدود رکھے جائیں تو جائز ہوگا، اور ان مسائل میں اُن کا فیصلہ صحیح ہوگا، اور اس طرح ان مسائل میں مسلمانوں کی دقتوں کا خاتمہ ہوگا، اور حکومت اور رعایا دونوں کے لئے اس میں خیر و فلاح کی توقع کی جا سکتی ہے، بخلاف اس کے اگر مسلمان قاضیوں کو اختیارات نہ دیئے جائیں، اور قانون کی یہی شکل ہو کہ اس کی تنفیذ تمام عمالِ حکومت کے ہاتھ سے ہو، خواہ وہ مسلم ہوں، یا غیر مسلم تو ہماری قطعی رائے ہے کہ غیر مسلم کی جانب سے نہ جبری اندراج کا حکم صحیح اور قابلِ قبول ہو سکتا ہے، اور نہ مسلمانوں کی مشکلات کا خاتمہ ہوگا،

اقبال کا فلسفۂ خودی

از

جناب مولانا عبد السلام صاحب ندوی

(۲)

ڈاکٹر صاحب نے اس مسئلہ یعنی خیر و شر کے متعلق تمام نظریات کو جمع کر کے اپنا ایک مستقل نظریہ قائم کیا ہے،

(۱) ان کے نزدیک تخلیق انسانی کا مقصد حصول لذت نہیں ہے،

مقام پرورش آہ و نالہ ہے یہ چمن ۔ نہ سیر گل کے لئے ہے، نہ آشیاں کے لئے

ترا از خویشتن بیگانہ سازد ۔ من آن آب طربناکے ندارم
بیازارم مجو دیگر متاعے ۔ چو گل جز سینۂ چاکے ندارم

(۲) بلکہ خودی کا تحقق، کمال، اور نشو و نما ہے، اور یہ تمام چیزیں شر یعنی مصیبت اور رنج و الم سے حاصل ہوتی ہیں،

اے لالہ، اے چراغ گلستان و باغ و راغ ۔ در من نگر کہ می دہم از زندگی سراغ
داغے بسینہ سوز کہ اندر شب وجود ۔ خود را شناختن نتوان جز باین چراغ
اے موج شعلہ سینہ بباد صبا کشائے ۔ شبنم مجو کہ میدہد از سوختن فراغ
درمان ز درد سازاگر خستہ تن شوی ۔ خوگر بہ خار شو کہ سراپا چمن شوی

غزالے با غزالے درد دل گفت | ازین پس در حرم گیرم کنامے
بصحرا صید بندان در کمین اند | بکام آہوان صبحے نہ شامے
امان از فتنۂ صیاد خواہم | دلے زاندیشہ ہا آزاد خواہم
رفیقش گفت اے یار خردمند | اگر خواہی حیات اندر خطر زی
دمادم خویشتن را بر فسان زن | ز تیغ پاک گوہر تیز تر زی
خطر تاب و توان را امتحان است | عیار ممکنات جسم و جان است

(۳) اصل فطرت اور مشیت الٰہی میں خیر و شر کچھ نہیں ہے،

چہ گویم نکتۂ زشت و نکو چیست | زبان لرزد کہ معنی پیچدار است
برون از شاخ بینی خار و گل را | درون او نہ گل پیدا نہ خار است

بلکہ عالم خارجی میں جب خودی تسخیر فطرت میں مصروف عمل ہوتی ہے، تو خیر و شر کا امتیاز پیدا ہوتا ہے، چنانچہ حضرت آدم بہشت سے نکل کر فرماتے ہیں،

گہے جز کے ندیدن بہ ہجوم لالہ زارے
گہے خار نیش زن را ز گل امتیاز کردن

یعنی جو چیزیں تسخیر فطرت میں خودی کی معاون ہوتی ہیں، ان کو وہ خیر اور جو چیزیں مزاحم ہوتی ہیں، ان کو شر سمجھتی ہے، اس لئے خودی معیار خیر و شر ہے،

نمود جس کی فراز خودی سے ہو وہ جمیل
جو ہو نشیب میں پیدا قبیح و نا محبوب

(۴) لیکن خیر و شر کا یہ امتیاز عقل سے ہوتا ہے، امام رازی نے لکھا ہے کہ اشاعرہ کے اصول کے مطابق خیر و شر کا مسئلہ نہیں پیدا ہوتا کیونکہ ان کے نزدیک عقلاً کوئی چیز نہ بُری ہے، نہ بھلی، شریعت جس چیز

کو اچھا کہہ دیتی ہے، وہ اچھی، اور جس چیز کو برا کہہ دیتی ہے، وہ بری ہو جاتی ہے، لیکن معتزلہ حسن و قبح عقلی کے قائل ہیں، یعنی ان کے نزدیک خود عقل نیک و بد کا امتیاز کرتی ہے، اس لئے ان کے نزدیک عقلاً خیر و شر کا وجود ہے، اور ڈاکٹر صاحب نے بھی معتزلہ کی راے اختیار کی ہے، اور خدا کو مخاطب کرکے کہتے ہیں:۔

غلامم جز رضاے تو نجویم جز آن راہے کہ فرمودی نپویم
ولیکن گر بہ این نادان بگوئی خرے را اسپ تازی گو نگویم

(۵) دنیا میں اصل وجود شر کا ہے، اور اسی شر کے ازالہ کا نام خیر ہے، یعنی شر وجودی اور خیر سلبی چیز ہے، اور اس مسئلہ میں وہ شوپنہار اور محمد بن زکریا رازی کے ہمزبان ہیں،

مرغے ز آشیانہ بسیر چمن پرید خارے ز شاخ گل بہ تن نازکش خلید
بدگفت فطرت چمن روزگار را از درد خویش و ہم ز غم دیگران تپید
نالید تا بحوصلہ آن نوا طراز خون گشت نغمہ و ز دو چشمش فرو چکید

یہ مرغ ستم زدہ شوپنہار ہے،

سوز فغان او بدل ہدہدے گرفت با نوک خویش خار ز اندام او کشید
گفتش کہ سود خویش ز جیب زیان برآر گل از شگاف سینہ زر ناب آفرید

یہ ہدہد نطشے ہے،

(۶) شوپنہار بھی اس زود فنا لذت و راحت کا منکر نہیں، مگر وہ آنی چیز ہے، قیام و بقا صرف شر کو ہے، اور ڈاکٹر صاحب بھی اس کے اس نظریہ سے متفق ہیں،

سحر می گفت بلبل باغبان را درین گل جز نہال غم نگیرد
بہ پیری می رسد خار بیابان ولے گل چون جوان گردد بمیرد

اس لئے یزدو فنا لذت و مسرت اس کے نزدیک اس عالمگیر، قائم و ثابت فطری شر کا بدل نہیں ہو سکتی، اور اس سے نجات کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ اس میدان ہی سے پاؤں ہٹالیا جائے، عیسائی راہبوں اور ہمارے صوفیوں کا نظریہ بھی یہی ہے لیکن ڈاکٹر صاحب اس کو شکست سمجھتے ہیں،

مجاہدانہ حرارت رہی نہ صوفی میں بہانہ بے عملی کا بنی شراب الست
فقیہ شہر بھی رہبانیت پہ ہے مجبور کہ معرکے ہیں شریعت کے جنگ دست بدست
گریز کشمکش زندگی سے مردوں کی اگر شکست نہیں ہے تو اور کیا ہے شکست

اس لئے وہ مردانہ وار شر کا خیر مقدم کرتے ہیں،

کجا این روزگارے شیشہ بازے بہشت این گنبد گردان ندارد
ندیده در وزندان یوسف او زلیخایش دل نالان ندارد
خلیل او حریف آتشے نیست کلیمش یک شرر در جان ندارد
بہ صرصر در نیفتد زورق او خطر از لطمۂ طوفان ندارد
یقین را در کمین بوک و مگر نیست وصال اندیشۂ ہجران ندارد
کجا آن لذتِ عقلِ غلط سیر اگر منزل رہ پیچان ندارد
مزی اندر جہان کور ذوقے کہ یزدان دارد و شیطان ندارد
بہن عقدہ کشا یہ خار صحرا کم کر گلہ برہنہ پائی

(۵) روح و جسم کا اتحاد و اثباتِ خودی کا یہ پانچواں مقدمہ ہے، اور مسئلہ خیر و شر سے تعلق رکھتا ہے، چوتھے مقدمہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ دنیا خیر و شر کی ایک رزمگاہ ہے، اور ڈاکٹر صاحب اس رزمگاہ سے پاؤں پیچھے نہیں ہٹاتے، بلکہ اسی جنگ کو زندگی سمجھتے ہیں،

سکندر با خضر خوش نکتہ گفت شریکِ سوز و سازِ بحر و بر شو

تو این جنگ از کنارِ عرصہ بینی   بمیر اندر نبرد و زندہ تر شو

میا با بزم بر ساحل کہ آنجا   نوائے زندگانی نرم خیز است
بدریا غلط و با موجش در آویز   حیاتِ جاوداں اندر ستیز است

لیکن جنگ کے لئے طاقت کی ضرورت ہے، اور نطشے کے خیال میں طاقت ہی خیر و شر کا معیار ہے،

دوش رفتم بہ تماشائے خراباتِ فرنگ   شوخ گفتاریِ رندے دلم از دست ربود
نطشے

گفت این نیست کلیسا کہ بیابی در وے   صحبتِ دخترکِ زہرہ وشِ نازک و سرود
این خراباتِ فرنگ است و ز تاثیرِ مش   آنچہ مذموم شمارند نماید محمود
نیک و بد را بترازوے دگر سنجیدیم   چشمِ داشت ترازوے نصاریٰ و یہود
خوب زشت است اگر پنجۂ گیرات شکست   زشت خوب است اگر تابِ توانِ تو فزود

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک اگرچہ خیر و شر کا معیار قوت نہیں بلکہ خودی ہے، جو قوت سے زیادہ وسیع اور عام ہے، تاہم وہ بھی زندگی کے لئے قوت کو ضروری سمجھتے ہیں، اگرچہ انھوں نے مسٹر نکلسن کو ایک خط میں لکھا ہے، کہ مسٹر ڈکنسن کے نزدیک میں نے اپنی نظموں میں جسمانی قوت کو منتہائے آمال قرار دیا ہے (انھوں نے مجھے ایک مکتوب لکھا ہے جس میں یہی خیال ظاہر کیا ہے) انھیں اس بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے، میں روحانی قوت کا تو قائل ہوں، لیکن جسمانی قوت پر یقین نہیں رکھتا ہے لیکن ان کی نظموں کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے، کہ وہ جسمانی ہی قوت کو منتہائے آمال سمجھتے ہیں

چمن خوش است و لیکن چو غنچہ نتوان زیست   قبائے زندگیش از دمِ صبا چاک است

---

۱ اقبال نامہ ص ۴۶۰،

بخود خزیدہ و محکم چو کوہساران زی   چو خس مزی کہ ہوا تیز و شعلہ بیباک است

گفت با الماس در معدن زغال   اے امینِ جلوہ ہاے لازوال

ہمدمیم و ہست و بود ما یکیست   در جہان اصلِ وجود ما یکیست

من بکان میرم ز دردِ ناکسی   تو سرِ تاجِ شہنشاہان رسی

گفت الماس اے رفیقِ نکتہ بین   تیرہ خاک از پختگی گردد نگین

تا بہ پیرامونِ خود در جنگ شد   پختہ از پیکار مثلِ سنگ شد

خوار گشتی از وجودِ خامِ خویش   سوختی از نرمیِ اندامِ خویش

فارغ از خوف و غم و وسواس باش   پختہ مثلِ سنگ شو الماس باش

در صلابت آبروے زندگی است   ناتوانی ناکسی ناپختگی است

طائرے از تشنگی بیتاب بود   در تنِ او دم مثالِ موجِ دود

ریزۂ الماس در گلزار دید   تشنگی نظارۂ آب آفرید

مایہ اندوزِ نم از گوہر نشد   زد برو منقار و کامش تر نشد

گفت الماس اے گرفتارِ ہوس   تیز بر من کردہ منقارِ ہوس

قطرۂ آبے نیم ساقی نیم   من براے دیگران باقی نیم

آبِ من منقارِ مرغان بشکند   آدمی را گوہرِ جان بشکند

طائر از الماس کامِ دل نیافت   روے خویش از ریزۂ تابندہ تافت

قطرۂ شبنم سرِ شاخِ گلے   تافت مثلِ اشکِ چشمِ بلبلے

مُرغِ مضطر زیرِ شاخِ گل رسید   در دہانش قطرۂ شبنم چکید

اے کہ می خواہی ز دشمن جان بری   از تو پرسم قطرۂ یا گوہری

چون ز سوز تشنگی طائر گداخت | از حیاتِ دیگرے سامان ساخت
قطرہ سخت اندام گوہر خو نبود | ریزۂ الماس بود و او نبود
غافل از حفظِ خودی یک دم مشو | ریزۂ الماس شو شبنم مشو
پختہ فطرت صورتِ کہسار باش | حاملِ صد ابر دریا بار باش
خویش را دریاب از ایجابِ خویش | سیم شو از بستن سیماب خویش

اس لئے اگر اس قسم کی نظموں سے مسٹر ڈکنسن نے یہ نتیجہ نکالا کہ وہ قوتِ جسمانی کو منتہائے آمال قرار دیتے ہیں، تو اس کو غلط نہیں کہا جا سکتا، لیکن اس تضاد کو اس طرح رفع کیا جا سکتا ہے، کہ

(۱) ڈاکٹر صاحب کے نزدیک جسمانی قوت سے روحانی قوت حاصل ہوتی ہے، صوفیوں اور راہبوں کا خیال ہے، کہ جسم کو جس قدر ضعیف کیا جائے، اسی قدر روح طاقت ور ہوتی ہے؛ اور اسی لئے وہ مجاہدہ، ریاضت اور روزہ و گرسنگی سے جسم کی طاقت کو زائل کرتے ہیں، لیکن اس کے برعکس ڈاکٹر صاحب کا نظریہ یہ ہے کہ جسم کی طاقت سے خود روح طاقتور ہوتی ہے،

تو گوئی طائر ما زیر دام است | پریدن بر پر و بالش حرام است
ز تن برجستہ تر شد معنی جان | فسانِ خنجر ما از نیام است

(۲) اس سے بھی بہتر صورت یہ ہے کہ روح و جسم دونوں کو جیسا کہ ہمارے متکلمین کا مذہب ہے ایک تسلیم کیا جائے، اور اس صورت میں جسمانی اور روحانی طاقت ایک ہو جاتی ہے، اگرچہ ڈاکٹر صاحب نے بعض موقعوں پر اس کے خلاف بھی رائے ظاہر کی ہے،

ندانم بادہ ام یا ساغرم من | گہر در دامنم یا گوہرم من
چنان بینم چو بر دل دیدہ بندم | کہ جانم دیگر است و دیگرم من

تاہم ان کا اصلی میلان اسی طرف ہے کہ روح و جسم میں مغائرت نہیں، بلکہ اتحاد ہے
مثنوی گلشن راز جدید میں اس کو نہایت صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے،

تن و جان را دو تا گفتن کلام است

تن و جان را دو تا دیدن حرام است

(۶) مسئلۂ جبر و اختیار، اثبات خودی کا یہ چھٹا مقدمہ ہے، اور تمام مقدمات -
اہم ہے، کیونکہ خودی کے تحقق و نشو و نما کے لئے قدرت اور اختیار لازمی ہیں، لیکن یہ مسئلہ
اہم ہے، اسی قدر پیچیدہ بھی ہے، اور اس پیچیدگی کی وجہ یہ ہے، کہ انسان کو دو نسبتیں
ہیں، ایک نسبت تو اس کو خدا کے ساتھ ہے، اور اس حیثیت سے وہ خدا کے مقابل میں ا
عاجز و درماندہ اور بے بس و مجبور ہستی ہے، اور ڈاکٹر صاحب نے بھی اس حیثیت سے خدا کے سا
نیازمندی کے ساتھ اپنے عجز و مجبوری کا اعتراف کیا ہے، وہ خدا کو مخاطب کر کے کہتے

مرغ خوش لہجہ و شاہین شکاری از تست　　زندگی را روش نوری و ناری از تست
دل بیدار و کف خاک و تماشائے جہان　　سیر این ماہ بشب گونہ عماری از تست
ہمہ افکار من از تست چہ در دل چہ بلب　　گہر از بحر بر آری و نہ بر آری از تست
من ہمان مشت غبارم کہ بجائے نرسد　　لالہ از تست و نم ابر بہاری از تست
نقش پرداز توئی ما قلم افشانیم　　حاضر آرائی و آیندہ نگاری از تست
گلہ ہا داشتم از دل بزبانم نرسید　　مہر و بے مہری و عیاری و یاری از تست

انسان کا نوشتۂ تقدیر خود خدا کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، "جف القلم بما ہو کائن" ا
کو اسی راستے پر چلنے کی کوشش کرنا چاہئے، لیکن یہ کوشش بھی خدا ہی کے اختیار میں

تو بلوح سادۂ من ہمہ مدعا نوشتی　　دگر آنچنان ادب کن کہ غلط نخوانم ا

لیکن دوسری نسبت اوس کو خدا کے علاوہ تمام کائنات کے ساتھ ہے، اور اس حیثیت سے وہ تمام کائنات کے مقابل مین بالکل خود مختار اور آزاد نظر آتا ہے، سلسلۂ کائنات مین ایک ذرہ سے لے کر آفتاب و ماہتاب تک ایک خاص قانون کے پابند ہین، اور اس محدود دائرہ سے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتے لیکن اُن کے مقابل مین انسان کی قدرت، اختیار اور ایجاد و اختراع کی کوئی حد ہی نہین،

دم مرا صفت باد فرودین کردند — گیاہ را ز سرشکم چو یاسمین کردند
نمود لالۂ صحرا نشین ز خونابم — چنانکہ بادۂ لعلے بساتگین کردند
فروغ آدم خاکی ز تازہ کاریہاست — مہ و ستارہ کنند آنچہ پیش ازین کردند

اسی تازہ کاری کا دوسرا نام تخلیق ہے، اور ڈاکٹر صاحب نے اس مین انسان کو بھی خدا کا شریک بنا دیا ہے،

جہان او آفرید، این خوب تر ساخت
مگر با ایزد انباز است آدم

لیکن یہ شاعرانہ ادعا ہے، ورنہ فلسفیانہ حیثیت سے اونھون نے جبر و اختیار کے درمیان ایک متوسط نظریہ اختیار کیا ہے، اور تخلیق کے دو حصے کر دیئے ہین، ایک تخلیق کا تعلق مادیات اور عالم جسمانی سے ہے، اور اس تخلیق مین انسان خدا کا شریک نہین، آفتاب و ماہتاب، زمین و آسمان کوہ و دریا، شجر و حجر، حیوانات، نباتات اور معدنیات سب خدا کے پیدا کئے ہوئے ہین، اور ان کی تخلیق مین انسان بالکل عاجز و مجبور ہے، وہ ایک ذرہ کو بھی نہین پیدا کرسکتا، اس لئے اوس کو مختار، قادر اور آزاد نہین کہہ سکتے، خدا نے ان چیزون کو انسان کے فائدہ کے لئے پیدا کیا ہے اس لئے اگر وہ ان کا غلط استعمال

جہاں را ز یک آب و گل آفریدم تو ایران و تاتار و زنگ آفریدی

من از خاک پولاد ناب آفریدم تو شمشیر و تیر و تفنگ آفریدی

تبر آفریدی نہال چمن را قفس ساختی طائر نغمہ زن را

لیکن مادیات و جسمانیات میں خود کسی قسم کی قدرت نہیں، ان کا ذرہ ذرہ غیر منظم حالت میں بکھرا ہوا پڑا ہے، ہر جگہ انتشار، بے ترتیبی، اور نشیب و فراز ہے، اور خود ان میں ترتیب و تنظیم کی قدرت نہیں، یہ صرف انسان ہے، جو ان میں ترتیب و تنظیم پیدا کرتا ہے، اس لئے عالم جسمانی اپنی ترتیب و تنظیم کے لئے انسان کی آغوش میں پناہ لیتا ہے،

جہان کز خود ندارد دستگاہے بکوے آرزو می جست راہے

ز آغوش عدم وز دیدہ بگریخت گرفت اندر دل آدم پناہے

اب اسکی حیثیت ایک طفل شیر خوار کی ہو جاتی ہے، اور انسان اس کی پرورش کر کے اس کو ایک حسین و جمیل جوان بنا دیتا ہے؛ اور اسی تربیت و پرداخت کی بنا پر وہ خدا کے الزام کا یہ جواب دیتا ہے،

تو شب آفریدی چراغ آفریدم سفال آفریدی ایاغ آفریدم

بیابان و کہسار و راغ آفریدی خیابان و گلزار و باغ آفریدم

من آنم کہ از سنگ آئینہ سازم من آنم کہ از زہر نوشینہ سازم

صرف اسی عالم کی تخصیص نہیں، بلکہ عالم اخروی بھی انسان ہی کے اعمال و افعال کا پیدا کیا ہوا ہے، جنت و دوزخ کو صرف انسان کے کفر و اسلام نے پیدا کیا ہے، اس لئے وہ نہایت بلند آہنگی کے ساتھ کہہ سکتا ہے،

این جہان چیست؟ صنم خانہ پندار من است جلوۂ او گرو دیدۂ بیدار من است

ہمہ آفاق کہ گیرم بہ نگاہے او را حلقہ ہست کہ از گردش پرکار من است

ہستی و نیستی از دیدن و نادیدن من — چہ زمان و چہ مکان شوخی افکار من است

از فسون کاری دل سیر و سکون غیب و حضور — این کہ غماز و کشایندۂ اسرار من است

آن جہانے کہ درو کاشتہ را می دروند — نور و نارش ہمہ از سبحہ و زنار من است

اے من از فیض تو پایندہ نشان تو کجاست — این دو گیتی اثر ماست جہانِ تو کجاست

اب اس تخلیق کی بنا پر انسان کو مجبور بھی نہیں کہہ سکتے، بلکہ وہ نہ مجبور ہے، نہ مختار، بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک متحرک زندہ طاقت ہے،

سراپا معنی سربستہ ام من — نگاہ حرف بافان برنتابم

نہ مختارم توان گفتن نہ مجبور — کہ خاکِ زندہ ام در انقلابم

اسی متحرک اور زندہ طاقت ہونے کی وجہ سے انسان اپنے اعمال و افعال میں آزاد ہے، اس کا ذمہ دار ہے، اور اسی عملی آزادی کی بنا پر انسانی خودی کی نشو و نما ہوتی ہے، اور وہ عذاب و ثواب کا مستحق ہوتا ہے،

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی — ہو جس کے جوانوں کی خودی صورتِ فولاد

ناچیز جہانِ مہ و پرویں ترے آگے — وہ عالم مجبور ہے تو عالمِ آزاد

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی — یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

(باقی)

نورالدین محمد ظہوری کا مولد

از

جناب ڈاکٹر نذیر احمد صاحب ایم اے پی ایچ ڈی (بستی)

نورالدین محمد ظہوری (متوفی ۱۰۲۵ھ) کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں، اس کی سہ نثر اور ساقی نامہ دونوں کو شہرت دوام حاصل ہو چکی ہے، لیکن اس کے سلسلۂ واقعات کی ہر کڑی نہایت الجھی ہوئی ہے، حتی کہ نام اور وطن تک کے بارے میں مورخین اور تذکرہ نویسوں میں اختلافات ہیں، بعض بیانات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ قاین[1] میں پیدا ہوا، تذکرہ نویسوں کا ایک گروہ اس کو ترشیز[2] المولد قرار دیتا ہے، اسی میں کچھ ایسے ہیں، جو اس کے قریہ تک کا نام بتاتے ہیں، دو ایک بیانوں

---

[1] قاین صوبۂ خراسان میں ایک خطہ یا کمشنری ہے، جو ترشیز کے جنوب میں واقع ہے، خطۂ قاین اور خطۂ ترشیز کے درمیان میں خطۂ تون واقع ہے، اس کا صدر مقام تون، اور خطۂ قاین کا صدر مقام قاین ہے [2] ترشیز (بہ تائے مضموم) تائے مفتوح درست نہیں ہے، ایران کے نقشوں سے ایسا ہی ظاہر ہے، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (جلد ۴ ص ۱۲۱۴) یاقوت اور مقدسی کے بیانات اسی امر کی تائید کرتے ہیں، بمبئی یونیورسٹی کے مخطوطات فارسی کے کٹیلاگ نے صاف طور سے لکھا ہے، کہ اس کو تائے مفتوح سے پڑھنا بالکل غلط ہے، (ص ۱۷۰، ۱۷۱) اس کے متعلق ذیل کا بیان بہت اہم ہے :-

"در قرن دہم حتی بلوکے را کہ در پشت جبال بودند کہ از طرف جنوب محدود بہ جلگۂ نیشاپور است مثل بلوکے پشت با شہر عمدہ اش ترشیز در جزو نیشاپور محسوب می داشتند، درین زمان کلمۂ ترشیز بہ تمام بلوک اطلاق می شود، خود شہر گاہ بہ ہمان اسم دگاہے، بہ تمام سلطان آباد"

سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ولادت تربت[1] مین ہوئی تھی، دو تذکرے اس کو طرانی الاصل قرار دیتے ہین، کچھ اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ وہ تبریزی تھا، ایک تذکرے مین وہ شیرازی بتایا گیا ہے،

خود ظہوری نے کہین کہین اشعار مین اپنے وطن کی طرف اشارہ کیا ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ خراسان مین پیدا ہوا تھا، البتہ دو مقام پر اوس نے صراحتًہ یہ لکھا ہے، کہ اس کی پیدائش

(بقیہ حاشیہ صفحہ) ذکر می شود (جغرافیائے تاریخی ایران بارتھلڈ مترجم حمزہ سردادور ص ۱۹۰)

اس بیان کے برخلاف بمبئی یونیورسٹی کے کیٹلاگ نے لی، اسٹرینگ کی تالیف (ممالک خلافتِ شرقیہ) ص ۳۵۴ کے حوالہ سے ذیل کا بیان نقل کیا ہے :-

"ترشیز ایک ضلع تھا، شہر کا نام نہ تھا، البتہ قرونِ وسطیٰ مین ترشیز ایک معروف وخوش حال شہر تھا جو قہستان کے جنوبی مغربی گوشہ مین نیشاپور کے جنوب مین واقع تھا، لیکن تیمور نے جب ۷۸۳؍ ۱۳۸۱ مین اس کا محاصرہ کیا، تو اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی، نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیشہ کے لئے یہ شہر معدوم ہوگیا، اس زمانہ مین بھی ضلع کا نام باقی ہے لیکن شہر کا وجود نہین پایا جاتا"،

مگر بارتھلڈ کے متذکرۂ بالا بیان سے یہ ظاہر ہے، کہ دسوین صدی ہجری تک یعنی حملۂ تیمور کے تقریبًا دو سو برس بعد تک یہ شہر اسی نام سے باقی تھا، اب بھی وہ شہر موجود ہے، جس کو کبھی ترشیز اور کبھی سلطان آباد کہتے ہین، ایران کے نقشون مین (صدر مقام کا نام) سلطان آباد ہی لکھا ہے، بارتھلڈ کے بیان کی تائید گنج دانش (ص ۳۰۲ طبع ایران) سے بھی ہوتی ہے، "ترشیز نام شہرے ست از بلاد خراسان مشتمل بر دہات و قریٰ و قصبات و پایۂ تخت آن را سلطانیہ (غالبًا مخفف سلطان آباد) می گفتند....... و شہر ترشیز واقع ست در اواسط شہرہائے خراسان"، تحفۃ الکرام ص ۲۳۲ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے، کہ شہر کا وجود اب تک باقی ہے اگو نام مین ذرا تبدیلی واقع ہوگئی ہے۔

[1] تربت ترشیز کے جنوب مین ایک شہر ہے، خراسان مین اس نام کے دو مقام ہین، تربت حیدریہ، تربت جامی، اول الذکر قائین کے قریب واقع ہی، یہان کے مشاہیر مین میرزا ابوطالب (مآثر رحیمی ج ۳ ص ۱۴۲۰) میر حسن کفری (ایضًا جلد ۳) اور مولانا درویش تربتی (ج ۳ ص ۱۶۸۳) قابلِ ذکر ہین،

قائین[1] مین واقع ہوئی، ایک قصیدہ مین جو ابراہیم عادل شاہ ثانی (۹۸۸ - ۱۰۳۷ھ) کی مدح مین ہے، اپنی محبت اور وفاداری کا اظہار ذیل کے اشعار مین کرتا ہے، (ص ۵۹۰ کلیات)

شد بہ حضرت درست نسبت ما   وشنے در شکستن وثن است
ربط حضرت بہ جان پاک دلان   راست گوئی کہ ربط جان و تن است
انجم و چہ تو تش چہ خواہد بود   عارضت آفتاب انجمن است
کس ندانم نظیر خود بہ وفا   ہم ظہوری نظیر خویشتن است
در محبت اویسیان ہستند   ملک قائین قرینہ قرن است

آخری شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظہوری ملک (علاقہ[2]) قائین مین پیدا ہوا تھا، ساقی نامہ مین "تعریف قلم" کے ذیل مین شعرائے متقدمین کی تعریف کرکے اپنی طرف رجوع کرتا ہے (ص ۱۴۶)

نظر بر چو من ناتوانے فگند   نفس تافت در صید گردون کمند
بہ رستاق قائن فتادش عبور   ظہوری از و کرد شہرے ظہور

اس واقعہ کی تائید ابراہیم زبیری کے بھی بیان سے ہوتی ہے، مؤلف نے بساتین السلاطین مین دو جگہ ظہوری کو قائینی بتایا ہے، مقدمہ مین (ورق ۲) لکھتا ہے :-

"ملا ظہور ولد ملا ظہوری قائینی کہ منشآت سحر آیاتش مشہور و معتبر و مقبول عالمیان است"

پھر ابراہیم عادل ثانی کے احوال کے ذیل مین رقمطراز ہے :-

"از جملہ سخنوران آن زمان ملا ظہوری قائینی ہست" (صفحہ ۱۱۲۵)

---

[1] حکیم شمس اللہ قادری صاحب نے اورینٹل کالج میگزین (اگست ۱۹۲۹ء) مین فارسی ادب کی تاریخ کے سلسلہ مین تذکرہ شعرائے قائنیات (نمبر ۱۳) کی اطلاع دی ہے، جس کو ضیاء الدین قائینی نے مرتب کیا تھا، اور یہ بھی بتایا تھا کہ یہ تذکرہ رام پور کے سرکاری کتاب خانہ مین ہے، لیکن مجھے کتابخانہ مذکور مین باوجود تلاش کے نہ مل سکا [2] قائین ترشیز

مؤلف مذکور کی یہ نسبت جو اس نے ظہوری کی طرف منسوب کی ہے، خود ظہوری کے قول کی مؤید ہونے کے علاوہ چند دیگر وجوہ سے بہت اہم ہے،

(۱) مؤلف کے پیش نظر[۱] ظہوری کے بیٹے ظہور کا محمد نامہ ہے، جو سلطان محمد عادل شاہ (۱۰۳۶ھ - ۱۰۷۰ھ) کے زمانہ کی تاریخ ہے، ملا ظہور نے تاریخ مذکور کا دیباچہ[۲] لکھا تھا، جس میں کتاب کی وجہ تالیف بیان کی تھی، شاید اس دیباچہ میں مؤلف نے اپنے باپ کی وطنی نسبت بھی لکھی، اور ابراہیم زبیری کو یہ نسبت وہیں سے ملی ہو،

(۲) ابراہیم زبیری کا ظہوری کو قائینی لکھنا کتابت کی بھی غلطی پر محمول نہیں کیا جا سکتا کیونکہ (ا) یہ نسبت دو مقام پر پائی جاتی ہے، غلطی ایک جگہ ہوتی ہے، دوسری جگہ اس کی تصحیح کا امکان رہتا ہے، (ب) مطبوعہ[۳] نسخے میں بھی ظہوری کو قائینی ہی لکھا گیا ہے (س) ڈاکٹر ریو[۴] نے اس تاریخ کے ماخذ کے سلسلہ میں ملا ظہور کا ذکر کیا ہے، اور اس کے ساتھ اس کے باپ کو ظہوری قائینی ہی لکھا ہے،

(د) اس کے ماخذ کے دوران میں ڈاکٹر ایتھے[۵] نے بھی ظہوری کی یہی نسبت بیان کی ہے،

(۳) مؤلف مذکور نے جس ظہوری کو قائینی لکھا ہے، وہ وہی ظہوری ہے، جس کو لوگ ترشیزی

(بقیہ حاشیہ ص ۳۶۰) کی طرح ایک ولایت ہی، اس کا ثبوت ذیل کے بیان سے ملتا ہے :-

"(سہراب خلیفہ) پاے ثبات و مردانگی افشردہ ولایت تون، و قائین و طبس و جیلان و ترشیز و محولات وو شت و بیاض وغیرہ را در تصرف آورد (ناسخ جلد ۳ ص ۱۶۱۰)

[۱] و [۲] بساتین السلاطین قلمی ورق ۲، محمد نامہ کا ایک نسخہ ڈاکٹر جادو ناتھ سرکار کے کتب خانہ میں ہے، باوجود کوشش کے اب تک اس کے مطالعہ کا موقع حاصل نہ ہو سکا [۳] سیدی پریس حیدر آباد میں طبع ہوئی ہے [۴] فہرست مخطوطات فارسی موزۂ برطانیہ ج ۱ ص ۳۱۹،

[۵] فہرست دیوان ہند ج ۱ ص ۱۷۳)

سمجھتے ہیں، کیونکہ (ا) ظہوری ترشیزی جن کتابوں کا مؤلف بتایا جاتا ہے، وہی تاریخ مذکور میں (ص ۱۲۵)
ظہوری قائینی ہی کی طرف منسوب کی گئی ہیں (ب) ظہوری ترشیزی کی طرح ظہوری قائینی کے منشآت
شہرۂ آفاق قرار دیئے گئے ہیں، (ص ۷۴) (س) نورس کی وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں لکھا ہے، (ص ۱۱۴)
کہ ملا ظہوری نے اپنے دیباچہ کا نام نورس رکھا، ظہوری ترشیزی بھی اسی دیباچہ کا مولف ہے (د)
ظہوری ترشیزی کی طرح ظہوری قائینی ابراہیم عادل شاہ ثانی کا درباری شاعر ہے،

جن تذکرہ نگاروں نے ظہوری کو ترشیزی قرار دیا ہے، ان کی تعداد بہت زیادہ ہے نیز ان میں نہایت ہی معتبر معاصر تذکرہ نویس ہیں، جن کے بیان عموماً بہت مستند ہیں، اور ظہوری کے واقعات خصوصاً اور بھی معتبر ہیں، ان میں تقی کاشی (صاحب[۱] خلاصۃ الاشعار) عبدالباقی نہاوندی (مؤلفہ مآثر رحیمی[۲]) تقی الدین اصفہانی (عرفات[۳] العاشقین) خاص طور پر قابل ذکر ہیں،

مورخین ابوالفضل[۴] نے ظہوری کو ترشیزی قرار دیا ہے، اس کے بعد شیر خان لودی، کشن چند اخلاص، والہ داغستانی، حسین دوست سنبھلی، آزاد بلگرامی، نقش علی، ابراہیم خان خلیل، ابوطالب تبریزی، احمد علی ہاشمی، عشق عظیم آبادی وغیرہ ہیں، جنھوں نے معاصرین کی اتباع میں ظہوری کو ترشیزی الاصل قرار دیا ہے، اسی طرح موجودہ زمانے کی فارسی اور اردو ادب کی تمام تاریخوں نے اسی گروہ کی پیروی کی ہے، ایران کی تاریخ ادبیات میں ظہوری کا ذکر ہے، آذر اور ہدایت نے اس کو اصلاً ترشیزی قرار دیا ہے، رضا زادہ شفق

۱؎ اس کا کوئی مکمل نسخہ ہندوستان میں موجود نہیں ہے ۲؎ مطبوعہ ص ۹۳۳ تا ۹۴۰ قلمی ورق ۴۰۴ تا ۴۰۵ ب ۳؎ ورق ۴۴۳ ب ۴؎ آئین اکبری جلد ۱ ص ۱۸۲ ۵؎ مولف خلاصۃ الکلام، اس تذکرہ کا حسب ذیل بیان اہم ہے

"اصلش از قصبۂ ترشیز، حال انگیز است و بعضے مولدش خجند در توابع ترشیز و امین احمد رازی از تربت نوشتہ اما قول اول صحت دارد (ورق ۳۰، نسخۂ بانکی پور) و صحف ابراہیم ورق ۵۰۱ (الف)

ور محمد حسین جہان بانی نے ظہوری کو ترشیزی ہی بتایا ہے،

تقی کاشی کا بیان اسپرنگر کی مرتب کی ہوئی فہرست[1] اودھ سے ملا ہے، (کیونکہ مؤلف کے تذکرہ خلاصۃ الاشعار کا جو نسخہ رام پور کے سرکاری کتاب خانہ میں محفوظ ہے، وہ ناقص الآخر ہے، اس میں شعرائے خراسان پورے مذکور نہیں ہیں، بانکی پور والا نسخہ تو بالکل ہی ناکمل ہے) اس سے مراحۃً پتہ چلتا ہے، کہ ظہوری ترشیزی الاصل تھا، صاحب مآثر رحیمی[2] نے اس کی سکونت اور مولد کے متعلق حسب ذیل اطلاع بہم پہنچائی ہے :۔

"وطن اصلی و مولد و منشا ے او قریہ جنبد از توابع ترشیز خراسان ست"

وطن سے یہ مراد ہے کہ اس کے آباو اجداد کا مسکن یہی قریہ تھا، ظہوری کا بھی مولد یہی ہوا، اور اسی مقام پر اس کی نشو و نما ہوئی، اس بیان کی تائید خوش گو کے بھی اس قول سے ہوتی ہے[3]،

"می گویند کہ مولدش دجنبدہ بودہ کہ در نواحی ترشیز ست"

خوش گو اور عبد الباقی کے بیان میں تھوڑا سا فرق ہے، (۱) خوش گو نے اس گاؤں کا نام بجائے جنبد کے جنبدہ بتایا ہے، (۲) خوش گو کے بیان سے صرف یہ پتہ چلتا ہے، کہ ظہوری کا مولد یہ قریہ تھا، بخلاف اس کے عبد الباقی نے اس کو وطن اصلی، تولد و منشا سب کچھ قرار دیا ہے (۳) خوش گو کے بیان سے ترشیز اور جنبدہ میں سوائے قربت کے اور کوئی تعلق ثابت نہیں ہوتا، لیکن عبد الباقی نے اس گاؤں کو

---

[1] فہرست کتب خانہ اودھ جلد ا ص ۴۴ [2] ص ۴۳۹، بانکی پور کے قلمی نسخہ میں یہ بیان اور بھی صاف ہے،

"وطن اصل وے از قریہ جنبد توابع ترشیز خراسان است و مولد و منشا ے موی الیہ، نیز آن قریہ است و از آدمی زادگان آن مکان جنت نشان است

(ورق ۴۰۸ ؟)

[3] سفینۂ خوشگو فہرست بادلی ص ۲۲۹، بانکی پور کا نسخہ ناکمل ہے، پنجاب یونیورسٹی کے نسخہ میں ظہوری کا حال

ترشیز کے توابع مین شمار کیا ہے، اس سے ایک طرح کا سیاسی تعلق ظاہر ہوتا ہے،

پہلا اختلاف کتابت کی غلطی پر مبنی ہے، خجند اور جمند مین اس طرح یکسانیت ہے، کہ جمند کا خجند، اور خجند کا جمند پڑھ لینا بالکل عام بات ہے، میرے زیر مطالعہ مآثر رحیمی کا مطبوعہ نسخہ[1] تھا، اس مین جمند ہی لکھا ہے، بانکی پور کے نسخہ[2] مین بھی جمند ہی ہے لیکن چند ایسے قرائن ہین، جن کی بنا پر قطعی طور سے یہ کہا جا سکتا ہے، کہ اس قریہ کا نام خجند تھا، جمند کتابت ہی کی غلطی ہے،

۱۔ مآثر رحیمی کے مطبوعہ نسخہ کے مطابق ترشیز کے توابع مین ایک گاؤن اسی نام کا تھا "محمد مومن لنگ از آدمی زادگان قریۂ خجند ترشیز خراسان است (ج ۳ ص ۱۶۰۲)

۲۔ واقعات سے پتہ چلتا ہے، کہ سفینۂ خوش گو مآثر رحیمی سے ماخوذ ہے، اور خوش گو نے یہ نام "مآثر رحیمی" سے لیا ہے،

۳۔ انڈیا آفس کے کٹیلاگر نے مآثر رحیمی[3] کے حوالہ سے اس گاؤن کا نام خجند ہی لکھا ہے،

۴۔ مدراس کے کتاب خانے کے کٹیلاگر نے بھی مآثر ہی کے حوالہ سے اس قریہ کا نام خجند تحریر کیا ہے

۵۔ عبد الغنی صاحب[4] نے اس کے حوالہ سے خجند ہی اس کا نام بتایا ہے،

۶۔ ابراہیم خلیل نے خلاصۃ الکلام[5] مین اس گاؤن کا نام (بغیر کسی حوالہ کے) خجند ہی لکھا ہے

---

[1] ڈاکٹر ہدایت حسین کی تصحیح کے بعد رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نے تین جلدون مین طبع کیا ہے، جلد سوم مین شعرا وغیرہ کے حالات ہین، یہ دراصل خان خانان بیرم خان کی سوانح حیات ہے [2] عبد الملک آروی نے ایک مقالہ ظہوری پر لکھا تھا، جو رسالہ ایوان گورکھپور مین مارچ ۳۳ء سے جون ۳۳ء تک شائع ہوتا رہا، یہ مقالہ اغلاط سے لبریز ہے، انھون نے بھی جمند ہی لکھا ہے، بانکی پور کا قلمی نسخہ غالبًا ان کے زیر مطالعہ تھا [3] بسلسلہ دیوان ظہوری، فہرست کتابخانہ، دیوان ہند [4] تاریخ زبان وادب فارسی در دربار مغلیہ جلد ۳ ص ۱۰۱ [5] ورق ۳۰

اور چند قرائن سے یہ ثابت ہو کہ خلاصۃ الکلام کا بیان مآثر رحیمی سے ماخوذ ہے،

تیسرے اختلاف کے بارے میں یہ عرض کرنا ہے کہ اگر قجند اور ترشیز میں قربت کے علاوہ کوئی دوسرا سیاسی تعلق نہ ہوتا، تو اس گاؤن کا باشندہ "ترشیزی" مشہور نہ ہوتا، اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ تمام بلوک کو ترشیز کہا جاتا تھا، تو قجند اور ترشیز کا سیاسی تعلق ظاہر ہو جاتا ہے، لہذا مآثر رحیمی کا بیان خوشگو کے بیان پر فوقیت رکھتا ہے،

اسی سلسلہ میں قاموس المشاہیر کے ذیل کے بیان کو جانچ لینا بے محل نہ ہوگا، مؤلف کتاب ہذا بیان کرتا ہے:

"ملا ظہوری شہر ترشیز ضلع سبزوار کے رہنے والے تھے،" (ج ۲ ص ۹ ۴)

اس قول سے صاف ظاہر ہے کہ ترشیز ضلع سبزوار کا ایک شہر ہے حالانکہ ترشیز خود ایک خطہ ہو جس کا صدر مقام سلطان آباد اور ترشیز دونوں ناموں سے موسوم ہوتا ہے، اس کی شہرت سبزوار سے کہین زیادہ ہے، ایران کے ہر نقشہ پر ترشیز اب تک نہایت جلی حروف میں لکھا ہوا ملتا ہو، صاحب قاموس نے غالباً یہ بیان مراۃ الخیال کے ذیل کے جملہ سے لیا ہے،

"اصلش از خطۂ ترشیز کہ در نواح سبزہ وار واقع شدہ،" (ص ۷۷)

اس بیان سے ترشیز کا ایک علاقہ ہونا ثابت ہو جاتا ہے لیکن ترشیز اور سبزوار میں سوائے نزدیکی کے دوسرا کوئی سیاسی تعلق ظاہر نہیں ہوتا، اگرچہ اس قول میں بھی ایک طرح کا یہ سقم پایا جاتا ہو کہ جب ترشیز کی شہرت سبزوار سے زیادہ ہے، تو پھر اس کو آخرالذکر کی قربت کی نسبت سے بیان کرنا مہمل معلوم ہوتا ہے، مؤلف گنج دانش نے ترشیز کے حدود اربعہ میں لکھا ہے، کہ اس کے مغرب میں سبزوار واقع ہے،

پروفیسر عبدالغنی نے اپنی تالیف "تاریخ زبان و ادب فارسی در دربار مغلیہ" میں ظہوری کے مولد کے

متعلق یہ جملہ لکھا ہے :-

"معاصر تذکرہ نگار مثل تقی اوحدی، عبد الباقی نہاوندی اس امر پر متفق ہیں، کہ ظہوری کی پیدایش قریۂ تجنذ میں ہوئی، جو ترشیز صوبہ خراسان کے ضلع میں ایک گاؤں ہے۔" (ج ۳ ص ۱۸۱)

اس بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تقی اوحدی نے بھی اپنے تذکرۂ عرفات العاشقین میں عبد الباقی نہاوندی کی طرح اس قریہ کا ذکر کیا ہے لیکن عرفات کا جو نسخہ[1] میرے زیر مطالعہ رہا، اس میں ظہوری کا تخلص تین مقام[2] پر مذکور ہے، لیکن صرف ذیل کے عنوان میں[3] وہ اپنی وطنی نسبت سے مذکور ہوا ہے "زبدۃ المتاخرین عمدۃ المتفردین، مظہر ظہور کمال معانی، استظہار عساکر سخندانی، فارس میدان بلاغت انگیزی شیرین کلامی شکر ریزی، مولانا ظہوری ترشیزی"، اس ٹکڑے کے ہم وزن اور مقفی فقرے اس بات کی بین دلیل ہیں، کہ بلاغت انگیزی اور شکر ریزی کے ساتھ سوائے ترشیزی کے اور کوئی دوسرا لفظ مثل تجنذی نہیں لایا جا سکتا تھا، اس لئے ممکن ہے کہ عبد الغنی صاحب نے عرفات میں کسی اور جگہ اس کے قریہ کا نام دیکھا ہو جو میری نظر سے نہ گذرا ہو،

مذکورۂ بالا بحث میں بالخصوص تین معاصر تذکروں کا بیان جانچا گیا ہے، ان تینوں کے قول کے مطابق ظہوری کا وطن ترشیز میں یا اس کے کسی قریہ میں تھا، ان میں تقی کاشی سب سے متقدم ہے، اس کے

---

[1] بانکی پور کا قلمی نسخہ، اس کے نسخے بالکل نایاب ہیں، آزاد نے خزانۂ عامرہ میں لکھا ہے، کہ انھوں نے ایک ناقص نسخہ دیکھا تھا، لیکن خزانۂ عامرہ لکھتے وقت یہ تذکرہ ان کے پیش نظر نہ تھا، آرزو نے بھی اس کی نایابی کی شکایت کی ہے، ایسٹ انڈیا ہاؤس میں جو نسخہ تھا، اور جس کو بلنڈ نے مطالعہ کیا ہے، وہ صرف حرف ق پر مشتمل تھا، ہندوستان کے کسی کتابخانہ میں اس کا نسخہ موجود نہیں ہے، میرا خیال ہے، کہ پروفیسر عبد الغنی نے بانکی پور ہی کا نسخہ مطالعہ کیا ہے [2] ورق ۴۳۲ ب، ورق ۲۷۴، ۲۷۵،

[3] ورق ۴۳۲ ب،

بیان کی اہمیت کی کوئی خاص وجہ سوا اس کے نہیں ہے، کہ اس کے زمانہ میں ظہوری زندہ تھا، اور دربار اور ماحول شاہی سے وابستہ ہوچکا تھا، لیکن مآثر رحیمی کا بیان چند در چند وجوہ سے بہت اہم ہے،

(۱) ظہوری اور عبد الباقی دونوں خان خاناں سے متعلق رہ چکے تھے (۲) ممکن ہے کہ ظہوری سے دکن میں مل بھی چکا ہو، (۳) ظہوری کے لکھے ہوئے (غالباً خود اس کے ہاتھ کے) دو قصیدے اور ایک ترکیب بند عبد الباقی کے سامنے شاہ حسین انجو[1] نے خان خاناں کی خدمت میں پیش کئے تھے، (۴) جب عبد الباقی ظہوری کے حالات زندگی مرتب کر رہا تھا، تو وہ زندہ تھا، ایک آدھ سال کے بعد جب اس پر نظر ثانی کا موقع ملا، تو اس وقت ظہوری فوت ہوچکا تھا، چنانچہ دوسرے ایڈیشن[2] میں مؤلف مذکور نے اس کی اور اس کے خسر ملک قمی دونوں کی وفات دو ماہ کے وقفہ سے بیان کی ہے (۵) اس کا بیان بہت مفصل ہے، جس سے اس کی صداقت کا اندازہ ہوتا ہے، (۶) گلزار ابراہیم یعنی ظہوری اور ملک کی مشترکہ تالیف کا پتہ صرف مآثر رحیمی ہی سے چلتا ہے، جس کی تصدیق خود ملک قمی کے بیان سے ہوجاتی ہے،

---

[1] شاہ حسین انجو بیجاپور کی سفارت پر گئے تھے، تفصیل کے لئے دیکھئے دربار اکبری ص ۷۰۹ تا ۸۰۲ دونوں شاعروں کے حالات زمانۂ حال کے واقعات میں بیان کئے گئے ہیں، ملک کے حالات کے ذیل میں ذیل کا جملہ پایا جاتا ہے (ورق ۹۰ ب)

"الحال کہ سنہ اربع وعشرین والف ہجری بودہ باشد، بہ گوشہ گیری و درویشی و فقر و مسکنت می گذراند الخ"

لیکن اس سے قبل ظہوری کے سلسلہ میں لکھتا ہے:-

"و در بیجاپور آخر الامر بہ اجل موعود بتاریخ خمس وعشرین والف درگذشت (ظہوری) وگویا میانۂ او و مولانا ملک شرط شدہ بود کہ در حیات و ممات باہم بودہ باشند بعد از دو ماہ از فوت مولانا ملک این قضیہ روے دارد"۔

[2] اوپر والی عبارت جو ملک کے ذیل میں ہے ۱۰۲۴ھ ہجری کی ہے، اور ظہوری والی ۱۰۲۵ھ ہجری کی اس سے یہ نتیجہ ظاہر ہے کہ ۱۰۲۵ھ ہجری میں مؤلف نے کتاب پر نظر ثانی کرکے دوسرا نسخہ تیار کیا، جو مطبوعہ نسخہ میں نسخہ "ب" قرار دیا گیا ہے، بانکی پور کا بھی نسخہ اسی طرح کا ہے،

علاوہ ازیں اس کتاب کی نوعیت، تعداد اشعار، صلہ و پیش کش کی تفصیل درج ہے، جس سے یہ امر آئینہ ہو جاتا ہے، کہ مؤلف کو ظہوری کے واقعات نہایت مستند ذرائع سے حاصل ہوئے تھے، (۷) ظہوری کے کچھ حالات معلوم کرنے کی تمام آسانیاں مؤلف مذکور کو حاصل تھیں، (۸) ظہوری کی ولادت کا گاؤں تک بیان کر دینا اس کے مواد کے مستند ہونے کا کافی ثبوت ہے،

عرفات العاشقین کا بیان اس سے کچھ ہی کم درجہ کا ہے، کیونکہ اس کے مؤلف نے حسب ذیل اطلاع بہم پہنچائی ہے :-

"وقتے کہ بندہ در گجرات بودم اعنی در تکمیل ہزار و بست این دو عزیز (ظہوری و ملک) اشعار مجدد فرمودہ خود را با تمام نزد مولانا نظیری نیشاپوری فرستادہ بودند و دوسہ در صدد جواب غزلیات وغیرہ در آمدہ ہمہ را جواب گفت، و ہمہ را مطرح شعرائے آنجا ساختہ، بندہ ہر چند غزل بحسب اتفاق تتبع نمودہ، رفاقت بایشان نمودہ ایم" (ص ۴۳۴ ب و ص ۴۷۵)

اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ وہ صرف ظہوری کا معاصر ہی نہیں تھا، بلکہ اس سے بہت ہی زیادہ وابستگی بھی تھی،

اسی سلسلہ میں ابوالفضل کے بیان کی اہمیت بھی واضح کر دینے کی ضرورت ہے، ابوالفضل اور ظہوری میں خط و کتابت رہتی تھی، چنانچہ ظہوری نے ایک خط دربار اکبری کے ایک امیر منشی عماد خان کے نام لکھا ہے، اس میں حسب ذیل[1] جملہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے :-

"از حضرت علامی مدتے شد کہ نوشتہ نیامدہ شنیدہ می شود کہ در خدمت حضرت بادشاہ ہستند"

اسی طرح ظہوری کا وہ مشہور خط جو فیضی کے نام سمجھا جاتا ہے، رام پور کے کلیات اور رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال[2] کی انشائے ظہوری میں ابوالفضل ہی کے نام سے موجود ہے، جب فیضی اور ظہوری میں

---

[1] بیاض قلمی آئی پور ص ۱۰۱ تا ۱۰۲ [2] صفحہ ۹۳ تا صفحہ ۹۳،

گھر سے تعلقات تھے، تو ابو الفضل سے اگر خط و کتابت نہ بھی ہوتی، پھر بھی ظہوری کے متعلق اس کا بیان بہت اہم ہوتا،

ماحصل کلام یہ کہ باوجود ان بیانات کے اتنے اہم ہونے کے یہ بات پایۂ تحقیق کو نہیں پہنچ سکی، کہ ظہوری کی ولادت ترشیز یا اس کے توابع میں ہوئی، کیونکہ ایسا خیال کرنا خود ظہوری کے قول کی مخالفت کرنا ہے جس نے صاف طور سے اپنا وطن قاین کے دیہات میں بتایا ہے،

امین احمد رازی نے ہفت اقلیم میں ظہوری کو مشاہیر ترشیز کے ذیل میں بیان کیا ہے، اور ترشیز کے مشاہیر کی فہرست سے اس کو خارج کیا ہے، چونکہ مولف مذکور نے ان دونوں مقاموں کے مشاہیر الگ الگ بیان کئے ہیں، اس سے یہ بات مسلم ہو جاتی ہے، کہ یہ کتابت کی غلطی نہیں ہے، یعنی مولف مذکور کے نزدیک ظہوری ترشیزی تھا نہ کہ ترشیزی اگرچہ اس کے ماخذ کا پتہ چلانا دشوار ہے، پھر بھی اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے، کہ تاریخ فرشتہ کے[1] دو قلمی نسخوں سے اس بیان کی تائید ہوتی ہے، اگرچہ تاریخ مذکور کے مطبوعہ[2] نسخے اس کو ترشیزی ظاہر کرتے ہیں، ہفت اقلیم کو تاریخ فرشتہ پر تقدم زمانی[3] حاصل ہے، اس لئے قطعی طور سے یہ نہیں کہا جا سکتا، کہ اول الذکر کا یہ بیان تاریخ فرشتہ ہی سے لیا گیا ہے، لیکن چونکہ ظہوری اور محمد قاسم دونوں (نظام شاہی اور عادل شاہی دربار میں) تقریباً ۲۰ سال تک ساتھ ساتھ رہے ہیں، اس لئے محمد قاسم کا بیان اس کے متعلق بہت اہم ہوگا، اور اس نے ظہوری کی وطنی نسبت کے لئے ہفت اقلیم کو ماخذ قرار نہ دیا ہوگا، اس سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے، کہ شاید مولف ہفت اقلیم نے تاریخ فرشتہ کے کسی حصہ سے یہ نسبت اخذ کر لی ہو،

---

[1] نسخہ مملوکہ کتاب خانۂ امیر الدولہ لکھنو (بغیر التزام صفحات) و نسخہ مملوکہ کتاب خانۂ ریاست رام پور ص ۲۲۶، [2] گو غلطی سے تخلص بجائے ظہوری کے ظہیری دیا ہے، ص ۲۲۳ پر بھی یہی غلطی موجود ہے، البتہ ص ۲۲۶ پر صحیح تخلص دیا ہوا ہے، طبع بمبئی اور طبع لکھنو، دونوں میں [3] ہفت اقلیم ۱۰۰۲ھ کی تالیف ہے، اور تاریخ فرشتہ ۱۰۱۵ھ میں مرتب ہوئی،

اسی طرح فزونی استرآبادی نے فتوحات عادل شاہی مین ظہوری کو تربتی قرار دیا ہے، مجھے تاریخ مذکور کا کوئی نسخہ دستیاب نہین ہوسکا، صرف اس کے ایک حصہ کا ترجمہ پروفیسر[1] باسو صاحب کے توسط سے ملا، اس مین پروفیسر مذکور نے ظہوری کو تربتی لکھا ہے، اگرچہ یہ تاریخ ظہوری کی وفات کے ۲۶ سال بعد مرتب ہوئی لیکن چونکہ یہ محض بیجاپور کی تاریخ ہے، اور اس کا مؤلف ظہوری کا معاصر تھا اور اس کے بیٹے ملا ظہور کے ساتھ محمد عادل شاہ کے دربار مین تاریخ نویسی کی خدمت پر مامور تھا، اور مؤلف مذکور کی بیان کی ہوئی نسبت کی تائید فرشتہ اور امین احمد دونون کے قول سے ہوتی ہے، (یہ بھی ممکن ہے کہ اُس نے انہی ماخذ سے یہ نسبت اخذ کی ہو) اس لئے اس بیان کو بے حد اہمیت حاصل ہے، مزید برآن تربت ترشیز کے جنوب مین ایک شہر ہے جس کا پورا نام تربتِ حیدریہ ہے، اور قاین بھی ترشیز کے جنوب مین ہے، اور دونون خراسان کے صوبے مین ہین، اس لئے جتنی نسبتین ظہوری کی طرف منسوب ہین، ان سب مین سب سے زیادہ اہم یہی ہے، ممکن ہے کہ ظہوری نے تعلیم کی غرض سے یا کسی اور وجہ سے یہان قیام کیا ہو تاہم یہ مسلّم ہے کہ پیدائش کے اعتبار سے ظہوری تربتی نہین ہوسکتا، کیونکہ تربت ایک شہر تھا اور قاین کی حدود سے باہر ہے، اور ظہوری قاین کے ایک گاؤن مین پیدا ہوا تھا، اگر یہ شہر قاین کے اندر ہوتا، پھر بھی ظہوری اپنے گاؤن یا ضلع یا صوبہ کی نسبت سے مشہور ہوتا، نہ کہ دوسرے شہر کی نسبت سے جس سے بظاہر کسی قسم کا تعلق نہ تھا،

جن بیانات سے ظہوری کا وطن تبریز ظاہر ہوتا ہے، ان مین خاص طور سے تاریخ فرشتہ کے دونون مطبوعہ نسخے قابلِ ذکر ہین طبع بمبئی اور طبع لکھنؤ دونون مین ظہوری کو تبریزی بتایا گیا ہے،

---

[1] انڈین ہسٹاریکل ریکارڈ کمیشن جرنل جلد ۱۱ ۱۹۲۹ء ص ۵۹ بعد، اس تاریخ کا اکیلا نسخہ موزہ برطانیہ مین ہے، سر جادو ناتھ سرکار نے اس کی ایک نقل حاصل کی، اسی سے پروفیسر باسو نے استفادہ کیا ہے، یہ تاریخ ۱۰۵۱ھ کے قریب مرتب ہوئی ہے،

مگر قلمدی کی یہ نسبت سراسر غلط ہے، کیونکہ خود ظہوری کے دیوان مین متعدد اشعار ہین جن سے اس کا خراسانی ہونا ثابت ہوتا ہے، مثلاً کہتا ہے ؎

ہند و شکر بہ طوطی ارزانی بلبل گلبن خراسانیم
بلاے غربت بیماری و غم ہجران غریب خاک خراسان کی غمخواری

(کلیات نسخۂ رام پور ص ۲۱۱، ص ۳۵)

تبریز[1] آذربائی جان اور ارمنستان کے صوبے مین واقع تھا، خراسان کا صوبہ اس سے الگ ہے، اس نے ظہوری کی "تبریزی" نسبت سراسر غلط ہے، اگر یہ غلطی محض کتابت کی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ جیسا اوپر ذکر ہو چکا ہی، محمد قاسم نہ صرف ظہوری کا معاصر ہے، بلکہ دونون ایک عرصۃ تک مرتضیٰ نظام شاہ دیوانہ (۹۷۲ھ-۹۹۶ھ) کے دربار سے متعلق رہ چکے ہین، بعد ازان دونون تقریباً بیس سال ابراہیم عادل شاہ ثانی کے دربار کے زلہ بار رہے ہین، گویا ظہوری کی ہندوستانی زندگی کے ۳۰ سال مین صرف چند سال ایسے گذرے ہین، جن مین دونون ساتھ ساتھ نہ رہے ہون، علاوہ ازین محمد قاسم نظام شاہی امراء مین تھا، اور ظہوری اسی دربار کا چوٹی کا شاعر تھا، پھر جب عادل شاہی دربار مین دونون کا ساتھ رہا، تو محمد قاسم شاہی مورخ کے عہدہ پر مقرر تھا، اور ظہوری درباری شاعر تھا، لہذا ظہوری کے وطن کے متعلق مورخ مذکور ایسی فاش غلطی نہین کر سکتا، دوسری بات یہ بھی ہے کہ تاریخ مذکور کے مختلف نسخون مین بھی اختلاف ہی، جس سے یہ قیاس یقین کی حد تک پہنچ جاتا ہے، کہ مطبوعہ

---

[1] جغرافیے تاریخی ایران بار تھولڈ ص ۱۰، ۱۳۱، ۲۷۶، ماثر رحیمی کی ذیل کی روایت سے ثابت ہی، کہ تبریز خراسان کی حدود سے باہر تھا۔

"پدر بزرگوار ایشان یعنی میر معصوم چون در تبریز تاہل اختیار نمودہ بود سالہا در مراغہ تبریز
...... متعلق بودہ و میرزاے مشارٌالیہ در مراغہ نشو و نما یافتہ و آنجا بہ خراسان شتافتہ"

نسخوں میں ظہوری کا تبریزی مذکور ہونا محض کتابت کی غلطی کی بنا پر ہے،

کلمات الشعراء (تالیف محمد افضل سرخوش) کے نسخوں میں بھی اسی طرح کا اختلاف پایا جاتا ہے، یعنی بعض میں تبریزی اور بعض میں ترشیزی، مسٹر لادری کے چاروں نسخوں[۵۱] میں تبریزی ہے، میں نے ابتدا میں جس نسخہ[۵۲] کا مطالعہ کیا تھا، اس میں بھی تبریزی تھا، لیکن ولادری کے نسخہ (ب[۵۳]) اور ریاست رامپور کے کتابخانہ[۵۴] کے چاروں[۵۵] نسخوں میں اور اسپرنگر کے یہاں[۵۶] ظہوری کی نسبت تبریزی کے بجائے ترشیزی ہے، اس سے یہ بات طے ہو جاتی ہے، کہ تبریزی محض کتابت کی غلطی ہے، لطف علی بیگ آذر کے تذکرۂ آتش کدہ[۵۷] سے یہ پتہ چلتا ہے، کہ تبریز میں ظہوری تخلص کا ایک اور شاعر گذرا ہے، اس بیان میں کسی قسم کا سقم نہیں ہے، کیونکہ ترشیز کے مشاہیر میں ظہوری ترشیزی مذکور ہے، اور مؤلف نے ظہوری تبریزی کا ایک شعر بھی درج کیا ہے، جو ظہوری ترشیزی کے کلیات سے خارج ہے، اس سے یہ بات متحقق ہو جاتی ہے، کہ ظہوری تبریزی ظہوری ترشیزی سے الگ شاعر تھا،

تذکرۂ میخانہ عبدالنبی اور مراۃ العالم مؤلفہ محمد بقا دونوں میں ظہوری کا وطن طہران بتایا گیا ہے، میخانہ کا بیان یہ ہے[۵۸]:-

"منتخب دیوان نکتہ دانی مولانا ظہوری طہرانی ...... مولدش از طہران است" (ص ۲۲۶)

عبدالنبی ظہوری کا معاصر ہے، انہی چند وجوہ سے اس تذکرہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے، میخانہ کے مآخذ کا پتہ لگانا بہت مشکل ہے، لیکن محمد بقا[۵۹] نے ظہوری اور ملک کے حالات میخانہ ہی سے

---

۵۱ ولادری نے پانچ نسخوں سے مقابلہ کر کے حال ہی میں چھپوایا ہے ۵۲ نسخہ کتاب خانہ ندوۃ العلماء لکھنو ۵۳ کلمات الشعراء مطبوعہ ص ۲، فٹ نوٹ ۵۴ نمبر ۵، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۵۱، ۵۵ فہرست اودھ ج ۱ ص ۱۱۲ ۵۶ ذیل شعرائے تبریز ۵۷ ص ۲۶۷، ۲۶۸،

۵۸ مراۃ العالم (بانکی پور) صفحہ ۴۵۵،

لئے ہیں، اس قیاس کے وجوہ حسب ذیل ہیں، (۱) جمہور رائے کے خلاف دونوں نے ظہوری کو طرانی قرار دیا ہے (۲) تمام تذکروں کے بیان کے خلاف ظہوری کا سنہ وفات ۱۰۲۴ھ بیان کیا ہے (۳) دونوں شاعروں کے واقعات کے سلسلہ میں دونوں تذکروں کے چند جملے بالکل یکسان ہیں، اور تمام جملوں کی ترتیب بھی ایک ہی طرح ہے، (۴) ملک قمی کے دیوان کے اشعار کی تعداد دونوں نے ایک لاکھ درج کی ہے، محمد بقا کے سامنے تذکرۂ میخانہ تھا، اس کی وجہ حسب ذیل ہے، (۱) سوائے مراۃ العالم کے عبدالنبی اور اس کے تذکرہ کا حال کہیں اور نہیں ملتا، (۲) اکثر شاعروں کے حالات میخانہ ہی سے لئے ہیں (۳) شاعروں کے ساقی ناموں[۵۱] سے اشعار منتخب کئے ہیں، اور وہ اشعار بھی میخانہ ہی سے لئے گئے ہیں، بہرحال جب یہ بات تقریباً مسلم ہو جاتی ہے، کہ محمد بقا نے ظہوری کی وطنی نسبت میں تحقیق کی بہ نسبت تقلید زیادہ کی ہے، تو اس کے قول کی اہمیت بھی کم ہو جاتی ہے،

ظہوری کو طران کی طرف منسوب کرنا بلکہ صراحۃً اسی کو اس کا مولد قرار دینا سراسر غلط ہے، کیونکہ طران نہ کبھی صوبۂ خراسان کی حدود میں شامل تھا، نہ اب ہے، بلکہ رے اور ہمدان[۵۲] میں واقع تھا، اور اس عہد میں ایران کا دار السلطنت ہونے کی وجہ سے اس کو جو فوقیت حاصل ہے، وہ اظہر من الشمس ہے، اس لحاظ سے عبدالنبی اور محمد بقا دونوں کا قول خود ظہوری کے قول کے خلاف ہے، کیونکہ آخر الذکر نے صاف صاف لکھا ہے، کہ وہ خراسانی ہے، دو شعر اوپر درج کئے جا چکے ہیں، چند اشعار اور بھی مندرج ہیں، جن سے اس امر کی بخوبی صراحت ہو جائے گی، کہ ظہوری خراسانی ہی تھا،

گرچہ خوبان خراسان بہ نمک مشہور اند، رفتہ بیرون ز سرم یاد وطن خوش گر بست

---

[۵۱] مثلاً فرقتی کے ترجیع بند ساقی نامہ سے تین شعر ص ۱۴۴، صوفی مازندرانی کے ساقی نامہ سے پانچ شعر ص ۲۵۲ الف ظہوری کے ساقی نامہ سے ۵ شعر ص ۵۵ ب، عبدالنبی کے ساقی نامہ سے ۴ شعر ص ۲۵۶ الف

[۵۲] جغرافیہ تاریخی ایران بارتھلڈ ص ۱۷۸، ۱۰۰،

در بند پیر گشتم و جامہ جان ہمان گویا ہمین زمان زخراسان سیدہ ام

یارب بہ شہنشاہ خراسان کہ رسانی بیچارہ غریبان دکن را بہ خراسان

غریب خاک خراسان ترا نواختہ است اگر غریب نوازا آمدی غریب مدان

بقیۂ غم و درد ے کہ ماندہ بود بہ دہر غریب خاک خراسان بہ حکم ماموں برد

ان کے علاوہ دو مقالے ایسے ہین جن سے ثابت ہوتا ہے، کہ وہ خراسان کے خطۂ قائین کے دیہات مین پیدا ہوا تھا، اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے ان وجوہ سے یہ امر پایۂ تحقیق کو پہنچ جاتا ہے، کہ وہ طرانی نہین ہوسکتا، اور میخانہ کی روایت بالکل غلط ہے،

محمد حسین گوپاموی نے تذکرۂ روز روشن مین ظہوری کو شیرازی قرار دیا ہے، اور اس کو وحشی یزدی کا شاگرد بتایا ہے، یہ تذکرہ بہت حال کا ہے[1] پھر بھی اس کے زمانے کا پتہ نہین لگایا جا سکا، چونکہ ظہوری شیراز مین ۷ سال تک مقیم رہ چکا تھا، اس لحاظ سے اگر اس کو شیرازی قرار دیا جائے تو ایک حد تک درست ہے، لیکن چونکہ اس نے ظہوری کو وحشی کا شاگرد بتایا ہے، اس لئے اس راے کے قبول کرنے مین تامل ہوتا ہے، غالبًا جس ظہوری کا ذکر مؤلف نے کیا ہے اس کی شخصیت ظہوری ترشیزی سے الگ ہے، اس قیاس کی تائید ذیل کے قرائن سے ہوتی ہے۔

(۱) تذکرہ روز روشن مین ظہوری کا ایک شعر درج ہے، جو ظہوری ترشیزی کے دیوان مین نہین پایا جاتا،

(۲) ظہوری وحشی کا شاگرد نہین تھا، بلکہ اس کا مقابل شاعر تھا، جیسا کہ ذیل کے بیان سے صاف ظاہر ہے،

" و مدتے دران دیار (یزد) بہشت آثار کہ مجمع فضلاے ہر فن ست، در خدمت نواب فلکی

---

[1] یہ تذکرہ تیرھوین صدی کے اختتام پر مرتب ہوا ہے،

جناب ...... میر غیاث الدین میر میران بسر برد، و باوجود وجود حسان الزمان وحشی بافقی (یزدی) در آن سلسلۂ رفیعہ راہ مصاحبت و منادمت یافت و رعایت بیش از پیش دید و زینت و زیب مجالس و محافل آن عالی جاہ بود"

جس طرح وحشی بافقی غیاث الدین کا مصاحب و ندیم تھا، اسی طرح ظہوری بھی اس کے دربار میں اعلیٰ درجہ رکھتا تھا، اگر ظہوری وحشی کا شاگرد ہوتا، تو اُسے نہ غیاث الدین کی مصاحبت حاصل ہو سکتی تھی، اور نہ اس کی محفلوں کی زینت کا فخر ہی مل سکتا تھا "باوجود وجود حسان الزمان" کا ٹکڑا اس حقیقت کو واضح کرتا ہے، کہ وہ وحشی کا حریف اور مدمقابل تھا،

ظہوری کی شاعری کی شہرت خود اس کے وطن کے قیام ہی کے دوران میں ہو چکی تھی، یزد میں محض اپنی قابلیت کے اظہار کے لئے آیا تھا، نہ کہ وحشی کے سامنے زانوے تلمذ تہ کرنے، اس سلسلہ میں مآثر رحیمی کا ذیل کا قول قابلِ غور ہے،

"چون در خراسان نشو و نما یافت و صیت و آوازۂ فضیلت و شاعری بہ اطراف و اکناف ربعِ مسکون رسانید بہ طریق سیر و سیاحت و اظہارِ قدرت و حالت خود بہ مستعدانِ عراق بہ دار العبادہ یزد افتاد"

علاوہ بریں تذکرۂ میخانہ[1] کی صراحت کے بموجب وحشی کی وفات ۹۹۱ھ میں ۵۲ سال کی عمر میں واقع ہوئی، اس لحاظ سے اس کی پیدائش ۹۳۹ھ میں ہوئی ہوگی، ظہوری کا سنہ ولادت[2] ۹۴۴ھ

---

[1] ص ۳۴۵ نیز رجوع شود بہ خلاصۃ الکلام ص ۴۴۴ ج ۲ [2] کسی تذکرہ میں ظہوری کا سنہ ولادت نہیں ملتا اور نہ کسی نے اس کی عمر ہی کا یقین کیا ہے، البتہ سنہ وفات ۱۰۲۵ھ مسلم ہے، اور میخانہ میں ۸۱ سال کی عمر بتائی گئی ہے، (جو دوسرے واقعات سے ملانے سے صحت کے قرین معلوم ہوتی ہے) اس اعتبار سے ۹۴۴ھ اس کی تاریخ پیدائش قرار پاتی ہے،

ہے، گویا دونوں کی عمروں میں صرف ۹ سال کا تفاوت تھا، شاگرد اور استاد کی عمروں میں صرف ۹ سال کا فرق بالکل ناکافی ہے،

غرض ان وجوہ سے یہ بات تحقق ہو جاتی ہے، کہ ظہوری وحشی کا شاگرد نہیں تھا،

بہرحال اگر ظہوری شیرازی سے مؤلف کی مراد کوئی دوسرا ظہوری ہے، تو وہ میرے موضوع بحث سے خارج ہے، اور اگر اوس نے زیر بحث ظہوری کو وحشی کا شاگرد قرار دیا ہے، تو یہ بیان مستند نہیں ہو سکتا،

مندرجۂ بالا بحث سے یہ امر ثابت ہو جاتا ہے، کہ شہرت عامہ کسی قول کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں ہے، ظہوری کی وطنی نسبت ترشیزی کس قدر مشہور ہے، لیکن اس کے غلط ہونے میں کسی قسم کا شبہ نہیں،

تصحیح

افسوس ہو کہ معارف ماہ اپریل ص ۲۹۰ سطر ۲ میں عنوان "وجود باری تعالیٰ" کے تحت ادارہ کی مسامحت سے "Man does not stand alone." کا ترجمہ "انسان الگ کھڑا نہیں رہ سکتا" چھپ گیا ہے، یہ کتاب کا نام ہے، مفہوم کے اعتبار سے اس کو "انسان تنہا نہیں ہے" ہونا چاہئے تھا،

اسی طرح ص ۳۰۵ میں کتابت کی غلطی سے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمہ کے نسب نامہ کے استفسار کے جواب میں کتاب مرأۃ الجنان کا نام بعض جگہ مرأۃ الخیال چھپ گیا ہے، اور سطر ۱۰ میں ۵۳۶ھ کے بجائے ۵۳۱ھ مکتوب ہو گیا ہے، ناظرین ان غلطیوں کی تصحیح فرمالیں، "س"

لفظ فتنہ اور قرآن مجید

از مولوی داؤد اکبر صاحب اصلاحی استاذ مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور

(۳)

۷- اپنے آپ کو گو مگو مین رکھنے کو بھی فتنہ کہا گیا:-

ينادونهم الم نكن معكم قالوا	وہ ان کو پکارین گے کہ کیا ہم تمھارے
بلى ولكنكم فتنتم انفسكم و	ساتھ نہ تھے ؟ وہ کہین گے، ہان تھے تو
تربصتم وارتبتم وغرتكم	لیکن تم نے اپنے کو فتنہ مین رکھا، اور
الامانی حتى جاء امر الله وغركم	منتظر رہے، اور شک کیا، اور باطل امیدون
بالله الغرور	نے تمھین دھوکے مین رکھا، یہان تک کہ
(حدید - ۲)	اللہ کا حکم آگیا، اور دھوکہ دینے والے نے
	خدا کے ساتھ تمھین دھوکہ مین رکھا،

منافقین مسلمانون کے چھپے ہوئے دشمن تھے، اور نہایت خطرناک قسم کے تھے، لیکن زبان سے اُن کے ساتھ ہونے کا اعلان کرتے تھے، یہ روش انھون نے اپنے مفاد کی خاطر اختیار کی تھی، ان کا مسلمانون کی جماعت مین گھس کر اسے کمزور کرنا تھا، وہ ظاہر مین مسلمانون کو اس لئے خوش رکھنا چاہتے تھے کہ اگر مسلمانون کو غلبہ حاصل ہو تو کہہ سکین کہ ہم تو تمھارے ساتھ تھے، ان کی کفر و ایمان کی اس بین بین حالت کو آیت بالا مین فتنہ کہا گیا ہے، یعنی ان کی عقل و خیر کا فیصلہ تو پیغمبر کی دعوت کی تائید مین ہے،"

اغراض وخواہشات کا تقاضا اس کے خلاف ہے، اور اسی کا ان پر غلبہ ہے، اسی لئے اسلامی غزوات مین مسلمانون کی شکست کی خبر کا انھین شدید انتظار (تربصتم) رہتا تھا، اور اسلامی فوج کی کامیابی ان کے لئے سوہان روح تھی، بس یہان حق و باطل کے درمیان ان کی اسی کشمکش کو فتنہ سے تعبیر کیا گیا ہے،

۳- جہاد کے موقع پر اس کے واجب الادا ہونے کے باوجود اس مین شرکت نہ کرنا بھی ایک فتنہ ہے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ
وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ
وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ
وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ وَ
اتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا
مِنْكُمْ خَاۤصَّةً وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ
شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ اَنْتُمْ
قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ
اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَ
اَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ،

(انفال — ۲۳)

اے ایمان والو تم اللہ اور رسول کے کہنے
کو بجالاؤ، جب کہ رسول تم کو زندگی بخش
چیز کی طرف بلاتا ہے، اور جان رکھو کہ
اللہ تعالیٰ آڑ بن جایا کرتا ہے آدمی کے
اور اس کے قلب کے درمیان مین اور بلاشبہ
تم سب کو خدا ہی کے پاس جمع ہونا ہے،
اور تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص ان ہی
لوگون پر واقع نہ ہوگا، جو تم مین ان
گناہون کے مرتکب ہوئے ہین، اور
جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا
ہے، اور یاد کرو جب تم کم تھے، اور سرزمین
مکہ مین کمزور تھے، یہ اندیشہ لگا رہتا تھا
کہ دشمن تمھین اچک لین، پس اس
نے تم کو پناہ دی اور تمھاری مدد کی، اور
تم کو پاکیزہ روزی بخشی تاکہ تم شکر کرو،

اوپر کی آیتوں میں ایک جگہ لفظ فتنہ آیا ہے، اس کے مفہوم کی تعیین میں سہولت کے خیال سے
گے پیچھے کی آیتیں بھی ہم نے نقل کردی ہیں، ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانو! خدا اور اس کے
سول کی دعوت پر لبیک کہو خواہ مالی قربانی کے لئے اس کی پکار ہو، یا جانی قربانی کے لئے اس میں
ندگی ہے، اور اس سے گریز موت ہے، نیز رسول کی دعوت نہ قبول کرنے میں طبع قلب (اِنَّ اللّٰہ
یحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِہٖ) کا اندیشہ اور عذاب اخروی (وانہ الیہ تحشرون) قطعی ہے، اور ان تہدید
سے متاثر ہونے پر جو اللہ کی راہ میں جانی و مالی قربانی دینے سے روکنے کے لئے کام میں لائی جا رہی تھیں
تحذیر کی گئی ہے، اور انھیں فتنہ ٹھہرایا گیا ہے اور ان کے برے اثرات کی زد میں صرف وہی لوگ نہ آئیں گے
جو مخالفین یا مار آستین منافقین کے فریب میں آکر غزوات وغیرہ سے دستکش ہو گئے ہیں، بلکہ اس کا اثر ان
لوگوں تک بھی پہنچے گا، جو پوری دینی حمیت رکھتے ہیں۔ دیکھئے مذکورۂ بالا آیت میں منافقین کی ان جانوں
(یا اھل یثرب لا مقام لکم الایہ) کو فتنہ کہا ہے، جو وہ مسلمانوں کو غزوات اور دوسرے کاموں تک
کی شرکت سے روکنے کے لئے کرتے تھے،

۴۔ حق دعوت سے ہٹانے کی کوشش کرنا بھی ایک فتنہ ہے۔

۱۔ وَاَنِ احْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ	اور یہ کہ ان کے درمیان اس کتاب کے مطابق
وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَھُمْ وَاحْذَرْھُمْ	فیصلہ کر جو اللہ نے اتاری ہے، اور ان کی
اَنْ یَّفْتِنُوْکَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ	خواہشات کی پیروی نہ کر اور ان سے اس
اِلَیْکَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا یُرِیْدُ	بات سے احتیاط کر کہ اللہ کے بھیجے ہوئے حکم کو
اللّٰہُ اَنْ یُّصِیْبَھُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِھِمْ	تجھے بھلا دیں پس اگر وہ اعراض کریں تو یقین کر
وَاِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ،	کہ پس خدا کو منظور ہے کہ بعض جرموں پر ان کو
(مائدہ - ۴۹)	سزا دے اور بیشتر آدمی فاسق ہیں،

۹- وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِیْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِیَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ۝ (اسراء - ۸)

اور قریب تھا کہ یہ لوگ تجھے اس چیز سے جو ہم نے تجھ پر وحی کی ہے، اس سے بچلا دیں، تاکہ تو اس کتاب کے سوا دوسری کتاب گھڑ کر پیش کرے، اور تب تجھے وہ اپنا دوست بنا لیتے، اور اگر ہم نے تیرا قدم جمانہ دیا ہوتا تو اُن کی طرف کچھ نہ کچھ مائل ہی ہو جاتا،

اوپر کی آیتوں میں اعدائے دین کی ان کوششوں کو جو پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے استقامت میں لغزش پیدا کرنے کے لئے برروئے کار لاتے تھے، فتنہ کہا ہے، اور اُن سے بچنے کی تلقین کی گئی ہو،

۱۰- علم بھی کبھی فتنہ بن جاتا ہے :-

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَيَتَعَلَّمُوْنَ -

اور انھوں نے ایسی چیز کا اتباع کیا جس کا سلیمان کے عہدِ حکومت میں شیاطین کیا کرتے تھے، اور سلیمان نے نہیں کفر کیا، بلکہ شیاطین نے کفر کیا، حالت یہ تھی، کہ آدمیوں کو بھی سحر کی تعلیم کرتے تھے، اور اس کا بھی جو ان دونوں فرشتوں پر نازل کیا گیا تھا، بابل میں جن کا نام ہاروت و ماروت تھا، اور وہ دونوں کسی کو نہ سکھاتے تھے، تاآنکہ وہ کہہ نہ دیتے، کہ ہمارا علم فتنہ ہے، پس تو کفر میں نہ مبتلا ہو، پس لوگ ان دونوں سے

مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنفُسَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ

(بقرہ - ۱۲)

وہ چیز سیکھتے تھے جس سے میاں بیوی میں تفریق کرتے تھے، حالانکہ یہ اس کے ذریعہ بدون اذن الٰہی کسی کو ہرگز نہیں پہنچا سکتے تھے، اور وہ ایسی چیز سیکھتے تھے، جو ان کے لئے مفید نہ تھی، بلکہ مضر تھی، اور انھیں اس کا علم تھا کہ جو اسے اختیار کرے گا اس کیلئے آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا، اور بلاشبہہ وہ چیز جس پر وہ اپنی جگہ قربان کر رہے ہیں، نہایت حقیر ہے، کاش انھیں سمجھ ہوتی

دیکھئے وہ علم جو ہاروت و ماروت کے ذریعہ بابل میں سکھایا جاتا تھا، اسے فتنہ کہا گیا، اس میں یہ خاص بات تھی، کہ اُسے خیر و شر دونوں کے لئے استعمال کیا جا سکتا تھا، لیکن یہود یہ علم اس لئے سیکھتے تھے کہ اس سے لوگوں کو دکھ دیں، اور ایسا ہونے کی وجہ یہ تھی کہ کتاب اللہ (توراۃ) ان کے یہاں متروک و مہجور ہو چکی تھی، بس اسی طرح کے علم سے انھیں شغف رہ گیا تھا،

۴۔ کسی غلط عقیدہ اور عمل پر اکسا کر ڈال دینا بھی ایک فتنہ ہے :۔

۱۔ يَا بَنِي آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُم مِّنَ الْجَنَّةِ يَنزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْآتِهِمَا إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ إِنَّا

اے بنی آدم شیطان تمھیں فتنہ میں نہ ڈالے جس طرح تمھارے والدین کو جنت سے نکال دیا، وہ ان دونوں سے ان کا لباس اتروا رہا تھا کہ ان کی شرمگاہیں کھول دے بلاشبہہ وہ اور اس کا لشکر تمھیں اس نگاہ ...

جَعَلْنَا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ (اعراف - ۳)

نگاہ سے تم اسے دیکھ رہے ہو، بیشک شیطان کو ہم نے ان لوگون کا ولی اور قرین بنا دیا ہے، جو ایمان نہین رکھتے ہین،

۲- فَإِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفَاتِنِينَ (صافات - ۱۶۲)

پس بیشک تم اور تمھارے معبود خدا سے لوگون کو ہٹا نہین سکتے،

یا بنی آدم کے خطاب مین عموم وخصوص کے دو پہلو ہین، عمومی اعتبار سے تو ساری دنیا اس خطاب مین داخل ہے لیکن خصوصی لحاظ سے اس کے مخاطب اہل مکہ ہین، اور اس آیت مین انھین ان کی اس روش پر نکیر کی گئی ہے، جو شیطان کے اکسانے سے انھون نے اختیار کر رکھی تھی، وہ برہنہ ہو کر ان کا خانۂ کعبہ کا طواف کرنا اور اسے عین دین وتقوی تصور کرنا تھا اور اس غلط عمل مین اُن کے مبتلا ہونے کو ٹھیک اسی طرح ان پر شیطانی حربہ چل جانا کہا گیا ہے، جس طرح اس کا یہ حربہ آدمؑ پر چل گیا تھا، اور وہ جنت مین برہنہ ہوگئے تھے، بالفاظ دیگر اب سے بہت پہلے شیطان نے تمھارے جدامجد کو طرح طرح کی ترغیبات سے جنت مین برہنہ کر دیا تھا، ٹھیک اسی طرح اُس نے اے اہل مکہ تمھین بھی اس جنتِ ارضی (مکہ) مین عریان کر دیا ہے، اور تم ہو کہ اس کا احساس نہین کر رہے ہو، آدم نے رجوع کیا، اور ان کی توبہ قبول ہوئی، پس تمھین بھی چاہئے، کہ شیطان کے دام تزویر سے نکل آؤ،

دوسری آیت مین مشرکین کو ان کے ان تصورات اور عقائد کی ہمہ گیری اور قبول عام ہونے سے مایوس کیا گیا ہے، جو بالکل بے اصل ہین، اور یہ بتایا گیا ہے کہ ان کے فریب مین کوئی ہوشمند اور سمجھ دار انسان نہین آسکتا، جب تک کہ عقل کا کورا اور عاقبت فراموشی کا شکار نہ ہو، غور کیجئے ان دونون آیتون مین سے پہلی مین لفظ فتنہ کسی غلط عمل پر ترغیب دلانے کے لئے لایا گیا ہے، اور دوسری مین غلط عقائد اور باطل تصورات کی قبولیت پر اکسانے کے مفہوم مین استعمال کیا گیا ہے،

(باقی)

نماز اور خشوع

از

مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دارالمصنفین

(۳)

ابو اسمٰعیل ہرویؒ (متوفی ۴۸۱ھ) نے منازل السائرین میں اور حافظ ابن قیمؒ (متوفی ۷۵۱ھ) نے اس کی شرح مدارج السالکین میں "خشوع" کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس کا خلاصہ ہم یہاں پیش کرتے ہیں،

حافظ ابن قیم منازل السائرین کی ایک عبارت کی تشریح میں فرماتے ہیں :-

"قلب میں جس کی عظمت و ہیبت ہوتی ہے، اس کے سامنے طبیعت کی ہر خواہش ختم اور نفس کا ہر انبساط اس میں فنا ہو جاتا ہے، بس خشوع اسی کا نام ہے کہ بندہ کی ہر خواہش اللہ کی عظمت اور اس کی مرضی کے تابع ہو جائے،

اس خشوع کے تین درجے ہیں، پہلا درجہ یہ ہے کہ بندہ اپنے کو ہر وقت عاجز و مسکین سمجھے، اور حکم الٰہی شرعی ہو، خواہ قدری، اس کے سامنے سر نیاز خم کر دے، اور وہ یہ بھی محسوس کرتا رہے کہ قلب کی ہر کیفیت اور اعضاء کی ہر حرکت کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے، اس استحضاری کیفیت کو وہ جتنا ہی زیادہ کریگا، صفتِ خشوع سے متصف ہوتا جائے گا،

دوسرا درجہ یہ ہے کہ بندہ ہر وقت اپنے نفس کے عیوب اور اعمال کے نقائص پر نگاہ رکھے، اور اس بات کی پرواہ نہ کرے، کہ لوگ اس کے ساتھ کیسا سلوک کر رہے ہیں، وہ

لوگوں کے ساتھ نیک برتاؤ اور اُن کے حقوق ادا کرتا رہے، یہی کیفیت اُسے درجۂ فنا تک پہنچانے کا سبب بن جائے گی،

تیسرا درجہ یہ کہ جب بندہ کو مکاشفہ وغیرہ کی کیفیت حاصل ہو جاتی ہے، تو اس کی طبیعت میں بڑا انبساط، اور بعض وقت عجب پیدا ہو جاتا ہے، ایسے وقت میں اُسے پورے طور پر نفس کی دیکھ بھال رکھنی چاہئے، تاکہ اس کا آئینۂ دل عجب وریا کے گرد و غبار سے میلا نہ ہونے پائے، اس لئے کہ ایسے موقع پر ان عیوب کے پیدا ہو جانے کا بڑا خطرہ ہوتا ہے، پھر اس تصور کو بھی ذہن میں جاگزیں رکھے کہ فضل و کرم بخشش و مغفرت سب اسی ذاتِ قدوسی کے دست قدرت میں ہے، وہ بندوں پر بغیر کسی سبب کے بھی فضل و کرم کی بارش کر سکتا ہے[۱]۔

اوپر خشوع کی جو عمومی تشریح کی گئی ہے، صاحب منازل کی اس عبارت سے اس کی مزید توضیح ہو گئی، کہ خشوع کی کیفیت صرف نماز ہی تک محدود نہیں ہے، بلکہ وہ پوری زندگی میں للّٰہیت پیدا کرنے کا ایک معیار ہے،

حکیم امت امام غزالیؒ نے بھی احیاء العلوم میں خشوع پر بہت تفصیل سے بحث کی ہے، اور اس کے شرائط و ارکان اس کے پیدا کرنے کی صورتیں، اس کے باطنی اثرات اور مظاہر وغیرہ کو علٰحدہ علٰحدہ بہت واضح طور سے بیان کیا ہے، ہم مختصراً ذیل میں درج کرتے ہیں، فرماتے ہیں :۔

"اللہ تعالیٰ سے خشوع کی تعبیر تعظیم سے کی جاتی ہے، لیکن جب تک جلالِ الٰہی کی معرفت کے ساتھ اپنے نفس کی حقارت کی معرفت بھی شامل نہ ہو، اس وقت تک خشوع و تعظیم کی حالت منتظم نہیں ہوتی[۲]"

دوسری جگہ فرماتے ہیں :۔

---

[۱] مدارج، ج ۱ ص ۲۹۶ [۲] احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۱۸،

"اللہ تعالیٰ نے اس آیت قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ[1] میں ایمان کے بعد ایک مخصوص نماز کی وجہ سے مومنین کی مدح کی ہے، اور یہ مخصوص نماز وہ ہے جو خشوع کے ساتھ پڑھی گئی ہو، پھر ان فلاح یافتہ مومنین کے اوصاف گنانے کے بعد بھی ایک مخصوص نماز کا ذکر کیا ہے، چنانچہ فرمایا وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ[2] پھر ان صفات کے نتیجہ میں فرمایا کہ وہی لوگ ہیں جو جنۃ الفردوس کے وارث و مالک ہوں گے، غرضیکہ نماز میں خشوع رکھنے والے مومنین کو پہلے فلاح یافتہ بتایا، اور پھر اس کے نتیجہ میں انھیں جنت الفردوس کے وارث بنانے کا وعدہ فرمایا"

پھر ایک دوسری جگہ خشوع کی عمومی تشریح کرنے کے بعد صوفیہ اور ائمہ کے اقوال و اعمال سے بھی اس پر استدلال کرتے ہیں، فرماتے ہیں :-

"جاننا چاہئے کہ خشوع ایمان کا ثمرہ اور جلال الٰہی کے تصور سے جو یقین حاصل ہوتا ہے اس کا نتیجہ ہے، جو شخص اس کیفیت سے لطف اندوز ہو جاتا ہے، وہ نماز میں ہو خواہ نماز سے باہر ہر وقت اس پر خشوع و خضوع کی حالت طاری رہتی ہے، بلکہ وہ تنہائی اور رفع حاجت کے وقت بھی اس حالت سے علحدہ نہیں ہوتا، اس لئے کہ خشوع کا اصلی سبب خدا کی عظمت و توقیر کی معرفت، اور اپنی ذلت و تقصیر کا علم ہے، اور اسی علم و معرفت کے تصور سے خشوع کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور ظاہر بات ہے کہ یہ چیز صرف نماز کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر وقت اور ہر آن اس کا حصول ممکن ہے، چنانچہ بعض لوگوں کے متعلق مروی ہے کہ انھوں نے خدا سے شرم و حیا اور اس کی عظمت کے تصور کے استیلاء کی وجہ سے چالیس چالیس برس تک آسمان کی طرف سر نہیں اٹھایا، ربیع بن خثیم (مشہور تابعی ہیں، ۶۳ھ یا ۶۱ھ میں وفات پائی)

---

[1] بیشک وہ لوگ فلاح یافتہ ہیں، جو اپنی نماز میں خشوع رکھتے ہیں [2] اور وہ لوگ جو نماز پابندی سے ادا کرتے ہیں۔

کو اُن کے ضعفِ بصر اور اعضا کے جھکاؤ کی وجہ سے بعض لوگ اندھا سمجھتے تھے، وہ چالیس برس تک ابن مسعودؓ کے مکان پر آتے جاتے رہے، جب وہ آتے تو ابن مسعودؓ کی لونڈی اُن سے کہتی کہ آپ کا اندھا دوست آگیا، ابن مسعودؓ جب ان کی طرف دیکھتے تو آیت کا یہ ٹکڑا پڑھتے، وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ (احکام الٰہی کے سامنے سر نیاز خم کر دینے والے کو خوشخبری دیجئے) اے ربیع خدا کی قسم اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو دیکھتے تو خوش ہوتے دوسری روایت میں ہے کہ تم سے محبت کرتے،

ایک روز وہ ابن مسعودؓ کے ساتھ لوہاروں کے محلہ میں گئے، جب انھوں نے بھٹی کو جلتے اور آگ کو بھڑکتے دیکھا تو لرزہ براندام ہوگئے، اور غش کھا کر وہیں گر پڑے،

عامر بن عبد اللہ بھی ان لوگوں میں سے تھے، جو نہایت ہی خشوع و خضوع اور توجہ الی اللہ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، پھر خشوع کے غلبہ کا یہ حال تھا کہ جب وہ نماز پڑھنے لگتے، تو بسا اوقات ان کی لڑکی دف بجایا کرتی، اور عورتیں گھر میں بےتکلفی سے گھریلو باتیں کرتی رہتیں، اور انھیں بالکل خبر تک نہ ہوتی،

اُن سے لوگوں نے کہا کہ کیا آپ کو بھی نماز میں وسوسہ اور پراگندہ خیالی ہوتی ہے، انھوں نے فرمایا مجھ پر نیزوں کی پے درپے بارش مجھے اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ جس طرح تم لوگ نماز کے وقت پراگندہ خیال رہتے ہو، میں بھی رہوں اسلم بن یسارؒ بھی انہی لوگوں میں تھے، کہ مسجد کا ایک ستون گر پڑا، اور وہ نماز پڑھتے رہے، انھیں اس کی خبر تک نہ ہوئی،

بعض صوفیہ کا قول ہے کہ نماز کا تعلق آخرت سے ہے، جب تم اس میں داخل ہوگئے، تو دنیا کی باتوں سے علٰحدہ ہو جانا چاہیے"

پھر چند حکایات نقل کرنے کے بعد امام غزالیؒ آخر مین فرماتے ہین کہ

"اور جس کیفیت کے ساتھ نماز پڑھنے کا ذکر کیا گیا ہے خاشعین فی الصلاۃ کی یہی کیفیت ہوتی ہے، یہ تمام حکایات و روایات اور اس سلسلہ مین جو کچھ بیان کیا گیا، اس بات کی دلیل ہے کہ نماز مین اصل چیز خشوع اور حضور قلب ہے، حضور قلب کے بغیر یعنی غفلتِ قلب کے ساتھ محض اعضاء کی حرکت سے نماز پڑھنے کا آخرت مین بہت کم اجر و ثواب ہے"،

شیخ عبد القادر جیلانی (۴۷۱ھ – ۵۶۱ھ) نے غنیۃ الطالبین مین ابو حازم تابعی سے ایک روایت نقل کی ہے جس سے "خشوع" کی پوری حقیقت سامنے آجاتی ہے،

ابو حازمؒ فرماتے ہین کہ ایک مرتبہ مجھ سے ایک صحابی سے ملاقات ہوئی، تو اونھون نے مجھ سے اور چیزون کے علاوہ نماز کے بارہ مین بھی بہت سے سوالات کئے، اور مین ان کو جواب دیتا گیا، آخر مین انھون نے پوچھا کہ

"عبادت کے وقت تمھاری کیا نیت ہوتی ہے؟ مین نے کہا کہ عبودیت، انھون نے کہا کہ کس چیز سے نماز کی ابتدا کرتے ہو؟ مین نے کہا تکبیر سے، انھون نے کہا نماز کی دلیل و برہان کیا ہے؟ مین نے کہا اس کی قرآت، اونھون نے کہا، نماز کا اصل جوہر کیا ہے؟ مین نے کہا تسبیحات جو اس مین پڑھی جاتی ہین، اونھون نے کہا نماز کو زندہ کرنے والی کونسی چیز ہے؟ مین نے کہا خشوع و خضوع، پھر اونھون نے پوچھا کہ اس کا وقار کیا ہے؟ مین نے کہا کہ سکون و طمانیت"

تمام سوالات کے بعد ان صحابی نے فرمایا کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح نماز ادا کرتے تھے"،

امام ابو القاسم قشیریؒ (متوفی ۴۶۵ھ) اپنے "رسالہ قشیریہ" مین خشوع کے متعلق لکھتے ہین :-

---

۵۱ غنیہ جلد ۲ ص ۱۰۹، ۵۲ ر ص ۹۵،

"خشوع نام ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کا،..... بعض صوفیہ سے خشوع کے متعلق دریافت کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے دل کے لگے رہنے کو خشوع کہتے ہیں،..... سہل بن عبد اللہ فرماتے ہیں، کہ جس کا دل خشوع سے لبریز ہو جائے، اس کے قریب شیطان نہیں آسکتا..... بندہ میں خشوع کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ جب اس پر غصہ کیا جائے، یا اس کی مخالفت کی جائے، یا اوس کی کسی بات کو رد کیا جائے، تو اس وقت وہ خندہ پیشانی اور حلم و ضبط کے ساتھ اس کا خیر مقدم کرے، بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ نگاہ کو ادھر ادھر دیکھنے سے روک دینا ہی خشوع ہے، محمد بن علی الترمذی فرماتے ہیں، کہ خاشع وہ شخص ہے جس کے خواہشات کا آتشکدہ ٹھنڈا اور اس کے قلب کا دھواں (ہیجان و ولولہ) سرد ہو جائے، اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا نور چمک جائے، جب یہ کیفیت پیدا ہو جائے گی تو اس کی خواہش مردہ اور دل زندہ ہو جائے گا، اور پھر اس کے نتیجہ میں اس کے اعضاء پر بھی تواضع و خاکساری طاری ہو جائے گی، حسن بصری فرماتے ہیں کہ دل میں پورے طور پر اللہ تعالیٰ کے خوف کے بیٹھ جانے کو خشوع کہتے ہیں[۵]،" (باقی)

---

[۵] رسالہ قشیریہ ص ۱۰۰،

ارض القرآن حصہ اول

(جدید اڈیشن)

عرب کا قدیم جغرافیہ، عاد، ثمود، سبا، اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب الفیل کی تاریخ اس طرح لکھی گئی ہے، جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات کی یونانی، رومی، اسرائیلی لٹریچر، اور موجودہ آثار قدیمہ کی تحقیقات سے تائید و تصدیق کی ہے، ضخامت ۲۲۴ صفحے، قیمت ۔ "منیجر"

پنڈت چندر بھان برہمن کی تصنیفات کے چند نسخے

منشآت برہمن کا نسخہ مکتبہ حبیبیہ میں

از

نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا محمد حبیب الرحمٰن خان صاحب شروانی حبیب گنج علی گڈھ

مارچ سنہ حال کے معارف میں پنڈت چندر بھان برہمن کی تصانیف و حالات سے بحث کی گئی ہے، مکتبہ حبیبیہ حبیب گنج (علی گڈھ) میں منشآت برہمن کا ایک نادر نسخہ ہے، خوشخط نخطا شفیعا نُطلی اد مذہب، پورا نسخہ پاک صاف ہے، سنہ ۱۱۸۲ھ میں سید حسین ولد سید محی الدین نے لکھا ہے،

اس میں شاہجہان بادشاہ کے نام کے عرائض سے شروع ہو کر سلطنت کے مختلف امراء کے نام خط ہیں، بعض خط اہل خاندان کے نام بھی ہیں چونکہ برہمن دربار و سرکار امراء میں باریاب تھے، یہ منشآت قیمتی معلومات سے مالا مال ہیں جا بجا اپنا کلام بھی نقل کیا ہے،

اس زمانہ کے تعلقات باہم کی بہار ان تصانیف سے واضح ہوتی ہے، ع

دیدنی ہے یہ چمن گر ہم نظر پیدا کریں.

(۲)

دیوان برہمن تحفۃ الوداد اور مکاتیب کے نسخے گجرات ورناکلر لائبریری میں

از مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی ریسرچ اسکالر گجرات ورناکلر سوسائٹی، احمد آباد

مارچ کے معارف میں دیوان برہمن کا ذکر آیا ہے، خوشی کی بات ہے کہ اس کتب خانہ (گجرات

ورنا کلر لائبریری احمد آباد) مین ایک نسخہ موجود ہے، زبان فارسی ہیئی تقطیع خط نستعلیق، کاغذ احمد آبادی
ہر صفحہ مین بارہ سطرین خط باریک، سرخ جدول، صرف غزل ہی غزل ہے، اور ترتیب وار حروف تہجی
اس مین الف سے لے کر یاے ہوز تک ہے، جلد شکستہ ہونے سے چند اوراق آخر کے نہین رہے
لیکن عجیب بات یہ ہو کہ اس مین وہ شعر نہین ہے، ع

مرا دلیست بکفر آشنا کہ چندین بار

شاید آخر مین متفرقات مین ہو،

اولہ	اے برتر از تصور و وہم و گمانِ ما	اے درمیانِ ما و برون از میانِ ما
آخرہٗ	در کوے طلب فکر و تابل بنرد راہ	

اس کے علاوہ ایک رسالہ تحفۃ الوداد نام کا ہے، دوسرا رسالہ مکاتیب چندر بھان نامی ہو،
جس مین پہلا خط افضل خان کے نام ہے، ایک اور مجموعہ مکاتیب کا ہے، جو ابتدا اور آخر سے ناقص ہو،
اس مین ایک جگہ بادشاہ کے جشن سالانہ پر ایک رباعی کہی ہے،

استفسار و جواب

امام المسلمین کا حکم تشریعی

اور

عالم رویا کے احکام کی اطاعت

جناب میر انور سعید صاحب السلام علیکم!

نشیمن، کٹڑہ اہلووالیہ (امرتسر پنجاب) مکاتیب اقبال میری نظر سے نہیں گذرے مگر ایک صاحب جنھوں نے ان کا مطالعہ کیا ملاقی ہوئے اور چند ایسی باتیں بیان کر گئے جن کا استفسار آپ ہی سے کرنا انسب معلوم ہوتا ہے، اس لئے بھی کہ علامہ مرحوم نے خود بھی ان معاملات میں آپ ہی سے استفادہ کیا تھا،

(۱) کیا امیر یا امام المسلمین کو حق حاصل ہے کہ وہ کسی قرآنی حکم کو منسوخ کر دے، اگر نہیں تو امیر المومنین حضرت فاروق اعظمؓ کے اس حکم کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے، جب انھوں نے عام الرمادہ میں سارق کے لئے قطع ید کی سزا جو قرآن حکیم کے ایک قطعی حکم کے مطابق ہے منسوخ فرما دی،

(۲) ایک حدیث شریف میں ہے کہ مولائے کل جناب ختمی مرتبتؐ نے فرمایا کہ جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے تحقیق مجھے دیکھا، کیا یہ صحیح کی حدیث ہے، اور اگر جواب اثبات میں ہو تو ایک شخص جب یہ کہے (اور تمام حالات شاہد ہوں کہ وہ شخص کاذب نہیں) کہ سرکار دو جہاں

علیہ الصلوٰۃ والسلام عالم رویا میں مجھے یہ چیز عطا فرما گئے، اور میں اُسے اسی طرح پیش کر رہا ہوں تو ان افکار کو جو اس صورت میں پیش کئے جائیں، الحاد و زندقہ کہنا کہاں تک بجا ہے، کیونکہ جہاں تک میرے محدود علم کا تعلق ہے، حضرت محی الدین ابن عربیؒ نے جب دنیا کے سامنے فصوص الحکم پیش کی تو اسی تمہید سے کی کہ یہ عطیۂ بارگاہ نبوی ہے، مگر علامہ مرحوم فرماتے ہیں کہ یہ کتاب الحاد و زندقہ سے پُر ہے،

اُمید ہے کہ آپ براہ کرم و نوازش جلد جواب دیکر اس موضوع پر مکمل روشنی ڈالیں گے، اور میری اس علمی تشنہ لبی کو سیراب کریں گے،

معارف:۔ کسی امام کو یہ حق حاصل نہیں کہ کسی حکم قرآنی کو منسوخ کر دے، ہاں یہ ممکن ہے کہ کسی اسلامی مصلحت سے کسی حکم قرآنی کے اجراء میں تاخیر یا التوا کرے، مثلاً دار الحرب میں یا جنگ کی حالت میں جب دشمن کی فوج سامنے ہو، کسی مسلمان پر حد جاری کرنے میں تاخیر کی جائے، یا مثلاً سرقہ کی کسی خاص صورت کو کسی وقت خاص میں مستثنیٰ کر دیا جائے، مگر یہ چیزیں ہنگامی ہونگی اور مصالح ہنگامی کے ختم ہونے کے بعد اصل حکم بحال رہے گا، اسی طرح اس امام کے احکام اوس کے حدود تک محدود رہیں گے،

۲۔ حدیث صحیح ہے لیکن رویا کی حیثیت صرف بشارت کی ہے، اس لئے دیکھنے والے کے لئے بشارت ہے، لیکن اس رویا میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو ارشاد سنا جائے، اگر وہ شریعت کے مطابق ہو تو ظاہر ہے کہ صادق ہے، اور اگر مخالف ہے، تو قابل رد ہے، لیکن بیداری کے حکم کی جو قطعیت ہے، اور جو تواتر نقل یا صحیح روایت سے ثابت ہے، اوس کے مقابلہ میں رویا میں سینکڑوں احتمالات ہیں، اس لئے ناقابل قبول ہے ثانیاً یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانۂ نبوت اور صورۃ فی الدنیا میں جو کچھ فرمایا وہی احکام قابلِ اطاعت ہیں، رویا کا ارشاد جو بیداری کے احکام کے مخالف ہو تسلیم کے لائق نہیں، اور اگر نہ مطابق ہو نہ متضاد و مخالف تو صرف خواب دیکھنے والا اگر اوس پر عمل کرے تو جائز، اور اگر نہ کرے تو ملامت کے قابل

سلین، اور وہ بھی اسی خواب دیکھنے والے کے حق مین خاص رہے گا،

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہی احکام واجب الاطاعت ہین، جو حضور اپنی حیاتِ دنیاوی مین دے گئے ہین، واللہ اعلم "س"

ایک آیت کا زمانۂ نزول

جناب سید مسعود احمد صاحب دار الانوار قادیان | پچھلے دنون مین سیرۃ النبی مصنفہ مولانا شبلی مرحوم میرے مطالعہ مین تھی، اس کے متعلق ایک ضروری تاریخی استفسا ارسال کرتا ہون :-

مولانا مرحوم اپنی تصنیف کے حصۂ اوّل مجلد دوم مین ص ۴۰ پر فرماتے ہین، کہ قُلْ یٰاَھْلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْا اِلیٰ کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ الخ والی آیت وفد نجران کی موجودگی مین سنہ ۹ھ مین نازل ہوئی تھی، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوس مکتوب مین جو ہرقل عظیم الروم کے نام تھا، یہی آیات درج ہین، جو اس سے چند سال قبل کا واقعہ ہے،

براہ کرم اس تناقض کو دور فرمائین، اور اس آیت کے سنہ نزول کے بارے مین اپنی تحقیق سے متمتع کرین،

معارف :- عنایت نامہ ملا، جواباً عرض ہے، اس آیت کے سببِ نزول مین اربابِ تفسیر کی مختلف رائین ہین، بعض کا خیال ہے کہ اس کا نزول صلح حدیبیہ سے پہلے ہوا، اور بعض کا میلان ہے کہ یہ وفد نجران کی آمد کے وقت نازل ہوئی، حافظ ابن کثیر نے تفسیر مین وفد نجران کی آمد کے وقت اس آیت کے نزول پر دو اشکال ظاہر کئے ہین،

اوّل جو آپنے لکھا ہے،

دوم امام زہری کا قول ہے کہ سب سے پہلے جزیہ وفد نجران نے قبول کیا، اور اس بات پر سب

متفق ہین، کہ آیت جزیہ فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی، پھر ان اشکالات کے جوابات دیئے ہین،

۱- ہوسکتا ہے کہ آیت دوبار نازل ہوئی ہو، ایک بار صلح حدیبیہ سے پہلے دوسری بار فتح مکہ کے بعد

۲- ابن اسحاق کا جو یہ قول ہے کہ آل عمران کی اسی سے کچھ زیادہ آیتین، وفد نجران کی آمد کے وقت نازل ہوئین، صحیح نہین، ممکن ہے کہ صرف شروع کی چند آیتین اس وقت نازل ہوئی ہون،

۳- یہ بھی احتمال ہے کہ وفد نجران کی آمد صلح حدیبیہ سے پہلے ہوئی اور جو پیشکش انھون نے اس وقت قبول کی وہ مباہلہ کے بدلے مصالحت کے لئے تھی، جزیہ کی حیثیت سے نہین،

۴- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت یہ خط لکھا تھا اس وقت یہ آیت نازل نہین ہوئی، بلکہ آپ نے اپنے الفاظ مین اسے لکھا ہو، اور بعد مین اسی کے موافق وہ الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی جلی کے ذریعہ نازل ہوگئے ہون، جیسا کہ آیت حجاب وغیرہ مین حضرت عمرؓ کی موافقت مین آیتین نازل ہوئین،

مجھے یہ قول پسندیدہ معلوم ہوتا ہے، کہ پہلے یہ آیت پاک منفرداً نازل ہوئی ہے، دوسری بار پورے سلسلے کے ساتھ، موجودہ ترتیب کے ساتھ جہان علم الٰہی مین اس کی جگہ تھی، فلا اشکال،

والسّلام، "س"

گکھڑون کی تاریخ

جناب سردار علی صاحب ملوٹ، ضلع جہلم، | معارف ماہ جون ۱۹۴۳ء مین گکھڑون کے سلسلہ مین ایک استفسار کا جواب دیا گیا تھا، پھر ایک مزید سلسلہ بحث

مین معارف ماہ ستمبر ۱۹۴۳ء کے صفحہ ۲۲۰ مین معارف کی جانب سے ایک نوٹ شائع ہوا، جس مین مذکور ہے، کہ

"گکھڑون کے متعلق مستفسر اوّل جناب محمد اسلم خان صاحب کا ایک مزید تشریحی

استفسار موصول ہوا ہے، امید ہے کہ وہ معارف کے کسی آیندہ نمبر مین پیش ہو، اور اس پر مزید گفتگو کی جا سکے؛

مذکورہ نوٹ کے متعلق مین نے گذشتہ جون سنہ ۴۶ء مین بطور یاددہانی ایک عریضہ ارسال خدمت کیا تھا، جس کے جواب مین آپ کی جانب سے ایک گرامی نامہ نمبر ۲۰۰ مندرجہ ۲۶ جون سنہ ۴۶ء موصول ہوا تھا، کہ

"کثرتِ مشاغل کی وجہ سے گکھڑون کے متعلق ابھی تک کچھ لکھا نہین جا سکا، بہت جلد کسی آیندہ فرصت مین کچھ عرض کیا جا سکے گا،

اب کامل ایک سال کی خاموشی کے بعد مجھے پھر ایک دفعہ جناب کی خدمتِ عالیہ مین عرض کرنی پڑی، براہِ نوازش میرے عریضہ پر بغور و فکر اپنے وعدہ کو پورا کرنے کی کوشش فرماوین، اس تشریحی استفسار کو جو گکھڑون کے متعلق ہے، لکھنے کی تکلیف اٹھاوین، زیادہ والسلام،

معارف:- گرامی نامہ ملا، صحیح ہو کہ گکھڑون کے متعلق پھر معارف مین کچھ نکل نہ سکا، لیکن اس کی وجہ کوئی سہل انگاری نہین، بلکہ زیادہ مستند معلومات کو مناسب موقع سے شائع کرنا پیش نظر تھا،

آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی، کہ گکھڑون کے متعلق ایک مستند تاریخ ان دنون ایک محقق مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی کے زیر ترتیب ہے، وہ کتاب تیار کر چکے ہین، اور ان دنون مقدمہ کی تسوید مین مصروف ہین، اگر آپ کو زیادہ عجلت ہو تو ان سے گجرات ورناکلر سوسائٹی احمد آباد کے پتہ سے خط و کتابت فرمائین، ورنہ کچھ دنون انتظار فرمائین، ممکن ہے مولانا موصوف اس موضوع پر اپنی تحریر معارف مین اشاعت کے لئے بھی عنایت فرما سکین،

والسلام "س"

مطبوعات جدیدہ

نظامِ نو: از جناب محمد مظہر الدین صاحب صدیقی بی اے، حجم ۹۲ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت ۱۲؍
پتہ:- مکتبہ نشاۃ ثانیہ، حیدرآباد دکن،

جناب مصنف اپنی سنجیدہ تصنیفات کے ذریعہ ملک کے علمی و ادبی حلقوں میں روشناس ہو چکے ہیں نظامِ نو ان کی تازہ تصنیف ہے جس میں غور و فکر کے ساتھ چند فکری و ذہنی مباحث پر سنجیدگی سے گفتگو کی گئی ہے، مصنف نے اس میں دنیا کے موجودہ نظامِ زندگی یا یوں کہا جائے، موجودہ مغربی تمدن و معاشرت پر ناقدانہ بحث کی ہے، اور اس کی خامیاں دکھا کر ایک نظامِ نو کے مبادیات کو پیش کیا ہے، مصنف نے عقلیت پرستی، افادیت پسندی اور خارجیت پسندی کو مغربی تمدن کے تین نمایاں اجزار میں شمار کیا ہے، اور دکھایا ہے کہ یورپ میں اہلِ مذہب کی شکست کو نفس مذہب کی شکست کا مترادف سمجھا گیا، حالانکہ محض عقلی دلائل و براہین نفس مذہب کی حقانیت و بطلان کا معیار نہیں بن سکتے انھوں نے مذہب کی راہ کو چھوڑ کر عقلیت پرستی کا دامن پکڑا، اور اس میں وہ ایسی تیزگامی سے بڑھے کہ اخلاقی اصول بھی اُن سے چھوٹ گئے، پھر وہ عقلی استدلالوں کے پردہ میں اجتماعی رغبت و پسندیدگی کے نفسیاتی مزاج کی پیروی کرنے لگے، اور اس راہ سے عورتوں کو ایسی آزادی دی کہ معاشرت میں بے عنوانیاں پیدا ہوگئیں، اور سائنس کے علوم میں عقلی استدلال سے کامیاب ہونے کی وجہ سے انسانی تعلقات کی . . . . . . بھی انھوں نے اصولِ اخلاق کے بجائے محض عقل کی رہنمائی میں درستی چاہی، پھر ان حقائق سے بحث کی جو انسانی حدودِ تجربہ کے ماوراء تھے، اور اپنی نارسائی کی وجہ سے ان حقائق سے

انکار کر بیٹھے، اور افادیت پسندی مین وہ اس حد تک بڑھ گئے، کہ محض وقتی اور محسوس فوائد کو اصل کامیابی جانا، مادی فوائد کے لئے اخلاقی اصولون کو چھوڑا، اور اپنی لذت پرستی و مسرت طلبی کو جائز حدود مین نہ رکھ سکے، پھر وہ اپنی خارجیت پرستی سے انسانی زندگی مین خارجی نظامون سے ایسے وابستہ ہوئے کہ اخلاقی تقاضون اور باطنی و روحانی محرکات کو فراموش کرگئے، حالانکہ اصلاح باطن سے خارجی زندگی آپ سے آپ متاثر ہوتی ہے، دوسری طرف ایشیائی مفکرین و مصلحین نے خارجی نظامون کو سرے سے نظر انداز کیا، انکی ساری توجہ صرف روحانیت پر مبذول رہی، اس افراط و تفریط کے درمیان صرف اسلام ہی ایسا مذہب ہے جس نے اعتدال کے ساتھ ان دونون کو اہمیت دی اور سیاست، معاشرت اور معیشت کا ایسا نظام بنایا جس پر ایک اعلیٰ تمدن کی بنیاد قائم ہوسکتی ہے، دوسری طرف اس نے اصلاح باطن، تزکیۂ نفس اور نظامِ عبادت کے ایسے اصول وضع کئے، جو انسانون مین صحیح سیرت و کردار پیدا کرسکین،

پھر ان تحریکون پر نظر ڈالی گئی ہے، جو مذہب انسانیت، قومیت پرستی، اشتراکیت اور بین الاقوامی وفاق کے نام سے موجودہ تمدن کی بنیادی خامیون کو دور کرنے کے لئے جاری ہوئین لیکن ان تحریکون مین ایسی بنیادی خامیان تھین، جن سے ان کی خوبیون پر بھی پردہ پڑ گیا، پھر مصنف نے ایک صالح نظام کے ضروری اجزا ترتیب دیئے ہین، اور ان کی مطابقت اسلام سے دکھائی ہے، اور آخر مین دکھایا ہے، کہ کسی اصول یا نظریہ کا محض برحق، مفید اور صالح ہونا اس کی کامیابی کا ضامن نہین جب تک کہ اس کے پیرو اپنی انفرادی سیرت و اجتماعی طاقت سے اس کو پھیلانے اور اس کے مخالف نظامون کو مٹانے کی سعی مین مصروف نہ ہوجائین، اسلام کے پیرو اپنی عمل جد و جہد، ایثار و قربانی، تنظیم، مرکزیت اور فہم و تدبر سے سرگرمِ عمل ہون، تو وہ آج بھی نظامِ عالم کو بدلنے کی قدرت رکھتے ہین، ضرورت ہے کہ اس رسالہ کا ترجمہ دوسری زبانون مین بھی کیا جائے، کہ مزید مفید نتائج مرتب ہوسکین،

محاوراتِ داغ از جناب ولی احمد صاحب ایم اے، وزیر اعظم ریاست دوجانہ،

حجم ۳۰۰ صفحے، کاغذ بہتر، لکھائی چھپائی اچھی، قیمت فی جلد ہے، پتہ :- مکتبۂ ادب اردو بازار دہلی،

داغ کی شاعری مین محاورات کا جو برمحل اور برجستہ استعمال اپنی امتیازی شان کے ساتھ پایا جاتا ہے، ان کو یکجا کرنے کا خیال ایک زمانہ سے زبان کے خدمت گذارون کے پیش نظر تھا خوشی کی بات ہے، کہ اس خدمت کو صاحب ذوق مصنف نے اپنی اس تصنیف کے ذریعہ پورا کیا، اور ۴۴۴ محاورات کا قابل قدر انتخاب بڑی محنت اور دیدہ ریزی سے تیار کر لیا، ہر محاورہ کی تشریح اور جس شعر سے وہ اخذ کیا گیا ہے، مع دیوان کے حوالہ کے اس کے سامنے درج ہے، اس طرح اردو زبان و ادب کی مفید خدمت انجام پائی ہے، لیکن ضرورت تھی کہ اس کو لغت کی کتابون کی ترتیب سے مرتب کیا جاتا، یون تو حروف تہجی کی ابتدائی تقسیم کا لحاظ رکھا گیا ہے لیکن ایک حرف سے شروع ہونے والے تمام محاورے تحتانی حروف تہجی کا لحاظ کئے بغیر غیر مرتب طریقہ سے نقل کر دیئے گئے ہین جس کی وجہ سے اگر کسی ایک محاورہ کے مراجعہ کی ضرورت ہو، تو اس حرف تہجی کے پورے باب کا مراجعہ کرنا پڑے گا، جس مین خاصہ وقت صرف ہو سکتا ہے اسلئے طبع ثانی مین اس کی ترتیب مین اصلاح کی ضرورت ہے، مصنف نے شروع مین تقریب کے عنوان سے اردو غزل، اور داغ کے کلام پر بھی اختصار و جامعیت سے گفتگو کی ہے اور وہ لائق مطالعہ ہے،

شہدائے اسلام، از جناب اخلاق حسین صاحب قاسمی: ناشر سنٹرل بک ڈپو، اردو بازار جامع مسجد دہلی، حجم ۱۴۴ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت :- مجلد عہ

شہدائے اسلام مین ایسے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کے حالات چن کر یکجا کئے گئے ہین جن مین ان کے اللہ کی راہ مین جام شہادت نوش کرنے کا ذکر آیا ہے، ابتدا مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کے ایسے واقعات بھی درج کئے گئے ہین، جن مین آپ کو کفار کے ہاتھون ایذائین پہنچین، اگر اس بیان کا

خاتمہ، بھلا وہ قوم کیسے ترقی پا سکتی ہے، جو اپنے پیغمبر کو زخمی کر دے" پر کرنے کے بجائے اس پر کیا جاتا کہ اے اللہ ہماری قوم کو ہدایت دے کہ وہ نہیں جانتی" تو زیادہ بہتر ہوتا، رسالہ کا خاتمہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے واقعہ پر کیا گیا ہے،

خدا کی حاکمیت:- از حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ، حجم ۲۴ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت :- ۴ر، پتہ :- ادارہ دعوۃ الحق، بیگم بازار نکودہ گھاس منڈی، حیدرآباد دکن،

معارف میں زیر ترتیب سیرۃ جلد ہفتم کے چند صفحے کچھ دن گذرے شائع ہوئے تھے، ناشر نے ان کو "خدا کی حاکمیت" کے نام سے رسالہ کی صورت میں عام افادہ کے لئے شائع کیا ہے، اس میں حضرۃ الاستاذ مدظلہ نے دکھایا ہے کہ حاکم حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے، احکام الٰہی کی دو قسمیں ہیں احکام تشریعی و تکوینی، قانون و شرع کے اصول و کلیات ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رکھے گئے ہیں اور اُمت کے مجتہدین کو اختیار ہے کہ وہ اپنے زمانہ کی ضرورتوں کے لئے مسائل و فروع کا استنباط کریں "حکومت الٰہیہ" پر اس زمانہ میں طویل بحثیں جاری ہیں، یہ رسالہ اس موضوع کی جان ہے امید ہو کہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے گا،

اسلامی روایات کا تحفظ، از جناب سید جمیل واسطی ایم اے رکینٹب) حجم ۱۶۲ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت ۱۲ر، پتہ، مکتبہ دانش مزنگ، لاہور،

یہ مصنف کے چند مضامین کا مجموعہ ہے، جن میں مختلف تمدنی و معاشرتی مسائل پر ناقدانہ گفتگو کی ہے، یہ مضامین "علم و عمل" "مسلمانوں پر مغربی تہذیب کا اثر" "پردہ" "تعداد ازدواج" "خزیرخوری" "صنم پرستی" "نسلی تعصب" "اور مے نوشی" وغیرہ پر ہیں، ان موضوعوں پر مغرب کے کشکول میں اُن کے حسن و قبح کے معیار کے لئے جو دلائل ہیں، ان پر نظر ڈالی گئی ہے، اور ردّ و صواب دکھانے کی کوشش

کی گئی ہے، اس کا مطالعہ نوجوانون کے لئے خاص طور پر مفید ہوگا،

بہشت:- از جناب بنی پرشاد سنگھ صاحب بھٹناگر حجم ۹۶ صفحہ، کاغذ اور لکھائی چھپائی معمولی

ناشر مول چند اینڈ برادرس، چوک فیض آباد،

اس رسالہ مین مصنف نے اپنے نقطۂ نظر سے انسانون کو نیکی کی زندگی اختیار کرنے اور برائیون سے بچنے کی تلقین کی ہے، اور دکھایا ہے کہ انسانی زندگی کی راحت سچی محبت اور پاکیزہ زندگی ہی مین ہے، جناب نصیر الدین احمد ریٹائرڈ اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس نے اس کا دیباچہ لکھا ہے، یہ رسالہ غالباً بلا قیمت مل سکتا ہے۔

خونی ترانے مرتبہ جناب عبدالوہاب صاحب غازی اصلاحی، حجم ۴۲ صفحے، تقطیع چھوٹی،

قیمت ۸؍ پتہ :- اردو اشاعت گھر، نمبر ۳۲، فیرس لین (چونا گلی) کلکتہ،

ان دنون ملک مین جو فرقہ وارانہ فسادات جاری ہین، ان مختلف واقعات پر وقتاً فوقتاً مختلف شعرا اور خود مرتب نے اپنے جو تاثرات نظمون مین قلمبند کئے، وہ نظمین اس مجموعہ مین یکجا کی گئی ہین، جو مختلف عنوان "فسانۂ جنگی، کلکتہ کا فساد، کربلاے بہار، سڑی لاشین، شہیدان بہار، بینی آباد، مظفر پور، ۱۶ اگست ۱۹۴۶ء" "نوجوانان بہار سے خطاب" وغیرہ عنوانون سے ہین،

تاجدار رقاصہ، ترجمہ جناب فصیح الدین احمد صاحب ایم اے حجم ۱۷۰ صفحے تقطیع چھوٹی،

قیمت عہ؍، نیا گھر، اردو بازار دہلی،

یہ ایک فرانسیسی ناول کا آزاد ترجمہ ہے، اس مین ایک رقاصہ کی سرگذشت بیان کی گئی ہے جس مین اس کی زندگی کی مختلف منزلین دکھائی گئی ہین، وہ اسی سلسلہ مین ایک غریب نوجوان کی شریک زندگی بنی، پھر اپنی قسمت سے بنیر نطی تخت کی تاجدار بن گئی، اور بنیر نطی محل مین اس کی زندگی کے حیرت انگیز واقعات پیش آئے، ترجمہ صاف سلیس اور رواں ہے،

"ض"

اور تاریخی کتابین

تاریخ اخلاق اسلام، جلد اول، اس مین اسلامی اخلاق کی پوری تاریخ، قرآن پاک اور احادیث کے اخلاقی تعلیمات اور پھر اسلام کی اخلاقی تعلیمات پر مختلف حیثیتون سے نقد و تبصرہ ہے،

مصنفہ: مولانا عبدالسلام ندوی، ضخامت ۲۰۰ صفحے،

قیمت: ؏۲ر

ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہین، ہندوستان کی قدیم تاریخی کتابون مین مرتب طور پر ہندوستانی مسلمانون کے تعلیمی نظام اور ان کے مدرسون اور تعلیمگاہون کا حال معلوم کرنا چاہین تو نہین مل سکتا، مولوی ابوالحسنات مرحوم نے نہایت تلاش و تحقیق کے بعد ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہون پر معارف مین ایک مقالہ لکھا تھا جس کو اہل نظر نے بے حد پسند کیا، اب دارالمصنفین نے اسی مقالہ کو کتابی صورت مین نہایت اہتمام سے شائع کیا ہے،

ضخامت ۱۳۴ صفحے، قیمت: ۱۲ر

مختصر تاریخ ہند، مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی نے یہ تاریخ مدرسون اور طالب علمون کے لئے اس غرض سے لکھی ہے کہ ہندو اور مسلمان فرمانرواؤن نے ہندوستان کے بنانے مین جو کام کئے ہین، اور جو عظیم الشان خدمات انجام دی ہین، وہ طالب علمون کو بلا تفریق مذہب و ملت معلوم ہو جائین،

اس کتاب کو گورنمنٹ بہار نے اپنے سرکاری مدرسون مین بھی جاری کر دیا ہے، اور حکومت یو پی نے اس کے ۵۰۰ نسخے سرکاری لائبریریون کے لئے خریدے ہین، ضخامت: ۲۰۰ صفحے، قیمت: ؏ر

ہماری بادشاہی، ہمارے چھوٹون بچون کے نصاب مین کوئی ایسی کتاب نہ تھی جو اُن کو تیرہ سو برس کی قومی تاریخ سے باخبر کر سکے، یہ کتاب اسی ضرورت کو سامنے رکھکر لکھی گئی ہے، یہ ان تمام بڑی بڑی سلطنتون کی مختصر اور آسان تاریخ ہے جو گذشتہ صدیون مین مسلمانون نے دنیا کے مختلف حصون مین قائم کین،

ضخامت: ۲۰۰ صفحے، قیمت: ؏ر

ہندوستان کی کہانی، ہندوستان کی تاریخ کا یہ چھوٹا سا رسالہ نہایت آسان اور سہل زبان مین لکھا گیا ہے، تاکہ مکتبون اور ابتدائی مدرسون کے بچے اس کو آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکین، اور اُن کو معلوم ہو جائے کہ وہ کون تھے اور اب کیا ہین، ضخامت ۶۰ صفحے، قیمت: ؏ر

مرتبہ: مولوی عبدالسلام قدوائی، ندوی،

مقدمۂ رقعات عالمگیر، اس مین اسلامی فن انشاء اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغۂ انشاء کی تفصیل ہے، اور پھر عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر، خود عالمگیر کے خطوط و رقعات کی روشنی مین تنقیدی بحث کی گئی ہے،

۳۹۰ صفحے، قیمت: للعہ ر

رقعات عالمگیر، اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط و رقعات جو زمانۂ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہین، اس جلد مین جمع کئے گئے ہین، ان سے ادب، سیاست اور تاریخ کے بیسیون حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، مرتبہ: سید نجیب اشرف ندوی ایم اے،

ضخامت: ۴۸۰ صفحے،

قیمت: ۔ے ر

سوانح

سیرت عائشہؓ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالات زندگی اور اُن کے مناقب و فضائل اخلاق اور اُن کے علمی کارنامے اور اُن کے اجتہادات اور صنفِ نسوانی پر اُن کے احسانات، اسلام کے متعلق اُن کی نکتہ سنجیاں، اور معترضین کے جوابات، قیمت: ہے، ضخامت ۳۲۹ صفحے، طبع سوم با اضافہ حواشی، (از مولانا سلیمان ندوی)

سیر عمرؓ بن عبد العزیز

حضرت عمرؓ بن عبد العزیز خلیفۂ اموی کے سوانح حیات اور اُن کے مجددانہ کارنامے، ضخامت ۲۰۲ صفحے، قیمت: ؏ ۱۲ ر از مولانا عبد السلام ندوی،

حیات امام مالکؒ

امام مالکؒ کی سوانح عمری، علم حدیث کی مختصر تاریخ، فقہ مدنی کی خصوصیت اور علم حدیث کی کتاب موطاء امام مالکؒ پر تبصرہ، قیمت:- عہ، (۱۰۶ صفحے) از مولانا سید سلیمان ندوی،

الغزالی

امام غزالیؒ کی سوانح عمری اور ان کا فلسفہ اور علم کلام، اخلاق اور تصوف میں اُن کے مجددانہ کارنامے ضخامت ۲۳۵ صفحے، قیمت: عہ ر از مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ،

تابعین

علم و عمل اور مذہب و اخلاق میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سچے جانشین اور ان کے تربیت یافتہ تابعین کرام رضی اللہ عنہم تھے، اور صحابۂ کرامؓ کے بعد اُن ہی کی زندگی مسلمانون کے لئے نمونۂ عمل ہو سکتی ہے، اس میں چھیانوے اکابر تابعینؒ کے سوانح اُن کے علمی، مذہبی، اخلاقی، اور عملی مجاہدات اور کارنامون کی تفصیل ہے، مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی، ضخامت:- ۵۶۰ صفحے، قیمت:- للعہ ر

(پرنٹر و پبلشر صدیق احمد)

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۰۱ جون ۱۹۴۷ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت: پانچ روپیے سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ

سلسلۂ تاریخ اسلام

اردو میں اسلامی تاریخ پر کوئی ایسی جامع کتاب نہیں تھی جس میں تیرہ سو سال کی تمام اہم اور قابل ذکر حکومتوں کی سیاسی، علمی اور تمدنی تاریخ ہو، اس لئے دار المصنفین نے تاریخ اسلام کا ایک پورا سلسلہ خاص اہتمام سے مرتب کرایا ہے، جس کے بعض حصے چھپ چکے ہیں اور بعض زیر طبع ہیں، اور اکثر زیر تالیف و تکمیل ہیں، جو بتدریج جیسے جیسے حالات مساعد ہوں گے شائع ہوتے رہیں گے،

تاریخ اسلام حصۂ اوّل (عہد رسالت و خلافت راشدہ) اس میں آغاز اسلام سے لیکر خلافت راشدہ کے اختتام تک کی مفصل مذہبی، سیاسی و تمدنی اور علمی تاریخ ہے (زیر طبع)

ضخامت: ۴۰۰ صفحے، قیمت: سے

تاریخ اسلام حصۂ دوّم، (بنو امیہ) اس میں اموی حکومت کی صد سالہ سیاسی و علمی و تمدنی تاریخ کی تفصیل ہے،

ضخامت ۴۲۰ صفحے، قیمت: سے

تاریخ اسلام حصۂ سوم، (تاریخ بنی عباس جلد اوّل) اس میں خلیفہ ابو العباس سفاح ۱۳۲ھ سے خلیفہ ابو اسحٰق متقی للہ ۳۳۳ھ تک دو صدیوں کی بہت مفصل سیاسی تاریخ ہے، ضخامت ۵۰۴ صفحے، قیمت: للعہ

تاریخ اسلام حصۂ چہارم (تاریخ بنی عباس جلد دوم) اس میں خلیفہ مستکفی باللہ کے عہد ۳۳۳ھ سے آخری خلیفہ مستعصم باللہ ۶۵۶ھ تک خلافت عباسیہ کے زوال و خاتمہ کی سیاسی تاریخ ہے،

ضخامت ۴۳۲ صفحے، قیمت: صہ

(مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی)

تاریخ دولت عثمانیہ حصۂ اوّل، اس میں عثمان اوّل سے مصطفےٰ رابع تک سلطنت عثمانیہ کے چھ سو برس کے کارناموں کی تفصیل ہے، ضخامت: ۵۰۰ صفحے

قیمت: سے

تاریخ دولت عثمانیہ حصۂ دوم، سلطنت عثمانیہ کے عروج و زوال کی تاریخ اور اس کے نظامی اور تمدنی کارناموں کی تفصیل، از محمود ثانی ۱۲۲۳ھ/۱۸۰۸ء تا جنگ عظیم ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء

ضخامت: ۴۶۸ صفحے، قیمت: صہ

مرتبہ مولوی محمد عزیر صاحب ایم اے علیگ سابق رفیق دار المصنفین اعظم گڈھ،

تاریخ صقلیہ جلد اوّل، اس میں صقلیہ کے جغرافی حالات سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملوں کی ابتدا، حکومت کا قیام، اور عہد بعہد کی ترقیوں اور عروج کی پوری اور مفصل داستان ہے،

۵۴۶ صفحے، قیمت: للعہ

تاریخ صقلیہ حصۂ دوم، یہ سسلی کے تمدنی و علمی ترقیوں کا مرقع ہے، جس میں عہد بعہد کے مفسرین، محدثین، فقہا، ادبا و شعراء کے مفصل حالات اور ان کی تصنیفات کا ذکر ہے،

۵۰۰ صفحے، قیمت: للعہ

مرتبہ: مولانا سید ریاست علی ندوی،

مسعود علی ندوی — منیجر — دار المصنفین اعظم گڈھ

جلد ۵۹ ماہ رجب المرجب ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ جون ۱۹۴۷ء عدد ۶

شذرات

جون کا مہینہ ہندوستان کی تاریخ مین یادگار رہے گا کہ برسون کی کشمکش کے بعد یہان کی سیاسی جماعتون کے رہنماؤن نے ایک بات پر خوشی یا ناخوشی سے اپنے اتفاق کا اعلان کیا، توقع ہے کہ ملک مین خونریزیون اور سفاکیون کا جو سلسلہ قائم تھا، وہ اس نئی سیاسی کروٹ سے تھم جائے گا، خدا کرے کہ ملک کو حقیقی امن و امان نصیب ہو، اور یہ ملک جو کبھی جنت نشان تھا، اپنے گوشہ گوشہ مین ترقی کی معراج کو پہنچے، اور سب قومون ملتون اور جماعتون کو یکسان فراغ بالی نصیب ہو،

آج کل مسلمانون مین جو ذہنی انقلاب برپا ہے، وہ کوئی چھپی ہوئی بات نہین، یہ حقیقت اب روز روشن کی طرح مسلمانون پر عیان ہوتی جاتی ہو کہ اسلام صرف چند عقیدون کا نام نہین، وہ انسانی حیات کی تمام تر تفسیر ہے اور وہی انسانی زندگی کا وہ آخری نظام ہے جس سے نظام عالم کی اصلاح کی امید قائم کی جاسکتی ہو لیکن بہرحال ان حقائق کے ساتھ اس سے بھی چشم پوشی نہین کیجاسکتی، کہ اس وقت دنیا کے گوشہ گوشہ مین غیر اللہ کی حکومتین قائم ہین، اور اسی قسم کی حکومتون کے خاکے اس وقت ہندوستان مین بھی تیار کئے جارہے ہین، یا جلد ہی تیار کئے جائین گے اگر ہم تخیل اور تصور ہی کی دنیا مین رہین، تو پھر ہماری وقتی اور اضطراری ضرورتون کو پورا کرنے کی ممکن عملی صورت کیا ہوسکتی ہو، مستقبل کے کسی خوش آیند تصور پر وقتی ضرورتون سے نگاہ نہین ہٹائی جاسکتی جس طرح ہم اپنے پختہ عقائد اور حقیقی تصورات کے باوجود حکومت وقت کے قوانین کا بھی خاموشی سے اتباع کرتے ہین، اور اضطرارا تعاون کا ہاتھ بڑھاتے ہین، اسی طرح اگر ہم اپنی اجتماعی ضرورتون کے لئے بھی اضطراری حالات سے مجبور ہوکر کچھ نہ کچھ

کرلینا چاہیں، تو یہ کیونکر نہ دانشمندی کی بات سمجھی جائے،

خوشی کی بات ہو کہ معارف میں محکمۂ قضا کے قیام کی تحریک کی جو تجدید کی گئی ہو، وہ ملک کے تمام مسلمان ارباب سیاست کی نگاہ میں ہے، ملک کے مختلف حلقوں کے بعض ذمہ دار اکابر سے گفتگو کا موقع آیا، وہ وقت کے منتظر ہیں، توقع ہو کہ جب اسلامی اکثریت و اقلیت کے صوبوں کی کانسٹی ٹیوٹ اسمبلیوں کے روبرو تفصیلی مسائل آئیں گے تو اس بحث کو بھی ہاتھ لگایا جائے گا، اور اس کو تشفی بخش طریق سے کسی مناسب راہ پر لاکر طے کیا جائے گا، خدا کرے کہ سیاسی افکار و مشاغل کے ہجوم میں ملت کی یہ اہم ضرورت فراموش نہ ہونے پائے،

بہرحال مسلمان جس تیزی سے اپنے دینی تصورات کی طرف بڑھ رہے ہیں، اس کے اثرات صرف اسلامی ہند تک محدود نہیں، دوسرے اسلامی ملکوں میں بھی اس کے خوشگوار نتائج سامنے آرہے ہیں اور وہاں یورپ کی تقلید عام کے پرانے تخیل کی جگہ اسلامی تصورات کی طرف میلان بڑھ رہا ہو، چنانچہ نوجوان ترک جو کبھی سرمستی و سرشاری کے ساتھ یورپ کی تقلید عام کی طرف والہانہ انداز میں بڑھے تھے، اب شاید اسی تیزی سے واپس آنے کی تیاریاں کر رہے ہیں، ان دنوں حکومت ترکی کی مجلس وزراء میں وزیر تعلیم کا ایک نیا مسودہ قانون زیر غور ہے، توقع ہے کہ وہ گرمی کی تعطیلات سے پہلے مجلس کبیر ملی کے سامنے بھی آجائے، اس نئے مسودۂ قانون کے مطابق ترکی کے ابتدائی مدارس میں دینی تعلیم شروع کی جائے گی، اور ایسے مخصوص ادارے کھولے جائیں گے، جن میں اعلیٰ دینی تعلیم کا انتظام کیا جائے گا، اس سلسلہ میں دینیات کے لئے ایک مستقل کالج کے قیام کی تجویز بھی زیر غور ہے، ترکوں کی یہ رجعت پسندی ہمیں دل سے محبوب ہے، ہم دلی مسرت سے اس کا پرتپاک خیر مقدم کرتے ہیں، دعا ہو کہ اللہ تعالیٰ انھیں حسن نیت کے ساتھ راہ صواب پر گامزن ہونے کی توفیق عطا فرمائے،

مولانا سید طفیل احمد صاحب منگلوری مرحوم اپنی زندگی بھر علی گڈھ کی تعلیمی تحریک اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی سرگرمیون سے وابستہ رہی، خوشی کی بات ہو کہ اسی حلقہ سے مرحوم کے خدمات کے اعتراف کے لئے ایک یادگار قائم کرنے کی اپیل شائع ہوئی ہی جس پر دستخط کرنے والون مین ملک کے دوسرے چالیس ممتاز عمائد کے ساتھ نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمن خان صاحب شروانی ظلہ نے سر فہرست اپنے دستخط ثبت فرمائے ہین، اتفاق سے مسلم یونیورسٹی کے انجینیرنگ کالج کے طلبہ کے لئے دار الاقامہ کی کوئی عمارت موجود نہین ہے، اس تحریک کے بانیون کا خیال ہو کہ مرحوم کی یادگار مین شعبۂ انجینیری کے طلبہ کے لئے دو لاکھ کے سرمایہ سے دار الاقامہ تعمیر کیا جائے، اور اس کے کرایہ کی آمدنی سے انجینیرنگ کالج اور میکنکل انسٹی ٹیوٹ کے طلبہ کو قرض حسنہ کی شکل مین وظائف دیئے جائین، اُمید ہو کہ ملک کے ارباب کرم اس تحریک کو لبیک کہین گے، تاکہ اس کے ذریعہ ایک طرف ایک مخلص کارکن کے دیرینہ خدمات کی یاد تازہ ہو، اور دوسری طرف ملک کے سب سے بڑے مسلم تعلیمی ادارہ کی ایک ضرورت پوری ہو، اور میکنکل تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کی سہولت کا سامان بہم پہنچے، چندہ کی رقمین سکریٹری اولڈ بوائز ایسوسی ایشن اولڈ بوائز لاج مسلم یونیورسٹی، علی گڈھ کے پتہ سے ارسال کی جائین،

دار المصنفین مین تاریخ اسلام و تاریخ ہند کی تدوین کے جو سلسلے جاری ہین، ان مین سے مشرقی حکومتون کی تاریخ مین سے تاریخ بنو عباس کے سلسلہ کی آخری جلد جو عباسی دور کے علمی کارنامون کا مرقع ہو، زیر ترتیب ہو، اور مغربی حکومتون کے سلسلہ مین اندلس کی تاریخ کی تین جلدین تیار ہو چکی ہین، اور آخری جلد جو وہان کے ملوک طوائف پر مشتمل ہو، ان دونون زیر ترتیب ہو، امید ہے کہ یہ بھی اس سال پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے، دوسری طرف تاریخ ہند کے سلسلہ کی پہلی جلد جو تاریخ سندھ پر مشتمل ہو، ان دنون زیر طبع ہو، ڈھائی سو صفحات تک چھپ چکے ہین، امید ہو کہ تاریخ سندھ کی اشاعت سے ہندوستان کی تاریخ کے ایسے معلومات سامنے آئین جو اب تک عام مورخین کی نگاہون سے بھی اوجھل رہے ہین،

مقالات

اقبال کا فلسفۂ خودی

از

مولانا عبدالسلام ندوی

(۴)

تخلیق مقاصد، اثباتِ خودی کا یہ ساتواں مقدمہ ہے، جو لوگ ترکِ دنیا کی تعلیم دیتے ہیں ان کے نزدیک دنیوی جھگڑوں سے نجات کی صورت صرف یہ ہے، کہ خواہشاتِ نفسانی کا خاتمہ کر دیا جائے، شوپنہار کے فلسفہ کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ "دنیا ایک "خراب آباد" یا زندوں کی دوزخ ہے، ہر طرف ایک ہلچل مچی ہوئی ہے، ہر چیز اپنی اپنی غرض پوری کرنے کی فکر میں لگی ہوئی ہے، اور ہاتھ پاؤں پھینک رہی ہے، انسان بھی اپنی نفسانیت کا غلام ہے، اس کے اندر بھی طرح طرح کی اندھی خواہشیں ہنگامہ برپا کئے ہوئے ہیں، زندگی کی بنیاد خود غرضی اور نفسانیت پر ہے، اور پھر ستم ظریفی یہ ہے، کہ با وجود اس دوڑ دھوپ کے، با وجود اس جد و جہد کے ہم اپنی خواہشوں میں آخر کار ناکام رہتے ہیں، اس لئے ہمارے اندر زندگی کی جو خواہش ہے، اس کو مٹا دینا چاہئے"[۱]

بودھ کی تعلیم کا اصل الاصول بھی یہی ہے، کہ انسان ہر خواہش سے پاک ہو جائے، اور ہمارے صوفیہ

---

[۱] ماخوذ از شوپنہار مصنفہ مجنوں گورکھپوری،

کی تعلیم بھی یہی ہے کہ

از کار جہان تمام انکار خوش است این کار اگر کنی تو بسیار خوش است
خود را بہ کنار گیر و بگذر زہمہ در عالم تدبیر ہمین کار خوش است

اس بنا پر وہ دل بے مدعا کو خدا کی بڑی نعمت سمجھتے ہین، اور ڈاکٹر صاحب اپنی ایک ابتدائی غزل مین اس سے بھی زیادہ بلند پروازی کرتے ہین ، اور دلِ بے مدعا کے حاصل کرنے کی خواہش سے بھی آزادی حاصل کرنا چاہتے ہین :۔

ہے طلب بے مدعا ہونے کی بھی اک مدعا
مرغِ دل دامِ تمنا سے رہا کیونکر ہوا

اور اس مین کوئی شبہ نہین کہ اگر خواہشاتِ نفسانی فنا ہو جائین، تو زندگی بڑی پرسکون اور پرکیف ہو جاتی ہو، اسی بنا پر ایک شاعر کہتا ہے ۔

ترکِ لذت بھی نہین لذت سے کم
کچھ مزہ اس کا بھی چکھا چاہیئے

خواہشاتِ نفسانی کے پورے ہونے سے جو لذت حاصل ہوتی ہے، وہ نہایت زود فنا اور آنی ہوتی ہے لیکن ترکِ خواہش یا ترکِ لذت سے جو لذت حاصل ہوتی ہے، وہ نہایت دیرپا بلکہ لازوال ہوتی ہے ، انسان کو دنیا کی تکلیفون اور مصیبتون کا احساس نہین ہوتا ، خیر و شر، رنج و الم کا امتیاز اٹھ جاتا ہے ، اور زہر بھی تریاق کا مزہ دینے لگتا ہے تسلیم و رضا کا مسئلہ اسی ترکِ خواہش سے پیدا ہوتا ہے، یا تسلیم و رضا سے خواہشین اور آرزوئین رضاے الٰہی مین فنا ہو جاتی ہین ، اس بنا پر جس شخص کی یہ حالت ہو جاتی ہو گویا دنیا کا تمام کاروبار اس کے اشارون پر چلنے لگتا ہے ،

سیل و جوہا بر مراد او روند اختران زان سان کہ او خواہد شوند

بے مراد او نہ جنبد ہیچ رگ در جہان ز اوج ثریا تا سمک

اور ڈاکٹر صاحب بھی شخصی طور پر اس پر کیف زندگی سے لذت اندوز ہونا چاہتے ہیں،

این دل کہ مرا دادی لبریز یقین بادا این جام جہان بینم روشن تر ازین بادا

تلخے کہ فرو ریزد گردون بسفال من در کام کہن رندے آنم شکرین بادا

اسلام نے اپنی جامعیت کی بنا پر اپنی تعلیمات میں سلب و ایجاب کے دونوں پہلوؤں کو جمع کر لیا ہے، اور اس مسئلہ میں بھی اس کی تعلیم کی یہ خصوصیت موجود ہے، خواہشوں کی ایک قسم ایسی ہے جس سے شخصی زندگی تباہ و برباد ہو جاتی ہے، اس سے دنیا کی تعمیر نہیں ہوتی، بلکہ تخریب ہوتی ہے، اسی قسم کی خواہشوں کا نام "ہوی" ہے، اور ہوا و ہوس کی ترکیب اسی لفظ سے پیدا ہوئی ہے، اور اسلام نے اسی قسم کی بُری خواہشوں کے زائل کرنے کی تعلیم دی ہے،

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰيهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ، — اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے؟ جس نے خدا کی رہنمائی کے بغیر اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کی،

اَفَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهُ هَوٰيهُ — اے پیغمبر! کیا تو نے اس کو بھی دیکھا؟ جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا خدا بنا رکھا ہے،

لیکن ان کے علاوہ بہت سی پاکیزہ، مفید اور بلند خواہشیں بھی ہیں جن سے تہذیب نفس ہوتی ہے، نظام عالم قائم رہتا ہے، اور ان کے ذریعہ سے خودی کو اپنی نشو و نما کے لئے ایک وسیع فضا مل جاتی ہے، اس لئے اسلام نے ان خواہشوں کے پیدا کرنے اور ان کے پورا کرنے کا حکم دیا ہے، حدیث میں ہے،

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ مَعَالِيَ الْاُمُوْرِ وَ — بیشک خدا بلند کاموں کو پسند اور حقیر

یبغض سفسافھا   کاموں کو ناپسند کرتا ہے،

یہی خواہشیں ہیں جن سے انسان کی خودی کو نشو ونما ہوتی ہے، اس لئے ڈاکٹر صاحب نے اُن کے پیدا کرنے کی تعلیم دی ہے،

زندگانی را بقا از مدعاست   کاروانش را درا از مدعاست
زندگی در جستجو پوشیدہ است   اصلِ او در آرزو پوشیدہ است
آرزو ہنگامہ آرای خودی   موجِ بیتابے ز دریائے خودی
آرزو صید مقاصد را کمند   دفترِ افعال را شیرازہ بند
زندہ را نفی تمنا مردہ کرد   شعلہ را نقصانِ سوز افسردہ کرد
نے گرفت از نیستان آئین خویش   نغمہ زد از لذتِ تعیین خویش
اے ز راز زندگی بیگانہ خیز   از شرابِ مقصدے مستانہ خیز
مقصدے مثل سحر تابندۂ   ماسوی را آتشِ سوزندۂ
مقصدے از آسمان بالاترے   دلربائے دلستانے دلبرے
باطل دیرینہ را غارتگرے   فتنہ در جیبے سراپا محشرے
ما ز تخلیقِ مقاصد زندہ ایم   از شعاعِ آرزو تابندہ ایم
آرزو را در دلِ خود زندہ دار   تا نگردد مشتِ خاکِ تو مزار

یہ صبح کی طرح روشن اور آسمان سے زیادہ بلند مقاصد حقیر خواہشوں کو فنا کرکے انسان کو مستغنی اور بے نیاز کر دیتے ہیں، اس لئے وہ کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرتا،

اے فراہم کردہ از شیران خراج   گشتۂ روبہ مزاج از احتیاج
از سوال افلاس گردد خوارتر   از گدائی گدیہ گر نادارتر

از سوال آشفتہ اجزاے خودی | بے تجلی نخلِ سیناے خودی
اے خنک آن تشنہ کاندر آفتاب | مے نخواہد از خضر یک جام آب
چون حباب از غیرتِ مردانہ باش | ہم بہ بحر اندر نگوں پیمانہ باش

لیکن صرف سوال ہی کی تخصیص نہین، بلکہ ہر بداخلاقی سے خودی ضعیف ہوتی ہے، البتہ ڈاکٹر صاحب نے صرف سوال کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ

(۱) وہ اپنی تعلیمات کی تائید جہان تک ممکن ہوتا ہے، اسلامی تعلیمات و روایات سے کرتے ہین، اور حدیثون مین ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ سے جن شرائط پر بیعت لی تھی ان مین ایک شرط یہ تھی،

لا تسئالوا الناس شیئاً | لوگون سے کسی چیز کا سوال نہ کرو،

اور ان بزرگون نے اس شدت سے اس کی پابندی کی کہ اگر راہ مین کوڑا بھی گرجاتا تھا تو کسی سے یہ نہین کہتے تھے کہ اٹھا کر دیدو، اسی روایت کی طرف ڈاکٹر صاحب نے اس شعر مین اشارہ کیا ہے،

خود فرود آ از شتر مثلِ عمرؓ
الحذر از منتِ غیر الحذر

(۲) ڈاکٹر صاحب کے نزدیک سرکاری ملازمت سے خودی ضعیف ہوتی ہے، اور ملازمت حاصل کرنے کے لئے سرکاری دفترون مین جو دریوزہ گری کرنی پڑتی ہے، وہ ظاہر ہے اس لئے وہ اس سے روکتے ہین،

تا بکے دریوزۂ منصب کنی
صورتِ طفلان ز نے مرکب کنی

(۳) وہ کسبِ معاش کے دوسرے طریقون کی ترغیب دیتے ہین،

مشت خاکِ خویش را از ہم مپاش مثل مہ رزقِ خود از پہلو تراش

آنکہ خاشاکِ بتان از کعبہ رُفت مردِ کاسب را حبیب اللہ گفت

(۸) صحرائیت و بدویت۔ اثباتِ خودی کا یہ آٹھواں مقدمہ ہے لیکن اس سے وحشیانہ زندگی مقصود نہیں، بلکہ تمدن وتہذیب کے مضر اثرات سے محفوظ رہ کر خودی کی تربیت مقصود ہے،

وحشت نہ سمجھ اس کو اے مردک میدانی

کہسار کی خلوت ہے تعلیمِ خود آگاہی

یورپ میں روسو بھی تہذیب وتمدن کا سخت مخالف تھا، اور اس کے نزدیک انسان کی ابتدائی فطری حالت ہی بہتر تھی، ڈاکٹر صاحب بھی بعض معاملات میں اس کے ہم خیال ہیں، چنانچہ ڈاکٹر عبدالرحمان بجنوری مرحوم لکھتے ہیں کہ

"اقبال بعض معاملات میں روسو کے مانند ہے، وہ چاہتا ہے کہ پھر سے عہدِ نبوی کے شاندار شب و روز آجائیں، اس کے تمام خیالات اسی ایک خواب کی تعبیر ہیں، روسو فطرت کی طرف جانا چاہتا ہے، اقبال دشتِ حجاز پر مٹا ہوا ہے۔ اس کا دل دکھتا ہے، جب وہ دیکھتا ہے کہ مسلمان تہذیب حاضرہ کے تصنع اور چمک دمک سے متاثر ہوتے جارہے ہیں جن میں سطحی اور تعیش کے سوا کچھ نہیں، اسلامی روایات عربی ہیں، اس لئے انھیں اپنے شریفانہ جذبات اور قدرتی فطانت کو برقرار رکھنا چاہئے، یورپ کی نقل کسی طرح سودمند نہیں ہوسکتی، جیسا کہ ایرانی اوضاع واطوار نے ماضی میں کچھ فائدہ نہیں پہونچایا، غیر ملکی خیالات کا مبالغہ آمیز اور غلامانہ تتبع ہر ایک قوم کے لئے مہلک ثابت ہوا ہے"[۱]

ایک دوسرا مضمون نگار لکھتا ہے :-

---

[۱] نیرنگ خیال اقبال نمبر ص ۱۳۸ - ۱۳۹

"اقبال ہر حال اور ہر منزل پر وہی تیرہ سو برس پہلے کا حدی خوان شتربان اور عرب بدوی ہے وہ اپنے اونٹ کی نکیل ہاتھ مین لے کر مغرب اور مشرق کے آسمانون کے نیچے سر بلند گنگناتا چاہتا ہے اور اپنی ملت کو بھی ساتھ لیجانا چاہتا ہے"[1]

ڈاکٹر صاحب نے صحرائیت اور بدویت کی جو تعلیم دی ہے، اوس کے وجوہ حسب ذیل ہین،

۱- ایک تو یہ کہ مسلمانون کا اصلی مولد و منشا ریگ صحراے عرب ہے، اس لئے ان کو قدرتی طور پر صحرائیت کی طرف مائل ہونا چاہیئے، زبور عجم مین انھون نے ابہام و اجمال کے ساتھ اس خیال کو اس طرح ظاہر کیا ہے،

لالۂ صحرایم از طرف خیابانم برید | در ہواے دشت کہسار و بیابانم برید
روبہی آموختم از خویش دور افتادم | چارہ پرواز ان با خویش نیستانم برید

وہ اپنی غزلون مین عرب کے مشہور معشوقون کا جو نام نہایت دلچسپی سے لیتے ہین اوس سے اسی عرب و حجاز کے خطہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے، انھون نے یورپ سے شیخ عبد القادر کو جو پیام دیا تھا،

رخت جان بتکدۂ چین سے اٹھالین اپنا
سب کو محو رخ سعدی و سلیمیٰ کر دین

اوس سے بھی عرب و حجاز کا خطہ مقصود تھا، لیکن انھون نے صرف انہی تلمیحات و اشارات پر قناعت نہین کی ہے، بلکہ نہایت وضاحت کے ساتھ تبلا دیا ہے کہ وہ قوم کو صحراے عرب کی سادہ زندگی اور سادہ اخلاق کی دعوت دیتے ہین،

تا شعار مصطفیٰ از دست رفت | قوم را رمز بقا از دست رفت

---

[1] نیرنگ خیال اقبال نمبر ص ۱۱۰،

آن نہالِ سربلند و استوار　　سیرتِ صحرائی اشتر سوار
پاے تا در وادیِ بطحا گرفت　　تربیت از حدتِ صحرا گرفت
رختِ ہستی از عرب برچیدۂ　　در خمستانِ عجم خوابیدۂ
شل ز برفابِ عجم اعضاے او　　سرد تر از اشکِ او صہباے او
داستانے گفتم از یارانِ نجد　　نکہتے آوردم از بستانِ نجد
محفل از شمعِ نوا افروختم　　قوم را رمزِ حیات آموختم

ان اشعار سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ محض مذہبی اور اخلاقی وجوہ سے ان کا میلان عرب کی طرف ہے کیونکہ عرب کی سادہ صحرائی اور بدویانہ زندگی ہی نے دورِ اوّل کے مسلمانون مین فاتحانہ اخلاق پیدا کئے تھے، اور دورِ آخر مین عجمی اثرات نے اُن کو تعیش و ترہب کی طرف مائل کرکے ان اخلاق کو فنا کر دیا،

۲- صحرائی زندگی بالکل نیچرل اور فطری ہوتی ہے کسی چیز مین تکلف و تصنع کا شائبہ نہین ہوتا، اس لئے اخلاق مذہب اور معاشرت سب اپنی اصلی حالت مین قائم رہتے ہین، اور فطرت کا جو منشا ہے وہ پورا ہوتا رہتا ہے لیکن مہذب و متمدن زندگی کی مصنوعی لطافت و نزاکت فطری قوتون کو ضعیف کر دیتی ہے اس لئے ایک متمدن انسان مین وہ جوش و ولولہ نہین ہوتا، جو صحرا نشینون مین عموماً پایا جاتا ہے،

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی　　یا بندۂ صحرائی یا مردِ کہستانی
دنیا مین محاسب ہے تہذیبِ فسونگر کا　　ہے اس کی فقیری مین سرمایۂ سلطانی
یہ حسن و لطافت کیون؟ وہ قوت و شوکت کیون　　بلبلِ چمنستانی شہبازِ بیابانی
اے شیخ بہت اچھی مکتب کی فضا لیکن　　بنتی ہے بیابان مین فاروقی و سلمانی

اس لئے تہذیب و تمدن کی نازک، لطیف اور رنگین زندگی انسان کی ترقی کو روک دیتی ہے،

تو اے شاہین نشیمن در چمن کردی ازان ترسم
ہواے او ببالِ تو دہد پرواز کوتاہے

۳۔ متمدن زندگی بظاہر نہایت مسرور معلوم ہوتی ہے لیکن درحقیقت اس کا سرمایہ رنج و غم کے سوا اور کچھ نہین ہوتا، چنانچہ آج ہم دیکھتے ہین، کہ مہذب دنیا مین زندگی کی مصیبت اور تکان کا احساس ناقابلِ برداشت طور پر بڑھا ہوا ہے لیکن اولاً تو ایک صحرانشین آدمی مین قوت برداشت بہت زیادہ ہوتی ہے، اور اس کی خواہشین اور حاجتین بہت کم ہوتی ہین، اس لئے وہ قدرتی طور مہذب آدمی سے زیادہ مسرور زندگی بسر کرتا ہے، اور اس کی خودی مین تکان کے بجاے نشاطِ دنیا پایا جاتا ہے،

نغمہ پردازی ز جوے کوہسار آموختم
در گلستان بودہ ام یک نالۂ دردآلودے

۴۔ صحرا کی اسی بے سروسامان نشاط انگیز اور خوددار زندگی کا نام ڈاکٹر صاحب کی اصطلاح مین فقر ہے، اور اسی فقر کی بدولت صحرا سے مجدد، ریفارمر اور پیغمبر پیدا ہوتے ہین،

ہوتا ہے کوہ و دشت مین پیدا کبھی کبھی
وہ مرد جس کا فقر خزف کو کرے نگین

تعلیم و تربیت علم و عرفان کا حقیقی ذریعہ نہین ہے، بلکہ حقائق کا علم صرف کوہ و بیابان مین ہوتا ہے

مدرسے نے تری آنکھون سے چھپایا جن کو
خلوتِ کوہ و بیابان مین وہ اسرار ہین فاش

اس لئے خودی کی تربیت صرف دشت و بیابان مین ہوتی ہے،

خودی کی پرورش و تربیت پہ ہے موقوف
کہ مشت خاک مین پیدا ہو آتش ہمہ سوز

یہی ہے سر کلیمی ہر اک زمانے مین
ہوائے دشت و شعیب و شبانی شب و روز

اسی تربیت یافتہ خودی کا نام نبوت ہے، اور اس کا ظہور صرف کوہ و بیابان سے ہوا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر یہ شرف حاصل ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غار حرا، اور صحرائے عرب مین،

دران شب ہا خروش صبح فرداست
کہ روشن از تجلیہائے سیناست

تن و جان محکم از باد در و دشت
طلوع امتان از کوہ و صحراست

اس قطعہ مین ڈاکٹر صاحب نے نہایت واضح طور پر بتا دیا ہے، کہ وہ صحرائیت اور بدویت کی ترغیب اس لئے دیتے ہین کہ اس سے روحانی، اور جسمانی دونون قسم کی قوت حاصل ہوتی ہے، اور یہی قوت دین و دنیا کی سعادتون کا سنگ بنیاد ہے، اور اہل عرب نے اسی قوت سے دنیا کو زیروزبر کر دیا تھا

عرب را حق دلیل کاروان کرد
کہ او با فقر خود را امتحان کرد

اگر فقر تہیدستان غیور است
جہانے را تہ و بالا توان کرد

اس مسئلہ پر علامہ ابن خلدون نے جو کچھ لکھا ہے، چونکہ اس سے ڈاکٹر صاحب کے خیالات کی تائید ہوتی ہے، اس لئے ہم اس جگہ اس کے جستہ جستہ مقامات کا خلاصہ درج کرنا مناسب سمجھتے ہین، وہ لکھتے ہین کہ اقالیم معتدلہ مین بعض مقامات ایسے ہین جہان کھیتی باڑی نہین ہوتی، اس لئے وہان کے باشندے نہایت تنگدستی کی زندگی بسر کرتے ہین، مثلاً اہل حجاز، اور جنوبی یمن کے لوگ، ان کو اناج اور سالن میسر نہین ہوتا، ان کی غذا صرف دودھ اور گوشت ہوتی ہے لیکن باوجود اس فقر و فاقہ کے جسمانی اور اخلاقی حیثیت سے ان کی حالت سرسبز و شاداب مقامات کے خوش گذران لوگون سے بہتر ہوتی ہے، ان کے رنگ صاف، ان کے جسم پاک، ان کی صورتین مکمل اور بہتر، ان کے اخلاق بے اعتدالی

سے منزہ، اور ان کے ذہن علم و ادراک مین زیادہ تیز ہوتے ہین، اس کی وجہ یہ ہو کہ غذا کی کثرت اور رطوبت جسم مین فضلات ردیہ پیدا کر دیتی ہے، اور اس سے جسم بے ڈول ہو جاتا ہے، اور اخلاط فاسد پیدا ہو جاتے ہین جس سے رنگ میلا ہو جاتا ہے، اور گوشت کی کثرت سے شکل و صورت مین بدنمائی پیدا ہو جاتی ہے، دماغ پر بخاراتِ ردیہ کے چڑھنے سے ذہن و فکر پر پردہ پڑ جاتا ہے جس سے غباوت، بے اعتدالی اور غفلت پیدا ہوتی ہے،

شہری لوگ چونکہ عیش و عشرت مین منہمک رہتے ہین، اور اُن کے جان و مال کی حفاظت پولیس کرتی ہے، اس لئے وہ اپنے قلعہ کی چار دیواری مین غفلت کی نیند سوتے ہین، اور اُن کو کسی قسم کی بے اطمینانی نہین ہوتی، وہ ہتھیار اتار کر پھینک دیتے ہین، اور جب اس طرح کئی پشت گذر جاتی ہے، تو وہ عورتون اور بچون کی طرح دوسرون کی حفاظت کے محتاج ہو جاتے ہین، اور یہ ان کا طبعی اخلاق ہو جاتا ہے لیکن بدو چونکہ اجتماعی زندگی سے الگ، صحرا مین زندگی بسر کرتے ہین، اس لئے نہ ان کو پولیس کی مدد حاصل ہوتی ہے، نہ اُن کے گھر مین چار دیواری ہوتی، اس لئے وہ اپنی مدافعت خود کرتے ہین، اور ہمیشہ مسلح رہتے ہین، اِدھر اُدھر دیکھتے رہتے ہین اور گہری نیند کبھی نہین سوتے، صرف بیٹھے بیٹھے اونگھ لیتے ہین، یا اونٹون کے کجاوے پر اُن کی آنکھ لگ جاتی ہے، صرف اپنی قوت پر بھروسا کر کے جنگلون اور میدانون مین تنہا گھومتے پھرتے ہین، اس لئے قوت اور شجاعت ان کا فطری جوہر بن جاتی ہے" انہی حقائق کی طرف ڈاکٹر صاحب نے ان اشعار مین اشارہ کیا ہے،

مین تجھ کو بتاتا ہون تقدیرِ امم کیا ہے؟ شمشیر و سنان اوّل طاؤس و رباب آخر

نئی تہذیب تکلف کے سوا کچھ بھی نہین چہرہ روشن ہو تو کیا حاجتِ گلگونہ فروش

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی یہ صناعی مگر جھوٹے نگون کی ریزہ کاری ہے

نہ کرا فرنگ کا اندازہ اس کی تابناکی سے کہ بجلی کے چراغون سے ہے اس جوہر کی بیباکی

کہ بلبل و طاؤس کی تقلید سے توبہ — بلبل فقط آواز ہے طاؤس فقط رنگ

ترے صوفے ہین افرنگی ترے قالین ہین ایرانی — لہو مجھکو رلاتی ہے جوانون کی تن آسانی

امارت کیا شکوہ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل — نہ زور حیدری تجھ مین نہ استغنائے سلمانی

نہ ڈھونڈھ اس چیز کو تہذیب حاضر کی تجلی مین — کہ پایا مین نے استغنا مین معراج مسلمانی

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانون مین — نظر آتی ہے اس کو اپنی منزل آسمانون مین

نہین تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر — تو شاہین ہے بسیرا کر پہاڑون کی چٹانون مین

اے باد بیابانی مجھ کو بھی عنایت ہو — خاموشی و دلسوزی سرمستی و رعنائی

(باقی)

اعلان

۱- معارف سے متعلق ہر طرح کی خط و کتابت اور ارسال زر کے وقت براہ کرم نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دین، ورنہ تعمیل کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی،

۲- معارف ہر مہینہ کی ۱۵ تاریخ کو پوری پابندی کے ساتھ شائع ہو جاتا ہے، اس لئے رسالہ نہ پہنچنے کی اطلاع ۳۰ تاریخ تک دفتر مین آجانی چاہئے ورنہ اس کے بعد اطلاع موصول ہونے پر رسالہ بہ قیمت ارسال ہوگا،

منیجر دار المصنفین

مآل و مشیت

از

جناب صاحبزادہ خان بہادر ظفر حسین خان صاحب سابق انسپکٹر مدارس یوپی و حال پبلک ریلیشن آفیسر حکومت ہند

"مقالۂ روسو کے مترجم اور "مساحتِ ذہنی" کے لائق مصنف اپنے منصب کے فرائضِ مفوضہ کی ادائی کے ساتھ اپنی فلسفیانہ افتادِ طبع سے علم و ادب کے ذوق کی تسکین کا سامان بھی کرتے رہتے ہیں، وہ اگرچہ ایک زمانہ کے بعد بزم معارف میں شریک ہونے کا موقع نکال سکے لیکن دارالمصنفین سے ان کے دیرینہ مراسم کی یاد ہمیشہ تازہ رہی، اُمید ہے کہ ناظرینِ معارف موصوف کے پختہ کار قلم کی تازہ گلکاریوں سے لطف اندوز ہوں گے،

"س"

دفترِ اوّل

مآل

کتنے الفاظ ہیں جو انسان کی زبان پر شب و روز عادۃً جاری ہیں، مگر جن کا مفہوم یا تو سطحِ فہم سے اس قدر بلند ہوتا ہے کہ سمجھ سے باہر ہوتا ہے، یا پھر دھندلے سے نقشِ معنیٰ کے سوا کچھ نہیں، لیکن انسان بزعم خود اس کو حقیقت کی مکمل تصویر سمجھتا ہے، کائنات، موت، حیات، جبر، قدر، مادہ، جوہر، روح، قوت، حرکت، مآل زندگی، مشیتِ ایزدی، کون روز نہیں بولتا، لیکن کیا ہم اُن کی حقیقت کما حقہٗ سمجھتے ہیں ؟

جن عقائد کو عوام بلا چون وچرا تسلیم کر لیتے ہین فلسفی ان عقائد کو عقل کی کسوٹی پر کستا، اور فہمِ انسانی کی سہل انکاریون اور ضعیف الاعتقادیون کو فلسفیانہ تنقید کی روشنی مین دیکھتا ہے، فلسفہ کی ضخیم وجسیم کتابون مین سر کھپانے سے زیادہ مفید عمل شاید یہ ہوگا کہ کبھی فرصت کے چند لمحون مین ہم اپنے متاعِ علم کا جائزہ لین، یعنی جن عقائد کو ہم حقائق سمجھتے رہے ہین، ان کی عقلی بنیادون پر غور کرین اور بادِ ہوا توہمات وعقائد کو اپنی فہرست سے ایک ایک کرکے کاٹتے جائین اس عمل کے اخیر مین یا تو ہم جانین گے کہ کچھ نہین جانتے، یا ہمارے عقائد کی فہرست سمٹ کر گنے چُنے اصول پر آجائے گی جن کو ہم اپنے علم کے بنیادی اور اٹل اصول کہہ سکتے ہین، اور پھر ان بنیادی اصول سے متخرج اور مستنبط نتائج و اصول کی مدد سے اپنے علم کی عمارت از سرِ نو بنا سکتے ہین جس کو بجا طور پر اپنا فلسفۂ حیات کہہ سکتے ہین،

سطورِ ذیل اسی قبیل کی سعی کا ایک عکس ہے، ان مین جابجا فلاسفۂ ماسبق کے خیالات کی جھلک نظر آئے گی، لیکن دوبارہ غور کرنے پر مفہوم کی سمت کا اختلاف خود بخود ظاہر ہو جائے گا، فلسفہ کے کسی طالب العلم کا ذہن خواہ وہ کتنا ہی غیر جانبدار کیون نہ ہو، کسی نہ کسی نظام سے متاثر ہوئے بغیر نہین رہ سکتا، لیکن متاثر ہونا مقلد ہونے کا مرادف نہین، ہوسکتا ہے کہ ایک فلسفی کانٹ کے نظامِ فلسفہ سے متاثر ہوتے ہوئے اپنا جداگانہ نظامِ خیال رکھتا ہو، جس مین جا بجا اس تاثر کے آثار پائے جاتے ہون، لیکن بحیثیت مجموعی اور آخری نتیجہ کے لحاظ سے وہ ایک جداگانہ چیز ہوگی،

علاوہ برین اپنے خیال کے آخر منزل تک پہنچنے کے لئے ہر مفکر کو کچھ دور ایسی راہون پر چلنا ہوتا ہے جو دوسرون کی بنائی ہوئی تھین، اور اُن کے بعد اپنی راہین نکالنا ہوتی ہین، اس لئے اُن کے ذہنی نقل و حرکت کا پورا نقشہ پیشِ نظر رکھے بغیر، تتبع، تقلید یا سرقۂ خیال کا اتہام بعید از انصاف ہوگا[1]،

---

[1] راقم الحروف کسی مخصوص مدرسۂ فلسفہ کا تابع نہین، اس کے ساتھ متداول مذاہبِ فلسفہ سے خالی الذہن بھی نہین، جہان جہان سابقین اور اپنے درمیان مشترک راستون کو طے کیا ہے، پورا پورا احساس ہے لیکن چونکہ اپنی منزل

نشاۃ جدیدہ کی نگاہ میں سائنس حقیقت شناسی کا آخری نقطہ ہے، اور علم و معانی کے ہر گوشہ پر حاوی، دارا لاختیار کا سفید پیرن پوش سائنس دان اقلیم علم کا فرمانروا ہے، اور اس کا نادری حکم چار دانگ عالم میں جاری ہے، بیچارہ فلسفہ پسپا ہو کر کنشت و مسجد و بتخانہ و دیر میں قلعہ بند ہے، گرچہ سائنس کے حملے شب و روز دیر و حرم پر بھی جاری ہیں، مگر مذہب کی سنگلاخ دیواریں، صدیوں کے پیہم حملوں کے باوجود، اپنی جگہ پر قائم ہیں، اور اصل یہ ہے کہ مابعد الطبیعات کے بچے کھچے تصورات کو اگر کہیں پناہ ملی ہے تو وہ مذہب ہی کا دارالسلام ہے، لیکن سائنس کی ان تمام لن ترانیوں کے باوجود آپ نے کبھی غور کیا کہ اس کی پونجی کیا ہے؟ بس مظاہر فطرت کے دستور ظہور کو دریافت کرنا اور جو کچھ آنکھ سے دیکھا، کان سے سنا یا دیگر حواس کی مدد سے محسوس کیا، اُن کو مختلف سرخیوں کے تحت میں ترتیب دینا اور شمار و اعداد کا انبار جمع کرنا، ایک سائنٹسٹ کا کام اُس لائبریرین سے زیادہ نہیں جو کتب خانہ کی بے شمار کتابوں پر چٹیں لگا کر مختلف مضامین میں تقسیم کر دیتا ہے، لیکن اگر آپ اس سے پوچھیں، کہ ان کتابوں کے اندر کیا ہے تو وہ اپنی لاعلمی ظاہر کرے گا، سوائے قانون فطرت دریافت کرنے کے جو عبارت اس امر سے ہے، کہ کسی فطری واقعہ کے واقع ہونے کے طور و طریق کیا ہیں، سائنس سلسلۂ اسباب کا بھی سراغ نہیں لگاتا، کنہ ذات اور ماہیت کی گہرائیوں تک جانا تو بڑی بات ہے طبعیات

(بقیہ حاشیہ ص ۴۱۸) آگے بھی اسی لئے ان حوالوں کو قلم انداز کرنا مناسب سمجھا گیا، علاوہ بریں حق کسی کا کاپی رائٹ نہیں، اور اس کے بیان میں ہر شخص بلا خوف تردید و توارد اپنا اسلوب اختیار کر سکتا ہے، زمانۂ حال کے تصنیف و تالیف کا دستور ہے، کہ لوگ دوسروں کی کتابوں سے تفصیلی نوٹ لیتے ہیں، اور اپنی تحریر کا حجم دل کھول کر اقتباسات کی بھرمار سے بڑھاتے ہیں، اس کے برخلاف اپنا نظریۂ مطالعہ یہ رہا ہے کہ ساری کتاب پڑھ جانے کے بعد جو نفس مطلب ذہن میں باقی رہ گیا، اتنا ہی کار آمد سمجھا، اور جس کو ذہن نے قبول نہیں کیا، اور اس لئے فراموش کر دیا، اس کے بارے ذہن کے محفوظ رہنے ہی میں عافیت سمجھی،

کیا ہے، عنصری طور ترتیب پر ایک سرسری نظر یا رقصِ ذرات کا تماشا، نباتیات کیا ہے؟ لالہ و گل کی سوانح عمری، حیوانیات کیا ہے؟ مرغ و ماہی کا افسانہ، ہیئت کیا ہے؟ اختر شماری، اور سیاروں کی حرکت کی داستان سرائی، مرائج الوقت مسئلۂ ارتقا، کی حقیقت بھی ایک بوستان خیال سے زائد نہین جس مین ماحول اور اجسام کے باہمی عمل و ردِعمل کے طلسم ہوش ربا کے علاوہ "کیون" اور "کس لئے" کا جواب دورکنار، یہ تک پتہ نہین چلتا، کہ فطرت کے مختلف طبقات کے اندر کسی جداگانہ ارتقاء کا ڈرامہ ہو رہا ہے، یا کسی نہج سے ادنی طبقات، اعلیٰ طبقات حیات مین بھی ترقی پذیر ہو سکتے ہین، اقدار، مآلِ حیات، کون و فساد کو چھوڑیئے، ان کا حل تو سائنس خود اپنی استعداد سے باہر تسلیم کرتا ہی ہے، خود سائنس کے اولیات اور مظاہر فطرت کی ماہیت ہمیشہ مابعد الطبعیات کا موضوع بحث رہا ہے، اور رہے گا، ارسطا طالیس "طبعیات" کے بعد اسی وجہ سے مابعد الطبعیات پر رسائل لکھنے پر مجبور ہوا، کہ مباحثِ حق تشنہ رہا جاتا تھا، سائنس دان کی مثال ایک مکھی کی سی ہے، جو ایک بڑے کرہ پر بیٹھی ہو، اور اپنی حد نظر کی مجبوریون سے کرہ کو ابعادِ ثلاثہ کے بجائے صرف طول و عرض مین محدود سمجھتی ہو، سائنس کی نظر کائناتِ عالم پر ہمیشہ جزئی پڑتی ہے، اور فلسفہ کی ہمہ گیر اور کلی، سائنس کے پاس آخری توجیہ کا آلہ بخت و اتفاق ہے، جب کہ فلسفہ فطرت کے عقدے عقل محض کی روشنی مین حل کرتا ہے، سائنس کی نظر پست ہی، اس معنی کر کہ وہ حیات کو غیر حیّ عناصر کی مدد سے اور شعور کے کرشمون کو بے شعور مادّہ کی مدد سے حل کرنا چاہتا ہے تخلیق کی ہر نئی منزل پر (مثلاً جمادات کے بعد نباتات، نباتات کے بعد حیوانات) جہان عقل توجیہ سے عاجز ہوئی، وہان سائنس نے عناصر کے اتفاقی اجتماع کا عذر تراشا، غور کیجئے، تو سائنس کے "اتفاق" اور مذہب کے "خدا" مین سرمو فرق نہ پائے گا، اور اگر شمار کیجئے تو بلا مبالغہ سائنس مذہب سے کہین زیادہ معجزات کا قائل نکلے گا،

نشاۃ جدیدہ سے دوسری شکایت یہ ہے کہ اس نے اپنی ساری قوت، فہم انسانی کے سمجھنے

اور حدود بندی ہی میں صرف کردی ہے جس کا نام مابعد الطبیعیات کی اصطلاح میں علمیات رکھا گیا ہے، اور موجودیات یا حقیقتِ موجودات کی تفتیش کی جانب جو فلسفۂ قدیم کا خاص مشغلہ تھا، بہت کم اعتنا کیا ہے، مغرب کے فلسفیوں نے حقیقتِ علم ہی کے جاننے کو کافی سمجھا، اور حقیقتِ علم ہی کے واسطے سے حقیقتِ اشیا کی سرسری جھلک دیکھنے کی کوشش کی ہے، ڈیکارٹ، لاک، ہیوم، کانٹ وغیرہ فہمِ انسانی کی حقیقت شناسی کے باہر قدم نکالنا فلسفہ کا گناہ کبیرہ سمجھتے رہے، جس کا ایک ناخوشگوار ردِ عمل یہ ہوا کہ سارا فلسفہ نفسیات میں سمٹ کر آگیا، اور نشاۃ جدیدہ کے پرستاروں کی ساری سعی اسی بت کے تراشنے اور سنوارنے میں صرف ہوتی رہی، یہاں تک کہ زمانہ کی رفتار کے مطابق نفسیات کو سائنس کا درجہ مل گیا، اور دارالاختبار کے بتخانے اس نئے سومنات سے سجائے جانے لگے، چونکہ اس تحقیق کی جڑ خود پرستی میں تھی، اس کی دل فریبیوں نے دنیا و مافیہا کو بالکل بھلا دیا، اور انسان، انسان ہی کو پوجنے لگا، غالب کے ہاں یہی فلسفہ نغمہ بن گیا :-

گلت را نوا، نرگست را تماشا
تو داری بہارے کہ عالم ندارد

کیرکگارڈ، ہائی ڈیگر، برگسون اور شیلر کی سرکردگی میں اس تحریک کے خلاف خفیف سا ردِ عمل شروع ہوا تھا، اور موجودیات، کنہ ذات، حقیقت اشیاء کی جانب از سر نو توجہ شروع ہوئی تھی، لیکن ذہنی موسم اس قسم کے خیالات کے لئے اس قدر ناسازگار تھا، کہ یہ تحریکیں پنپ نہ سکیں، انسان کیا ہے؟ نظامِ عالم کا ایک عضو، کائناتِ عالم سے الگ اس کا کوئی مفہوم نہیں، مگر ہوا یہ ہی کہ ادھر ذہن نے سہولتِ فہم کے لئے تجرید خیال کیا، گل سے رنگ اور رنگ سے بو کو جدا کیا، ادھر زبان نے ہر تصور کے نام رکھ دیئے، اب کیا تھا، جس طرح لغت میں ایک ایک لفظ الگ ہے، ذہن نے کائنات عالم کا بھی شیرازہ بکھیر دیا، حقیقت میں گوشت سے ناخن جدا ہو سکتا ہو یا نہ ہو سکتا ہو،

لیکن ذہنی تجرید، زبان کی سازش سے ایسے شعبدے ہمہ وقت کرتی رہتی ہے، منطق کا فن جو انسان نے اپنے اس غیر فطری ذہنی مشغلہ میں مدد دینے کے لئے خود ایجاد کیا تھا، حقیقت سے گمراہی کا مزید ذریعہ بن گیا، موضوع و معروض، صفت و موصوف، مبتدا خبر کی تفریقیں، حقیقت میں محض خیالی ہیں، آج سخت ضرورت ہے، کہ مابعد الطبیعیات کے صحیح نظام کی ابتدا، مابعد المنطق کے ایک ایسے نظام کی داغ بیل سے کی جائے، جس کی بنیاد بجائے تحلیل کے ترکیب پر قائم ہو، فی زمانا تجرید کی نحوست نظریات سے متجاوز ہو کر انسانی اعمال و کردار تک متعدی ہو گئی ہے، موجودہ فلسفۂ اخلاقیات کیا ہے؟ انسانی تعلقات کا پوسٹ مارٹم! خیر و شر، فضائل و رذائل کے نام نہاد تصورات میں اخلاق کی فرضی تقسیم، جزء پرستی نشأۃ جدیدہ کی سیرت میں اس قدر رچ بس گئی ہے، کہ ہم نہ صرف کسی شے کے جزء کو دیکھنا چاہتے ہیں، بلکہ اس جزء پر ذہن کے صرف ایک جزء سے نظر کرتے ہیں، اگر ہم ایک طرف کسی شے پر من حیث الکل غور کرنے سے معذور ہیں، تو دوسری طرف ذہن کے من حیث الکل استعمال سے معذور ہیں، نفسیات نے ذہن کا مصنوعی تجزیہ، عقل، جذبہ اور ارادہ میں کیا کیا، گویا ذہن الگ الگ خانوں میں تقسیم ہو گیا، جن کو ایک دوسرے سے واسطہ ہی نہیں، کبھی عقل کی طرف جھکے تو اس قدر غلو کیا، کہ اہل و عیال گویا اقلیدس کی شکلیں بن گئیں، کبھی جذبات سے مغلوب ہوئے تو پردۂ ناموس تار تار کر دیا، کبھی ارادہ کا بھوت سوار ہوا تو خودکشی کرنے میں بھی تامل نہ ہوا، آخر الذکر قنوطیت کا علمبردار، دشمن اسلام فلسفی (شوپن ہاؤر) جس کی عصبیت بلا دلیل قرآن کو (نعوذ باللہ) فاسقانہ کتاب کہنے میں تامل نہیں کرتی، اپنے مہمل نظام خیال کو تکرار و اعادہ کے بل پر ہم سے منوانا چاہتا ہے، غرضکہ جہاں دیکھئے ایک رخی، جزء پرستی، تصویر کا ایک رخ سامنے ہے،

از خلشِ کرشمہ کار نمی شود تمام
عقل و دل و نگاہ را جلوۂ جدا جدا طلب

یہ جزء پرستی تین طرح کی ہے (۱) جزء شے پر جزء ذہن کا عمل (۲) کل شے پر جزء ذہن کا عمل،

(۳) جزو شے پرکل ذہن کا عمل حقیقت شناسی کی شاہراہ ایک اور صرف ایک ہے، اور وہ یہ کہ کل معروض پر کل موضوع کا عمل ہو، اور کل شے سے کل ذہن کا رابطہ قائم ہو، صحیح ما بعد الطبیعیات کا موضوع بحث بھی کلی عمل ہے، جس میں مروجہ منطق اور سائنس بجائے معین ہونے کے مخل اور سدراہ ہوتی ہیں، ماورا ایک ایسے ما بعد المنطق نظام کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، جو موضوع و محمول، علت و معلول تصور و تصدیق قیاس و استقراء حکم و استدلال کے مصنوعی تفرقے مثلاً عقل کے واحد اور قدرتی عمل کی آئینہ داری علت و معلول ہی کے مغالطہ کو لیجئے انسان کی جز پرست پندار کے مطابق علت گویا ایک فاعل مطلق اور معلول ایک مفعول محض ہے، جو علت کے پیچھے گویا بالکل مجبور ہے لیکن اس مسئلہ پر ذرا ایک کلی اور ہمہ گیر نظر ڈالئے، تلوار کی دھار ممکن ہے کہ انسان کی گردن کے اندر سے بادِ نظر کی طرح گذر جائے لیکن ذرا سنگ خارہ پر وار کرکے آزمائے تو حقیقت میں دوسرا رُخ خود بخود بے نقاب ہو جائے گا، عرف عام میں جس طرح دو ہاتھوں کے بغیر تالی نہیں بجتی، عالم اسباب کی گہرائیوں میں نظر دوڑائیے تو دیکھئے گا کہ علت بغیر اپنے معلول کی معاونت کے بے اثر اور بے عمل ہے، ذرا غور کیجئے کیا یہ تعاون تعلیل کی ایک دوسری شکل نہیں تو کیا ہے؟ اور اگر ایسا ہے تو پھر علت و معلول کی تفریق کیسی؟ منطق کی اصطلاح میں اس قضیہ کی تحلیل کہ "انسان ناطق ہے"، یہ ہوتی ہے، کہ "انسان" موضوع اور "ناطق" محمول ہے، لیکن کیا فی الواقع نطق، انسان سے کوئی علٰحدہ وجود رکھتا ہے، نیوٹن کی مطلقیت کا ردِ عمل آئنسٹائن کی اضافیت میں ظہور پذیر ہوا، لیکن مضاف اور مضاف الیہ کو چھوڑ کر ان کی درمیانی اضافت کو حقیقت سمجھنا ذہنی تجرید کی شعبدہ بازی ہے، جو بسا اوقات ایک ہی شے کے اندر اول مضاف و مضاف الیہ قرار دیتی ہو اور پھر ان کی باہمی اضافت کی جداگانہ صورت گری کرتی ہو حالانکہ اضافت کا کہیں مضاف سے علٰحدہ وجود ہوا ہے، تجرید کی حماقت، موسیقی، یا کسی آرٹ کی صنعت گری کے مقابلہ میں بخوبی ظاہر ہوتی ہے جہاں کلی صنعت سے کسی جزو کا ایک آن کے لئے جدا کرنا، اس کی حقیقت کو فنا کر دینا ہے، "جہان چار سو"

انفس وآفاق سے بڑھکر کون صنعت ہوگی، اور یہ صنعتِ عالیہ تجرید و تخیل کی کب تاب لاسکتی ہے، اس کی حقیقت ایک ایسی وسیع النظری کی طالب ہے، جو کل پر محیط ہو، جو لوگ افلاطون کے اعیانِ نامشہود کو تصورات کا مرادف سمجھتے ہین سخت غلطی کرتے ہین، اصل مین تصور ہمارے تجربہ سے ماخوذ چیز کا نام ہے، ہم ایک مخصوص رنگ و بو اور شکل کا احساس کرتے ہین، جس کا علم گلاب کے ادراک کی شکل مین رونما ہوتا ہے، پھر ہم لالہ و نسرین و نسترن کا اسی طرح ادراک کرتے ہین، اور اس طرح "پھول" کے عام تصور تک پہنچتے ہین، یہ تجرید کا عمل ہے، اس لئے کہ عام پھول کا کائنات مین کہین وجود نہین، لیکن ادراک کے ساتھ کسی شے کی عین ذات کو تاڑ لینے والی نگاہ بھی ہمارے اندر ودیعت ہے، جو حقیقۃً ہمارے نفس کا انتہائی کمالِ علم ہے، اور جس کے سامنے اعیانِ غیر مشہود اسی طرح مشہوداتِ حقیقی ہین جس طرح مظاہر فطرت جن کو ہمارے حواس محسوس کرتے ہین، اعیان شناسی کی اس قوت کو وجدان کہئے، نظر حقیقت کہئے، عقلِ اعلیٰ کہئے، یہ وہ قوت ہے جو اعیان کا براہ راست اسی طرح علم حاصل کرتی ہے، جس طرح قوتِ مدرکہ مدرکات کا، اعیان تصوراتِ مجردہ نہین، بلکہ مدرکات کے قبل کی ایک شے ہے، جن کو ہم قوتِ مدرکہ سے نہین، بلکہ وجدان کی قوت سے اپنے سامنے پاتے ہین، یہ وہ منزل ہے، کہ الفاظ بیان کی مساعدت نہین کرتے، اور نطق خیال کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے؛

ہر معنی پیچیدہ در حرف نمی گنجد   یک لحظہ بدل در شو شاید کہ تو دریابی

اس کی ذرا سی جھلک دیکھنا ہو تو تصور کیجئے کہ آپ ایک پہاڑی کی چوٹی پر کھڑے ہین، آفتاب دن بھر کی ضیا پاشی سے تھک کر افق کے پردہ کے اندر جاچکا ہے، دھندلکا ہوچلا ہے، آپ ایسے مقام پر کھڑے ہین، کہ باد تند کا ایک تھپیڑا آپ کو ہزارون فٹ نیچے گرا سکتا ہے، پہاڑی کے نیچے ایک وسیع جھیل کے شفاف اور ساکن پانی مین کنارہ کے درختون کا عکس پڑ رہا ہے، ہر طرف سکوت کا عالم ہے، سوائے قلب کی حرکت کے جس کو آپ اس وقت بخوبی سن سکتے ہین، ہر پتہ خاموش اور ہر ذرہ

مرتب ہے، اس کیفیت کی اگر آپ نفسیاتی تحلیل کریں تو شاید کہیں گے، کہ آپ پر خوف و ہراس رقت ومحویت سے ملی جلی ایک حالت طاری ہے، اور اس وقت آپ صحیح معنی میں مدرج مظاہر یا میں ناشہود کا مشاہدہ کررہے ہیں، جو روزمرہ کی زندگی کے مدرکات میں مفقود ہوتا ہے، خوف و ہراس کی انقباضی کیفیت جسے دردِ دل کہئے یا کسی اور نام سے تعبیر کیجئے، اصل میں علم کی کنجی ہے، کان آنکھ ہم سب کے ہیں، مگر ان کے "ہونے" کا احساس اسی وقت ہوتا ہے، جب ان میں درد ہو، ورنہ کبھی بھولے سے بھی ان کا خیال نہیں آتا، یہی درد والم شعور کی جان ہے، اور اگر موت واقعی حیاتِ انسانی کا سب سے زیادہ المناک واقعہ ہے تو شاید اسی مناسبت سے علمِ حقیقی کا وسیع باب علم بھی ہو، معمولی زندگی میں یہی انقباض تشکک کی شکل اختیار کرلیتا ہے، جو ہر علم کا پیشرو ہے، اور بیان و اظہار کی صورت میں یہی تشکوک سوالات کا جامہ پہن لیتے ہیں، جن کا جواب علم ہوتا ہے، سقراط جو ایک دایہ کا لڑکا تھا، کہا کرتا تھا، کہ میں نے فنِ سوال اپنی ماں سے سیکھا ہے، جس طرح وہ حاملہ عورتوں کو وضعِ حمل میں مدد کرتی تھی، میں انسانوں کے دماغ کو خیالات کے حمل سے ہلکا کرتا ہوں، فلسفہ کی تاریخ میں یہ طریق سوال طریق سقراطی کے نام سے مشہور ہے، منطق کی تدوین میں صدیاں صرف ہوگئیں، اور اب تک اس کا سلسلہ جاری ہے، ذہن کے تجریدی عمل نے اب منطق کو الجبرا بنادیا ہے، جس میں خیالات کے بجائے علامتیں اختیار کرلی جاتی ہیں، اور پورا سلسلۂ فکر علامتوں میں تحویل کردیا جاتا ہے، لیکن تفتیش کا صحیح راستہ یعنی سوال کی تکنیک کی دریافت و تدوین کی جانب کسی نے اعتنا نہیں کیا، حالانکہ یہ تفتیشِ حق کا سہل ترین اور فطری طریقہ ہے، اور اس کے قواعد و ضوابط منطق کی مثل اس طرح بنائے جاسکتے کہ انسان اپنے نفس سے صحیح سوال کرنا اور صحیح جواب حاصل کرنا سیکھ سکے، سوال و جواب اضافی تصورات ہیں، جن کا خاصہ یہ ہے کہ ایک کے ذہن میں آنے کے ساتھ دوسرا خود بخود ذہن میں خطور کرتا ہے، اس لئے کہ دیگر مضاف و مضاف الیہ کے تصورات کی طرح سوال و جواب کی تفریق بھی ذہن کے برخود غلط

تحلیل وتجزیہ کے عمل نے مصنوعی طور پر کر دی ہے، اصل مین دونون ایک ہین، صرف روے سخن کا فرق ہوتا ہو، استفسار مین حقیقت کا مُستفسر رُخ سامنے ہوتا ہے، جو جواب کی شکل مین علم کا دوسرا نام ہے،

راقم الحروف نے اپنی طالب العلمی کے زمانہ مین ماہیت استفسار پر کافی مواد جمع کیا تھا، اور اس موضوع پر ایک مـ [illegible] لکھنے کا قصد تھا، اس باب مین اپنے ہم عصر و ہم مذاق طلبہ سے تبادلۂ خیالات کیا تو انھون نے خوب مضحکہ اُڑایا، اور مجھے "مفتش" "مستفسر" اور شاید "سائل" کے نام سے بھی پکارنا شروع کیا، جس کا ردعمل ایک طرف تو یہ ہوا کہ مین اپنے معترضین کو جواب دینے کے لئے مزید مواد جمع کرنے مین مشغول ہو گیا، لیکن دوسری طرف یہ ہوا کہ اس کو شائع کرنے کی ہمت نہین ہوئی، یہان تک کہ سارا مواد ملازمت کے تبادلون کے دستبرد کے نذر ہو گیا،

بادی النظر مین کائنات عالم کی بساط، اسباب و نتائج کا چارخانہ نظر آتی ہے لیکن اس کے تار و پود کو ذرا غور سے دیکھئے تو ہر مقام پر غرض و غایت کی آمیزش نظر آئے گی، اگر فطرت کے ہر منظر کے پہلے ایک سبب نظر آئے گا، تو اس کے بعد ایک غایت بھی رونما ہو گی، اور فہم انسانی حیران ہو گی، کہ حقیقی لم کس کو کہا جائے، اسباب ماسبق کو یا غایات مابعد کو، ارتقاے فطرت پر گہری نظر ڈالئے جس کو سائنس کے مقابلہ مین مابعد الطبیعیاتی تفکر کہنا بیجا نہ ہوگا، تو معلوم ہوگا کہ وہ سرتاپا اغراض و مقاصد سے مرکب ہے، اور نظام عالم مین اسباب کی حیثیت، ذرائع و وسائط سے زائد نہین، جن کو مشیت، گویا اپنے حسب منشا نتائج اخذ کرنے کے لئے اختیار و انتخاب کرتی ہے، ہر عمل کے آگے ایک غایت ہوتی ہے، جو اسباب و ذرائع کو چن چن کر اس طرح رکھتی جاتی ہے کہ اُن کے اجتماع سے اعمال مقصودہ ظہور پذیر ہوتے جاتے ہین،

اس نظریہ کے سامنے میکانکی تصورحیات جو مظاہر فطرت کو اسباب و علل کا ایک طویل سلسلہ، ماضی مین دور تک پھیلا ہوا تصور کرتا ہے، ایک جسم بے روح نظر آتا ہے لیکن یہان ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ واقعات کی رفتار ماضی سے حال مین ہو کر مستقبل کی طرف ہے، جیسا کہ میکانکی تصور فرض

کرتا ہی یا یہ دھوکا ہے، اور حقیقت مین واقعات کی رفتار کا رُخ مستقبل سے حال مین ہو کر ماضی کی جانب ہے، اس مسئلہ پر تفصیل کے ساتھ ہم وقت کی ماہیت کی بحث کے ساتھ غور کرین گے، اس لئے کہ یہ سوال دراصل وقت ہی سے متعلق ہے کہ اس کی رفتار ماضی سے مستقبل کی جانب یا مستقبل سے ماضی کی جانب ہے، چلتی ٹرین مین درخت پیچھے بھاگتے نظر آتے ہین، لیکن حقیقت اس کے خلاف ہے، اگر درختون کی جگہ ہم وقت کو اور ٹرین کی جگہ، محوری و مدوری گردش مین مشغول زمین کو تصور کرلین تو وقت کے متعلق بھی متداول تصورات فی الجملہ مشکوک نظر آنے لگین گے،

لیکن یہان تک ہم نے کل عالم پر اپنے ذہن کے صرف دو پہلوون سے نظر کی، خالی فہم سے کام لیا، تو کائناتِ عالم محض عالم اسباب نظر آیا، اگر ارادہ کو زاویہ نگاہ بنایا تو عالم اسباب کے پہلو بہ پہلو ایک تصرف تعمیر ہو گیا اور اغراض و غایات کی دوسری دنیا آباد نظر آنے لگی، ان دونون پر جذبات کا اور اضافہ کیا، اور جذبات کے نقطۂ نگاہ سے عالم پر نظر ڈالی تو اس عالم رنگ و بو کی حقیقت کا دوسرا رُخ بے نقاب ہوا، وہ یہ کہ اس تمام ہنگامۂ ایجاد کی رونق نغمۂ شادی سے نہین، بلکہ نوحۂ غم کے دم سے ہے، تخم اپنے کو فنا کرکے برگ و بار لاتا ہے، پیدایش کے ہر منظر کا پیش خیمہ کرب و الم ہے، اور بقا کے ہر نہال کی آبیاری خون سے ہوتی ہے، خواہ یہ حیات انفرادی ہو، یا حیات ملی، فطرت انہی قربانیون کی آئینہ دار، تاریخ ان ہی قربانیون کا افسانہ اور انسانی زندگی انہی قربانیون کا مرقع ہے،

آئندہ و گذشتہ تمنا و حسرت است

یک کاشکے بود کہ بصد جا نوشتہ ایم

حیات کی طرح موت بھی ایک مسلسل خط ہے، جس کا آغاز حیات کے ساتھ ہی ہو جاتا ہے، اور وہ جس کو عرف عام مین موت کہتے ہین، اسی خط کا آخر نقطہ ہے، زندگی کا ہر وہ لمحہ جو گذر گیا موت کے خط کا گذشتہ نقطہ تھا، اور بظاہر یہ امر کتنا ہی مستبعد نظر آئے،

واقعہ شاید یہی ہے، کہ جینے کے ساتھ ہی ہم مرنے بھی لگتے ہیں، ہر حرکت کی ماہیت کا جذبی پہلو الم و انقباض ہے اور انبساط و لذت، عدم انقباض و الم کا نام ہے، فطرت کا خمیر درد و غم ہی سے ہے، جو کہیں غمِ دل کہیں غمِ روزگار بن جاتا ہے،

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولی برقِ خرمن کا ہے خونِ گرم دہقان کا

اس جہانِ آرزو میں ایک آرزو پوری ہونے نہیں پاتی، کہ اس کی جگہ دوسری آرزو لے لیتی ہے، ایک آرزو کی پیروی، ایک مقصد کے حصول کی آس میں جو وقت صرف ہوا، وہ بے چینی میں گذرا، یا تو بالآخر داغ نامرادی کھایا، یا اگر مقصد پورا ہوا، اور درمیں چند لمحہ سکون ہوا تو اس لئے کہ دوسرے مقصد کی لگن شروع ہو، غرضکہ ساری تقویم حیات اقبال کی زبان میں "تب و تاب جاودانہ" ہی رہی، ایک طائر کس جانفشانی سے اپنے آشیانہ کے لئے تنکے چنتا ہے، کس ایثار کے ساتھ اپنے بچوں کی پرورش کرتا ہے، اور یہ سب اس لئے کہ یہ تمام صیاد کے دستِ جفا سے تحس نحس ہو، اگر زندہ بچے تو پھر وہی وظیفہ مشقت، وہی دورابتلاء محن، وہی خس چینی اور پھر انجام میں وہی بربادی، اگر بچوں نے پر و بال نکالے اور خود اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل ہوئے تو ان کا مقسوم بھی اسی دائرۂ رنج و محن کی گردش قرار پایا، دیگر حیوانات کی حیات پر نظر ڈالئے تو اُن کی زندگی بھی بشکل دیگر اسی افسانۂ غم کا اعادہ ہے، انسانی حیات میں چونکہ شعور، ادراک، تخیل، اور حافظہ ارتقار کے اعلیٰ مدارج پر پہنچا ہوتا ہے، اسی مناسبت سے اس کے درد و الم کا دائرہ بھی زیادہ وسیع ہو جاتا ہے، چنانچہ انسان حیوان کی طرح جسمانی تکلیف ہی سے متاثر نہیں ہوتا، بلکہ اس کا حافظہ گذرے ہوئے غموں کو یاد دلاکر رولاتا، اور اس کا تخیل آیندہ مصیبتوں کے خوف سے اُسے بے چین رکھتا ہے، ہر جسمانی حرکت یا ذہنی فعل محنت خواہ چھوٹے پیمانہ پر ہو یا بڑے، ہمیشہ مستلزم الم ہے، جس کو ہر شخص اپنے تجربہ سے محسوس کرسکتا ہے، اور

اس حقیقت سے کوئی انکار نہین کرسکتا کہ حیاتِ انسانی کا ہر لمحہ الم سے توام ہے، زمان کی نظری حقیقت کچھ ہو لیکن اس کی ذاتی حقیقت الم ہی ہے، جس کو ہم ہمہ وقت محسوس کرنے کے لئے مجبور ہین، ہنگامی احساسِ لذت کوئی ایجابی جذبہ نہین، بلکہ فقدانِ الم ہی کا دوسرا نام ہے، اس لئے اس کی ماہیت سلبی ہو، ایجابی نہین، ایجابی شے الم اور صرف الم ہے، لذیذ کھانون کا لطف خود کھانون کے اندر نہین، بلکہ الم کی اس صورت سے وابستہ ہو، جسے ہم بھوک کہتے ہین، اصل حقیقت بھوک ہو، سیری بھوک کا سلبی پہلو ہو،

غرضکہ کائناتِ عالم پر جس طرف چاہے نظر ڈالئے قربانی و ایثار، درد و الم، حزن و ملال، تآلِ حیات کے اجزاے ترکیبی نظر آئین گے، اگر ہم ہر قدر کے آگے دوسرے فائق تر قدر رکھتے جائین، تو بالآخر ہمارا سلسلہ تین اعلیٰ قدرون پر ختم ہوگا، یعنی حق، خیر، حسن، جو علی الترتیب منطق، اخلاقیات اور جمالیات کا موضوع بحث ہین، اور نفس انسانی کی سہ گونہ قوتون یعنی علم، عمل اور جذبات کے مطابق و متقابل ہین، لیکن اس تثلیث کی توحید کی جائے، تو حق، خیر، اور حُسن تآل حیات ہی کے تین جداگانہ پہلو ہین، اور جو اپنی آخری تحلیل مین الم ہے تحقیق حق، انقباض تشکک یا درد شعور کا دوسرا نام ہے، ایثار، عمل خیر کی جان ہے، اور حسن کی قدر، ہجر و فراق کے دم سے ہے،

(باقی)

اعلان

یکم جنوری سن ۱۹۴۷ء سے مستقل تاجرون کے لئے کمیشن پندرہ فی صدی، اور دوسری مطبوعات پر بیس فی صدی کردیا گیا ہو، اب اس کے متعلق خط و کتابت بے سود ہوگی،

"منیجر"

فتاوی عالمگیری

کے

دو سندھی مولفین اور ان کے اجداد

از

جناب سید حسام الدین صاحب راشدی السندی

دسمبر ۴۴ء اور جنوری ۴۵ء کے معارف مین فتاوی عالمگیری اور اس کے مؤلفین کے عنوان سے جو مضمون شائع ہوا ہے اس مین سندھ کے دو بزرگون سید نظام الدین ٹھٹھوی اور قاضی ابو الخیر ٹھٹوی کے نام بھی لئے گئے ہین، جن کو فتاوی عالمگیری کے مؤلفین مین شمولیت کا شرف حاصل ہی،

صاحب مضمون نے ان دونون حضرات کے سلسلہ مین تذکرۂ علماے ہند مصنفہ مولانا رحمان علی کو اپنا ماخذ بنایا ہے، جس مین دو سطرون سے زیادہ اُن کے سوانح حیات موجود نہین، ذیل مین ان دونون بزرگون کے متعلق مزید معلومات پیش ہین،

(۱) سید نظام الدین ٹھٹھوی

نسب | سید صاحب کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے :-

سید نظام الدین بن سید نور محمد بن سید نظام الدین اول بن سید نور محمد بن سید شکر اللہ ثانی بن سید ظہیر الدین والاسلام عرف سید جادم اول بن قاضی سید شکر اللہ اول بن سید وجیہ الدین بن سید نعمت اللہ بن سید عرب شاہ بن سید امیر نسیم الدین محمد المعروف بہ میرک شاہ بن امیر عطاء اللہ جمال الدین

المحدث بن سید فضل اللہ بن سید میر عبد الرحمن بن سید عبد اللطیف الحسینی الانکی الشیرازی،

وطن | اُن کے اجداد شیراز میں رہتے تھے، بعد میں ہرات میں رہنے لگے، جہاں سے قاضی سید شکر اللہ اوّل بن سید وجیہ الدین ۹۰۷ھ میں قندھار تشریف لائے،

سندھ میں آمد | قاضی سید شکر اللہ قندھار میں ۱۲ برس تک رہے، اس کے بعد مرزا شاہ بیگ ارغون کے ایما سے بسلسلۂ تجارت ۹۲۷ھ میں سندھ آئے، اور ٹھٹھہ میں سکونت اختیار کر لی، وہ صاحب علم و فضل ہونے کے علاوہ بڑے متقی اور دیندار تھے، مرزا شاہ بیگ کے بعد جب مرزا شاہ حسن ارغون سریر آرائے سلطنت ہوا اس وقت قاضی صاحب کو ٹھٹھہ کی مسند قضا پر فائز کیا گیا،

ایک دفعہ شاہ حسن نے چند تاجروں سے کچھ گھوڑے خریدے، اور قیمت دینے میں جان بوجھ کر اتنا تساہل کیا کہ تاجر مایوس ہو کر قاضی سید شکر اللہ کی عدالت میں دعویدار ہوئے، قاضی نے بادشاہ کو بحیثیت مدعا علیہ کے عدالت میں طلب کیا، اور جب وہ آیا، تو اس کو مدعیوں کے مقابل بیٹھنے کا اشارہ کیا، دعوے کی مسل پیش ہوئی، بادشاہ نے دعوے کی صحت کا اقرار کیا، اور مدعیوں کو رقم دے کر راضی کر لیا، اس کے بعد قاضی موصوف مسند سے اُٹھے اور آگے بڑھ کر آداب سلطنت بجا لائے، اور بادشاہ کو اپنی مسند پر لاکر بٹھایا، مرزا شاہ حسن نے اپنی قبا میں چھپائی ہوئی ننگی تلوار نکال کر قاضی صاحب کے سامنے رکھدی اور کہا کہ اگر آج آپ فیصلے سے پہلے آداب سلطنت کو بجا لاتے، اور میرے درجے کو ملحوظ رکھکر مجھے مدعیوں کے ساتھ نہ بٹھاتے تو اس تلوار سے آپ کا سر قلم کر دیتا، کچھ عرصہ کے بعد سید صاحب نے استعفا دیدیا، اور شاہ حسن نے محمد اوچی کو بلاکر اُن کی جگہ مقرر کیا، جن کے متعلق صاحب تحفۃ الکرام لکھتا ہے کہ

"قاضی شیخ محمد اُچہ منسوب بآل جعفر از مشاہیر علمائے زمانہ است نخست از ہرات بہ اُچہ رسیدہ بود

در عہد جام نظام الدین چون سید میران محمد مہدی جونپوری وارد ٹھٹھہ گردیدہ وعلما ز شان بر نسبت تکفیر بستند، نام بردہ کہ معنی رس داشت و مقامات اہل حال مطلع بود و صحبت اہل فنا اختیار

دستگیر آن ولی اکمل بود، الیق رونمود، سید میران بحالش متوجہ گردیدہ دعاے بالش بزرگی ودوام آثار سترگی باولادش کرد، از آنست کہ خاندان آن بزرگ بوجود حوادث مشتے ہرگز انقلاب بند نمی شود، بالجملہ قاضی معز اللہ بعد ہجرت اوچہ وملتان بکہر متوطن گردیدہ، بنابر کثرت شہرت منسوب باوچہ ماندہ، وقتیکہ قاضی سید شکر اللہ شیرازی استعفار خدمت قضا ٹھٹھہ چنانچہ سبق ذکر یافتہ، درخواست مرزا شاہ حسن حسب تجویز قاضی میر مذکور کہ در وطن قدیم ہرات ہم از اسلاف رابطہ خاص داشتہ وباحیاء آن رابطہ اینجا نیز قرب مقابر وپیوند صورت یاب گردید، دیرا طلبیدہ بآن منصب جلیل القدر مختص فرمود، بہ برکت قدم تجانش ودعاے میران سید مہدی جونپوری آن منصب بتوارث وقف اولادش است، درابتداے حکومت میرزا عیسیٰ ترخان اجل حیاتش در نوردیدہ شد، دو پسر والا گہر از مخلف ماندند"

اس کے بعد آپ کی اولاد کا تذکرہ ہے،[۱]

اجداد | سید شکر اللہ نے ٹھٹھہ کے ایک انصاری خاندان سے شادی کی، جس سے سید ظہیر الدین پیدا ہوئے، سید ظہیر الدین کے متعلق صاحب تحفۃ الکرام رقمطراز ہے کہ :

"قائم مقام پدر بزرگوار گردیدہ، فضیلت وحکمت نیک اندوختہ، ظاہرش بہ تقوی وتشرع وتدریس وباطن بہ سلوک راہ فقر وسبیل سنت اجداد مصروف بود"[۲]

تاریخ طاہری کا مصنف ان کو اس طرح یاد کرتا ہے :-

"گوہر بحر عزت وسیادت، درمعدن بلاغت وفصاحت، جامع العلوم موشگاف معانی میر ظہیر الدین"[۳]

آپ کے دو فرزند ہوئے ایک سید شکر اللہ ثانی، دوسرے سید عبدالرحمن، سید شکر اللہ کے متعلق

---

[۱] تحفۃ الکرام قلمی ص ۶۱۵، [۲] ص ۲۲۳ [۳] طاہری قلمی ص ۱۱،

تحفۃ الکرام مین ہے :-

"با وصف جد و پدر متصف بر آمدہ نامدار و نگار زیست"

انھون نے ایک مسجد بھی بطور یادگار اپنے محلہ مین بنوائی، اُن کے چار بیٹے ہوئے، سید محمد حسن، سید نور محمد، میر سید ظہیر الدین جادم ثانی، سید لطف اللہ، سید نور محمد کے، جن کے متعلق تحفۃ الکرام مین ہے کہ

"در وقت خود مظہر اتم علم و عرفان و مرجع اکمل دین و ایقان زیستہ"

ایک فرزند ہوا سید نظام الدین اول جو کہ بقول تحفۃ الکرام :-

"مناظم فضل و کمال، او فق اہل حال و قال گذشتہ"

ان کے چار بیٹے ہوئے، سید نعمت اللہ، سید نور محمد ثانی، سید فضل اللہ اور سید محمد شفیع،

سید نظام الدین ثانی | سید نور محمد ثانی کے دو فرزند ہوئے، سید ابو القاسم اور سید نظام الدین ثانی یہی سید نظام الدین ثانی فتاوی عالمگیری کے مولفین مین سے ہین، میر علی شیر قانع ان کے متعلق لکھتے ہین کہ

"سید نظام الدین ثانی در فقہ او فق انام در علوم اعلم کرام برآمدہ بجذبہ طبع گرائیدہ، سوے جہان آباد شدہ۔ در فتاوی عالمگیری بساشغل کل سائر علما کردہ۔ از نظر بادشاہ بگذشت و استدعاے منصب کرد۔ بادشاہ مطابق ضابطہ کہ اہل فضل را باسم نوکری نخواندی ازان آبا فرمودہ تکلیف قبول معاش نمودہ سید رضا نہ دادہ عن قریب آنجا سفر آخرت گزید[1]"

آپ کی اولاد | ان کے دو فرزند ہوئے، ایک سید عرب شاہ دوسرے سید احمد، سید عرب شاہ آخری زمانے مین مجذوب ہو گئے، اور کوئی اولاد نہین چھوڑی، سید احمد کے ایک بیٹا سید عطاء اللہ ہوا جس نے شادی کی اور صاحب اولاد بھی ہوا، لیکن عین جوانی مین یہ بھی مجذوب ہو گئے،

اجداد | ان کے اجداد مین امیر نسیم الدین اور عطاء اللہ جمال الدین نیز اُن کے عم بزرگوار میر اصیل الدین

---

[1] تحفۃ الکرام قلمی صفحہ ۵۴۳،

کا تذکرہ قاضی نور اللہ شوستری نے حبیب السیر کے حوالہ سے مجالس المومنین مین کیا ہے، نیز روضۃ الصفا اور ہفت اقلیم وغیرہ مین بھی ان کا تذکرہ آیا ہے، صاحب تحفۃ الکرام نے دوسری جلدین نہی حوالون سے ان کے حالات بیان کئے ہین،

(۱) امیر جمال الدین عطاء اللہ بن فضل اللہ المحدث الاسکنی الشیرازی سید نظام الدین ثانی کے بارہوین بعد ہین، ان کے متعلق تحفۃ الکرام مین مرقوم ہے کہ

"عم گرامی صرف تتبع وحفظ اقوال وافعال ہدایت مال نمودہ، فنون عقلیہ را از علوم شرعیہ علاوہ ترتیب و تدوین پوشانیدہ، جواہر ولآلی احدیث مصطفویہ را بانامل تنقیح در سلک انتظام داد، وصحاح وحسان سخنان عالمگیرش، تحفۃ الاحباء، وریاض السیر وروضۃ الاحباب است"[۱]

حبیب السیر کے حوالہ سے آگے چل کر لکھتا ہے، کہ

"آنحضرت مانند عم بزرگوار امیر اصیل الدین در علم حدیث بے نظیر آفاق گشتہ، در سائر علوم دینیہ ویقینیہ از محدثان باستحقاق درگذشتہ، شاگرد عم خود است، چند سال در مدرسۂ شریفیہ سلطانیہ در گنبدے کہ در دو مقبرہ حضرت خاقان منصور است، و در خانقاہ بے خلاصیہ بدرس وافادہ اشتغال داشتہ در ہفتہ یک نوبت در جامع ہرات بوعظ پرداختی، سلاطین و حکام حد تمشی واجب دانستندی"[۲]

ہفت اقلیم مین امین رازی لکھتے ہین کہ

"برادر زادہ سید اصیل الدین عبد اللہ است وی در عصر خود ملاذ طوائف اکابر واشراف انام بودہ، لوح ضمیر تنویرش مطرح اشعۂ انوار اسرار کتب الٰہی وصحیفہ صدر خاطر عالی، مآثرش مہبط لوامع حقائق اخبار حضرت رسالت پناہ است"

---

[۱] تحفۃ الکرام جلد دوم مطبوعہ بمبئی، ص ۶۸ [۲] تحفۃ الکرام جلد دوم ص ۶۸،

زبانش مظہر اسرار تحقیق ضمیرش منظر انوار توفیق
جمال دین مزین از اہتمامش علوم شرع واضح از کلامش

از مولفات فصاحت صفاتش روضۃ الاحباب در اقطار آفاق اشتہار دارد[1]

(۲) امیر نسیم الدین، امیر جمال الدین کے بیٹے اور سید نظام الدین کی گیارہویں پشت میں جد تھے، اُن کے لئے تحفۃ الکرام میں ہے، کہ

"در تکمیل علوم سیما حدیث یگانہ زمانہ بود، موجب تعیین سلطان در مقبرہ مذکور قائم مقام پدر بزرگوار بود، خلف رشیدش سید عرب شاہ بجائے آبا نیک جا گرم کردہ، بعد از و پسرش سید نعمت اللہ باوصاف آبا متصف زیستہ، از وسید وجیہ الدین یادگار و قائم مقام ماندہ فرزند رشیدش قاضی سید شکر اللہ کہ در مجلد ثالث میان احوال ٹھٹھ مذکور گردد[2]"

یہی قاضی سید شکر اللہ شیرازی تھے، جو ۹۰۶ھ میں ہرات سے قندھار آئے، اور ۹۲۷ھ میں قندھار سے سندھ میں تشریف لائے،

۳- امیر جمال الدین عطاء اللہ کے عم بزرگوار السید الجلیل امیر اصیل الدین عبد اللہ الحسینی الاسکی الشیرازی کے سلسلے میں تحفۃ الکرام کا مصنف لکھتا ہے کہ

"در علم تفسیر و حدیث و انشا و تالیف شبیہ و نظیر نداشت، در زمان سلطان ابوسعید از شیراز بہ ہرات تشریف آوردہ ہر ہفتہ یک نوبت در مدرسہ مہد علیا گوہر شاد آغا بوعظ خلق می پرداخت، در ماہ ربیع الاول بر بیان میلاد حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم مواظبت نمودہ از مؤلفاتش شرح درج الدرر بر سیر سنیۂ خیر البشر و رسالہ مزارات ہرات مشہور ہفدہم ربیع الآخر سنہ ثلث وثمانمایۃ وفات کردہ، دو گوہر نامدار مانند صفی الدین محمد و برہان الدین محمد[3]

[1] ہفت اقلیم مطبوعہ بنگال ص ۲۶۱ [2] تحفۃ الکرام جلد دوم مطبوعہ بمبئی ص ۸ [3] ایضاً ص ۸

صاحب موصوف ہی کے متعلق صاحب ہفت اقلیم لکھتے ہیں کہ

"بصفت اصالت و وفور جلالت موصوف و معروف بودہ، در علم حدیث و تفسیر شبیہ و نظیر نداشتہ، در زمان سلطان ابوسعید از شیراز بہ ہرات تشریف بردہ اقامت فرمودہ و باشارۂ آن بادشاہ ہفتہ یک نوبت زبان بوعظ و نصائح می کشود، از مؤلفاتش کتاب اف ت اثر، درج الدرر کہ محتوی است بہ سیر سینۂ خیر البشر و رسالۂ مزارات ہرات بین الجمہور مشہور است[1]"

اس خانوادہ کے اور بھی چند حضرات کا تذکرہ ہفت اقلیم اور تحفۃ الکرام میں آیا ہے، میر اصیل الدین کے ابن عم سید الحکما والمدققین امیر صدر الدین محمد الشیرازی کے متعلق ہفت اقلیم میں آیا ہے کہ

"بجودت طبع و دقت ذہن از جمیع علماے متبحرین و فضلاے متاخرین ممتاز و مستثنی بودہ چہ در اندک زمانے از شغل استفادہ فراغت حاصل کردہ آغاز درس و افادہ فرمود، بعد از آن ہمت بر تالیف و تصنیف گماشتہ رسالۂ تحقیق علم و اثبات واجب و حاشیۂ شمسیہ و مطالع و حاشیۂ تجرید را در سلک تحریر کشید، وفاتش بعد از فوت سلطان یعقوب در اندک زمانے اتفاق داد[2]"

تحفۃ الکرام بھی تقریباً انہی الفاظ میں رقمطراز ہے[3]

امیر صدر الدین کے فرزند خاتم الحکما غوث العلما امیر غیاث الدین منصور شیرازی کے لئے ہفت اقلیم لکھتا ہے کہ

"پرتو آن قمر و ثمر آن شجر است، بعد از پدر بہ وفور علم و دانش بر وسادۂ فضیلت تکیہ زدہ صیت مہارتش در علوم حکمی و ریاضی بسامع علماے نزدیک و دور رسید و صداے دانشش

---

[1] ہفت اقلیم مطبوعہ بنگال ص ۲۷۱ [2] ایضاً ص ۵۹ [3] تحفۃ الکرام جلد ۲ ص ۷۱

باطراف واکناف آفاق افادہ مِن الجمہور مشہور گردید"

وصف خورشید از نگوید ہوشمند

فیض نور او بود در حشر پیش

چون فضلا محمد را ذات البشر و عقل حادی عشر خواندہ اند، ہر آئینہ تاریخ فوتش را مولانا حسن علی فراس

عقل حادی عشر نماندہ بجا یافتہ [1]"

تحفۃ الکرام میں اس سے زیادہ تفصیل ہے،

" ولادتش تسعمائۃ در خدمت پدر بزرگوار امیر صدرالدین محمد مذکور تحصیل علوم نمودہ ادر چہار دہ سالگی داعیہ مناظرہ علامۂ دوانی در خود یافتہ و سائل جست، در بیست سالگی از ضبط جمیع علوم فارغ گردیدہ، مدتے منصب صدارت بادشاہی مغفور بوے متعلق بود، در مرتبۂ ثانی کہ مجتہد الزمانی شیخ علی بن عبدالعالی از عراق عرب متوجہ پایہ سریر خلافت شد، بعضے مفسدان نقار میان آنہا آوردند تا مباحثہ علی مہد گردید و بخشونت انجامید، بادشاہ حمایت مجتہد الزمانی کردہ میر را رنجیدند و بعد روزے چند از منصب صدارت استعفا نمودہ جانب شیراز شدند، و در سنہ ثمان و اربعین و تسعمائۃ فوت یافتہ [2]"

تحفۃ الکرام میں حبیب السیر کے حوالے سے اُن کی تصنیفات کی ایک طویل فہرست درج کی گئی ہے :-

"صاحب حبیب السیر گفتہ کہ از مصنفاتش آنچہ بہ نظر رسیدہ، کتاب حجۃ الکلام ہست در آنجا متوجہ اقاویل حجۃ الاسلام غزالی شدہ، و دیگر کتاب محاکمات میان تحریرین علیین والد خود

---

[1] ہفت اقلیم مطبوعہ بنگال ص ۲۵۹، و ۲۶۰

[2] تحفۃ الکرام مطبوعہ بمبئی، ص۶۲

میر صدر الدین محمد و ملا جلال الدین محمد دوانی و حواشی ایشان بر شرح تجرید مطالع، دیگر محاکمات میان ایشان در حواشی اوائل شرح مختصر اصول عضدی، دیگر شرح بر کتاب ہیاکل انوار، دیگر شرح بر رسالۂ اثبات واجب پدر خود، وکتاب تعدیل المیزان بر منطق کہ خلاصہ منطق شفا است با سوانح طبع نقاد ایشان وکتاب معیار الافکار خلاصہ تعدیل المیزان وکتاب لوامع ومعارج در علم ہیئات کہ در محاذات کتاب تحفۂ شاہی است، و آنرا در ہفدہ سالگی تصنیف فرمودہ، دیگر کتاب تجرید بر حکمت کہ جمیع مسائل حکمت طبیعی و الٰہی را بعبارت موجزہ مجرد از دلائل ذکر فرمودہ، دیگر رسالہ در معرفت قبلہ، دیگر کتاب معالم الشفاء در طب، دیگر مختصر آن کہ مسمی بشافیہ است، دیگر کتاب سفرویہ در ہیئات دیگر حاشیہ بر الٰہیات شفا، دیگر حاشیہ بر اشارات، دیگر حاشیہ بر شرح حکمت العین، دیگر رسالہ در باب خلافت فرزند ارجمند میر صدر الدین محمد، دیگر رد بر حاشیہ شمسیہ علامہ دوانی، دیگر رد بر حاشیہ خلاصۃ التخلیص، دیگر رد بر حاشیہ تہذیب المعزالیہ دیگر رد بر انموذج مشار الیہ، دیگر رسالہ در تحقیق جہات، دیگر رد بر رسالہ زوار مشار الیہ، دیگر رسالہ مشارق در اثبات واجب، کتاب اخلاص منصوری، دیگر حاشیہ بر اوائل کشاف تفسیر سورہ، دیگر کتاب مقامات العارفین در تصوف و اخلاق کہ باسم فرزند ارجمند میر شرف الدین علی نوشتہ، و رسالۂ قانون سلطنت، سوائے آن از تصانیفش آنچہ در کتب ایشان بتقریب اسامی مذکور و بعضی علماء از آن خبر دادہ کتاب ریاض الرضوان وکتاب اساس در علم ہندسہ وغیر آن،

صاحب حبیب السیر نوشتہ کہ غرض از تفصیل تصانیف حضرت امیر و اظہار تشرف بمطالعہ اکثر آن سد کلام بعضے از افاضل عصر است، مثل ملا ابو الحسن کاشی، و ملا میرزا جان شیرازی کہ مصنفات حضرت میرزا کہ اکثر بواسطۂ نفاست متداول نشدہ بودند، بدست ہر کہ می افتاد

سخنان خوب را از آنجا می دزدیدند و می گفتند که از میر غیر نامے نیست، بعضے کتب که در مصنفات متداوله خود تمام آن را مذکور ساخته اند، وجود خارجی نیافته اند و اگر احیاناً یکے ازان کتاب بدست طالب علمے افتاد و بدزدی ایشان مطلع شد، دعوای توارد می کنند و از حضرت استاذ تحریر رحمه الله شنیده که می فرمودند، ملا ابو الحسن ششش دلیل از جمله ادله که در رساله اثبات واجب ذکر کرده، و آن را خواص فکر خود شمردی، از شرح هیاکل حضرت امیر انتحال نموده بود، و در ایامے که بالتماس بعض اعزهٔ وے رساله او می نوشتم اظهار سرقه و انتحال او نمودم آن رساله متروک ساخته رساله دیگر تالیف نمود، آن نیز خالی از سرقه نیست، از اثر مهارت میر در فنون ادعیه و طلسمات نقل، ذو الفقار خان حاکم بغداد است که با پادشاه دین پناه دلیل نحن می ورزید و تفصیل بر السنهٔ جمهور مذکور و مجملے ازان در رساله قانون السلطنت مسطور،[1]

ان کے دو فرزند ہوئے ایک سید شریف الدین، دوسرے میر صدر الدین، اس خانوادہ کے دو اور بزرگوں کا بھی تحفۃ الکرام میں ذکر آیا ہے، یعنی میر نظام الدین احمد و میر حبیب اللہ، یہ دونوں حضرات بھی علم و فضل کے لحاظ سے یگانۂ روزگار تھے،

سادات شکر اللہی | قاضی سید شکر اللہ کی نسبت سے میر نظام الدین کا خاندان ٹھٹھہ میں سادات شکر اللہی شیرازی کے نام سے موسوم ہوا، اسی خانوادہ کے تقریباً تمام افراد علم و فضل، نیز دینی مرتبے کی وجہ سے یگانۂ روزگار ہوتے آئے ہیں، آج بھی ان کا خاندان اپنے قدیم محلے میں آباد ہے،

اس موقع پر میں اس خاندان کے چند اور بزرگوں کا بھی ذکر کر دینا چاہتا ہوں، تاکہ اندازہ ہو جائے کہ اس خاندان کے مختلف افراد نے سندھ میں آنے کے بعد علم، ادب اور مذہب کی کیا کیا خدمتیں انجام دیں،

---

[1] تحفۃ الکرام مطبوعہ بمبئی، ص ۲۰۲، ۳،

سید شاہ ولی | بن سید ابوالقاسم بن سید علی اکبر بن سید عبدالواسع بن سید محمد حسین بن سید شکراللہ ثانی، علامہ مخدوم رحمہ اللہ جیسے یگانۂ روزگار کے شاگرد تھے، اور بقول صاحب تحفۃ الکرام:-

"در املا و انشاء و شعر طبیعت صافی و قریحت کافی داشت"[1]

صاحب تحفۃ الکرام میر علی شیر قانع، مقالات الشعراء میں آپ کا ذکر یوں فرماتے ہیں :-

"بفنون کمالات علمی آراستہ و علاوہ ورع و تقوی بہ اوقات بابرکاتش صرف مطالعۂ کتب و افادۂ تلامذہ می بود، بر جادۂ اسلاف مستقیم و میان سادات بہ بزرگی موصوف و بحسن خلق و فرط متانت نزد اکابر و اصاغر معروف"[2]

صاحب موصوف نے تحفۃ المجالس کے نام سے ایک تصنیف بھی چھوڑی ہے، شوال المکرم ۱۱۵۰ھ کی ۳ تاریخ کو رات کے وقت اپنی جاگیر جکھب پور تعلقہ اکرا لہ (سندھ) میں وفات پائی، نعش وہاں سے لا کر ۵ تاریخ کو اُن کے آبائی قبرستان میں دفن کی گئی، اُن کے ایک شاگرد لطف اللہ نے "قد فات فی عشقہ" سے تاریخ وفات نکالی ہے، مقالات الشعراء میں اُن کے دو فارسی شعر بھی نمونہ کے طور پر دیئے گئے ہیں، تذکرہ علمائے ہند میں بھی ۲۵۰ صفحہ پر ان کا ذکر آیا ہے، اُن کے دو فرزند ہوئے، ایک سید محمد ناصر دوسرے سید محمد سراج الدین،

میر سراج الدین | میر سراج الدین بھی بہت اچھے شاعر ہوئے ہیں، تاریخ گوئی میں ان کو خاص دستگاہ حاصل تھی، تحفۃ الکرام میں درج ہے، کہ

"باوصاف اسلاف خویش متصف و جانشین و یادگار بزرگان است، بہ محامد اخلاق موصوف مشارٌ الیہ سائر اولاد جد می باشد، طبیعت شعر دارد و در استخراج تواریخ نیکو مہارت می نماید"[3]

سید غلام اولیا | بن سید عنایت اللہ بن سید اسد اللہ بن سید عنایت اللہ بن سید عبدالرحمن بن سید

---

[1] تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۹۵ مطبوعہ بمبئی [2] مقالات الشعراء قلمی ص ۳۰۳ [3] تحفۃ الکرام مطبوعہ بمبئی جلد ۳ ص ۱۹۶

ظہیرالدین والاسلام عرف میر جادم بن سید شکراللہ اول بہت بڑے بزرگ اور اہلِ دل گذرے ہیں، اُن کے متعلق تحفۃ الکرام کا مصنف لکھتا ہے کہ

"درعین جوانی بتحصیل علوم ظاہر و باطن متوجہ شدہ بہ اتقار و تورع درجۂ علیا فرازاندختہ...

صاحبِ خوارق کلیہ برآمدہ، مجرد درعین رشد جان ثانی را پدر وکردہ، جماعۃ مخصوصہ از ذہند

ماند اہبیت و یکم ہرماہ مطابق روز وفاتش مجمع ارادت مند بہ یادتش ختم و اطعام بعمل آورند

و کشف مہمات می نمایند"[1]

سید محمد ناصر ابن سید عطاء اللہ بن سید نعمت اللہ بن سید نظام الدین بن سید نور محمد بن سید شکر اللہ ثانی بن سید ظہیرالدین بن سید قاضی شکراللہ اول، زہد و تقویٰ میں اعجوبۂ روزگار تھے، تحفۃ الکرام میں ہے کہ انھوں نے زندگی بھر کسی عورت کا منہ نہیں دیکھا، اس حد تک معصوم تھے، کہ جانوروں میں بھی نر و مادہ کی تمیز نہیں تھی، سلسلۂ نقشبندیہ میں وہ کامل تھے، اور عقیدت مندوں کی بہت کثرت تھی، جن کی حاجت روائی فرماتے رہتے تھے،

ایک دفعہ ٹھٹھ میں خشک سالی ہوئی، لوگ بہت پریشان ہوئے، مزارات اور مقابر پر جاکر دعائیں مانگنے لگے کسی صاحب کو خواب میں بشارت ہوئی کہ جس شخص نے کبھی عورت کا منہ نہ دیکھا ہو سے نماز استسقاء پڑھانی چاہئے تاکہ بارانِ رحمت کا نزول ہو، لوگ اُن کے پاس آئے، والدۂ محترم کے ارشاد سے، انھوں نے تین دن تک نماز پڑھائی، اور دعائیں مانگیں، تا آنکہ ابرِ رحمت جوش میں آیا، اور گوہرِ مقصود حاصل ہوا،

سید نظام الدین کے جد دوم یعنی سید نور محمد کے دوسرے بھائی سید ظہیرالدین جادم ثانی کی اولاد میں بھی بہت سے اہلِ کمال پیدا ہوئے،

---

[1] تحفۃ الکرام جلد سوم ص ۱۹۶، مطبوعہ

سید محمد کاظم | بن سید محمد مقیم بن سید ظہیر الدین ثانی کے متعلق تحفۃ الکرام میں ہے کہ

"عجائبِ احوالات داشتہ احیاناً دو، دو، سہ، سہ، روز و شب درخواب کرعین بیداری توان انگاشت بخلوت بودی، دو ذکر قلبی، از مردم مسموع کردی، آخرہا خود با فاقہ رسیدے ہم چنین کمالات دیگر داشت، از احصار افزون باشد"[ل]

صاحب تحفۃ الکرام | میر سید علی شیر بن سید عزت اللہ بن سید محمد کاظم بن سید محمد مقیم بن سید ظہیر الدین بھی اسی سلسلۂ عالیہ کے ایک جوہر تابندہ اور گوہر درخشندہ تھے، تحفۃ الکرام، مقالات الشعراء اور کئی دیگر تصانیف انھوں نے یادگار چھوڑی ہیں، اگر وہ تحفۃ الکرام، اور مقالات الشعراء نہ لکھتے تو آج سندھ کی سیاسی اور ادبی تاریخ سے ہم قطعی نابلد رہتے،

میر عظیم الدین | اس خانوادہ کی ایک اور عظیم شخصیت میر عظیم الدین نام کی ہے، جس کا سلسلہ یوں ہے، سید عظیم الدین بن سید یار محمد بن سید عزت اللہ بن سید محمد کاظم بن سید محمد مقیم بن سید ظہیر الدین ثانی یہ بھی ایک بلند پایہ شاعر و ادیب تھے، ایک دیوان، ایک مثنوی میر راجھا، اور ایک منظوم تاریخ موسوم بہ فتح نامہ ان کی یادگار ہیں،

غرض سید نظام الدین مؤلف فتاوی عالمگیری کا تمام خاندان شیراز، ہرات اور قندھار سے لے کر سندھ تک کئی صدی برابر علم و فضل کے دریا بہاتا، اور دین کی بیش بہا خدمات انجام دیتا رہا،

(۲) قاضی ابو الخیر ٹھٹھوی

سید نظام الدین کے بعد فتاوی عالمگیری کے مؤلفین میں قاضی ابو الخیر ٹھٹھوی کا نام آتا ہے، یہ بزرگ بھی سندھ کے مشہور مردم خیز اور تاریخی شہر ٹھٹھ کے باشندے تھے،

یہ ٹھٹھ کے مشہور عالم اور بزرگ علامہ مخدوم فضل اللہ کے فرزند تھے، جن کے متعلق تحفۃ الکرام

[ل] تحفۃ الکرام قلمی ص ۵۵۶،

میں ہے کہ

"جامع فضائل قدسیہ حاوی معارف انسیہ، محل زہد و ورع و تقویٰ بودہ، ہموارہ بدرس علامہ اشتغال ورزیدی[۱]"

تاریخ معصومی[۲]، اور مآثر رحیمی[۳] میں بھی تھوڑے سے تغیر و تبدیل کے ساتھ اسی طرح ان کی تعریف کی گئی ہے، وہ مرزا عیسیٰ اور مرزا باقی ترخان کے معاصر تھے، ان کے فرزند مخدوم الخیر کے لئے تحفۃ الکرام کا مصنف بیان کرتا ہے کہ

"قدر زمانہ خویش طالب علم کامل برآمدہ، در فتاویٰ عالمگیری شریک استنباط مسائل شد[۴]"

ان کے ایک فرزند ہوا ملا اسحاق جو خود بھی بقول تحفۃ الکرام جامع کمالات تھا، ان کے ایک بیٹا کمال الدین ہوا، جس کے کوئی اولاد نہیں ہوئی،

۱؎ تحفۃ الکرام قلمی ص ۲۲۰ ۲؎ معصومی ڈاکٹر عمر محمد داؤد پوتہ صفحہ ۲۱۰ ۳؎ مآثر رحیمی، ۳۲۰ بنگال

۴؎ تحفۃ الکرام قلمی، صفحہ ۹۲

سیرۃ عائشہ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی کے حالات زندگی اور ان کے مناقب و فضائل و اخلاق

.. ان کے علمی کارنامے، اور ان کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر ان کے احسانات، اسلام کے متعلق

ان کی نکتہ سنجیاں اور معترضین کے جوابات،

قیمت ۷؎، ضخامت :- ۳۲۹ صفحے،

طبع سوم باضافہ حواشی،

"منیجر"

نماز اور خشوع

از

مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

(۴)

شیخ محی الدین ابن عربی نے خشوع کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس کا خلاصہ اوپر نقل کیا جا چکا ہے، ان کے علاوہ اور دوسرے متاخرین علماء صوفیہ نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں خشوع پر بحث کی ہے لیکن ان کے بیانات میں زیادہ تر متقدمین ہی کے اقوال کا اعادہ یا انھی کی تعبیرات کو اپنے الفاظ میں پیش کیا گیا ہے اس لئے تکرار سے بچنے کے لئے ہم ان کے بیانات کو نظر انداز کرتے ہیں، البتہ ابن رجب حنبلی (متوفی ۷۹۵ھ) نے ایک چھوٹا سا رسالہ "الخشوع فی الصلوٰۃ" لکھا ہے جس میں کچھ نئی باتیں بھی ملتی ہیں، اس سے اس رسالہ کا جستہ جستہ کچھ حصہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں،

یہ رسالہ نظر سے اس وقت گذرا جب مضمون کی پہلی قسط پریس میں جا چکی تھی، اس لئے جتنی آئی چیزیں جنھیں مضمون کی ترتیب کے لحاظ سے مقدم ہونا چاہئے تھا، ہمیں موخر کرنی پڑیں، مگر بہر نوع مقصد استفادہ ہے، جس کے لئے تقدیم و تاخیر کوئی ضروری شرط نہیں، یہ کیفیت کس طرح پیدا ہوتی ہو، اس کے متعلق لکھتے ہیں :-

"وہ خشوع جو قلب میں پیدا ہوتا ہے، اس کا ذریعہ ذاتِ الٰہی کی معرفت، اس کی عظمت اور اس کے جلال و کمال کا علم ہے، پس جس قدر یہ معرفت حاصل ہوگی

وہ اللہ تعالیٰ سے اتنا ہی خاشع ہوگا"

لیکن جن لوگون کو یہ کیفیت حاصل ہوجاتی ہے، یہ ضروری نہین ہے کہ ان مین سے ہر شخص کا حال یکسان ہو، اس لئے کہ خدا کے جن صفات کے تصور سے قلب مین خشوع وخضوع کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، وہ صفتین مختلف ہین، ان مین سے قلب کو جس صفت کا مشاہدہ اور عرفان زیادہ ہوگا، اس کے اوپر اسی صفت کا عکس زیادہ نمایان ہوگا، چنانچہ اس تمہید کے بعد وہ لکھتے ہین :-

"بعض لوگون مین خشوع اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ وہ یہ قوت مطالعہ رکھتے ہین کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ سے بالکل قریب ہے، اور اس کے ہر بھید اور راز کی اطلاع رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا مطالعہ) اس سے شرم و حیا اور (بندہ کے) تمام حرکات وسکنات مین اس کی دیکھ بھال کرنے (کے تصور پیدا کرانے) کا باعث ہوتا ہے،

اور بعضون مین خشوع اس کی صفت جمال وکمال کے مشاہدہ سے پیدا ہوتا ہے، جس کا تقاضا ہے کہ اس کی محبت مین محویت اور اس کی ملاقات و دیدار کا شوق پیدا ہو، بعضون مین خشوع کا باعث اس کے قہر وغضب اور جزا وسزا کا تصور ہوتا ہے جس کا تقاضا ہوتا ہے کہ اس سے خوف و وحشت پیدا ہو،

اسی اختلاف حال ہی کی وجہ سے مختلف علما وصوفیہ نے خشوع کی مختلف تعبیرین کی ہین، ورنہ مآل کے اعتبار سے سب کی تعبیرات کا مقصد ایک ہی ہے،

یہ بحث تمام کرنے کے بعد قرآن وحدیث، آثار صحابہ اور اقوال سلف کی روشنی مین خشوع کی عمومی تشریح خشوع فی الصلوٰۃ "نماز مین خشوع" کی اہمیت وفضیلت بیان کی ہے، اور آخر مین بہت ہی تفصیلی طور سے نماز کے ان ارکان وآداب اور مواقع کو بتایا ہے، جہان پر خشوع کا اظہار بہت ضروری ہے، مثلاً قیام، رکوع سجدہ اور دعا وغیرہ، مضمون طویل ہوتا جارہا ہے، اس لئے ہم صرف انہی اشارات پر اس بحث کو ختم کرتے ہین،

نماز میں خشوع مستحب ہے یا واجب؟ | نماز اور نماز کے علاوہ ہر شرعی کام میں کیفیتِ خشوع کی موجودگی اور اس کی اہمیت و فضیلت پر تمام محدثین، فقہا اور صوفیہ کا اتفاق ہے، لیکن نماز میں فقہی تقسیم فرض واجب اور مستحب کے لحاظ سے اس کو کون سا درجہ حاصل ہے، اور بغیر خشوع کی پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ کیا جائیگا یا نہیں؟ اس بارے میں ان کے درمیان تھوڑا سا اختلاف ہے۔

عام فقہا و محدثین تو خشوع کے استحباب ہی کے قائل ہیں لیکن بعض علما اور متکلمین کا رجحان اس کے وجوب[1] کی طرف ہے، ہم دونوں کے بیانات اور دلائل نقل کرنے کے بعد ان میں تطبیق دینے کی کوشش کریں گے۔

جو لوگ استحباب کے قائل ہیں ان کے دلائل یہ ہیں، کہ

(۱) جس طرح ہم منافق و ریاکار کی نماز کو باطل قرار نہیں دیتے، بلکہ سب متفق طور سے کہتے ہیں کہ اس کے ذمہ سے فرض ادا ہوگیا، اور وہ شرعی تعزیر کا مورد نہیں رہا، اسی طرح اگر کوئی مسلمان خشوع و خضوع اور حضورِ قلب کے بغیر نماز پڑھے، تو بدرجۂ اولیٰ اس کی نماز کو فاسد نہیں قرار دیا جا سکتا، اور نہ اس کو تارکِ صلوٰۃ قرار دے کر سزا دیجا سکتی ہے، یہ دوسری بات ہے کہ وہ نماز عنداللہ مقبول ہوگی یا نہیں ہم اس کے مکلف نہیں ہیں،

(۲) حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی آدمی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے، تو شیطان اس کے دل میں مختلف قسم کے وسوسے اور بُرے بُرے خیالات ڈالتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس۔۔۔۔۔ آدمی کو یہ یاد نہیں رہتا، کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں، جب ایسا محسوس ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ سجدۂ سہو کرلے۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ خشوع اور حضورِ قلب نماز میں مستحب ہے، شرط و واجب نہیں، ورنہ اگر یہ شرط و واجب ہوتی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز کے اعادہ کا حکم دیتے نہ کہ صرف سجدۂ سہو کا،

---

[1] وجوب بمعنی شرط ہے،

جو لوگ وجوب کے قائل ہیں، مثلاً ابو طالب مکیؒ، سفیان ثوریؒ، حسن بصریؒ، امام غزالیؒ، امام رازی وغیرہ، ان کے دلائل حسب ذیل ہیں :-

(۱) قرآن نے اس آیت اقم الصلوٰۃ لذکری میں امر (حکم) کا صیغہ استعمال کیا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ نماز ذکر الٰہی کے لئے ہی پڑھنی چاہئے، اور ذکر الٰہی کے لئے حضور قلب ایک ضروری امر ہے، اب جو غفلت کے ساتھ نماز پڑھتا ہے، وہ حکم الٰہی کی خلاف ورزی کرتا ہے،

(۲) قرآن نے ان آیات ولا تکن من الغافلین (غافلین میں سے نہ ہو) اور فویل للمصلین الذین ہم عن صلاتہم ساہون (ان لوگوں کے لئے ہلاکت ہے، جو نماز کے بارے میں سستی اور غفلت سے کام لیتے ہیں) میں نماز کے اندر غفلت سستی اور عدم حضور سے روکا ہے، اور ایسا کرنے والوں کے لئے وعید فرمائی ہے، کیونکہ یہ چیزیں خشوع کے منافی ہیں،

(۳) اس آیت الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبہم لذکر اللہ (کیا اس کا وقت نہیں آیا کہ لوگوں کے دل اللہ کے ذکر کیلئے جھک جائیں) میں ان لوگوں پر مزید وعید کی گئی ہے جو خشوع کے بغیر نماز پڑھتے ہیں، اس آیت کے شان نزول کے بارے میں مفسرین لکھتے ہیں، ان جملہ اسباب میں ایک سبب یہ بھی تھا، کہ صحابہ کرام سے خشوع کے خلاف کچھ افعال سرزد ہو گئے تھے، اب [illegible]، اگر خشوع نماز میں کوئی ضروری شرط نہ ہوتی، تو یہ وعیدیں کیوں کیجاتیں ؟

(۴) حدیث لا صلوٰۃ لمن لم یتخشع (جس کی نماز خشوع سے خالی ہے، اس کی نماز نہیں) میں صاف طور سے اس نماز کو جو خشوع سے خالی ہو بے حقیقت بتلایا گیا ہے،

سفیان ثوری سے منقول ہے من لم یتخشع فسدت صلاتہ (جو نماز خشوع کے ساتھ نہ پڑھے) اس کی نماز فاسد ہے، (حسن بصری سے مروی ہے،

کل صلاۃ لا یحضر فیہا القلب — ہر وہ نماز جو حضور قلب کے بغیر پڑھی گئی ہو

تھوی الی العقوبۃ اسرع، وہ انعام واکرام کے بجائے سزا وعقوبت کی طرف زیادہ تیزی سے لیجانے والی ہے'

نقلی دلائل کے علاوہ اُن کے پاس عقلی وذوقی دلائل بھی ہیں، وہ کہتے ہیں :-

اعضاء کی ظاہری حرکت نماز کا جسم اور خشوع اوس کی روح ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ بغیر روح کے جسم کا قیام ناممکن ہے،

(۲) حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ نماز بندہ کی طرف سے ایک نیاز اور تحفہ ہے، جسے وہ بارگاہ رب العزت میں پیش کرتا ہے، اس لئے اُسے چاہئے کہ وہ بہتر سے بہتر صورت میں پیش کرے، ورنہ اس کی نماز اعزاز واکرام کے بجائے عتاب وعقاب کا سبب بن جائے گی،

(۳) اللہ تعالیٰ نے ان آیات قد افلح المومنون الذین ھم فی صلاتھم خاشعون میں مومنین کی فلاح اور وراثت جنت کو جن صفات پر معلق ومشروط رکھا ہے، ان میں سے ایک خشوع بھی ہے،

اگر یہ کوئی بہت اہم صفت نہ ہوتی، تو فلاح وصلاح کو ایک ساتھ مشروط کیوں کیا جاتا؟

(۴) امام غزالی فرماتے ہیں کہ تمام عبادات میں نماز ہی ایک ایسی عبادت ہے جس میں حضور قلب' حضور ذہن اور طمانیت وسکون ایک ضروری ولازمی شرط ہے، مثلاً اگر کوئی شخص حضور قلب کے بغیر بھی زکوٰۃ ادا کردے، تو اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اور اس میں کوئی خرابی نہیں آئے گی، اسی طرح روزہ وحج بھی، لیکن نماز بغیر اس صفت کے نہیں ادا ہو سکتی، اس لئے نماز ابن عبد اپنے معبود سے ہم کلام ہوتا ہے، اور ہم کلامی قلب وذہن کے حضور وشہود (جس کا دوسرا نام خضوع وخشوع ہے) کے بغیر ناممکن ہے'

لیکن یہ وجوب واستحباب کا اختلاف بالکل نزاع لفظی کے مرادف ہے، فقہاء جو بغیر

خشوع نماز کے جواز کے قائل ہیں، اس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص جس نے بغیر خشوع نماز پڑھی ہو وہ قانون کی گرفت سے بری ہو گیا، اب ہم اُسے تارک الصلوٰۃ نہیں کہہ سکتے، یہ اور بات ہے کہ اس کی نماز مقبول ہوئی یا نہیں یا اسے اس کا اجر و ثواب ملے گا یا نہیں؟ اور جو لوگ اس کے وجوب کے قائل ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ خشوع جو روح صلوٰۃ ہے، اگر نماز میں وہ روح ہی مفقود ہے، تو گو وہ قانون کی زد سے نکل جائے لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی اجر و ثواب کا مستحق کیسے ٹھہر سکتا ہے، اور اس بے روح عبادت کو عبادت کیسے کہا جا سکتا ہے؟ تو دونوں استحباب و وجوب کے قائل دو حیثیتوں سے ہیں، ایک کے پیش نظر صحت عند العباد ہے، اور دوسرے کے پیش نظر صحت عند اللہ، اس لئے مختصر الفاظ میں یہ کہنا چاہئے کہ خشوع شرط قبولیت ہے، شرط جواز نہیں،

حیاتِ شبلی

حصۂ اول

یہ کتاب تنہا علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح عمری نہیں ہے، بلکہ اس میں ان کی وفات ۱۳۳۲ھ ۱۹۱۴ء تک اس کے پہلے کی ایک تہائی صدی کی ہندوستان کے مسلمانوں کی...... علمی، تعلیمی، ادبی، اصلاحی اور دوسری تحریکوں اور سرگرمیوں کی مفصل تاریخ آگئی ہے، کتاب کے شروع میں جدید علم کلام کی نوعیت، اُس کی حیثیت اور اس سے متعلق علامہ شبلی مرحوم کی علمی خدمات پر تبصرہ ہے، پھر خلجی اور تغلق کے زمانہ سے لیکر انگریزی حکومت کے آغاز تک صوبۂ آگرہ و اودھ کے مسلمانوں کی علمی و تعلیمی تاریخ کو بڑی تلاش و جستجو سے مرتب کیا گیا ہے، اور اکابر علماء کے حالات جمع کئے گئے ہیں...... ضخامت مع مقدمہ و دیباچہ ۹۲۰ صفحے، کاغذ اور طباعت اعلیٰ، قیمت :- غیر مجلد علاوہ محصولڈاک صرف آٹھ روپیہ مجلد للعہ

"منیجر"

لفظ فتنہ اور قرآن مجید

از

مولوی داؤد اکبر صاحب اصلاحی استاذ مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور

(۳)

(۲) مال واولاد فتنہ ہے :-

۱- یاایھا الذین آمنوا لاتخونوا اللہ والرسول وتخونوا اماناتکم وانتم تعلمون واعلموا انما اموالکم واولادکم فتنۃ وان اللہ عندہ اجر عظیم (انفال ۲۷، ۲۸)

اے ایمان والو اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو، اور دانستہ اپنی امانتوں میں خیانت نہ کرو، اور یقین مانو کہ تمھارا مال اور اولاد فتنہ ہے، اور یہ کہ خدا وند تعالیٰ کے یہاں بڑا اجر ہے۔

۲- انما اموالکم واولادکم فتنۃ واللہ عندہ اجر عظیم (تغابن - ۱۵)

تمھاری دولت اور اولاد بس تمھارے لئے آزمایش کی چیز ہے، اور اللہ کے پاس بڑا اجر ہے،

۳- فاذا مس الانسان ضر دعانا ثم اذا خولناہ نعمۃ منا قال

پس جس وقت انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے، تو ہمیں پکارتا ہے، پھر جب ہم

إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ	اسے کسی نعمت سے نواز دیتے ہیں، تو کہتا ہے کہ
وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ،	یہ تو مجھے اپنی تدبیر سے ملی ہے، بلکہ وہ
(زمر - ۴۹)	فتنہ ہے لیکن اُن میں سے اکثر اسے نہیں سمجھتے،

۴- وان لو استقاموا على الطريقة	اور یہ کہ اگر وہ لوگ راستہ پر قائم رہتے،
لَأَسْقَيْنَاهُمْ مَاءً غَدَقًا لِنَفْتِنَهُمْ	تو ہم نے اُن کو زیادہ سے زیادہ پانی سے
فيه الآيه (جن ۱۶، ۱۷)	سیراب کیا ہوتا تاکہ اس میں انھیں آزمائیں،

۵. ولا تمدن عينيك الى ما متعنا	اور تو اپنی نگاہ ان چیزوں کی طرف نہ ڈال
بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا	جس سے ہم نے کفار کے مختلف گروہوں
لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ	کو متمتع کر رکھا ہے، ان کی آزمائش کے لئے
وأبقى،	دنیوی زندگی کی رونق ہے۔ اور تیرے
(طٰہٰ - ۱۳۱)	پروردگار کا عطیہ بہتر اور دیرپا ہے،

اوپر جو آیتیں نقل کی گئی ہیں ان میں کہیں مال اور اولاد دونوں کو اور کہیں صرف مال کو فتنہ ٹھہرایا گیا ہے اور پہلو ہر جگہ یہی ہے کہ ان کی محبت میں غلو حق و صداقت کی راہ سے انحراف کا باعث ہو کر اس لئے یہ چیزیں فتنہ ہیں،

(۲) اسلامی جماعت کے خلاف داروہش بھی فتنہ ہے،

۱- لو خرجوا فيكم ما زادوكم إلا خبالا	اگر وہ تمہارے ساتھ نکلے ہوتے تو سوائے
وَلَأَوْضَعُوا خِلَالَكُمْ يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ	اس کے کہ اور دونا فساد کرتے، اور کیا
وَفِيكُمْ سَمَّاعُونَ لَهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ	ہوتا، اور تمہارے درمیان فتنہ پردازی
بِالظَّالِمِينَ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ	کی فکر میں دوڑے دوڑے پھرتے، اور

مِنۡ قَبۡلُ وَقَلَّبُوۡا لَكَ الۡاُمُوۡرَ حَتّٰى جَآءَ الۡحَقُّ وَظَهَرَ اَمۡرُ اللّٰهِ وَهُمۡ كٰرِهُوۡنَ، (توبہ - ۷)	اُن کے کچھ جاسوس موجود ہیں، اور ان ظالموں کو اللہ خوب سمجھے گا، انھوں نے تو پہلے جنگ احد وغیرہ میں بھی فتنہ پردازی کی فکر کی تھی اور آپ کی کارروائیوں کی الٹ پھیر کرتے ہی رہے، یہاں تک کہ سچائی کا وعدہ آگیا اور اللہ کا حکم غالب رہا، اور ان کو ناگوار ہی گذرتا رہا،
۲- وَلَوۡ دُخِلَتۡ عَلَيۡهِمۡ مِّنۡ اَقۡطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الۡفِتۡنَةَ لَاٰتَوۡهَا وَمَا تَلَبَّثُوۡا بِهَاۤ اِلَّا يَسِيۡرًا (احزاب - ۱۴)	اور اگر مدینہ میں اس کے اطراف سے ان پر کوئی آجائے، پھر اُن سے فساد کرنے کی درخواست کرے تو یہ اُسے منظور کرلیں گے، اور اس میں ذرا بھی دیر نہ کریں گے،
۳- سَتَجِدُوۡنَ اٰخَرِيۡنَ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّاۡمَنُوۡكُمۡ وَيَاۡمَنُوۡا قَوۡمَهُمۡ ؕ كُلَّمَا رُدُّوۡۤا اِلَى الۡفِتۡنَةِ اُرۡكِسُوۡا فِيۡهَا، (نساء - ۹۱)	بعضے ایسے تم کو ملیں گے کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ تم سے بھی بے خطر ہو کر رہیں، اور اپنی قوم سے بھی بے خطر ہو کر رہیں، جب کبھی شرارت کی جانب انھیں لے جایا جاتا، وہ اس میں گر پڑتے ہیں،

مندرجہ بالا آیتوں میں مخالفین کی ان ریشہ دوانیوں کو جو اسلامی جماعت اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف وہ عمل میں لاتے تھے، انھیں فتنہ سے تعبیر کیا گیا ہے، ہوتا یہ تھا کہ جب جہاد کے لئے نفیر ہوتی تو منافقین خود بھی میدانِ جنگ میں جانے سے گریز کرتے، اور دوسرے مجاہدین کے سامنے بھی ایسی باتیں کرتے، کہ اُن کے حوصلے پست ہو جائیں، اور وہ بھی شریک جہاد نہ ہوں،

۴۔ فراوانی مال اور محرومی مال دونوں فتنہ ہیں:

۱۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ ۚ وَنَبْلُوکُم بِالشَّرِّ وَالْخَیْرِ فِتْنَۃً ۚ وَإِلَیْنَا تُرْجَعُونَ۔ (انبیاء۔ ۳۵)

ہر جاندار موت کا مزہ چکھے گا، اور ہم تم کو بری بھلی حالت سے آزمایش کے لئے گذارتے ہیں، اور ہماری طرف تم پلٹائے جاؤ گے۔

مذکورۂ بالا آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کبھی مال و دولت سے نواز کر آزماتا ہے، اور کبھی سلب نعمت سے امتحان کرتا ہے، کامیاب انسان وہ ہے جو دولت کی ریل پیل کی صورت میں شاکر اور فقر و فاقہ سے دوچار ہونے کی حالت میں صابر رہے۔

(۵) مومن کی بدحالی کافر کے لئے فتنہ ہے۔

۱۔ وَکَذٰلِکَ فَتَنَّا بَعْضَہُم بِبَعْضٍ لِّیَقُولُوا أَهٰؤُلَاءِ مَنَّ اللّٰہُ عَلَیْہِم مِّن بَیْنِنَا ۗ أَلَیْسَ اللّٰہُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاکِرِینَ۔ (انعام۔ ۵۳)

اور اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض سے آزمایا ہے تاکہ وہ کہیں، کیا یہی لوگ ہیں جن پر خدا نے ہمارے درمیان سے احسان کے لئے چن لیا ہے، کیا خدا شاکر بندوں سے واقف نہیں ہے۔

۲۔ وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَکَ مِنَ الْمُرْسَلِینَ إِلَّا إِنَّہُمْ لَیَأْکُلُونَ الطَّعَامَ وَیَمْشُونَ فِی الْأَسْوَاقِ ۗ وَجَعَلْنَا بَعْضَکُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَۃً أَتَصْبِرُونَ ۗ وَکَانَ رَبُّکَ بَصِیرًا۔ (فرقان۔ ۲۰)

اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے، سب کھانا بھی کھاتے تھے، اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے، اور ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لئے آزمایش بنایا ہے کیا تم صبر کرو گے؟ اور تیرا پروردگار دیکھ رہا ہے۔

اوپر کی دونوں آیتوں میں مومنین کی فاقہ مستی کو کفار کے لئے وجہ فتنہ قرار دیا گیا ہے، یہ صورت حال اُن کے لئے وجہ فتنہ اس بنا پر تھی کہ وہ ہر چیز کو مادی عینک سے دیکھنے کے عادی تھے جب وہ قرآن پاک کا یہ دعویٰ سنتے، کہ مسلمان ہی کامیاب ہیں، اور دوسری طرف ان کی یہ بدحالی دیکھتے تو کہتے یہ ہو نہیں سکتا، کہ یہ خدا کے محبوب ہوں، حالانکہ محبوبیتِ الٰہی کے لئے فارغ البالی (خوشحالی) شرط نہیں ہو مگر انھوں نے یہی معیار ٹھہرالیا تھا، اور اسی بنا پر خودی زندگی میں بھی اپنے کو مسلمانوں کے مقابل کامیاب بتاتے،

آیت وَلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰی رَبِّیْٓ اِنَّ لِیْ عِنْدَہٗ لَلْحُسْنٰی (حٰمٓ سجدہ ۷) کا ٹکڑا اُن کی اس ذہنیت کا کھلا ہوا ثبوت ہے،

۴۔ سلبِ حکومت بھی ایک فتنہ ہے،

۱۔ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ وَاَلْقَیْنَا	اور ہم نے سلیمان کو امتحان میں ڈالا،
عَلٰی کُرْسِیِّہٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ	اور ہم نے اُن کے تخت پر دھڑ ڈال دیا،
(صٓ ۳۴)	پھر انھوں نے رجوع کیا،

ابتلا غایتِ تخلیق ہے، اس سے انبیاء کرام بھی نہیں بچے ہیں، بلکہ جس طرح ان کے درجے سوا ہیں، اُسی طرح اُن کی آزمائشیں بھی شدید ہیں،

ع جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

اور اس منزل سے تمام انبیا گذارے گئے ہیں، حضرت سلیمانؑ بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہ تھے ان کی آزمایش اس طرح ہوئی، کہ ان کو جو عظیم الشان سلطنت بخشی گئی تھی، وہ اُن سے چھن گئی، لیکن اس پر انھوں نے جزع فزع نہیں کیا، بلکہ خدا کی جناب میں رجوع کیا، اور ان کی زبان پر یہ کلمات

رَبِّ ھَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ	اے پروردگار میرے مناسب حال حکومت بخش!

مِن بعدی انّک انت الوَھّاب	تو بڑا بخشنے والا ہے،

جاری تھے، ان سے سلب حکومت کے سلسلہ میں جو تفصیل عام طور سے مشہور ہے، وہ صحیح نہیں ہے قرآن سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ کسی غلطی پر تنبیہ کی گئی تھی، اس پر انھوں نے انابت کی، اور اس کے دوبارہ حاصل ہونے کے لئے دعا کی، جو قبول ہوئی، چنانچہ بعد کی آیتوں میں کھلی ہوئی تصریح موجود ہے، سلب حکومت انسان کے لئے بہت بڑا امتحان ہے، عام انسان مشکل سے اس کا متحمل ہو سکتا ہے، لیکن حضرت سلیمانؑ کے ہاتھ سے صبر و ضبط کا دامن نہیں چھوٹا، اور اس موقع پر بھی ان کی عقل نے صحیح رہبری کی،

۱۳۔ عذاب دنیوی سے دوچار ہونے کو بھی فتنہ کہا گیا ہے،

۱۔ وَلَقَدْ فَتَنّا قبلھُمْ قومَ فرعَونَ وَجَاءَھُمْ رسولٌ کریم (دخان - ۱۷)	اور بلاشبہہ ان (مکہ والوں) سے پہلے فرعون کی قوم کو ہم نے فتنہ (عذاب) سے دوچار کیا اور ان کے پاس اس سے پہلے خدا کا شریف فرستادہ (موسیٰ) ان کی اصلاح و درستگی کے لئے آچکا تھا، لیکن انھوں نے اُسے قبول نہیں کیا، بلکہ اُسے جھٹلایا
۲۔ وَحَسِبُوا اَلّا تکونَ فتنۃ فعموا وصمّوا ثمّ تابَ اللہ علیھم ثمّ عَمُوا وصمّوا کثیرٌ منھُم وَاللہ بصیرٌ بما یعملون، (مائدہ - ۱۰۰)	اور وہ اس زعم میں مبتلا ہوگئے، کہ فتنہ (عذاب) ان پر نہ پھوٹے گا، کہ اس کی زد میں آئیں پس اس سے اور وہ اندھے اور بہرے ہوگئے، پھر اللہ اپنی رحمت کیسا تھ ان پر لوٹا پھر بھی ان میں سے بہت سے اندھے اور بہرے بنے
۳۔ لَا تجعَلوا دعاءَ الرسُولِ بَینکمْ	پیغمبر کے بلاوے کو باہم ایک دوسرے کو پکارنے

كدعاء بعضكم بعضا قد يعلم الله الذين يتسللون منكم لواذا فليحذر الذين يخالفون عن امره ان تصيبهم فتنة او يصيبهم عذاب اليم،

(نور - ۶۳)

کے مرجہ مین نہ ٹھہراؤ، خدا تم لوگون مین سے ان لوگون کو خوب جانتا ہے جو احکام رسول کی تعمیل سے بچنے کے لئے آڑ مین ہو کر کھسک جایا کرتے ہین، ان لوگون کو جو اس کے حکم سے الگ ہو جایا کرتے ہین انہین فتنہ (عذاب) سے دوچار ہونے یا دردناک عذاب کی زد مین آنے سے ڈرتے رہنا چاہئے،

اوپر کی آیتون مین سے پہلی آیت مین کفار مکہ کو فرعون کی قوم کی طرح عذاب سے دوچار کرنے کی دھمکی دی گئی ہے، اس لئے کہ تکذیب دعوت مین وہ اُن کے نقشِ قدم پر چل رہے ہین، بتعبیر دیگر فرعون اور اس کا جتھا موسیٰؑ کی دعوت حقہ کے جھٹلانے کے سبب تباہ ہوا، اور یہ مکہ والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت حق و صداقت کے جھٹلانے کے سبب ہلاک ہون گے، اور دوسری آیت مین یہود کے تکذیب رسل اور قتل انبیاء کے جرائم ذکر کرنے کے بعد ان کی ان شرارتون کی وجہ یہ بتائی گئی ہے، کہ اُن کے دلون سے عذاب الٰہی کا خوف بالکل جاتا رہا تھا، اور وہ یہ سمجھنے لگے تھے، کہ خواہ ہم جو کچھ کرین ہم پر کسی طرح کی افتاد نہ آئے گی، تیسری آیت مین ان لوگون کو جو حلقۂ اسلام مین داخل ہونے کے باوجود احکام الٰہی کی تعمیل سے کاوا کاٹتے تھے، اس حرکت پر عذاب پھوٹ پڑنے کی دھمکی دی گئی ہے، دیکھئے مندرجۂ بالا تینون آیتون مین ہر جگہ لفظ "فتنہ" عذاب دنیوی ہی کے مفہوم کو شامل ہے، پہلی جگہ قوم فرعون کو عذاب (دنیا مین) سے دوچار کرنے کے معنی مین اور دوسری جگہ یہود کے دنیوی عذاب سے نڈر اور مطمئن ہونے کے موقع پر اور تیسری جگہ منافقین پر احکام الٰہی کی تعمیل مین سہل انکاری کے سبب عذاب آدھمکنے کے مقام مین،

تحائفِ کشمیر

از

جنابِ مفتی جلال الدین صاحب ایم اے صدر مفتی ریاست کشمیر

عموی المکرم والمعظم:۔ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مین نے آپ کو عم سے خطاب کیا ہے اس لئے کہ میرا ظن غالب ہے کہ آپ قبلہ ام عموی المرحوم قاضی سعدالدین صاحب کے یارِ طریقت و برادر تلمذ ہین، علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ قاضی صاحب مذکور کے ذریعہ شرف ملاقات حاصل کر چکا ہون، لیکن اس وقت جب کہ مین چھوٹا تھا، اور سنِ تمیز کو نہین پہنچا تھا، اس بات کا فخر حاصل ہے، کہ علامہ مرحوم نے ہمارے غریب خانہ مین اپنی قیمتی اور مقدس عمر مین سے کچھ دن گذارے ہین، اس لئے اس بڑے مکین نے ہمارے مکان کو شرف بخشا ہے، مین قاضی سعدالدین صاحب کا برادرزادہ ہون، اور اپنے خاندان مین مین ایک فرد ہون، جو جامع شرق وغرب ہوا ہون، پنجاب یونیورسٹی کے مولوی فاضل ومنشی فاضل ایم اے عربی، اور ایم اے فارسی کے علاوہ بی اے انگریزی از زمرۂ علوم ریاضی پاس کیا ہے، یہان کے سکالری کالج مین پروفیسر عربی وفارسی ہوا گو آج کل سیاسی عتاب کی وجہ سے معطل کیا گیا ہون،

فتوی دہی وقضا گری ہمارے خاندان مین احمد شاہ دُرّانی کے وقت سے نسلاً بعد نسلٍ آرہی ہے، اگرچہ سوداگری کا پیشہ چھوڑ کر درس وتدریس اور تعلیم وتعلّم کا پیشہ اس سے بہت مدت پہلے اختیار کیا گیا تھا، یعنی اس خاندان کے جدِ اعلیٰ خواجہ بہاء الدین خوارزمی فاروقی اکبر بادشاہ کے

مین سے تھے، اور عالمگیر اورنگزیب رح کے وقت تک یہ خاندان تجارت پیشہ تھا جب کہ مولوی خیرالدین ابوالخیر نے آبائی پیشہ چھوڑ دیا، اور علم و عرفان کی طرف مائل ہو کر سرچشمۂ شریعت و طریقت ہوئے فقہ کی مشہور کتاب عالمگیری مرتب کرنے والون مین ممتاز درجہ رکھتے تھے، وہ آستانہ حضرت نظام الدین اولیاء دہلی مین مدفون ہین، اُن کے فرزند مولانا معزالدین امان اللہ شہید نے پدر بزرگوار سے بھی زیادہ عزت شہرت حاصل کی، اپنے زمانہ کے شیخ الاسلام تھے، چنانچہ شیخ الاسلام سے ہی تاریخ وفات کا حساب لگایا جاتا ہے، نادر شاہ و محمد شاہ کی جنگ مین شہید ہوئے، مفتی صدرالدین خان آزردہ صدرالصدور دہلی ان کے برادر زادہ تھے،

اس تمام بکواس سے میری مرادیہ ہے کہ عربی و فارسی کے ساتھ ہمین موروثی میلان و رجحان رہا اگر انھی کی درس و تدریس اور ان کے ساتھ شغل و شغف ہمارا پیشہ اور ذریعۂ معیشت رہا ہے، مین نے اپنے بزرگون کی تقلید کی کوشش کی، اور اپنے والد ماجد قاضی ضیاء الدین صدر مفتی و دیگر اعمام اولی الاحترام قاضی سعدالدین صاحب، قاضی شریف الدین صاحب و مفتی امان اللہ صاحب سے مستفید ہونے کی کوشش مین کوئی کمی نہین کی، لیکن مین یہ نہین کہہ سکتا ہون، کہ پوری طرح کامیاب ہوا، اس لئے مین مجبور ہون کہ مین یہ کہون کہ و ذاک ابی اور ھذا انا کے لئے کسی طرح بھی لائق نہین ہون،

الغرض مین نے اپنے متعلق بہت کچھ عرض کر دیا، قاضی سعدالدین و مفتی امان اللہ ہندوستان سے فارغ التحصیل ہو کر آئے تھے، علامہ شبلی کے ساتھ دوستی و برادری قائم کر چکے تھے، میرا خیال کیا بلکہ پختہ عقیدہ ہے کہ علامۂ مرحوم کے ذریعہ کم از کم اگر کسی ذریعہ سے نہین، آپ کے ساتھ بھی رشتۂ مواخات قائم کر چکے ہین، اسی عقیدہ کے تحت مین نے جناب کو عم سے خطاب کیا، امید ہے کہ میرا یہ خیال و عقیدہ صحیح ہوگا، ورنہ جناب سے استدعا ہے کہ کم از کم مجھے اب اپنے اس تعارف کے بعد برادر زادہ یا پسر خود کے خطاب سے، بلکہ وہی خیال میرے متعلق ہمیشہ کے لئے رکھین، امید ہے کہ میری استدعا منظور ہوگی،

عرض کرچکا ہون کہ عربی فارسی زبانون کے ساتھ میرا تعلق ہے، اس لئے مین اس ادب کے احیاء مین مصروف رہتا ہون، جو یہان کشمیر مین ان دو زبانون مین تصنیف کیا گیا ہے، اور جو ابھی تک غیر مطبوعہ ہونے کی وجہ سے شائع نہین ہوا ہے، اور منظر عام پر نہین لایا گیا ہے، میرا اپنا خیال ہے کہ یہ لٹریچر اس قابل ہے اور اس درجہ کا ہے، کہ ادبی دنیا مین ایک امتیازی پوزیشن حاصل کرسکتا ہے، ممکن ہے کہ میرا خیال غلط ہو، اس لئے مین چاہتا ہون، کہ جناب کو تکلیف دون، اور اقساط مین نمونے بھیج کر جناب کی راے عالیہ کا استصواب کرون، تاکہ اس راے کے مطابق یہ فیصلہ کیا جاسکے، کہ یہ خاص نمونہ اشاعت کے لائق ہے، یا نہین، کشمیر کی زمین کو روحانیت نے، اپنے لئے بہت صالح پایا تھا، اس لئے روحانیت کو جس جس کے ساتھ تعلق ہے، مثلاً تصوف، عشق، سلوک، تفسیر و حدیث وغیرہ بہت مقبول ہوا، اس کے نتیجہ مین وہ زبانین مثلاً عربی، فارسی، جو ان مضامین کے لئے ذریعۂ اظہار تھین، وہ بھی مقبول ہوئین، لازمی طور پر ان زبانون کے مقبول ہونے کے یہ معنی ہین کہ ان کا لٹریچر بہت مقبول ہوا، کشمیر ہر لحاظ سے زرخیز ہے، میرا مطلب اس سے یہ ہو کہ علم و ادب کے تخم کے لئے بھی بہت زرخیز ہے، اس لئے کہ یہان کے لوگ بقول ڈاکٹر اقبال، "زیرک و دراک" ہین، انھون نے اپنے آپ کو طبعی طور پر فارسی عربی کے علوم کے لئے صالح پایا، کشمیری کی طبیعت نے فردوسی کے شاہنامہ کے مقابلہ مین اکبر نامہ، نظامی کے خمسہ کے مقابلہ مین خمسہ حضرت صرفی و خمسہ (پنج گنج) بہاء الدین متو پیش کیا، مولوی رومی کا مقابلہ بحر العرفان حضرت کمال الدین کامل سے کیا گیا، اسی طرح ہر قسم کا لٹریچر تصنیف کیا گیا ہے، اکثر بہت قیمتی اور اعلیٰ پایہ کا ہے لیکن بے اعتنائی و طاق نسیان پر پڑا ہوا ہے، اب یہ حالت ہو گئی ہے کہ کیڑے مکوڑے اور دیمک کی غذا بنا ہوا ہے، بلکہ فارسی عربی سے اب توجہ عام ہٹنے اور انگریزی زبان مروج ہونے کی وجہ سے اکثر خاندانون اور گھرانون کی ناخلف اولاد ان قلمی عدیم المثال کتابون اور واحد نسخون کو پانچ دس آنے کی عوض بنیون کے ہاتھ فروخت کرتے ہین، بنیا ایک ایک ورق پھاڑ کر، تمباکو، چائے،

ہلدی، کھانڈ، کی فروخت کے لئے استعمال کرتا ہے، مین نے اکثر دیکھا ہے کہ اس نااہل کا اس طرح اوراق پھاڑنا، میرے جگر کے پھاڑنے کا باعث ہوا ہے، مین نے ایسے مواقع پر اپنی گرہ سے پیسہ دیکر حتی الامکان اس کو ضائع ہونے سے بچایا ہے، لیکن تابکے، سیلاب کو جھج سے روکا نہین جا سکتا ہے، میرے پاس سٹیٹس نہین کہ مین اس کو زیور طبع سے آراستہ کرون، عوام اکثر غربا پر مشتمل ہین، وہ کوئی مدد نہین کر سکتے ہین، بلکہ زمانہ کی تبدیلی مذاق کے تغیر انگریزی کی ترویج نے حالات اس قسم کے پیدا کئے ہین، کہ عربی اور فارسی جاننے والے کا مذاق اڑایا جاتا ہے، اس کو مولوی کے نام سے پکارا جاتا ہے، مولوی (کشمیری ملّا) حقارت و نفرت مین استعمال ہوتا ہے، غرضیکہ سوسائٹی مین اس کی کوئی وقعت نہین، اس لئے سرمایہ دارون سے یہ توقع رکھنا عبث ہے، کہ وہ اس کی اشاعت و طباعت مین مدد کرین گے، بلکہ اپنی آبرو کو کھو دینا ہے،

مین سالہا سال سے معارف کا خریدار ہون، ایک ایک سال کی اشاعت کی جلد بندی کرا کر کتاب کی شکل مین موجود رکھتا ہون، معارف کی کسی گذشتہ اشاعت مین آپنے شذرات مین ریسرچ کی امداد کا ہمت افزا اعلان کیا ہے، اس کے پڑھنے سے مجھے دفعتًہ خیال آیا، کہ شاید معارف کے ذریعہ جناب کی عاطفانہ توجہ سے یہ ہمارا لٹریچر ضائع ہونے سے بچ جائے، اس لئے اس وقت سے لیکر ہمیشہ آپ کو اس بارہ مین لکھنے کا ارادہ کرتا رہا، لیکن اس ارادہ کو عملی جامہ پہنانے سے اس لئے جھجکتا رہا، کہ معارف کی زبان ارد‍ٔو ہونے کی وجہ سے اور انگریزی مین اظہار پر زیادہ قدرت اور مہارت حاصل ہونے کی وجہ سے دل مین ہول و بیم محسوس کرتا رہا، اس وجہ سے کبھی کبھی یہ بھی خیال آتا رہا، کہ حیدرآباد کے اسلامک کلچر کی طرف رجوع کرون لیکن اس خیال نے باز رکھا کہ وہان اس رسالہ کے بورڈ آف ایڈیٹران مین کسی طرح بھی کوئی ایسا . . . . موجود نہین جو میری تحریر کی اصلاح کر سکے اور اپنے علم کی کسوٹی پر میرا بھیجا ہوا مضمون پرکھے اور یہ دیکھے کہ آیا

وہ لٹریچر جو میں شائع کرکے وجود میں لانا چاہتا ہون، اس قابل ہو کہ شائع کیا جائے، ممکن ہو کہ میرا خیال غلط ہو اور ڈاکٹر ایڈیٹر زمین لائق اور قابل ممبر موجود ہون، مجھے کم از کم علم نہیں اور میں ان کو نہیں جانتا ہون، اس سے یہ استنباط کیا جا سکتا ہے کہ جو شہرت جناب کو علمی دنیا میں اس وقت حاصل ہے، وہ کسی اور ہندوستانی کو نصیب نہیں، اس لئے کشمیریون کا پیش کردہ لٹریچر عربی و فارسی آپ کی تنقید کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو خوش قسمتی ہوگی۔

نمونہ شرح قصیدہ بردہ مصنفہ حضرت عبداللہ بوصیریؒ:

شارح:۔ حضرت میرزا اکمل الدین کامل بیگ خان بدخشی یکے از اولیاے کشمیر، مدفون محلہ حول سری نگر کشمیر،

أمِن تذکّرِ جیرانٍ بذی سلمٍ — مزجتَ دمعاً جری من مقلۃٍ بدمِ

ام ھبّت الریح من تلقاء کاظمۃ — واومض البرق فی الظلماء من اضم

هان تذکر یاد کردن وان جیران جمع جار — جار ہمسایہ بود کو مشتق آمد از جوار

ذی سلم وان نام جای و مزج دان آمیختن — دمع اشک و مقلہ پلک چشم و دم خون ریختن

پس ہبوب آمد وزیدن ریح بادای ہم نشین — ہست تلقاء سوی و جانب کاظمہ جای است دہن

پس درخشیدن شمایاض اومض ماضی آن — ہست ظلماء تیرہ شب باشد اضم کوہ کلان

راست بشنو ہم اضم ہم ذی سلم ہم کاظمہ — نام جاے و مسکن جانانہ آمد این ہمہ

حاصل این باشد کہ آیا یاد یارانی کشان — ساکن اندر ذی سلم ہستند بے شک و گمان

ریختی خونابہ یا از کاظمہ باد ی وزید — یا درخشید از اضم برقی کہ اشکت شد پدید ‌ ‌ لہٰذا

در وزید از کاظمہ بادی کز ان یار آمدت — یا درخشید از اضم برقی کہ دل باز آمدت

ناظم عارف بایں ابیات عاشق را خطاب — می نماید گرچہ ریزی اشک خونین بے حساب

ہست پیدا و ہویدا کز پی عشق این کنی — لیک می خواہم کز انواعش یکے تعیین کنی

این ز یاد صحبت ہمسایگانِ ذی سلم — می کنی با خود ز یاد کاظمہ یا ازاضم

شیخ را مقصود از عاشق ہمین نفس خود است — غائبش دانستہ با وی در تکلم آمدہ است

اہلِ معنی غائب از خویش اند با حق حاضرند — از ہمہ عالم نظر پوشیدہ در حق ناظرند

فما لعینیک ان قلت اکففا ھمتا — وما لقلبک ان قلت استفق یھم

ہست فا فاے جزائی گوش کن تقریر را — ہست شرط آن مقدر فہم کن تقدیر را

نامِ این فا فاضلان فای فصیحہ گفتہ اند — معنی شرط و جزا اکنون تشنو ای ہوشمند

گر نبود ست اینچنین و گرچہ ہست این پس چرا — اشک ریزی دائما کار ست چشمان ترا

ما در آغاز دو مصرع بہر استفہام دان — کیف چہ باشد باز ماند ہمت گردیدن اُون

استفاقہ ہوشیاری دان ہیمان حیرت است — حاصل معنی ز من بشنو ترا گر رغبت است

چیست حیثیت را کہ از منع تو گریان تر شود — چیست حال دل کہ از پند تو حیران تر شود

ایحسب الصب ان الحب منکتم — ما بین منسجم منہ و مضطرم

صب بفتح مہملہ عاشق کہ باشد اشک بار — منکتم پوشیدہ دان و لفظ ما زاید شمار

منسجم دان اشک ریزندہ غرض چشم است از آن — مضطرم آتش فروزندہ دل ست آن بی گمان

کے برد عاشق گمان کہ عشق او ماند نہان — درمیان چشم گریان و دل سوزندہ ہان

لولا الھوی لم ترق دمعا علی طلل — ولا ارقت لذکر البان والعلم

شد ہوا مہر و محبت شد اراقت ریختن — پس طلل باشد نشانِ خانہ و کاخ کہن

پس ارق بے خوابی است بان درختی ہست راست — قد خوبان را بان تشبیہ کردن خوش بجا ست

پس علم آن چوب مشہور است کہ اہل غزو جا — پیش پیش خویش می دارند در خیل و سپاہ

قد خوبان را بدان ہم می توان تشبیہ داد — ہم علم مر کوہ را گویند اصحاب سداد۔

کوہ ما ہم می توان انجانودن قصد چون — جاے جانان ست کو اندر عرب آن ذوفنون

گر نبودی مرچون تیغ تجلی تو اشک گو — بر فشانہاے سراے دلبران ما ہرد

ور نبودی عشق چون بے خواب می شد دیدہ است — چون شود بان و علم تذکرہ اے نیکو صفت

یہ ہے حضرت میرزا کے شرح قصیدہ بردہ کا نمونہ، میرزا صاحب کا ایک قصیدہ فارسی زبان میں مجمع الاسرار کے نام سے موسوم ہے، دو سو بہتر ابیات پر مشتمل ہے، غیر مطبوعہ تاریخ حسن میں مرقوم ہے کہ

"الحق قصیدہ ایست در حقائق و معارف بے نظیر واز فصاحت و بلاغت دلپذیر، قطب زمان میر سید محترم لاہوری، قریب بیست ہزار بیت آنرا شرح کردہ است"

اس میں سے نمونہ یہ ہے:-

شکر للہ چہ خوش است دولت مادرزادم — تا درین منزل ویرانہ چنین آبادم

چون بدیدم دو جہان را کہ سوا او جہاں اند — چشم پوشیدم و بر ہر دو نظر نکشادم

خویش و بیگانہ ملائکہ[1] من و نشاد — ہیچ در گوش نمی آید[2] ازان جز یادم

فکر از ذکر تولد[3] شد و بر اصل رسید — رستم از باطل و حق راہ بحق بکشادم

سر پس زانوے خود ماندم و رفتم در فکر[4] — دل معلم شد و تعلیم تصوف دادم

تلخ شیرین شد و غم شادی و سواس برفت — مرکبم رایض و من چابک و رہ آبادم

انس حق و حشتم از غیر بجان و دل داد — کرد از ظلمت و کثرت ز جہان آزادم

فتح کارم شد و امراض بصحت پیوست — ذائقہ نیز بحال آمد و لذت دادم

شد تمیزم کہ چہ تلخ است و چہ شیرین غذا — چیست نافع بدلم و آنچہ مضر افتادم

روح می گفت کہ بال و پرم از گل رستست — می روم من بجائے کہ از آنجا زادم

عقل می گفت کزین بیش مرا طاقت نیست — عشق می گفت منت راہبر و استادم

---

[1] ز ملائکہ، [2] نمی آید ازان فریادم، [3] فکر از دل متولد، [4] از فکرت خود،

از سماوات بیک چشم زدن بگذشتم | برق در سرعت رفتار بگفت استادم
غیر ازین ارض و سما ارض و سماہاے دگر | دیدم آنسو چو ازین حال گذر افتادم
رستن از ہستی خویش است بدل سیر نما | نیستی راہ بمعراج حقیقت دادم
صوفی از خویش چو فانی شو و آن معراج است | نیست شو تا تو ببینی کہ چہ شد رو دادم

ساٹھ ہزار ابیات کی ایک مثنوی بتبعیت حضرت شیخ فرید الدین عطارؒ لکھی ہے، نمونہ یہ ہے:

با ہزاران ہزار دستانم | محفل آراے دوست دارانم
بہر صوفی است این ہمہ سازم | صوفی کو کہ خوب بنوازم
از مریدان شیخ عطارم | استعانت ز مولوی دارم
سلسلہ گم بسل و خدا می جو | تا نماید راہت از ہر سو
سلسلہ تا زورہ نہ بر داری | پاے رفتار از کجا آری
فانی باید از ہمہ آزاد | بے مراد و مراد و ارشاد
فارغ از قید دام چون و چرا | غل و زنجیر از سر او وا
گر نہ نیکو نہ حال داری تو | سر بدعوی چہ می برآری تو
قادری قادری شو دآنگاہ | خود شو و لا و ماند الا اللہ
کبروی بودنت ندارد سود | تا نہ گردد خدا ز تو خوشنود
روز و شب در طریق ایشان کوش | تا کنی جام بحر عرفان نوش
می زنی لاف سہروردی تو | آنچہ کردند چون نکردی تو
نقشبندی ز قید ہستی رست | نقش اللہ بر دل خود بست
نقش حق تا بدل نہ بستی تو | نقشبندی چگونہ ہستی تو

چشتیان چشت ترک خود کردن　　　ذکر اللہ برگ خود کردن

آن عزیزان کہ حق پرستانند　　　ہیچ بہ غیر از ین نہ پسندانند

دمبدم در فنائے خود کوشند　　　جام عرفان حق ہمی نوشند

چہ زنی لاف حرف درویشان　　　ترک دنیا نمی کنی چون شان

از کرامات شان چہ می گوئی　　　در رہ و رسم شان نمی پوئی

شرم از روح پاک ایشان دار　　　ہمچو ایشان بکن درین رہ کار

غزل کا نمونہ بھی لیجئے:

ہستی من ز من بدر کرد کہ کرد؟ یار کرد　　　محو خودم بیک نظر کرد کہ کرد؟ یار کرد

بودہ ام اصل جان جان منبع فیض کن فکان　　　باز مرا در بدر کرد، کہ کرد؟ یار کرد

ہست بصاحب نظر از ہمہ دوست جلوہ گر　　　یک ز دگر خوبتر کرد کہ کرد؟ یار کرد

اکمل از ین غزل کہ گفت کرد عیان ہمہ نہفت　　　پردے از ین جہان خبر کرد کہ کرد؟ یار کرد

چشم دغا باز را سرمہ چرا کردۂ　　　چشم بلا سر بہ بلا، این چہ بلا کردۂ

ابروے تو چون کمان تیر مژہ در نہان　　　بہر شکار عاشقان حرب بپا کردۂ

دست تو سرخ از حنا تہ دلباس خوشنما　　　اے برائے قتل ما حرب بپا کردۂ

خندۂ تو خوشنما غمزۂ تو جانفزا　　　جان و دلم ترا فدا طرفہ ادا کردۂ

ز جام عشق آن دلدار مستم　　　بحمد اللہ عجب ہوشیار مستم

شہید خنجر مژگان یارم　　　میان کشتگان بسیار مستم

ز تار زلف ترسا زادۂ خویش　　　چو صنعا بین کہ در زنار مستم

ز ذوق آن مئے شیرین دوران　　　برنگ کوہکن در کار مستم

بنغمہاے الوان نیست میسلم　　چو اکمل از پئے دیدا رستم
یار ما بہر محفل آرائی　　خود تماشا و خود تماشائی
بلکہ نظارگی تماشا را　　اوست در عالم تماشائی
کرد آئینہ خانہ برپا　　اندرو عکسہا برعنائی
جلوہ ہاے عجیب بنماید　　کس ندارد سر شکیبائی
نفی کن نفی را تو ہر ساعت　　تا ز کثرت بوحدت آسائی
ہر چہ بینی بگو ہمہ ہست او　　تا بگویم ترا کہ بینائی
روے او کرد دعوے اسلام　　موے او کرد کفر آرائی
نور و ظلمت ازان ظہور نمود　　اندرین رہ چو دیدہ یکتائی
نیست ہیچ از احاطہ اش بیرون　　چشم از ماسوی بیالائی
خود بیا زار محفل آراست او　　خود بہر کس رفیق تنہائی
کفر و اسلام بجنگ انداخت　　خود مر آن جنگ را تماشائی
خود شود مدعی کہ دین اینست　　خود دہد کفر را توانائی
خود بآدم ز گندم نا ہی　　خود کند روزیش بدانائی

تا محمد ازان شود پیدا
نور حسنش بعالم آرائی

شعر العجم حصہ دوم

شعرائے متوسطین کا تذکرہ (خواجہ فرید الدین عطار سے حافظ ابن یمین تک) مع تنقید کلام

حجم:-　　صفحے، قیمت:-

"منیجر"

استفسار و جواب

ڈاکٹر اقبال اور روح و جسم کا اتحاد

جناب محمد اسلم صاحب سلیم
مقام کوڑہی سون ضلع سیکسر (پنجاب)

"معارف" ماہ مئی ۴۷ء میں مولانا عبدالسلام صاحب ندوی کا مضمون "اقبال کا فلسفہ خودی" کے عنوان سے پڑھا، مولانا موصوف اثبات خودی کے پانچویں مقدمہ میں بیان فرماتے ہیں، کہ "اقبال مرحوم کا اصل میلان روح و جسم کے اتحاد کی جانب تھا، اگرچہ بعض موقعوں پر اس کے خلاف بھی راے ظاہر کی ہے، مگر جہان تک مجھے پتہ چلتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اقبال مرحوم کا اصلی میلان روح و جسم کے تغایر کی جانب تھا، کیونکہ ایک جگہ فرماتے ہیں، ؎

فرشتہ موت کا چھوتا ہو گو بدن تیرا
ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہو

اسی شعر کے ذریعہ مرحوم نے انسان کے مابعد الموت کا حال بیان فرمایا ہے، اور انسان کو ایک لازوال چیز بتایا ہے، گو صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ اقبال مرحوم کا اصل میلان روح و جسم کے تغایر کی جانب تھا، اور مثنوی گلشن جدید کا وہ شعر جس کو مولانا اپنے دعویٰ کی دلیل بیان کرتے ہیں،

تن و جان را دو تا گفتن حرام است
تن و جان را دو تا گفتن کلام است

اس کو متقدمین کے خیال کا دھراؤ تصور کرنا چاہئے نہ کہ اقبال مرحوم کے اصل خیال کا مرقع ۔

حضرت، محترم جناب قبلہ مرشد تھانوی کا مسلک بھی یہی ہے، کہ روح وجسم میں تغایر ہے اور متکلمین کا مذہب صحیح نہیں ہے۔ اس لئے گذارش ہے کہ اگر تغایر نہیں ہے جیسا کہ مولانا عبد السلام صاحب تحریر فرماتے ہیں، بلکہ اتحاد ہے تو اس کو دلائل سے ثابت فرمایا جائے۔ اور ہماری دلیل کا صحیح محل بیان فرمایا جائے تاکہ تشفی ہو جائے۔

معارف:- جس مضمون کا آپ نے حوالہ دیا ہے اس میں یہ بحث نہیں کی گئی ہے، کہ روح وجسم کے اتحاد و مغایرت کے دونوں نظریوں میں کونسا نظریہ صحیح ہے، یہ ایک مستقل بحث ہے، اور جب تک اس پر ایک مدلل و مطول مضمون نہ لکھا جائے، اس کا کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہو سکتا، جہاں تک ڈاکٹر صاحب کے نظریہ کا تعلق ہے، خواہ وہ صحیح ہو یا نہ ہو ہمارے لئے صرف یہ دکھانا کافی تھا، کہ ڈاکٹر صاحب کا اصلی میلان یہی ہے، کہ وہ روح وجسم کو متحد سمجھتے ہیں، اور ہم نے اس کو مثنوی گلشن جدید کے ایک شعر سے ثابت کیا تھا، اور اس کی زیادہ تفصیل نہیں کی تھی، کیونکہ ہم شاعری کے حدود سے باہر جانا نہیں چاہتے تھے، ورنہ بہت تفصیل کے ساتھ اُن کے اس میلان کو ثابت کیا جا سکتا تھا، مثلاً پروفیسر خواجہ عبد الحمید نے "اقبال کے علمی جواہر ریزے" کے عنوان سے جو مضمون لکھا ہے، اور وہ آثار اقبال میں چھپ گیا ہے، اس میں وہ لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے فلسفیانہ مضامین میں اس نظریہ پر بہت زور دیا ہے کہ روح اور جسم کی تقسیم قرآنی تعلیم کے بالکل خلاف ہے، اور یہ پرانے مذاہب اور فلسفہ کی غلط تعلیم کا نتیجہ ہے قرآن کے مطابق انسان ایک فرد ہے جس میں روحانی اور جسمانی خاصیتیں موجود ہیں لیکن روح اور جسم دو الگ الگ چیزیں موجود نہیں جن سے وہ بنا ہو، روح وجسم کی یہی غلط تقسیم کہ جس کی وجہ سے بیسیوں ناقابل حل مسئلے فلسفہ، مذہب میں پیدا ہو چکے ہیں، اسلام انسان کو ایک زندہ شخصیت تصور کرتا ہے، اور یہ تصور قرآن میں نہ صرف اسی ارضی زندگی کے لئے استعمال ہوتا ہے،

بلکہ حشر اور حیات بعد الموت کے لئے بھی قائم رہتا ہے، چنانچہ حیات بعد الموت میں، انسان کے لئے جو جزا اور سزا مقرر ہے، جس کا ذکر قرآن میں بار بار آتا ہے، وہ روحانی بھی ہے، اور جسمانی بھی، اسلام کے مطابق روح جسم سے علٰحدہ کوئی شے نہیں " (آثار اقبال ص ۲۰۲، ۲۰۳)

اب اس سے زیادہ ثبوت ڈاکٹر صاحب کے میلان کا، اور کیا ہو سکتا ہے، لیکن چونکہ میں شاعری کے حدود سے باہر جانا نہیں چاہتا تھا، اس لئے میں نے اس عبارت کو نقل کیا، آپ فرماتے ہیں، کہ مثنوی گلشن جدید کے شعر کو متقدمین کے خیال کا دہراؤ تصور کرنا چاہئے، لیکن میرے خیال میں انھوں نے اس نظریہ کے خلاف جو رائے ظاہر کی ہے، وہی متقدمین کے خیال کا دہراؤ ہے، یا یہ کہ اس وقت تک انھوں نے اس کے مخالف نظریہ پر کافی غور و فکر نہیں کیا تھا، لیکن بایں ہمہ اس عبارت سے بھی صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا اصلی اور آخری میلان اسی طرف تھا، کہ روح و جسم میں اتحاد ہے، یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کا یہ نظریہ بالکل صحیح ہے، اور اس میں بحث و مباحثہ کی گنجایش نہیں،

"ع"

خزانۃ المفتین

جناب منشی محمد اسمٰعیل صاحب، محلہ فوج پونا

کوڈ پور میں ایک صاحب کے پاس خزینۃ المفتین ایک عربی قلمی کتاب ہے، جس کا حجم تخمیناً ایک ہزار صفحات ہوگا، کتاب [illegible]ھ کی لکھی ہوئی، (بزبان عربی) ہے میں جناب والا سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آیا یہ کتاب طبع شدہ ہو یا نہیں، کتاب کے ہر ایک صفحہ پر سنہری حاشیے بھی ہیں اگر یہ کتاب طبع شدہ نہیں، تو اس کی طباعت کے لئے جناب کیا بندوبست کر سکتے ہیں،،

معارف :۔ اس کتاب کا نام خزانۃ المفتین ہے، مصنف کا نام شیخ حسین ابن محمد سمیقانی ہے، حکیم الدین محمد بن علی فارسی کی فرمایش سے تصنیف پائی، زمانۂ تصنیف ۷۴۰ھ ہے، یہ کتاب طبع نہیں ہوئی ہے، اور نہ بظاہر اس کے طبع ہونے کی سردست کوئی سبیل ہو سکتی ہے، والسلام،

"س"

ادبیات

نیرنگِ بہار

از جناب انور کرمانی

مہک رہی ہیں فضائیں حسین ہیں کوہ و دمن
ضمیرِ خاک کے اسرار ہیں بہارِ چمن

ہے آب آب نمایش سے رنگِ عصمتِ گل
کلی کلی کا یہاں شبنمی ہے پیراہن

بصیرتِ دل و جاں ہو متاعِ سوز و گداز
کہ داغِ لالہ سے ہو چشمِ گلستان روشن

سلگ رہے ہیں نشیمن ہوا کی لرزش سے
بہارِ آتشِ گل سے ہے شعلہ در دامن

چمن ہو دشت ہو فصلِ بہار ہو کہ خزاں
حقیقت ایک ہے ہر اک شے میں ہو ضیا افگن

ضیائے جلوہ سے ہو اس طرح نظر معمور
کہ دستِ گل میں ہو جیسے بہار کا دامن

ٹھہر سکا نہ حجاباتِ رنگ و بو میں جنون
قلندروں کا ازل سے یہی رہا ہے چلن

متاعِ فقر ہے بے خویشی و خود آگاہی
نہ آب و گِل کی پرستش نہ بندگیٔ وطن

ہنوز سینۂ غنچہ میں نکہتِ گل ہے
ہنوز تو لبِ جُو ہے خودی ہو تشنہ دہن

ہنوز ضعفِ یقیں سے ہے آدمِ خاکی
فریب خوردۂ نیرنگِ سومناتِ کہن

جو بے بصر ہے مقاماتِ حال کیا جانے
دلِ فسردہ و مردہ نہیں حریفِ سخن

شعلے

از جناب شفق جوالاپوری

وہ بھی نہ سمجھے، ہم بھی نہ جانے	عشق مین گذرے وہ بھی زمانے
اُس کے کوچے مین جانے کے	ڈھونڈ نکالے دل نے بہانے
جلوے ترے معراجِ نظر ہین	عرش پہ ہین آپ اپنے ٹھکانے
چھلنی چھلنی قلب و جگر ہین	اُف رے! تیری نظرون کے نشانے
پتی پتی، بوٹا بوٹا	سب کی زبان پہ میرے فسانے
بلبل، قمری، کوئل، بھونرا	ہر اک ساز پہ میرے ترانے
قطرہ قطرہ، موجِ بداماں	ذرہ ذرہ آئینہ خانے
آئینہ دار رنگِ تبسم	غنچہ و گل ہین کس کے نہ جانے؟
کوئی پوچھے تو واعظ سے	آپ کسے آئے سمجھانے
تیل نہ بتی ــ چلے ہین لیکن ق	طور پہ حضرت دیا جلانے
عشق کے ہاتھون ہم پہ جو گذری	جس پہ نہ گذری وہ کیا جانے
دیکھئے اک دن روٹھ کے ہم بھی	کون آتا ہے ہمین منانے
اپنی عزت آپ ہے ناصح!	دیوانے ہین پھر دیوانے
لمحۂ فرصت، سمجھو غنیمت	کل کیا ہوگا؟ کون اب یہ جانے

خوابِ گران ہے، مدہوشی ہے
کون! شفق کو آئے جگانے

بادۂ عرفان

حضرت عرفان اسلام پوری

اسے کیا دیکھین، اس مین ہے دھرا کیا　　تماشا ہے جہانِ بے بقا کیا
اسیرِ زلفِ پُر خم ہو گیا یہ　　کہین ہم تم سے دل کا ماجرا کیا
سراسر اپنی یہ ہستی ہے بے بود　　بقا کی کیا خوشی۔ رنج فنا کیا!
سرور افزا ہے کیسی نکہتِ گُل　　ہوائے باغ ہے فرحت فزا کیا
اگر ہوتا یہان وہ رشکِ گل بھی　　بر آتین آرزوئین دل کی کیا کیا
جمالِ یار پر ہونا ہی تھا محو　　دلِ عرفان کی اس مین ہے خطا کیا

شاعر سے خطاب

از جناب طالوت

نوائے دل کو سوز دے دل و جگر فگار کر　　دکھا کے داغ سینہ کے جہان کو لالہ زار کر
فروغِ گل ہے بے ثبات جامِ مل ہے بے فروغ　　انھین کے پیچھے شاعری کو یون نہ بے وقار کر
جہانِ حسن و رنگ و بو فقط فریبِ چشم ہے　　نظر کے اس فریب کو فریب ہی شمار کر
چمن چمن مین یون نہ گھوم عہدِ عشق یاد رکھ　　جبین تیغ تیز چوم عہد استوار کر
نشانِ منزلِ طلب یہان ہے دور کچھ نہ ہو　　فلاحِ قوم کے لئے وہ راہ اختیار کر
خدا نے دی ہے جب زبان تو دل کی بات کر بیان　　فغانِ بے اثر کو یون نہ رو کشِ ہزار کر
کلامِ دلفریب سے عیارِ زندگی بڑھا　　نشانِ زندگی بتا دلون کو بے قرار کر
خزان چمن پہ چھا گئی تو کون آفت آگئی　　خزان کو رنگ انقلاب دے کے نوبہار کر
جمالِ عاشقی مین تو جلالِ زندگی نہ کھو　　کمالِ شاعری کو یون نہ ابتذالِ خوار کر

وفیات

حضرت مولانا شاہ محی الدین پھلواروی امیر شریعت بہار

پھلواری پٹنہ سے چند میل پچھم ایک مردم خیز قصبہ ہے، جو صدیون سے اس صوبہ کا علمی اور مذہبی مرکز ہے یہان خانقاہ مجیبی قائم ہے، جہان ظاہر و باطن اور علم و عمل دونون کے سرچشمے آکر ملتے ہین، اس خانقاہ کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ شروع سے اب تک اس کے سجادہ نشین علم شریعت و طریقت دونون کے جامع رہے ہین یعنی ہر صاحب سجادہ صوفی صافی ہونے کے ساتھ عالم دین بھی ہوتے آئے ہین، دستار فضیلت اور خرقہ مشیخت دونون یہان ایک جسم پر آراستہ رہے ہین، اور اب دو پشتون سے یہان کے صاحب سجادہ صوبہ کے امیر شریعت بھی ہو رہے ہین، شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی کے ملفوظات مین اس خاندان کے معاصر شیخ کا تذکرہ مدح کے ساتھ آیا ہے، مولانا شاہ اسمٰعیل شہید نے اپنے سفر بہار و بنگال مین اس خانقاہ مین بھی قدم رنجہ فرمایا،

سجادہ نشین حال حضرت مولانا شاہ محی الدین رحمہ اللہ خلف حضرت مولانا شاہ بدر الدین صاحب رحمہ اللہ تعالےٰ نے چند سال کے اضمحلال طبع اور تسلسل علالات کے بعد ۲۹ رجادی الاولیٰ ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۲ راپریل ۱۹۴۷ء کی صبح کو ستر سال کی عمر مین اس دار فانی کو الوداع کہا، اور زمانہ قدیم کی ایسی یادگار مٹ گئی، جس کی زیارت سے بزرگون کی بہت سی نشانیان ایک ذات مین نظر آتی تھین،

ہیچمدان کو مرحوم سے گونا گون تعلقات حاصل تھے، میرے والد مرحوم نے اُن کے والد مرحوم

کے ساتھ ان کے نانا حضرت شاہ علی حبیب صاحب قدس سرہٗ سے فیض ارادت اور تکمیل باطن حاصل کی تھی، میرے والد مرحوم کی پیدایش ۱۲۸۵ھ مین ہوئی تھی، اور اخذ و فیض و استفادہ جوانی مین شروع کیا، جس کے معنی یہ ہین، کہ اس واقعہ پر اسی نوّے برس گذر چکے، میرے بڑے بھائی مرحوم کی تعلیم کی تکمیل اور دستاربندی شاہ محی الدین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ماموں مولانا شاہ عین الحق صاحب مرحوم کے ساتھ اسی خانقاہ پھلواری ہی مین ہوئی، میری عمر جب تیرہ چودہ برس کی تھی، غالباً ۱۸۹۹ء مین والد مرحوم کے حسب الحکم بغرض تعلیم اسی خانقاہ مین طالب العلم رہا، اس وقت شاہ محی الدین صاحب کی آخری کتابین مولانا عبدالرحمان صاحب سے ہو رہی تھین، یہ مولانا عبدالرحمان صاحب امہی گنج ضلع آرہ کے باشندہ اور مولانا عبدالعزیز صاحب امروہوی کے شاگرد تھے، جو مولانا فضل حق صاحب خیرآبادی کے مشہور شاگرد اور ممتاز مدرس تھے، اس وقت میری عربی کی ابتدائی کتابین تھین، مجھے خانقاہ مین خاص حضرت شاہ صاحب مرحوم کے قریب قیام کی اور ایک ساتھ طعام کی اور زیر درس کتابون مین شاگردی کی سعادت حاصل ہوئی، مجھے اس نسبت پر فخر اور انھین اس پر مسرت تھی، انھین جب دیکھتا تھا، عہد اوّل یاد آجاتا تھا، اور ان کو بھی خوشی ہوتی تھی، افسوس کہ اس بزرگانہ تبسم کا منظر ہمیشہ کے لئے آنکھون سے پنہان ہوگیا،

مرحوم کی پیدایش کا سال ۱۲۹۶ھ ہے، ابتدائی کتابین اپنے والد بزرگوار امیر شریعت اوّل مولانا شاہ بدر الدین صاحب قدس سرہ سے پڑھین، بقیہ درسیات مولانا عبداللہ صاحب رامپوری سے حاصل کین، اور تحصیل فراغ جیسا کہ ابھی گذرا ۱۳۱۵ھ مین مولانا عبدالرحمان صاحب سے حاصل ہوئی، طب کی تعلیم بھی پھلواری ہی کے ایک قیام پذیر بزرگ مولوی حکیم وارث حسن صاحب سے حاصل کی، مگر عملاً کبھی مطب نہین کیا، سجادہ نشینی سے پہلے تک درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہا، ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۴ء مین اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد وہ سجادہ نشین اور صوبہ بہار کے امیر شریعت ثانی ہوئے اور

اوس وقت سے آخر وقت تک وہ ہدایت خلق اور اپنے منتسبین اور معتقدین کے تزکیہ و تصفیہ و تعلیم طریقت، اور اپنے نقطۂ نظر سے بہار کے مسلمانوں کی قومی خدمت میں مصروف رہے، ۱۳۳۲ھ میں حج وزیارت کے لئے حجاز و عراق و شام کا سفر کیا، اور لوگوں کو اپنے برکات سے مستفید اور ان ملکوں کے بعض بزرگوں سے استفادہ کیا،

وہ حد درجہ شریف، نیک، صلح پسند، متواضع، اور صورت اور سیرت، لباس، ہر چیز میں نمونۂ سلف تھے، مذاقِ حال سے بھی آشنا تھے، تقریر و تحریر پر قدرت رکھتے تھے، متعدد مجالس میں شرکت فرمائی، قومی اجتماعات میں تقریریں کیں، مساجد میں وعظ و پند سنائے، تحریک خلافت کے زمانہ سے سیاسیات میں بھی شرکت کی، خلافت کانفرنس منعقدہ آرہ اور جمعیۃ العلماء بہار کے اجلاس منعقدہ دربھنگہ کی صدارت کی، وقتاً فوقتاً ان کے سیاسی خیالات اور امیر شریعت کی حیثیت سے ان کے فرامین بھی شائع ہوا کرتے تھی،

اب ان کی وفات سے مسلمانان بہار ایک بڑی نعمت سے محروم ہو گئے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جانے والے کو اپنی نوازش بے پایاں سے اور رہ جانے والوں کو اپنی نصرت بے کراں سے سرفراز فرمائے،

"ض"

گلِ رعنا

جدید ایڈیشن

اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو میں شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے، جس میں آبِ حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لے کر حالی، و اکبر تک کے حالات،

قیمت :- عہ ضخامت ۵۲۰ صفحے

"منیجر"

مطبوعاتِ جدیدہ

مسلمان اور غیر مسلم حکومت از جناب پروفیسر محمد سرور صاحب، حجم ۲۳۲ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اچھی، قیمت :- عہ، پتہ :- ادارۂ ادبیاتِ نو، نمبر ۵ ٹمپل روڈ لاہور،

۱۹۲۱ء کی خلافت تحریک مین کراچی کے اس مشہور مقدمہ کو غیر معمولی اہمیت حاصل رہی ہے جو مولانا محمد علی مرحوم اور اُن کے رفقاءے کرام پر فوج کو ورغلانے کے الزام مین چلایا گیا تھا، یہ عجیب دور تھا، مسلمانانِ ہند مخلصانہ دینی کیفیت سے سرشار تھے، وہ ہر مسئلہ کو دینی نقطۂ نظر سے دیکھتے اور اسی ترازو پر تولتے تھے، مقدمہ کراچی کے استغاثہ کے جواب مین مولانا محمد علی اور ان کے رفقاء نے جو پہلو اختیار کیا، وہ بھی اسی کیفیت کا آئینہ دار تھا، کہ فوج کے ہندوستانی مسلمانون کو ترکون پر گولی چلانی پڑیگی، وہ مسلم کے قتلِ عمد کے مجرم ہون گے، جس کی قرآن مجید مین صریح ممانعت آئی ہے، اس لئے ان لوگون تک اس قرآنی حکم کو پہنچانا ہر مسلمان کا فرض ہے، اور انھین ایسا کرنے کا حق ملکہ وکٹوریہ کے اس اعلان کی رو سے حاصل ہے جس مین ہندوستانیون کو ان کی مذہبی آزادی کا یقین دلایا گیا ہے، پھر اس سے یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ اگر دنیاوی قانون کسی حکمِ الٰہی سے ٹکرائے، تو ہندوستان کے مسلمان دنیاوی قانون کو چھوڑ دینے مین حق بجانب ہین، ملکہ وکٹوریہ کے اعلان کے بموجب لائقِ گرفت بھی نہین ہین، کراچی کے مقدمہ کی مسل اسی نقطۂ نظر سے مرتب ہوئی، اور مولانا محمد علی مرحوم نے اپنے جواب مین دینی و ملی نقطۂ نظر سے اسی مسئلہ کو شرح و بسط سے پیش کیا تھا، یہ مسئلہ اپنی روح کے اعتبار سے آج بھی زندہ ہے، اور مصنف نے اس تصنیف مین اسی مسئلہ کو اٹھایا ہے، اور ایک فاضلانہ مقدمہ کے بعد مقدمۂ کراچی کی مفصل روداد مع

محمد علی مرحوم اور ان کے رفقا کے بیانات، جج کی جوابی تقریر اور فیصلہ کو درج کیا ہے، جج اور مولانا محمد علی مرحوم میں جو نوک جھونک رہی، اس حصہ کو بھی مکالمہ کی شکل میں پیش کیا گیا ہے، مولانا مرحوم کے بیان میں جہاں سنجیدہ مسائل پر گفتگو ہے، اس کے پہلو بہ پہلو یہ مکالمے خاصے دلچسپ ہیں سشن جج نے جیوری کو مخاطب کرکے مولانا مرحوم کے بیان کا جو جواب دیا ہے، اس میں ضرورت تھی، کہ حاشیہ دیکر بعض مسائل کی تشریح کی جاتی، اور اسلامی مسائل و عقائد کو رنگ آمیزی سے جس طرح پیش کیا گیا ہے، اس کو نمایاں کیا جاتا، اگرچہ ملزمین کے بیانات خود اپنی جگہ سیر حاصل ہیں، اور ان سے مسئلہ روشنی میں آجاتا ہے،

لائق مصنف نے مقدمہ کی روداد نقل کرکے محاکمہ "قومی تحریکیں رجحانات رد عمل" اور اس کے اسباب "مسلم ترقی پسند سیاست کی ناکامی" "ہندوستانی مسلمان اور غیر مسلم حکومت" وغیرہ عنوانوں سے ۱۸۵۷ء سے دور حاضر تک کے ہندوستان کی اسلامی سیاست اور اُس وقت سے اس وقت تک کی مسلمانوں کی ذہنی تحریکوں اور کشمکشوں کا جائزہ بڑی احتیاط، سنجیدگی، اصابت رائے سے لیا ہے، اور کمال غور و فکر کے ساتھ متین لب و لہجہ میں گفتگو کی ہے، اور مختلف دور کے ممتاز سیاسی رہنماؤں کے خیالات، عوام پر ان کے اثرات اور ان کے ذہنی رجحانات اور ان رجحانات کے اثرات کو دکھایا ہے، کتاب کا یہ حصہ خاص طور پر قابل قدر اور لائق مطالعہ ہے، ہم مصنف کو اس دلچسپ اور مفید تصنیف پر مبارکباد دیتے ہیں، امید ہے کہ اس سے پورا فائدہ اٹھایا جائے گا،

مسلمانوں کا حصہ علم جغرافیہ کی ترقی میں Muslim contributions To Geography

از جناب نفیس احمد صاحب حجم ۱۰۰ صفحے، قیمت ۲ روپیہ، پتہ:- شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار، لاہور،

اس تصنیف میں مسلمانوں کی جغرافیائی ترقیوں کا اختصار کے ساتھ خاکہ کھینچا گیا ہے یوں تو اردو

مین اس موضوع پر جامع مقالات اور مستند تصانیف شائع ہو چکے ہین، لیکن انگریزی مین اس پر کسی اچھی کتاب کی ضرورت تھی' اس تصنیف سے یہ ضرورت پوری ہوئی، مصنف نے اس مین علم جغرافیہ کے متعلق مسلمانون کی ابتدائی دلچسپیون، مسلمان سیاحون اور جغرافیہ نویسون کے خدمات' عہد بعہد کی ترقیون اور ان کے مختلف جغرافیائی نظریون کو سلیقہ کے ساتھ پیش کیا ہے، اگرچہ اختصار مدنظر رکھنے کی وجہ سے مباحث مین کہین کہین تشنگی باقی رہ گئی ہے، بایں ہمہ یہ اپنے موضوع پر ایک مرتب اور اچھی تصنیف ہے،

شخصیت اور کردار، از جناب شیر محمد صاحب اختر، ناشر ادارہ اشاعت اردو عابد روڈ، حیدرآباد، دکن، حجم ۱۰۵ صفحے، لکھائی چھپائی، اچھی، قیمت :- عمر

اس کتاب مین انسانی شخصیت و انفرادیت اور اس کے مختلف اجزار کا جائزہ لے کر اچھی اثر انداز شخصیت کی تعمیر کرنے کے طریقے بتائے گئے ہین، اور انھین مثالون سے واضح کیا گیا ہے، کتاب دو حصون مین تقسیم ہے، پہلے حصہ مین "شخصیت اور اس کے خصوصیات" پر نظر ڈالی گئی ہے اور ایسے لوازم بتائے گئے ہین جن سے کوئی انسانی شخصیت کسی سوسائٹی مین اپنا وقار قائم کرکے محبوب بنائی جاسکتی ہے، "بالغ نظری" "جدت پسندی" "شخصیت کے منفی پہلو" "شخصیت کی خامیان" "موقع شناسی" وغیرہ، اس حصہ کے ایسے عنوانات ہین، جن مین زندگی کے نشیب و فراز کو دکھایا گیا ہے، دوسرا حصہ کردار کے اجزار کی تفصیل پر مشتمل ہے، اس مین انسانی سیرت کی تعمیر کے لئے جن خصائل حمیدہ کی ضرورت ہوتی ہے، اُن کو پیش کیا گیا ہے' اور اخلاق رذیلہ سے اجتناب کرنے کی تلقین کی گئی ہے، کتاب کے طرز بیان اور زبان مین مزید شگفتگی کی ضرورت تھی، اور مسائل کو زیادہ پھیلانے کے بجائے سمیٹ کر لکھا جاتا تو مناسب ہوتا'

زندگی کے جائزے، از جناب ابو سعید صاحب بزمی، ایم اے، ناشر مکتبہ' دانش، مزنگ لاہور، حجم ۲۲۴ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی، اچھی قیمت :- عہ

جناب ابو سعید صاحب بڑی تجربہ کار صحیفہ نگار ہیں "زندگی کے جائزے" کے ذریعہ شاید وہ پہلی مرتبہ افسانہ نگار کے روپ میں سامنے آئے ہیں، یہ ان کے چند افسانوں کا مجموعہ ہے، ابتدا میں دو افسانوں "عید کا تحفہ" اور "عید کی قربانی" میں تحریک اشتراکیت کے دور رس نتائج کا جائزہ کامیابی سے لیا گیا ہے، ایسے افسانے ہمارے تیز رو نوجوانوں کے لئے مفید ہو سکتے ہیں، کہ اشتراکیت کے اثرات صرف معاشی معاملات کے بجائے انسانی نظام زندگی کے ہر شعبہ تک پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے، ان افسانوں کو پڑھ کر ہمارے نوجوان اشتراکی ایک لمحہ کے لئے غور و فکر کر سکتے ہیں، اسی طرح دوسرے افسانوں میں معاشرت و معیشت کے مختلف پہلوؤں پر نظر ڈالی گئی ہے، امید ہے کہ یہ افسانے دلچسپی سے پڑھے جائیں گے،

نئے خاکے، از جناب قدوس صہبائی، حجم ۱۴۴ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت ۱۲/ر، پتہ:- مکتبہ ادب اردو بازار، جامع مسجد دہلی،

مصنف بقول مقدمہ نگار، "ترقی پسند" فن کاروں کی صف میں اپنی انقلابی ذکاوت، ترقی پسندانہ رجحان اور پسندیدہ ادبی و افسانوی حیثیت کے اعتبار سے ممتاز مقام رکھتے ہیں، اس مجموعہ کی تحریروں میں جن میں افسانہ نما چھوٹے چھوٹے جذباتی مضامین ہیں، مصنف کے یہی اوصاف نمایاں ہیں، یہ تحریریں گویا مختصر افسانوں کا خاکہ ہیں، اس لئے "نئے خاکے" اس مجموعہ کا مناسب نام تجویز پایا ہے، ترقی پسند تحریروں کا ذوق رکھنے والے ہی نوجوان اس سے دلچسپی حاصل کر سکتے ہیں،

حضرت ابوبکر صدیقؓ از جناب مشیر الحق صاحب بجری آبادی حجم ۹۵ صفحے، قیمت:- ۱۰/ر

حضرت عمر فاروقؓ از مولوی احتشام علی صاحب ندوی رحیم آبادی حجم ۹۸ صفحے قیمت: ۱۰/ر

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ از مولوی صلاح الدین احمد حجم ۴۶ صفحے، قیمت:- ۰۴/ر

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ از مولوی احتشام علی صاحب ندوی رحیم آبادی حجم ۱۶ صفحے، قیمت ۰۴/ر

امام غزالیؒ از مولوی عبدالحفیظ صاحب قدوائی ندوی، حجم ۱۶ صفحے، قیمت:- ۲ر

ناشر مکتبہ تعلیمات اسلام نمبر ۱۳ امین آباد پارک، لکھنؤ،

لکھنؤ کا ادارۂ تعلیمات اسلام عربی زبان کو نئے طریق سے پڑھانے کی مفید خدمت انجام دے رہا ہے، اب اوس نے اپنے دائرہ کو ذرا وسیع کیا ہے، اور چھوٹے بچون اور کم استعداد عام اردو خوانون کیلئے اوس نے چھوٹی چھوٹی مفید دینی و تاریخی کتابین اور رسالے جیبی تقطیع پر شائع کرنا شروع کیا ہے، مذکورۂ بالا پانچ رسالے اس سلسلہ کی تازہ کڑیان ہین، یہ رسالے عام فہم، سادہ اور آسان زبان مین لکھے ہین، اور بچون کی ضرورت کے مطابق ان بزرگون کے ضروری سوانح حیات ان مین قلمبند ہوگئے ہین، بچون کے لئے ان کا مطالعہ مفید ہوگا،

مولانا مدنی کا قیام سلہٹ، مرتبہ مولوی عبدالحمید صاحب اعظمی حجم ۱۲۰ صفحے، تقطیع چھوٹی،

پتہ:- جناب غلام ربانی صاحب نظام آباد، ضلع اعظم گڈھ،

مولانا حسین احمد صاحب مدنی خیر و برکت کے مہینہ رمضان کو ہر سال سلہٹ مین گذارتے ہین، ان کے عقیدتمند مولوی عبدالحمید صاحب اعظمی نے مولانا موصوف کے قیام سلہٹ کے معمولات مشاغل کو اس رسالہ مین قلمبند کیا ہے، اور مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی اور مولانا محمد میان صاحب نے اس پر تقریظین لکھی ہین، امید ہے کہ مولانا مدنی کے حلقۂ ارادت مین اس کو قبولیت حاصل ہوگی،

گاؤن سدھار، از جناب ماسٹر محمد شفیع الدین صاحب نیر، ناشر آزاد بک ڈپو، کوچہ چیلان دہلی، حجم ۸۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت ۸ر

اس رسالہ مین گاؤن کی اصلاح کے لئے مختلف موضوعون پر نظمین لکھی گئی ہین، زبان سہل و آسان ہے،

"س"

اور تاریخی کتابین

تاریخ اخلاق اسلام، جلد اول۔ اس مین اسلامی
اخلاق کی پوری تاریخ، قرآن پاک اور احادیث کے
اخلاقی تعلیمات اور پھر اسلام کی اخلاقی تعلیمات پر مختلف
حیثیتون سے نقد و تبصرہ ہے،
مصنفہ: مولانا عبد السلام ندوی، ضخامت ۴۷۶ صفحے،
قیمت: ۴ عہ

ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہین، ہندوستان
کی قدیم تاریخی کتابون مین مرتب طور پر ہندوستانی
مسلمانون کے تعلیمی نظام اور ان کے مدرسون اور
تعلیمگاہون کا حال معلوم کرنا چاہین تو نہین مل سکتا،
مولوی ابو الحسنات مرحوم نے نہایت تلاش و تحقیق کے
بعد ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہون پر معارف
مین ایک مقالہ لکھا تھا جس کو اہل نظر نے بے حد پسند کیا،
اب دار المصنفین نے اسی مقالہ کو کتابی صورت مین نہایت
اہتمام سے شائع کیا ہے،
ضخامت ۱۴۴ صفحے، قیمت: ۱۲؍

مختصر تاریخ ہند، مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی نے
یہ تاریخ مدرسون اور طالب علمون کے لئے اس غرض سے
لکھی ہے کہ ہندو اور مسلمان فرمانرواؤن نے ہندوستان
کے بنانے مین جو کام کئے ہین، اور جو عظیم الشان خدمات
انجام دی ہین، وہ طالب علمون کو بلا تفریق مذہب و
ملت معلوم ہو جائین،

اس کتاب کو گورنمنٹ بہار نے اپنے سرکاری
مدرسون مین بھی جاری کر دیا ہے، اور حکومت یوپی
نے اس کے ۵۰۰ نسخے سرکاری لائبریریون کے لئے
خریدے ہین، ضخامت: ۲۰۰ صفحے، قیمت: عہ

ہماری بادشاہی، ہمارے چھوٹون بچون کے نصاب
مین کوئی ایسی کتاب نہ تھی جو ان کو تیرہ سو برس کی قومی
تاریخ سے باخبر کر سکے، یہ کتاب اسی ضرورت کو سامنے رکھکر
لکھی گئی ہے، یہ ان تمام بڑی بڑی سلطنتون کی مختصر اور
آسان تاریخ ہے جو گذشتہ صدیون مین مسلمانون نے
دنیا کے مختلف حصون مین قائم کین،
ضخامت: ۲۰۰ صفحے، قیمت: عہ

ہندوستان کی کہانی، ہندوستان کی تاریخ کا یہ چھوٹا
رسالہ نہایت آسان اور سہل زبان مین لکھا گیا ہے، تاکہ
مکتبون اور ابتدائی مدرسون کے بچے اس کو آسانی سے
پڑھ اور سمجھ سکین، اور ان کو معلوم ہو جائے کہ وہ کون تھے
اور اب کیا ہین، ضخامت ۷۶ صفحے، قیمت: عہ
مرتبہ: مولوی عبد السلام قدوائی، ندوی،

مقدمۂ رقعات عالمگیر، اس مین اسلامی فن انشاء
اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغۂ انشا
کی تفصیل ہے، اور پھر عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ
تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود عالمگیر کے خطوط و
رقعات کی روشنی مین تنقیدی بحث کی گئی ہے،
۳۹۰ صفحے، قیمت: للعہ

رقعات عالمگیر، اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط و
رقعات جو زمانۂ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزا
کے نام لکھے گئے ہین، اس جلد مین جمع کئے گئے ہین، ان سے
ادب، سیاست اور تاریخ کے بیسیون حقائق کا انکشاف
ہوتا ہے، مرتبہ: سید نجیب اشرف ندوی ایم اے،
ضخامت: ۴۸۷ صفحے،
قیمت: سے

سوانح

سیرت عائشہؓ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالات زندگی اور اُن کے مناقب و فضائل، اخلاق اور اُن کے علمی کارنامے اور اُن کے اجتہادات اور صنفِ نسوانی پر اُن کے احسانات، اسلام کے متعلق اُن کی نکتہ سنجیاں، اور معترضین کے جوابات۔ قیمت: ہے، ضخامت ۳۲۹ صفحے، طبع سوم با اضافہ حواشی، (از مولٰنا سید سلیمان ندوی)

سیرِ عمرؓ بن عبد العزیز

حضرت عمرؓ بن عبد العزیز خلیفہ اموی کے سوانح حیات اور اُن کے مجددانہ کارنامے، ضخامت ۲۰۲ صفحے، قیمت: ۶/، از مولٰنا عبد السلام ندوی،

حیات امام مالکؒ

امام مالکؒ کی سوانح عمری، علم حدیث کی مختصر تاریخ، فقہ مدنی کی خصوصیت اور علم حدیث کی کتاب موطاے امام مالکؒ پر تبصرہ، قیمت: عہ/ (۱۰۶ صفحے) از مولانا سید سلیمان ندوی،

الغزالی

امام غزالیؒ کی سوانح عمری اور ان کا فلسفہ اور علم کلام، اخلاق اور تصوف مین اُن کے مجددانہ کارنامے
ضخامت ۲۳۵ صفحے، قیمت: عہ/ از مولٰنا شبلی رحمۃ اللہ علیہ،

تابعین

علم و عمل اور مذہب و اخلاق مین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سچے جانشین اور ان کے تربیت یافتہ تابعینِ کرام رضی اللہ عنہم تھے، اور صحابۂ کرامؓ کے بعد اُن ہی کی زندگی مسلمانون کے لئے نمونۂ عمل ہے، اس مین چیانوے اکابر تابعینؓ کے سوانح اُن کے علمی، مذہبی، اخلاقی، اور عملی مجاہدات اور کارنامون کی تفصیل ہے، مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی،
ضخامت: ۵۶۰ صفحے، قیمت: للعہ/

(پرنٹر و پبلشر صدیق احمد)